فتاویٰ امجدیہ

مصنف:

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی

محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان

کلمۂ آغاز



نہایت افسوس و ندامت کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ جس کتاب کو بہت پہلے منظر عام پر آجانا چاہیے تھا، وہ بہت تاخیر اور شدید انتظار کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حقیقت یہ کہ تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت ایسا دشوار گذار سفر اور خار دار وادی ہے جس کو آسانی سے طے کر لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ صرف طباعت و اشاعت کا مرحلہ ہوتا تو کچھ سوچا بھی جاتا، یہاں کئی مرحلوں سے گذرنا تھا۔ یہ توفیق ہے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہ آج ہم فقہ حنفی کی جامع و مستند کتاب "فتاویٰ امجدیہ" جلد اول کی زیارت سے مستفیض ہو رہے ہیں اور اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھوں کے اندر جلا اور دلوں کے اندر سرور پا رہے ہیں

جس کسی نے بھی فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب "بہار شریعت" کا مطالعہ کیا ہوگا اس کے لیے فتاویٰ امجدیہ کی جامعیت اور اسکی معنوی خوبیوں اور علمی محاسن کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے فتاویٰ امجدیہ دراصل مسائل و احکام کے اعتبار سے ایک دوسری بہار شریعت ہے اور دلائل و علل کی حیثیت سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

دائرۃ المعارف الامجدیہ اگرچہ اپنی عمر کے لحاظ سے نہایت کمسن ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ادارہ نے ابتک جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس کی اجمالی فہرست بھی پیش کی جائے تو اس کے لیے چند صفحات چاہئیں شاید آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۰؍اپریل ۱۹۸۰ء کو فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ پر نہایت کامیاب علمی دینی سیمینار منعقد ہو چکا ہے جس نے سنی صحافت میں نیا رنگ، اور نوجوان ارباب علم و فضل میں کام کرنے کی نئی امنگ پیدا

کی ہے اور جو لوگ مدتوں سے احساس کمتری اور جمود و تعطل کے شکار تھے ان کے اندر بھی کام کرنیکا کچھ شوق پیدا ہوا ساتھ ہی فقیہ اعظم ہند اور مجدد مائۃ حاضرہ پر کام کرنے کے مختلف نئے گوشے بھی سامنے آگئے ۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ کی کامیابی و ترقی کی ضمانت ہند و پاک کے اکابر علماء کے وہ تاثرات ہیں جن میں انھوں نے دائرہ کو عصر حاضر کی اہم ضرورت دنیائے سنیت کی آبرو، تصنیف و تالیف کے میدان میں ہماری کوتاہیوں کا کفارہ ۔ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور نیک خواہشات کا اظہار فرمایا ہے۔

ہماری تسکین کے لئے یہ تاثرات اور مدحیہ کلمات کافی تھے جیسا کہ ابتک ہوتا آیا ہے لیکن ارکان دائرہ نے اپنا یہ نصب العین بنالیا ہے کہ جبتک ہم بہار شریعت فتاویٰ امجدیہ، حاشیہ طحاوی شریف کی تصحیح و تکمیل اور حیات امجد کی تدوین اور ان سب کتابوں کی طباعت و اشاعت کا کام نہیں کر لیتے ہیں تو گویا کہ دائرہ نے کچھ نہیں کیا۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم کو عزم و استقلال کی دولت لازوال سے سرفراز فرمائے ۔ اس سلسلہ میں ہم عوام اور ارباب علم و فضل سے صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ کتاب خریدیئے اور پڑھیئے اور اپنے دوستوں کو بھی اس امر کی ترغیب دیجئے ۔ اور اگر خدا توفیق دے تو اس کے اعزازی ممبر بھی بن جایئے یہ ادارہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا تعاون ہے ۔

اب ہم اخیر میں ان تمام ارباب علم و فضل و اصحاب ثروت کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہر طرح کا علمی و مالی تعاون فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے ۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم جملہ ارکان دائرہ سے دین کی خدمت لے اور غیب سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے جملہ معاونین و محققین اور معاونین کو صحت و سلامتی کے ساتھ شاد و آباد رکھے خصوصاً مخدومنا المکرم نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی و محب محترم فاضل جلیل حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی جنکی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں تعلیق و ترتیب کے مرحلوں سے گزر کر علم و تحقیق کا یہ گلدستہ آپ تک پہنچا ہے ۔

علاء المصطفیٰ قادری جنرل سکریٹری دائرۃ المعارف الامجدیہ
مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۷۹ء

عرضِ مُرتّب

باسمہ تعالیٰ

ارکان دائرۃ المعارف الامجدیہ نے سب سے پہلے حیات امجد کی تدوین اور فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ چنانچہ حیات امجد سے متعلق مقالات کے حصول کی ذمہ داری محب کرم جناب مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب قادری کو سونپی گئی اور فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کا اہم فریضہ میرے ذمہ آیا۔ الحمدللہ کہ ارکان دائرہ کا یہ اقدام مبارک ثابت ہوا اور نہایت مشقت وجانفشانی کے باوجود یہ دونوں کام اپنے آخری مراحل کو پہونچ گئے۔

حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے دار المطالعہ میں ۲۰×۲۶ سائز کے سولہ سو صفحات پر مشتمل فتاویٰ امجدیہ کی دو ضخیم جلدیں اور کچھ اوراق مجھے ملے جس کا پہلا فتویٰ مورخہ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ اور سب سے آخری فتویٰ وفات سے صرف چوبیس روز پیشتر مورخہ ۸ شوال ۱۳۶۷ھ کا تحریر کردہ ہے گویا کہ سترہ سو صفحات پر مشتمل حقائق ومعارف اور فقہ حنفی کا یہ عظیم ترین سرمایہ تینتیس برس کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس کی پہلی جلد از کتاب الطہارۃ تا کتاب الحج آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

راقم السطور اپنی کم علمی و بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے قطعاً اس لائق نہیں تھا کہ فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کو اہم فریضہ کے انجام دینے کی جسارت کرسکتا لیکن ہمارے استفادہ وافادہ کے لئے آغوشِ امجد کی تربیت یافتہ دو ایسی اہم شخصیتیں (یعنی مخدومنا المکرم علامہ مفتی شریف الحق امجدی واستاذنا المعظم علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری) موجود ہیں جو ہماری تمام علمی مشکلات حل کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں۔ چنانچہ ان حضرات پر اعتماد وبھروسہ کرتے ہوئے ہم نے فتاویٰ امجدیہ کی تبییض وتبویب کا کام شروع کر دیا جہاں کوئی مشکل مقام آیا ان حضرات سے استصواب رائے کر لیتے۔ آخر کار چند ماہ کی مختصر مدت میں جلد اول کی ترتیب وتبویب کا کام مکمل ہو چکا اب صرف کتابت وطباعت کا نمبر تھا۔

خیال یہ ہوا کہ استاذ گرامی اگر اس صحیفہ پر نظر ثانی فرما دیں اور مناسب مقامات پر کچھ حواشی وتعلیقات کا اضافہ فرما دیتے تو اچھا ہوتا استاذ گرامی اس کے لئے تیار بھی ہو گئے اور نظر ثانی وحواشی وتعلیقات کا کام ہونے لگا کہ اچانک موصوف کی شدید علالت اور کثرت مصروفیات تکمیل سے مانع ہو گئیں۔ اسی اثنا میں جہاں جہاں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ اصل کتاب میں موجود ہے قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

پھر ہم نے اس اہم کام کی تکمیل کے لئے اس نابغۂ روزگار شخصیت کی خدماتِ جلیلہ حاصل کیں جنکو دنیائے سنیت نائب مفتی اعظم ہند سے جانتی ہے اور فقہ و افتاء میں جن کو حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے ہماری گذارش قبول فرمائی اور نہایت تیزی سے نظر ثانی اور تعلیق کا کام ہونے لگا ادھر کاتب کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ یہاں تک کہ بحسن وخوبی ۳۰؍جولائی ۱۹۷۵ء کو اسکی کتابت پروف ریڈنگ اور دیگر ساری چیزیں مکمل کر لی گئیں۔ اصل کتاب اور اسکی تعلیق کے متعلق کچھ عرض کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ پھر بھی کتاب کی عظمت واہمیت اور اسکی علمی وفقہی حیثیت جاننے کیلئے اکابر علمائے اسلام کے وہ رشحاتِ قلم کافی ہیں جو شریک کتاب ہیں۔

ہم نے اسکی تصحیح واصلاح کا کافی خیال رکھا پھر بھی ہم یقین واعتماد کے ساتھ یہ نہیں عرض کر سکتے کہ یہ نقل وکتابت کی غلطیوں سے خالی ہے۔ دنیا کی کم ہی ایسی کتاب ہوگی جو نقل وکتابت کی غلطیوں سے محفوظ و مامون ہو پھر ہم یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر کسی قسم کی غلطی ہمارے قارئین کو نظر آئے تو فوراً ہمیں مطلع فرمائیں نہایت خندہ پیشانی اور شکریہ کے ساتھ اسکی تلافی کی ہر ممکن سعی کیجائیگی۔ اس سلسلہ میں ہم یہ بھی عرض کر دینا مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس مجموعے اور تعلیق میں کسی بھی قسم کی لفظی ومعنوی فروگذاشت نظر آئے تو یہ ہماری اور ناشر وکاتب کی بے توجہی اور لاپرواہی پر محمول کیا جاسکتا ہے مصنف اور صاحب تعلیق کا دامن اس سے بالکل پاک وصاف ہوگا۔

فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتبویب کے وقت ہمارے سامنے فتاویٰ رضویہ اور بہار شریعت موجود تھیں اور جا بجا اصل مسودہ میں بھی فتاویٰ کی تبویب ہو چکی تھی جس سے ہم کو کافی سہولت ہوئی۔ پھر بھی اگر مسائل متعلقہ ابواب سے خارج ہوں تو ہم اپنے ارباب علم وفضل سے اسکی بھی نشاندہی چاہتے ہیں تاکہ آئندہ کام کرنے میں ہمارے لئے آسانیاں ہوں۔

اسکی فہرست میں بھی ہم نے کافی غور وخوض اور حزم واحتیاط سے کام لیا ہے تاکہ فہرست کتاب کی مکمل آئینہ دار اور افادیت سے بھرپور ہو۔ ارادہ تھا کہ مسائل ضمنیہ کی بھی ایک فہرست دیدی جائے لیکن قلتِ وقت اور کثرتِ کار کی وجہ سے اسکی مکمل فہرست تیار نہ کی جاسکی۔

اب ہم جملہ ارکان دائرہ کی طرف سے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے رشحاتِ قلم سے ہم سب کو نوازا اور فتاویٰ امجدیہ کی افادیت میں گوناگوں اضافہ فرمایا خصوصاً استاذ الاساتذی ممتاز الفقہاء علامہ عبد المصطفےٰ الازہری فقیہ عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری اور بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہم العالی جن کا وجود مسعود ہم سب کے لئے نعمت غیر مترقبہ اور ہمارے عروج وترقی کی بھرپور ضمانت ہے۔

آخر میں ہم عزیزان گرامی مولوی فروغ احمد الاعظمی سلمہٗ، مولوی اسد اللہ حبیبی سلمہٗ، مولوی خواجہ محمد اکرام الدین سلمہٗ متعلمین دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے تسوید و تبییض اور پروف ریڈنگ وغیرہ میں ہمارا بھرپور تعاون کیا اور ہر طرح ہمارا ساتھ دیا۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ان عزیزوں کو صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے اور علم نافع وعمل صالح کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ اور حضرت مولینا سید شاہ شمیم گوہر صاحب الہ آبادی کا بھی شکریہ ادا کرنا ہمارے اوپر ضروری ہے جنہوں نے طباعت واشاعت کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی فرمائی۔ آمین ثم آمین فاٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

عبد المنان کلیمی

دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی۔ مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۷۹ء مطابق ۳۰ رشعبان ۱۳۹۹ھ

نقشِ اول

بقیۃ السلف ممتاز المفسرین حضرت علامہ عبد المصطفےٰ الازہری دامت برکاتہم القدسیہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ سیدنا محمد رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

حضرت صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ سیدی وسندی ووالدی مولانا المفتی الحکیم ابو العلی محمد امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم شریعت کی مہارت اور حدیث پاک کی تعلیم وتثقیف، علوم عقلیہ پر تعلیم وتدریس کا عبور اور تمام علوم دینیہ پر کامل دسترس، یہ ایسی باتیں ہیں جن کو سارے ہی اہل علم اور اہلسنت جانتے ہیں آپ کی مشہور عالم کتاب "بہار شریعت" کے محققانہ مسائل اور ترجیحی جزئیات سے پورا برصغیر ہند وپاکستان آج استفادہ کر رہا ہے۔ مفتیان کرام کے لئے حوالہ تلاش کرنے فتاویٰ دینے اور کتب کے تتبع کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت صدر الشریعۃ سے مختلف زبانوں میں لوگوں نے سوال کئے اور فتوے پوچھے آپ نے سفر میں حضر میں وطن میں اور باہر ہر جگہ تحریراً و تقریراً بیشمار فتاویٰ عطا فرمائے۔ ان میں کے بعض اہم حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہے لیکن آخر میں آپ نے ایک یا دو جلدیں خاص کر اپنے فتاویٰ کے لئے سفید کاغذ کی تیار کرائیں اور انھیں اپنے فتاویٰ اندراج کرائے۔ خاص کر اجمیر شریف آخری برسوں میں۔ اور ان فتاویٰ کی اکثر و بیشتر نقول محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے ہاتھوں کی ہوئی ہے ـــــ آپکے فتاویٰ ادلہ و ترجیحات و عبارات فقہیہ پر مشتمل تھے جناب مولانا عبد المنان کلیمی فاضل اشرفیہ نے ان کو ترتیب فقہی کے ساتھ مرتب کیا اور برادر عزیز حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ان فتاویٰ پر اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا۔

اور برادر زادہ مولوی علاء المصطفیٰ سلمہٗ ان تمام امور کو اپنی کوششوں سے پروان چڑھایا اور بہترین کتابت کرائی اور اب یہ فتاویٰ طباعت کے مرحلہ سے گزرنے والے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب حضرات کو علمی فکری ذہنی دینی، دنیاوی برکتیں عطا فرمائے اور ان کو آئندہ بھی دین و شریعت کی اعلیٰ خدمت کی توفیق بخشے۔

یہ فقیر ۸ سال کے بعد اپنے سابق گھر قادری منزل احباب و اعزہ سے ملنے کے لئے آیا اور طائرانہ نظر سے اس مسودہ کو دیکھا مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت قبلہ والد ماجد کی ایک علمی یادگار کو ان عزیزوں دوستوں نے پردۂ خفا سے منصۂ شہود پر لاکر کھڑا کر دیا اور علماء اور دین دار لوگوں کو اس کتاب سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔

دائرۃ المعارف الامجدیہ اپنی اس گراں بہا پیشکش پر لائق تحسین و تبریک ہے اللّٰھم زد فزد یہ خدمت دین بمصداق حدیث صحیح من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (بخاری شریف جلد اول ص۱۶) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کے مخلصین کے لئے ارادہ خیر فرما چکا ہے۔ اور سعادت ان کو بخش دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو بھی دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اکرم الصلوۃ والتسلیم۔

الفقیر محمد عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی ۵

پاکستان

حال وارد قادری منزل قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ

اتر پردیش انڈیا

تحریراً فی ۲۶ ر شعبان معظم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ ر جولائی ۱۹۷۹ء

تعارف

ممتاز الفقہاء محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ مدظلہ العالی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (اعظم گڈھ) یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدرالشریعہ قدس سرہٗ العزیز ایک فکرساز مدرس، ماہر فقیہ اور عظیم متکلم تھے۔ سارے ہندو پاک کے اہلسنت کی تمام تر درسگاہیں آپ ہی کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے آباد ہیں۔ صاحب فکر فعال و متحرک اساتذہ آپ ہی کی پیداوار ہیں۔ آپ اپنے دور میں تمام علما ساز اداروں کے صدر الصدور کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی نصاب کمیٹی میں آپ کو بھی اسی بنا پر شامل کیا گیا تھا۔ اور آپکے مشورے سے ایک شاندار نصاب مدون ہوا تھا۔

ایک طرف آپنے تدریسی خدمت سے علمائے کبار کی ایک فوج تیار کی تو دوسری طرف بہار شریعت کی تصنیف کے ذریعہ اردو داں علماء و عوام کی دینی مشکلات کو حل فرمادیا اور صاحب فکر مدرسین و طلبہ کیلئے حاشیہ طحاوی کی تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔

آپ تقاضائے وقت پر گہری نظر رکھتے آپ ہی اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے طرز فکر اور طریقہ کار کے منفرد وارث تھے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز نے آپ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے۔ طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" (الملفوظ)

ایک بار اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے بعض علمائے اعلام کی موجودگی میں آپ کو اور حضرت مفتی اعظم قبلہ کو منصب افتا و قضا پر مامور فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونو کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے۔" پھر اپنے سامنے تخت پر بیٹھا کر قلم، دوات وغیرہ سپرد کیا (خود نوشت سوانح)

آپ اعلیٰحضرت کے زمانے میں بھی حسب ضرورت افتا کا کام انجام دیتے رہے۔ اور اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد قضا و افتا میں یکتائے روزگار شمار کئے جاتے۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اسکے بعد بلا تکلف میں اس خدمت افتا وغیرہ کو انجام دیتا رہا اور یہ سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰحضرت نے اپنی حیات میں لوگوں کے سامنے اس کام کو تفویض فرمایا تھا اب بھی اس کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہونگی اسمیں وہ خود مددگار رہینگے۔ چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس سلسلے میں دشواری پیش نہیں آئی، فللہ الحمد۔" (خود نوشت سوانح)

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بلا انکار نکیر حضرت صدر الشریعہ ہی خدمت افتا کے امام مانے جاتے تھے۔ اس دور کے اجلۂ علماء بھی آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے۔

حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ اپنے ایک مکتوب مورخہ، محرم ۱۳۶۰ھ میں مالِ وقف سے متعلق ایک سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"باوجود ورق گردانی کتاب الوقف کے وہ صورت مجھے نہ سوجھی پس آپ کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آئی۔"

اسی طرح سراج الفقہاء مولانا سراج احمد صاحب مکھنوری علیہ الرحمۃ نے بھی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز سے کئی اہم مسائل میں استفسار کیا ہے۔ "فتاویٰ امجدیہ" میں ان کی نقول موجود ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز جب اپنے آخری سفر حج کو روانہ ہوئے تو شاہ گنج اسٹیشن سے بخار ہوگیا اور بریلی شریف پہنچتے پہنچتے بخار نے اتنی شدت پکڑلی کہ اکثر بیہوشی کا سا عالم ہوتا اس وقت بریلی میں مولانا مجیب الاسلام صاحب ادروی خدمت و عیادت میں مصروف تھے ان کا بیان ہے کہ انھیں ایام میں حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کی خدمت

ہیں چند مسائل کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی جواب مستحضر نہیں ہے اور سفرِ حج کی تیاریوں کی وجہ سے کتاب دیکھنے کی فرصت بھی نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے سامنے مسائل پیش کر دو وہ مسائل حضرت صدر الشریعہ کو سنائے گئے آپ نے اسی شدتِ مرض کے عالم میں بسترِ علالت پر لیٹے ہی لیٹے تمام سوالات حل فرما دیئے۔

حضرت صدر الشریعہ کے علمی استحضار، فقہی بصیرت پر بطورِ نمونہ یہ چند شہادتیں ہیں جن سے آپ کی عام مقبولیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے فکری قومی خارجی اثرات سے متاثر نہ ہوتے تھے۔

"فتاویٰ امجدیہ"

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ کی صحیح تعداد کیا ہے کسی کو نہیں معلوم۔ زیادہ تر آپ کی فرصت کے اوقات بھی سوال وجواب اور دینی تربیت ہی میں صرف ہوتے، روزانہ زبانی طور پر سیکڑوں مسائل آپ سے عوام وخواص معلوم کرتے تھے۔ لیکن کسی نے ان کو قلمبند کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ورنہ ہمارے پاس دینی معلومات کا ایک شاندار ذخیرہ ہوتا۔

تحریری فتاویٰ کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس آپ کے فتاویٰ کی جو نقول ہیں وہ ۷، ربیع الاول ۱۳۴۲ھ سے شروع ہوتی ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتاء پر جو کچھ کارنامے انجام دیئے ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب کاغذ ناپید ہو رہا تھا اس دور میں بھی کاغذ نہ ہونے کی بنا پر بیشتر فتاویٰ کی نقول تیار نہ ہو سکیں۔ یعنی ہمارے پاس "فتاویٰ امجدیہ" کی جو نقول ہیں انھیں حضرت صدر الشریعہ کے تمام فتاویٰ کا مجموعہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن جو ہے وہ بھی ایک عظیم فقہی سرمایہ ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ حسب ضرورت مختصر بھی ہیں اور طویل بھی، بعض بعض فتاویٰ کئی کئی صفحات پر مشتمل ہیں جنھیں ایک رسالہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ امجدیہ کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہیں۔ تحقیق کے مواقع پر فتاویٰ میں تو حدیثوں کا سیلِ رواں موجیں مارتا نظر آتا ہے، اسی طرح ان میں قواعد اصولیہ اور فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر وشواہد

کے ذکر میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ ندرتِ استدلال وحسن استنباط دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ فتاویٰ امجدیہ یقیناً فتاویٰ رضویہ کا ایک تتمہ ہے۔

فتاویٰ امجدیہ میں نئے پیدا شدہ مسائل کے مواد بھی موجود ہیں۔ مثلاً لائف انشورنس، لاٹری اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز، سیاست حاضرہ اور الیکشن وغیرہ سے متعلق احکام شرعیہ کا مدلل بیان موجود ہے۔ فتاویٰ امجدیہ کی محفوظ النقول میں فقہ کے ہر باب سے متعلق فتاویٰ موجود ہیں۔ جگہ جگہ رسم المفتی کا بیان بھی فتاوی میں موجود ہے۔ مثلاً ائمہ کی ترجیح کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ حالات کے تغیر سے حکم شرع متغیر ہو سکتا ہے۔ مفتی صرف اپنے مذہب کے مطابق فتویٰ دے، وغیرہ وغیرہ، یوہیں فتاویٰ میں غیر منقح اور پیچیدہ مسائل میں تنقیح و ترجیح کا مواد بھی بھر پور ہے۔

بلاشبہہ فتاویٰ امجدیہ فقہ کی معتبر و مستند کتابوں میں سے ایک ہے، دورِ حاضر کے علما ء و اصحابِ افتاء کے لئے بھی یہ کتاب ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

فتاویٰ کی زبان نہایت سادہ تیے تلے مختصر الفاظ پر مشتمل ہے۔ تفصیلی تعارف ان شاء المولیٰ تعالیٰ آئندہ ضرور پیش کیا جائے گا۔

والسلام

ضیاءُ المصطفٰے قادری

پیغام

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۷۸۶

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز ہندوستان کے ان علمائے اعلام میں سے تھے جن کے علم وفضل، زہد واتقا کی روشنی نے پورے برصغیر میں چودھویں صدی کے نصف آخر کو روشن ومنور کر رکھا ہے جن کے خوان حکمت ودانائی کے ریزہ خوار، اور آفتاب علم ومعرفت کے مقتبس پوری دنیا میں ستاروں کی طرح روشن اور منتشر ہیں۔

کردار سازی میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ کم ہی محروم القسمت ہوں گے، جو آپ کی صحبت سے بے فیض اٹھے ہوں ورنہ جو ذرہ اٹھا آفتاب ہوا۔ جو قطرہ چمکا در شاہوار بنا۔ جو کلی چٹکی گلعذار ومشکبار رہی۔ آج پورے غیر منقسم ہندوستان میں اہلسنت وجماعت کے قائدین کی اکثریت، بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ سے منسلک ہے۔

معقولات میں آپ کو شرف تلمذ استاذ الاساتذہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ہدایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپوری سے حاصل ہے۔ جو بلاواسطہ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تکمیل معقولات کر بعد حضرت استاذ کے ارشاد کے بموجب تکمیل فن حدیث کے لئے اپنے وقت کے یکتائے روزگار، محدث عظیم وجلیل مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی بارگاہ سے اختصاص کی سند کے ساتھ فائز ہوئے۔ پھر قسمت نے وہاں پہونچا دیا جہاں علم ومعارف بصائر وحکم، خود اپنی زبان سے اپنی حقیقت بیان کرتے تھے۔ اور چودہویں صدی میں دین کا علم بلند کرنے کے لئے قدرت کی طرف سے اٹھائے

گئے تھے۔ میری مراد مجدد اعظم حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاںصاحب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ وہاں آپکے باطنی جوہر خوب چمکے، اور خصوصیت کے ساتھ فقہ میں آپ کو اصحاب فتویٰ کا درجہ ملا۔

ذاتی اور ذہنی خوبیوں کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں: کسی کتاب کا یاد کرنے کی نیت سے تین دفعہ دیکھ لینا کافی ہوتا تھا۔ ان وہبی اور کسبی خوبیوں کے اجتماع نے آپ کی ذات کو فقید المثال اور وحید العصر بنا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس برصغیر میں آپ کی جد وجہد کے وہ اثرات مرتب ہوئے جس کی طرف ہم نے ابتدائی سطور میں اشارہ کیا۔

سیکڑوں قابل فخر شاگردوں کے ساتھ آپنے کئی بلند پایہ قلمی یادگاریں بھی چھوڑیں جنھیں بہار شریعت ایک نادر روزگار شاہکار ہے۔ اور اس میں بیک وقت کئی خوبیاں ایسی فراہم ہوگئی ہیں، کہ شاید دنیا کی کسی زبان میں بھی فقہ حنفی کی کوئی ایسی کتاب نہ ہوگی جو ان اوصاف کی بیک وقت جامع ہو۔

(۱) جملہ ابواب فقہ میں مسائل ضروریہ کا استقصار (۲) مفتیٰ بہ اور صحیح ورجح مسائل کا التزام (۳) ترتیب مسائل اور حسن بیان۔ بہار شریعت کی خوبیوں میں سے یہ چند خصوصیات ہیں۔

دوسری کتاب:۔ امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار کی شرح" خود اصل کتاب اس پایہ کی ہے کہ سنن ومسانید کے پورے مجموعہ میں موضوع کی طرفگی کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں۔ حدیث کی مبارک روشنی میں اختلافی مسائل فقہ کے مطالعہ کے لئے پورے ذخیرہ حدیث میں یہ تنہا کتاب ہے۔

سخت حیرت ہے کہ امام طحاوی قدس سرہ العزیز کی جلالت شان اور فن حدیث میں ان کا رتبہ عالی مسلم ہوتے ہوئے بھی جو اعتنار انکی اس بلند پایہ کتاب کے ساتھ ہونی چاہئے۔ طبقہ علمار وشراح میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حدیہ کہ حنفی علمار نے بھی اس کی شروح یا حواشی کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس عظیم ذخیرہ حدیث کی شرح شروع فرمائی جو مشیت ایزدی سے مکمل نہ ہوسکی، پھر بھی جتنی ہوچکی ہے اتنی ہی شائع ہوجائے تو عام واقف کاروں کا خیال یہ ہے کہ بہار شریعت کی طرح اس کا بھی ایک منفرد مقام ہوگا۔

تیسری کتاب:۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔ جو بیشتر ابواب فقہ پر مشتمل ہے، اور احکام اور دلائل شرعیہ کا ایک بیش قیمت گنجینہ ہے۔

فتاوی کو دیگر کتب فقہ پر ایک خاص ترجیح تو یہ حاصل ہوتی ہے، کہ یہ عملی زندگی سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جبکہ فقہ کی دیگر کتابیں پیش آمدہ مسائل کے لئے پیشگی لائحہ عمل ہوتی ہیں۔ پھر ان میں مسائل کی ترتیب اور ان کا بیان منطقی تقسیم اور عقلی ترتیب کی بنیاد پر ہوتا ہے، جبکہ فتاوی میں سائل کی نفسیات اور واقعاتی دروبست کا لحاظ جواب میں ضروری ہوتا ہے جس کی وجہ سے فتاوی کی افادی حیثیت کہیں بلند ہوجاتی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز کا مقام فقہ میں کتنا بلند تھا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے ایک شاگرد رشید سید العلماء مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"آپ کو فقہ کے جمیع ابواب کے تمام جزئیات ان کی تفصیلی دلائل کے ساتھ مستحضر تھے"۔

امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ خاص طور سے ان کے تفقہ کے مداح ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا۔ وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں۔ اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے (الملفوظ اول ص۔۔)

اور یہ تو ابتداء کا حال ہے، اخیر میں تو ایک مجمع عام میں تخت پر بٹھا کر اپنی قائم مقامی کا اس طرح اعلان فرمایا

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا، اس کی بناپر میں ان دونوں (مفتی اعظم، صدر الشریعہ) کو اس کام پر مامور کرتا ہوں۔ نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں، کہ ان کے فیصلہ کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے"۔ اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لئے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا۔ (صدر الشریعہ کی خود نوشت سوانح عمری)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں ہے۔ کہ جو کتاب ایسے عبقری صفت انسان کے قلم سے عالم وجود میں آئی ہو، اس کا فقہی رتبہ کس طرح بلند ہوگا۔ تنقیح مناط، تخریج دلائل، دقت نظر، اور حقیقت رسی تو اس اسکول کا خاصہ ہے۔ جس سے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق سا ہے

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بالکل درست ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے فقہ حنفی کے ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔

یہ سنکر بے حد خوشی ہوئی کہ دائرۃ المعارف الامجدیۃ کے ارباب بست وکشاد نے اپنی جد وجہد کا آغاز صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس مبارک کتاب سے کیا ہے، جو آپ کی پوری زندگی کے فقہی جوابات پر مشتمل ہے ـــــ

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کی سعی کو مشکور فرمائے۔
اور اس مبارک کتاب کو مقبولِ انام بنائے اس کا فائدہ پورے
عالمِ اسلام کے لئے عام وتام فرمائے۔ آمین

عبد المنان اعظمی — دار العلوم اشرفیہ — مبارکپور اعظم گڈھ
۲۱ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ

مختصر حالاتِ مصنّف　ماخوذ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین قدست اسرارہم (۱۲۹۶ھ - ۱۸۷۸ء) میں مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد امجد لعدہ ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۶ھ - ۱۹۰۸ء) سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (م ۱۳۳۴ھ - ۱۹۱۶ء) کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی علمی صلاحیت و حسن لیاقت کا شہرہ ہو چکا تھا اس کے بعد حاذق الملک حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔ ۲۴ھ سے ۲۷ھ تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

اس اثناء میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو دار العلوم منظر اسلام بریلی کے لئے ایک لائق و فائق مدرس کی ضرورت پیش آئی استاذ گرامی حضرت محدث سورتی کے ارشاد پر حضرت صدر الشریعہ مطب چھوڑ کر بریلی تشریف لے گئے۔ ابتداءً درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ بعد ازاں مطبع اہلسنت کا انتظام اور جماعت رضاء مصطفیٰ کے شعبہ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کر دیئے گئے۔ افتاء کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور جلد ہی خلافت سے نوازے گئے۔ تقریباً ۱۸ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ اور کمال عروج کو پہونچے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی و دیگر اکابر علماء فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔

آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کئے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے۔ طویل عرصہ تک دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں فرائض تدریس انجام دیئے۔

مختصر حالاتِ مصنف

ماخوذ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی بن حکیم مولانا جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین قدست اسرارہم (۱۲۹۶ھ - ۹ - ۱۸۷۸ء) میں مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد امجد بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۶ھ - ۱۹۰۸ء) سے اکتسابِ فیض کے لئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (م ۱۳۳۴ھ - ۱۹۱۶ء) کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں حاضر ہو کر درسِ حدیث لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی علمی حیثیت و حسن لیاقت کا شہرہ ہو چکا تھا اس کے بعد حاذق الملک حکیم عبد الولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔ ۲۲ھ سے ۲۷ھ تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

اس اثناء میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو دار العلوم منظر اسلام بریلی کے لئے ایک لائق و فائق مدرس کی ضرورت پیش آئی استاذ گرامی حضرت محدث سورتی کے ارشاد پر حضرت صدر الشریعہ مطب چھوڑ کر بریلی تشریف لے گئے۔ ابتداءً درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ بعد ازاں مطبع اہلسنت کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبہ علیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کر دیئے گئے۔ افتاء کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور جلد ہی خلافت سے نوازے گئے۔ تقریباً ۱۸ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ اور کمال عروج کو پہونچے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی و دیگر اکابر علماء فتاوی کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔

آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر حیات تک جاری رکھا اور ایسے نابغۂ روزگار افراد تیار کئے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے۔ طویل عرصہ تک دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں فرائض تدریس انجام دیئے۔

کتاب الطہارۃ



مسئلہ (۱) مسئولہ عبدالقادر سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف، ۸ ربیع الآخر ۳۳ھ۔

میدان محشر میں تمام لوگ سفید ہوں گے، اس کے کیا معنیٰ ہیں تمام بدن سفید ہوں گے یا صرف اعضائے وضو

الجواب

روز قیامت اس امت کے اعضائے وضو آثار وضو سے سفید و روشن ہوں گے اور یہ اس امت کی خصوصیات سے ہے، حدیث میں فرمایا اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ۔ بیشک میری امت قیامت کے دن اس حال میں بلائی جائے گی کہ آثار وضو سے منھ اور ہاتھ پاؤں روشن ہونگے، تو جس سے ہوسکے کہ اپنی روشنی کو دراز کرے (کہ مواضع فرض سے زیادہ پر پانی بہائے) رواہ الشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور صحیح مسلم شریف کی روایت انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون فرمایا مجھ کو آرزو ہے کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا، صحابہ نے عرض کیا کیا ہم حضور کے بھائی نہیں، فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی

وہ ہیں جو ابتک نہیں آئے، عرض کی جو ابتک آپ کی امت سے آیا نہیں اُسے حضور کیسے پہچانیں گے۔ ارشاد فرمایا بتاؤ تو کسی کے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے گھوڑے ہوں اور سیاہ گھوڑوں میں ملجائیں تو کیا اپنے گھوڑے نہ پہچانیگا عرض کی ہاں، پہچانے گا۔ فرمایا اِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ میری امت کے لوگوں کے وضو کے سبب منھ اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔ اور بھی اس مضمون کی روایتیں کتب حدیث میں مذکور ہیں، مگر تمام بدن کا سفید ہونا نظر فقیر میں کسی روایت سے ثابت نہیں، اور احادیث میں غرۃ اور تحجیل کا بیان اس امر کو چاہتا ہے کہ باقی بدن ایسا نہ ہوگا، کہ جب تمام بدن ایسا ہی ہے تو غرۃ و تحجیل نہیں اور وضو کی اس سے فضیلت بھی ثابت نہ ہوگی، حالانکہ یہ حدیث فضائل وضو میں ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کے یعنی پورب کے مسجد کے لوٹے بہ نسبت پچھم کے لوٹوں کے نصف ہوتے ہیں اور زید محض اس خیال سے کہ پورے طور پر سنت ادا ہو وضو کے لیے دو لوٹے لیتا ہے، عمرو کا اعتراض ہے کہ یہ اسراف ہے، اگر بہت کفایت سے کام لیا جائے کہ موسم گرما میں ایک لوٹے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں زید کا دو لوٹا لینا اسراف ہوا یا نہیں۔

الجواب

حکم یہ ہے کہ اگر بطور سنت وضو کرنا چاہے تو اعضائے غسل[1] میں ہر عضو بلکہ اس کے ہر حصے پر سے تین تین بار پانی بہہ جائے یونہی مضمضہ و استنشاق تین تین بار کرے اور سب سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے اور پان کھاتا ہے اور تین کلیوں میں منھ صاف نہ ہوا تو اتنی کلیاں کرے کہ منھ صاف ہو جائے، اور مسواک بھی تین بار پہلے دھوئے اور تین مرتبہ بعد استعمال، وہ امور جنہیں تثلیث سنت ہے اگر انہیں تین بار سے زیادہ کیا تو اسراف ہے، اور اعضائے وضو میں پانی ڈالنے میں اگر بے احتیاطی کرے کہ بلا وجہ پانی بہاتا ہے اور بیکار گراتا ہے تو اسراف ہے۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مکوک[2] سے وضو فرماتے اس سے مقصود تحدید نہیں کہ اس پر زیادت جائز نہ ہو جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں اس کی تشریح ہے۔ بہرحال وضو میں ادائے سنت کا خیال رکھے اور اسراف سے بچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ علاوہ ازیں اسی ارشاد "من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل" کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ جہاں تک وضو میں اعضاء دھوئے جائیں گے اتنے ہی روشن ہوں گے۔ امجدی۔ [1] غسل غین کے فتحہ کے ساتھ دھونے کے معنی میں، مطلب یہ ہوا کہ وہ اعضا جن کا وضو میں دھونا مامور ہے، نہانے کے معنی میں غسل ہے، غین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ امجدی۔ [2] ڈیڑھ صاع رضویہ جلد اول صفحہ

مسئلہ (۳) ایک شخص وضو کے اندر مسح کرنا بھول گیا اس کو اعضائے وضو کے خشک ہونے کے بعد یاد آیا تو اس نے عمرو سے دریافت کیا کہ مجھے وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے یا محض مسح کرلوں تو عمرو نے جواب دیا کہ وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں محض مسح کافی ہے۔ زید عمرو کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ وضو ہرگز درست نہیں اس لئے کہ وضو کا ایک رکن باقی رہ گیا ہے دوسرے وضو کا پے درپے دھونا شرط ہے یعنی اگر وضو اتنی دیر میں کیا کہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ منہ خشک ہوگیا یا پیر دھونے تک ہاتھ خشک ہوگیا تو وضو نہیں ہوا اذا فات الشرط فات المشروط لہٰذا اس کو وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے بغیر جدید وضو کے نماز نہ ہوگی، لہٰذا اب علمائے ربانی وحامیان دین رحانی کے خدمات مقدسہ میں گذارش ہے کہ اس مذکورہ بالا مسئلہ کی تحقیق معتبر کتب حنفیہ سے فرمائی جائے نیز زید وعمرو ان دونوں میں جو حق پر ہو اس کا اظہار اور ناحق کا بطلان فرمایا جائے، بَیِّنُوا عِنْدَ النَّاسِ تُؤْجَرُوْا عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔

الجواب

بیشک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے بغیر مسح کے وضو نہ ہوا اگر بعد میں جو مسح کیا اس سے فرض وضو ادا ہوگیا جو نماز ایسے وضو سے پڑھی جائے ہوجائے گی کہ وضو میں ترتیب شرط نہیں ترتیب سنت ہے یہ فوت ہوگئی، یونہی پے درپے دھونا بھی سنت ہے۔ دُرِّ مختار بیان سنن وضو میں ہے والترتیب والولاء بکسر الواو غسل المتاخر او مسحہ قبل جفاف الاول بلا عذر حتی لو فنی ماؤہ فمضی لطلبہ لاباس بہ ومثلہ الغسل والتیمم اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ولا کی سنیت اس وقت ہے جب عذر نہ ہو اور اگر کسی عذر سے پے درپے نہ کیا تو خلاف سنت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بھولنا بھی عذر ہے، البتہ ترتیب کی سنیت فوت ہوگئی مگر اس پر استحقاق ملامت نہیں کہ یہ فعل بلا قصد ہوا، پھر بھی اگر خلاف سے بچنے کے لئے سرے سے وضو کرے تو بہتر ہے، مگر نہ کیا اور صرف مسح پر اکتفا کرلیا جب بھی نماز ہوجائے گی کذا فی الدر، اور عبارت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل میں بھی ولا سنت ہے جیسا جواب اول میں ذکر کیا گیا کہ کلی کرنے سے جنابت دور ہوجائے گی سرے سے غسل کی حاجت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴) مسئولہ مولوی زاہد خاں صاحب شروانی سلمہٗ از بھیکم پور ضلع علی گڈھ ۱۲ر جنوری [illegible]

"اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ" حدیث کا مفصل مطلب بیان فرما دیجئے، سخت ضرورت ہے۔

الجواب

حدیث اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ کے متعلق علماء نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ملک حجاز ایک گرم ملک ہے اور وہاں کے لوگوں کی عادت ڈھیلے سے استنجا کرنے کی تھی۔ سونے میں پسینہ آتا اور اندیشہ ہوتا کہ موضع نجاست پر ہاتھ لگ گیا ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولے تاکہ یہ احتمال ہی نہ پیدا ہو کہ شاید موضع نجاست پر ہاتھ پہونچا ہو اور نجس ہو گیا۔ یہ حکم مجمع علیہ ہے کہ قبل ادخال ہاتھوں کو دھونا چاہئے۔ رہا یہ کہ غمس ید کی نہی نہی تنزیہہ ہے یا تحریم، اسمیں اختلاف ہے۔

جمہور اس کے قائل ہیں کہ یہ نہی نہی تنزیہہ ہے۔ اور یہ حکم قیام من النوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی نجاست یدمیں شک ہو، وہاں قبل ادخال ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے، چاہے رات میں سوکر اٹھا ہو یا دن میں سوکر اٹھا ہو یا بغیر سوئے ہی یہ احتمال پیدا ہو گیا ہو، کیونکہ شک کی حالت میں اگر پانی میں ہاتھ ڈال دیا تو پانی کی نجاست کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔ اگرچہ محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا، مگر پھر بھی ایسے احتمال کے پیدا ہونے سے بچنا ہی چاہئے۔

اس حدیث میں نجاست اور مظنۂ نجاست سے بحث ہے۔ رہا پانی کا مستعمل ہونا یہ ایک امر آخر ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ وضو میں نیت شرط نہیں، لہٰذا بغیر نیت وضو بھی اگر ہاتھ پانی میں پڑ جائے تو اس کے لئے غسل ہی کا حکم ہے اور وہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اس کی مکمل تحقیق اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمائی ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيَرْجِعْ اِلَيْهَا۔ ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ اسی لئے یہ واجب نہیں سنت ہے۔ اگر ہاتھ کا نجس ہونا یقینی ہوتا تو اس موقع پر ہاتھ دھونا فرض ہوتا۔ امجدی۔
عہ جلد اول از [illegible] تا [illegible]۔ امجدی۔

مسئلہ (۵) از ریاست جے پور مرسلہ جناب قاضی شمس الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول بیراٹھ۔
کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ بہار شریعت حصہ دوم میں وضو کے مستحبات میں بعد وضو میانی کو تر کرنا درج فرمایا گیا ہے، اس سے کیا فائدہ؟

الجواب

بہار شریعت حصہ دوم مستحبات وضو میں یہ لکھا ہے کہ بعد وضو میانی پر پانی چھڑک لے، اس کا فائدہ دفع وسوسہ ہے کہ مبادا نماز میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ قطرہ آگیا ہے جس کی ٹھنڈک معلوم ہو رہی ہے، اور اگر پانی چھڑک لیا ہے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا تو ساتھ ہی خیال آئے گا کہ قطرہ نہیں ہے بلکہ ہم نے خود پانی چھڑکا ہے۔ یہ ادب حدیث[عہ] میں بھی آیا ہے۔ ردالمحتار مندوبات وضو میں ہے ورش الماء علی الفرج وعلی السروال بعد الوضوء۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۶) مرسلہ جناب محمد محفوظ اللہ صاحب رجسٹرار قانون گو بفشنر قصبہ سورون چودھری محلہ ضلع ایٹہ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۵۵ھ۔ "وضو کرنے کی حالت میں اگر کوئی مسلمان السلام علیکم کہے تو اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں۔ اسی طرح[عہ] اذان ہوتی ہو تو وضو کی حالت میں اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں۔

الجواب

اثنار وضو میں کلام دنیا مکروہ ہے جبکہ بغیر حاجت ہو۔ درمختار میں ہے وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجۃ تفوتہ۔ جواب سلام کے متعلق ممانعت نظر فقیر سے نہیں گذری، ظاہر یہی ہے کہ سلام کا جواب دیا جائے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷) مرسلہ مولوی سید عبد الغنی صاحب رضوی ڈیڈوانہ ریاست جودھپور ماڑوار۔
"السلام علیکم! بعد قدمبوسی عرض ہے کہ اگلے سال جب آپ کا فتویٰ یہاں پر آیا تھا جب یہاں کے مخالفوں کی حجت ختم ہوئی تھی۔ اب اس سال پھر آپ کو تحریر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیش ہوا کہ بڑا استنجا کرنا بھول گیا، اور وضو

عہ کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا بال توضأ ونضح ترجمہ: جناب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے وضو کرتے اور اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے۔ ابوداؤد ونسائی ۱۲ امجدی۔ عہ حالت وضو میں اذان کا جواب دے، ممنوع اثنار اذان میں کلام دنیا ہے۔ اذان کا جواب کلام دنیا سے نہیں۔ کتب فقہ کا مفہوم معتبر ہے۔ امجدی

بنالیا۔ اب یاد آیا کہ استنجا کیا تھا، اب استنجا کیا تو اب وضو دوبارہ دوہرایا جائے یا نہیں۔ اس کے جواب میں میں نے کتاب بہار شریعت جو آپ کی تصنیف کردہ ہے، حصہ دوم میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ بڑا استنجا بھول گیا، وضو بنالیا اب اسکو یاد آیا تو وضو تو نہیں ٹوٹا مگر وضو بنانا مناسب ہے۔ اس پر یہاں یہ سوال پیش کیا کہ وضو نہیں ٹوٹا تو پھر وضو بنانا مناسب کیوں لکھا، یہ غلط ہے۔ وضو نہیں بنانا چاہیئے۔ لہٰذا یہ عرض ہے کہ وضو بنانا جو آپنے مناسب فرمایا، اسکی دلیل تحریر کر دیجئے مع ثبوت کے تاکہ بہار شریعت کے مسائل پر حرف نہ آئے۔ اور یہاں یہ جاہل آدمی کہتے ہیں کہ یہ تو مولوی صاحب نے اپنی رائے لگا دی ہے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

الجوابُ

وضو کے بعد بڑا استنجا پانی سے کیا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں وضو ٹوٹے گا اور ایک صورت میں نہیں۔ اور بہار شریعت میں دونوں صورتیں لکھی ہیں۔ اگر پانی سے مسنون طریقہ پر استنجا کرے گا، یعنی پاؤں پھیلا کر سانس کا زور نیچے کو دیکر، وضو جاتا رہے گا۔ اور اگر ایسے نہیں کرے گا تو نہ جائے گا۔ درمختار میں ہے استنجی المتوضی ان علی وجہ السنۃ بان ارخی انتقض والالا۔ پہلی صورت میں وضو ٹوٹ جانے کی وجہ علامہ شامی نے یہ تحریر فرمائی لعل وجھہ انہ یخرج بارخائہ نفسہ الشیئ الداخل وھو لا یخلو عن رطوبۃ النجاسۃ ثم رأیتہ منقولۃ عن خط البزازی فی ھامش نسختی البزازیۃ مع التصریح بان المراد بوجہ السنۃ ماذکرہ الشارح من الارخاء۔ اب رہی یہ بات کہ دوسری صورت میں بہار شریعت میں وضو کر لینا مناسب لکھا ہے۔ اگر وضو ٹوٹ جاتا تو وضو کرنا مناسب نہیں لکھا جاتا، بلکہ ضروری بتایا جاتا۔ اگر اعتراض کرنے کی جگہ مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ زیادہ مفید ہوتی ہے۔ استنجا کرنے میں شرمگاہ کو چھونا ہوتا ہے اور مس فرج میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ اور حدیثیں بھی اسمیں مختلف آئی ہیں، اگرچہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مسلک ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا، مگر چونکہ بہت سے علماء و ائمہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا وضو کر لینے کو مناسب بتایا تاکہ اس کی طہارت اور صحت نماز میں کسی کو شک و اختلاف باقی نہ رہے اور جہاں اختلاف سے بچنے کی صورت نکل سکتی ہے وہاں اختلاف سے بچنا مستحب ہے[عہ]۔ ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ کما فی مسئلۃ الوضوء بعد اکل لحم الجزور۔ (امجدی)

مسئلہ (۸) از ریاست جے پور مرسلہ جناب قاضی شمس الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول ہیراٹھہ۔
کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کے گوشت کھانے پر وضو کرنا صحیح فرمایا گیا (بہار شریعت) میں ایسا کیوں؟ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گھوڑے کے گوشت کھانے سے بالکل وضو لوٹ جاتا ہے۔ کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ جس طرح گھوڑے کے دودھ میں نشہ ہے، اسکے گوشت میں بھی نشہ ہے، یا اور کوئی وجہ ہے۔

الجواب

بہار شریعت حصہ دوم میں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو مستحب بتایا گیا ہے، گھوڑے[عہ] کا گوشت کھانے پر وضو کا استحباب مذکور ہونا میرے خیال میں نہیں، اونٹ کا گوشت کھانا بعض ائمہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ اور ہمارے نزدیک نہیں، مگر خلاف سے بچنا اولیٰ ہے جبکہ اسمیں اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ درمختار میں ہے واکل جزور وبعد کل خطیئۃ وللخروج من خلاف العلماء۔ ردالمحتار میں ہے لقول بعضھم بوجوب الوضوء منہ وھذا یدخل فی عموم قولہ بعد وللخروج من خلاف العلماء افادہ ط دوسری جگہ درمختار میں فرمایا بندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ۔ ردالمحتار میں ہے مراعاۃ الخلاف عندنا مندوبۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹) مرسلہ مولوی قاضی محمد قاسم صاحب مدرس مدرسہ، از سیالکوٹ پنجاب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ۔
"بے وضو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، مفصل تحریر فرمائیں۔"

الجواب

درود شریف وضو بے وضو ہر حال میں پڑھ سکتے ہیں، بے وضو تو بے وضو، جنب و حائض کو بھی درود شریف پڑھنا جائز ہے، اگرچہ[عہ] ان کے لئے کلی کر کے پڑھنا بہتر ہے۔ درمختار میں ہے ولا باس لحائض وجنب بقراءۃ ادعیۃ ومسہا

عہ میں نے بہار شریعت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اسمیں کہیں یہ نہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ امجدی
عہ حدیث شریف میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رخص الجنب اذا اراد ان یاکل او یشرب او ینام ان یتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ رواہ الترمذی عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما وصححہ۔ مولٰنا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی۔

وحلها و ذکر الله تعالیٰ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰) مسئولہ حافظ حیات احمد صاحب متصل سرائے خام بریلی، ۲ صفر ۱۳۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وضو کے لئے نابالغ بچوں سے پانی بھروا کر منگوانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

والدین کے سوا دوسرے کسی کو بچوں سے مُفت پانی بھروانا جائز نہیں، نہ وضو کے لئے نہ اور کسی کام کیلئے، کہ کوئیں کا پانی جس نے بھرا اس کی مِلک ہوجاتا ہے، لہٰذا بچہ مالک ہوگیا، اور بچہ اپنی مِلک کو ہبہ کر نہیں سکتا۔ لہٰذا اگر دوسرے کو اپنی خوشی سے دے جب بھی وہ نہیں لے سکتا۔ ہاں اگر وہ بچہ اُس کا نوکر ہے اور نوکری کے وقت میں پانی بھرا، یا بہشتی کے لڑکے کہ پانی بھرنے کے لئے ماہوار پر رکھے جاتے ہیں، ان کا بھرا ہوا پانی اُس شخص کی مِلک ہوگا جس کا نوکر ہے۔ والتفصیل فی الفتاوی الرضویہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (غسل) (۱۱) مسئولہ عبدالغنی خاں و نصیرالدین خاں صاحبان ڈگی بازار محلہ دلوالیان اجمیر شریف، ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ بکر نے غسل کیا اور اسمیں کلی کرنا بھول گیا اور اسی وضو سے اس نے پانچوں نمازوں کو ادا کیا۔ بعد نماز عشاء کے اُسے یاد آیا۔ اُس نے اس مسئلہ کو عمرو سے دریافت کیا کہ میری نماز ہوئی یا نہیں عمرو نے کہا، نماز فجر کے سوا سب نمازیں درست ہوگئیں۔ زید اس کے خلاف اسطرح کہتا ہے کہ نماز درست نہیں ہوئی اسلئے کہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے، چونکہ اس کا غسل درست نہیں ہوا اسلئے کہ اس نے فرضِ غسل کو ادا نہ کیا تو اُس کا غسل ہی نہ ہوا اور جب غسل ہی نہ ہوا تو نماز جنابت کی حالت میں حرام ہے، لہٰذا نماز نہ ہوئی۔

الجواب

اگر بکر جنب تھا یعنی اُس پر غسل فرض تھا اور کلی کرنا بھول گیا تو ظاہر ہے کہ غسل کا ایک فرض اسکے ذمہ باقی رہ گیا۔

ع ۵ جلد اول ص ۱۴۱ تا ص ۱۴۹ امجدی

پھر اگر غسل کے بعد وضوئے جدید کیا جیسا کہ اکثر لوگ کر لیتے ہیں اور اس وضو میں کلی کر لی تو پاک ہو گیا، تمام نمازیں ہوگئیں۔ اور اگر کلی نہ کی تو اب بھی ناپاک ہی ہے جب تک کلی نہ کریگا پاک نہ ہوگا اور جب کلی کریگا جنابت دور ہوجائیگی۔ پھر اگر زید نے پانچوں نمازیں بغیر وضو کئے ہوئے اور بغیر کلی کے ادا کی ہیں جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو کوئی نماز ادا نہ ہوئی۔ اگر اور نمازیں ظہر سے عشا تک کلی کے بعد پڑھی ہیں اور یہی عادۃً ظاہر ہے کیونکہ ظہر وغیرہ کے وقت تو نیا وضو کیا ہی ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ صبح کا وضو عشا تک باقی رہے، مگر عادۃً دشوار ضرور ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وضو میں کلی کی ہوگی اگرچہ وضو میں کلی فرض نہیں، مگر سنت تو ہے۔

بہرحال اگر کلی ہو گئی غسل ہو گیا، نمازیں اسکی بعد کی ادا ہوگئیں پھر سے جدید غسل کی حاجت نہیں، نہ کلی میں قصداً ازالۂ جنابت کی ضرورت کہ غسل و وضو میں نیت شرط نہیں بلکہ اگر بڑے بڑے گھونٹ سے پانی پی لیا کہ منہ کے تمام حصّوں پر پانی گذر گیا جب بھی جنابت دور ہوگئی۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے الجنب اذا شرب الماء ولم يمجه لم يجزه ويجزيه عن المضمضة اذا اصاب جميع فمه كذا في الظهيرية۔ درمختار میں ہے ويكفي الشرب عبّاً لانّ المجّ ليس بشرط في الاصح۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲) مرسلہ کفایت حسین صاحب رضوی صالح نگر ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ۔

"عورت کو بچہ پیدا ہوا تو وہ عورت حدِ نفاس کے فارغ ہونے تک نماز، روزہ سے تو بری ہے لیکن وہ عورت اگر عقیقہ والے دن جنکو بعض چھٹی بھی کہتے ہیں، نہائے تو کیا اسکو کچھ نفع صفائی کے طریقہ میں نہیں ہوگا کیونکہ زچہ خانہ کے اندر جو نجاست جسم و کپڑوں وغیرہ پر ہوتی ہے وہ دھل جاتی ہے اور کپڑے صاف بدل دیئے جاتے ہیں اور پھر گھر کے ہر قسم کے کام کرنے لگتی ہے۔ عمرو کا قول ہے کہ چلّہ کے اندر نہائے گی تو پہلے سے بھی اور زیادہ ناپاک ہوجائے گی۔

الجواب

نجاست دو قسم کی ہے، ایک حقیقیہ جیسے پاخانہ پیشاب خون وغیرہ۔ دوسری حکمیہ جیسے احتلام و جماع وغیرہ سے جو نجاست کا حکم ہوتا ہے۔ چھٹی کے دن جو غسل ہوتا ہے اس سے وہ گندگی جو بدن پر لگی ہو، زائل ہوجائیگی، مگر وہ نجاست حکمیہ جو نفاس والی کے لئے ہے وہ جب تک خون بند نہ ہو یا چالیس دن پورے نہ ہوں اسوقت نہانے سے زائل نہ ہوگی بلکہ اسپر غسل اسوقت فرض ہوتا ہے جب نفاس ختم ہو۔ نظافت اور صفائی کے لئے اسوقت سے قبل بھی نہا سکتی ہے، عمرو کا قول غلط ہے

کہ نجاست بڑھ جائے گی، نجاست حکمیہ نہ بڑھے گی نہ گھٹے گی اور نجاست حقیقیہ اسکے بدن پر ہو تو زائل ہوگی اور صفائی بھی حاصل ہوگی۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳) از قصبہ فتح گھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں صاحب ۱۲ ر رجب ۱۳۴۶ھ۔

"حالت جنابت میں سلام کرنا اور اس کا جواب دینا اور کھانا پینا کیسا ہے، ناجائز ہونے کی صورت میں یہ سوال کہ سحری کا وقت کم ہے اور غسل کرنے تک وقت جانے کا گمان غالب ہو تو کیا کرے۔

الجواب

بہتر یہ ہے کہ وضو کرلے اور نہ کیا جب بھی ناجائز وگناہ نہیں اور کلی بھی نہ کی ہو تو جو پانی منھ سے لگا مستعمل ہوجائیگا اور مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنبا فاراد ان یاکل او ینام توضأ وضوءہ للصلوٰۃ۔ رد المحتار میں ہے وللجنب عند اکل وشرب ونوم وطئی سحری کا وقت تنگ ہو تو وضو کرکے کھائے اور اتنا بھی وقت نہ ہو تو کلی کرلے[عہ]۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴) از قصبہ فتح گھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں صاحب ۱۲ ر رجب ۱۳۴۶ھ۔

"بغیر غسل کے عورت سے دوسری بار ہمبستری کرنا درست ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے اور کئی بار ہمبستری کی ہو تو غسل کرتے وقت چند غسل کرے یا ایک ہی غسل کافی ہے ایک ہی نیت سے۔

الجواب

بہتر یہ ہے کہ وضو کے بعد دوسری مرتبہ ہمبستری کرے، حدیث میں ہے:۔ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَھْلَہٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَھُمَا وُضُوْءً (رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) اور چند بار ہمبستری کی ہو جب بھی ایک ہی غسل واجب ہے ایک ہی غسل کریں۔ صحیح مسلم شریف میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَطُوْفُ عَلٰی نسائہ بغسل واحد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج سے ہمبستری کے بعد ایک ہی غسل فرماتے

[عہ] سلام وجواب بھی حالت جنابت میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ طہارت کے ساتھ ہو جب کو غسل کا موقع ملا اور غسل کیا تو حالت جنابت میں کھانا مجتابی لاتا ہے۔ امجدی

تھے۔ اور نیت بھی متعدد کرنے کی حاجت نہیں کہ سبب واحد ہے، پھر تعدد نیت بے معنی ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی کے سامنے بالکل برہنہ نہاتا ہے، جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

بیوی کے سامنے برہنہ ہونے میں حرج نہیں، البتہ کمال حیا یہ ہے کہ بے ضرورت بیوی کے سامنے بھی برہنہ نہ ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۶) ہندو پر غسل فرض ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جب اسلام[1] لانے کا ارادہ ہو تو نہائے ــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷) آمدہ از شیر پور ضلع بریلی، مرسلہ مولوی عبد المجید صاحب امام شہری مسجد۔

" جس پر غسل فرض ہے کیا اس کی زبان نجس سمجھی جائے گی، مسئلہ مذکورہ میں " اللہ " کہہ سکتا ہے یا نہیں نیز سلام اور اس کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

جس پر غسل فرض ہے نہ وہ شخص نجس ہے نہ اسکی زبان، حدیث میں ارشاد ہے المومن لا ینجس جنابت ایک نجاست حکمیہ ہے نہ کہ نجاست حقیقیہ، حالت جنابت میں قرآن مجید پڑھنے اور مسجد میں داخل ہونے اور قرآن چھونے کی ممانعت ہے، قرآن مجید پڑھنے کے سوا دیگر اذکار کی اجازت ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ کلی کرلے۔ جنب سلام کرسکتا ہے، سلام کا جواب دیسکتا ہے جنب کے لئے اللہ کہنا جائز ہے ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (میاہ) (۸) مسئولہ مولوی احسان علی سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت ۴ ربیع الآخر ۳۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:۔

[1] اسلام لانے کے بعد پورا غسل کرنا مستحب ہے۔ بہار شریعت حصہ دوم ص۔ درمختار اور رد المحتار میں ہے ولا بأن اسلم طاهرا فندب ای بان کان اغتسل ثم اسلم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

اگر محدث وجنب یا حائض کا کوئی عضو انگلی یا ناخن وغیرہ ایک گھڑے یا ایک لوٹے پانی میں لگ جائے تو اُس پانی سے وضو وغسل ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو بھشتی جو عام طریقے سے مشک میں ڈول سے پانی ڈالتے وقت مشک کے منھ کو پکڑ کر ڈالتے اور پانی اُن کے ہاتھ سے لگتا ہوا جاتا ہے، اُس پانی سے بھی وضو نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ بھشتی اکثر بلکہ کُل بے وضو ہوتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس بوقت وضو جو قطرے لوٹے میں گرتے ہیں۔ اور اُس پانی کو پینا کیسا ہے۔

الجواب

بے وضو کے اعضائے وضو میں سے کوئی عضو اگرچہ انگلی یا پورا یا ناخن اور جنب اور حائض یا نفسا جو حیض یا نفاس سے پاک ہوچکی ہے، مگر ابھی غسل نہیں کیا ہے، ان کا کوئی عضو بے دُھلا ہوا اگر ماء قلیل یعنی دہ در دہ سے کم غیر جاری میں پڑجائے، تو وہ سارا پانی مستعمل ہوگیا، جبکہ بغیر ضرورت شرعیہ پڑا ہو، اور وہ پانی وضو یا غسل کے قابل نہ رہا، اور اگر ضرورت شرعیہ سے ہو مثلاً بڑے برتن میں پانی ہے، اور کٹورا وغیرہ اسمیں گرگیا اُس کے نکلنے کے لئے بقدر ضرورت اس میں ہاتھ ڈالا، تو مستعمل نہ ہوگا، کہ یہ معاف ہے، یعنی جبکہ وہاں کوئی ایسا نہ ہو، جو ہاتھ ڈالکر نکالتا، نہ کوئی دوسرا برتن ہے جس سے یہ خود نکالتا، نہ وہ برتن جس میں پانی ہے جھکانے کے قابل کہ جھکا کر اُس سے پانی لے لیتا۔

پانی کے مستعمل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وضو یا غسل میں نیت شرط نہیں، لہٰذا جس حصۂ بدن کے ساتھ حدث کا تعلق ہے، وہ جب پانی سے ملاقی ہوگا، تو اُس سے حدث مرتفع ہوجائے گا، اور جب اس پانی نے رفع حدث کیا تو مستعمل ہوگیا کہ مستعمل ہونے کے لئے نیت رفع حدث شرط نہیں۔ فتح القدیر میں ہے لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طہرت الید فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملاً للحاجۃ بخلاف ما لو ادخل المحدث رجلہ او راسہ حیث یفسد الماء لعدم الضرورۃ وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ ان غمس جنب او غیر متوضیٔ یدیہ الی المرفقین او احدہما رجلیہ فی اجانۃ لم یجز الوضوء منہ لانہ سقط فرضہ عنہ وذالک لان الضرورۃ لم یتحقق فی الادخال الی المرفقین۔ فتاویٰ امام قاضیخاں میں ہے اتفق اصحابنا رحمہم اللّٰہ تعالیٰ فی الروایات الظاہرۃ علی ان الماء المستعمل فی البدن لایبقی طہوراً واختلفوا ھل یصیر مستعملاً لسقوط الفرض اذا قصد التبرد او اخراج الدلو من البئر قال ابو حنیفۃ وابو یوسف رحمہما اللّٰہ تعالیٰ یصیر مستعملاً وقال محمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ فی المشہور عنہ لا۔ نیز اسی میں ہے اذا غسل اطراف اصابعہ ولم یغسل عضوا تاماً ما اثار الخ

فی المختصر الی انه یصیر مستعملا۔ اور اگر دھلا ہوا حصۂ بدن پانی میں پڑا، یعنی دھونے کے بعد سے ابتک اس عضو پر حدث طاری نہ ہوا، کہ حدث طاری ہونے کے بعد وہ دھلا ہوا بے دھلا ہوگیا، تو اب جبکہ دھلا ہوا ہے، پانی میں پڑنے سے رفع حدث نہ ہوگا، اور اس صورت میں مستعمل ہونے کے لئے یہ ضرور ہے، کہ بہ نیت تقرب اُس عضو کا پانی میں ڈالنا ہو، مثلاً باوضو شخص نے کھانا کھانے کے لئے بہ نیت ادائے سنت ہاتھ دھوئے یا باوضو نے بہ نیت ثواب وضو کیا۔ درمختار میں ہے لایجوز بماء مستعمل لاجل قربة ای ثواب اولاجل رفع حدث۔ اور حائض یا نفاس والی کا جبتک حیض یا نفاس منقطع نہ ہو، ان کا ہاتھ اگر پانی میں پڑا تو نہ رفع حدث ہوا نہ ادائے قربت، لہٰذا مستعمل نہ ہوا۔ فتاویٰ ہندیہ میں لو وقعت الحائض فی البئر ان کان بعد انقطاع الدم ولیس علیٰ اعضائها نجاسة فهی کالجنب وان کان قبل انقطاع الدم فهی کالرجل الطاهر لانها لا تخرج من الحیض بهذا۔ کذا فی الخلاصة وهکذا فی فتاوی قاضیخان۔

ہاں اگر حائض اوقات نماز فرض یا تہجد و چاشت میں وضو کرکے ذکر و درود شریف میں مشغول ہو کہ عادت نہ چھوٹے تو یہ اس کے لئے مستحب ہے، اور اب پانی مستعمل ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے او حائض لعادة عبادة۔ ردالمحتار میں فرمایا قال فی النهر: قالوا لوضوء الحائض یصیر مستعملا لانه یستحب لها الوضوء لکل فریضة وان تجلس فی مصلاها قدرها کی لا تنسی عادتها ومقتضی کلامهم اختصاص ذالک بالفریضة وینبغی انها لو توضأت لتهجد عادی او صلاة ضحی وجلست فی مصلاها ان یصیر مستعملا ولم ارہ لهم اھ واقرہ الرملی وغیرہ ووجهه ظاهر فلذا اجزم به الشارح فاطلق العبادة تبعا لجامع الفتاوی فانه قال یستحب لها ان تتوضأ فی وقت الصلاة وتجلس فی مسجدها تسبح وتهلل مقدار ادائها لئلا تزول عادة العبادة۔ اور ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے، یعنی اگر خود کسی چیز میں لگ جائے یا اچھے پانی میں پڑجائے تو جیسے وہ شے پہلے پاک تھی اب بھی پاک ہے، مگر اس سے نجاست حکمیہ کا ازالہ نہیں ہوسکتا، یعنی وضو اور غسل کے کام کا نہ رہا جیسا کہ عبارت منقولہ درمختار سے ظاہر ہے۔ عالمگیری میں ہے اتفق اصحابنا ان الماء المستعمل لیس بطهور حتی لا یجوز التوضی به واختلفوا فی طهارته، قال محمد هو طاهر وهو روایة عن ابی حنیفة وعلیه الفتوی کذا فی المحیط۔ اور نجاست حقیقیہ اس سے دور کرسکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے یجوز تطهیر النجاسة بالماء وبکل مائع طاهر یمکن ازالتها به ومن المائعات الماء المستعمل وهذا قول محمد وروایة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعلیه الفتوی، هکذا فی الزاهدی۔

اب رہا یہ امر کہ بہشتی کا بھرا ہوا پانی مستعمل ہوگیا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مستعمل نہیں کہ اولاً نامعلوم پر حکم نہیں لگایا

جاسکتا، یہ کہاں سے معلوم کہ اس وقت بہشتی کے ہاتھ دھلے ہوئے نہ تھے، نرا وہم مسائل طہارت ونجاست میں معتبر نہیں، بلکہ اس معاملہ میں ظن مجرد کا بھی لحاظ نہیں، کتب فقہ میں بکثرت ایسے جزئیات مذکور ہیں، پانا استعمالی جوتا کنوئیں میں گرجائے جبتک اُس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو، نجاست آب کا حکم نہ دیں گے، تو جب نجاست میں ایسے خیالات پر بنائے کار نہیں، تو استعمالی آب میں کہ یہ اخف ہے، کیونکر ایسے اوہام معتبر ہوں گے، لہٰذا پانی اپنی اصلی حالت طہارت وطہوریت پر باقی رہے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا، اور فرماتا ہے وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ۔ ثانیاً اگر معلوم بھی ہو کہ یہ بے وضو ہے اور اُس کا ہاتھ دھلا ہوا نہیں، جب بھی مستعمل نہیں کہ مشک میں ڈالتے وقت پانی حالت جریان میں ہوتا ہے اور آب جاری تو نجس کی ملاقات سے بھی نجس نہیں ہوگا بلکہ نجس چیز پر گذرے تو اُسے پاک کردے گا، تو اگر اُس کا ہاتھ نہ دھلا تھا تو اب دُھل گیا، اور پانی چونکہ جاری ہے، لہٰذا مستعمل نہ ہوا۔ ثالثاً اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ پانی مستعمل ہوگیا، تو صرف پہلی دفعہ جو پانی اُس کے ہاتھ پر گرا وہ مستعمل ہوگا، نہ وہ پانی جو ابھی ڈول سے باہر بھی نہیں ہے، اور یہ بہ نسبت اُس کے زائد ہے اور ماء مستعمل جب غیر مستعمل میں ملے، اور غیر مستعمل غالب ہو، تو مطہر رہے گا۔ رابعاً اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ وہ سارا ڈول مستعمل ہوگیا، تو اس کے بعد مشک میں اور ڈول تو غیر مستعمل پڑے۔ اور غالب یہی ہے، لہٰذا کل مطہر ہے کہ ماء مستعمل جب ماء غیر مستعمل میں ملجائے، تو جبتک غیر مستعمل مقدار میں زیادہ ہے، مطہر ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے، جب وضو کے قطرے لوٹے میں گریں کہ جبتک یہ قطرات لوٹے کے پانی کے برابر نہ ہوں، اس سے وضو جائز ہے۔ درمختار میں ہے او مائعا مستعملا فی الاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر بالکل والا لا وھذا یعم الملقی والملاقی اھ۔ ردالمحتار میں ہے کان الماء المستعمل عند محمد فیجوز الوضوء بالماء مالم یغلب علیہ محیط۔ آب مستعمل کا پینا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے یکرہ شربہ والعجین بہ تنزیہا للاستقذار اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۹) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب از ٹمرنی، ۱ رجادی الاولٰی ۱۳۴۱ھ

(۱) بے وضو آدمی جب پانی پیتا ہے تو اوپر کے لب کا باہری حصہ (جس کا وضو میں دھونا فرض ہے) پہلے پانی سے لگتا ہے تو گویا کہ انسان کے پیٹ میں پہلے مستعمل ہو کر پانی گیا، خلاصہ تحریر فرمائیں۔

(۲) بہار شریعت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اعضائے وضو دھو کر ہاتھوں میں جو تری باقی رہتی ہے اس سے مسح جائز ہے حالانکہ وہ تری مستعمل ہو جاتی ہے، مسح نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ مسجد میں مستعمل ہونے کی وجہ سے وضو کی تری ٹپکانا

مکروہ ہے۔

(۳) پاک پانی میں بے وضو کا کوئی حصہ جس کو وضو میں دھونے چاہئیں دھونے کے ارادے سے پڑنے یا پانی اُٹھانے اور رکھنے میں ہاتھ پڑجانے سے مستعمل ہوجاتا ہے جیساکہ بہار شریعت میں ہے کہ بالقصد یا بلاقصد بھی پانی میں لگنے سے مستعمل ہوجاتا ہے۔

الجواب (۱) اگر لوٹے کی ٹوٹی سے پانی پیا جب تو اس کا احتمال ہی نہیں، اور کٹورے یا گلاس سے پینے میں اگر بے احتیاطی کرے گا تو البتہ ہونٹ کا بیرونی حصہ پانی میں ڈوبے گا، ورنہ نہیں[عـ]، اور اگر پہلے کلی کرچکا ہے اور اس کے بعد حدث واقع نہ ہوا تو اب بیرونی حصہ جو بیشتر دھل چکا ہے، پانی میں پڑا تو مستعمل نہ ہوا، کہ دھلا ہوا حصہ بغیر قصد تقرب پانی میں پڑنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) تری جو اعضا میں دھونے کے بعد باقی ہے وہ مستعمل نہیں، جب عضو سے ٹپکے گی، اسوقت اُسے مستعمل ہونے کا حکم دیا جائے گا، اور موضع مسح پر اُس تری کا صرف کرنا ویسا ہی ہے، جیسا ہاتھ میں پانی لیکر منھ پر ڈالنا، لہٰذا اس سے مسح جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ واللہ اعلم

(۳) اٹھانے رکھنے میں بھی اگر بے دُھلا ہاتھ گھڑے یا لوٹے میں ڈالا مستعمل ہوجائے گا۔ اور اسکی کامل تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد اول رسالہ النمیقۃ الانقیٰ میں دیکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا مسئلہ ذیل میں :۔

"نل کا پانی جیساکہ بمبئی وکمپ وریلوے وغیرہ پر ہوتے ہیں پینا جائز ہے یا نہیں، یا کچھ کراہیت ہے یا نہیں"

الجواب نل کا پانی بلاکراہیت پینا جائز ہے، ممانعت یا کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۳) مسئولہ عبدالغفار صاحب طالب علم از شہر بریلی محلہ قلعہ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دہ در دہ حوض میں کلی کرنا یعنی کلی کا پانی حوض میں چھوڑ دینا اور وضو کا تمام پانی اس میں گرانا جائز ہے یا نہیں، زید کا کہنا ہے جائز نہیں ہے، بلکہ حوض ناپاک ہوجاتا ہے۔ بحوالہ کتاب ارشاد ہو اور عبارت بھی منقول ہو۔

عـ عادۃً ہونٹ بند کرنے میں جو ہونٹ کا حصہ باہر ہوتا ہے اسی کے پانی میں پڑنے سے پانی مستعمل ہوگا، اندرونی حصہ پڑنے سے نہیں پانی پینے میں بیرونی حصہ کے

الجواب ۔ کلی یا وضو کا پانی آب مستعمل ہے، اور آب مستعمل طاہر غیر مطہر ہے، نجس نہیں اگر حوض میں گر گیا تو حوض ناپاک نہ ہوگا، کہ جب یہ خود ناپاک نہیں دوسرے کو کیا ناپاک کرے گا۔ اور جبکہ حوض دہ در دہ ہے تو نجاست پڑنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا، نہ کہ وضو کے پانی سے۔ درمختار میں ہے وھو طاھر ولو من جنب وھو الظاھر۔ ردالمحتار میں ہے رواہ محمد عن الامام وھذہ الروایۃ ھی المشھورۃ عنہ واختارہا المحققون قالوا علیہا الفتوی ومشائخ العراق نفوا الخلاف وقالوا انہ طاھر عند الکل وقد قال فی المجتبی صحت الروایۃ عن الکل انہ طاھر غیر طھور۔ نیز درمختار میں ہے۔ وکذا یجوز براکد کثیر کذالک ای وقع فیہ نجس لم یرا ثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر۔ یہ تو حوض ہے، اگر لوٹے میں وضو کے قطرے ٹپکے تو ناپاک نہ ہوگا، بلکہ جبتک ماء مستعمل غالب نہ ہو وضو بھی جائز۔ ہاں کلی کا پانی قذر ہے[عـہ] قصداً حوض میں نہ ڈالے کہ اس میں تنفیر عوام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۴) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۲۰ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ باوڑی میں سور گر گیا باوڑی کا عرض وطول دس دس ہاتھ کا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور اسمیں پانی اس قدر کثیر ہے کہ اس کا نکالنا دشوار ہے اور اس میں چشمے جاری ہیں سور کو باوڑی میں گرتے ہوئے دیکھا مگر واپس نکلتے نہیں دیکھا، اس واقعہ کو دس روز ہوئے مگر اس کا باوڑی میں ہونا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اب اس باوڑی کے پانی کے لئے کیا حکم ہے، آیا وہ پانی پاک ہے یا اس میں سے بحکم شرع شریف پانی نکال کر پاک کیا جاوے بینوا توجروا

الجواب ۔ سطح آب جب دہ در دہ ہے یعنی طول وعرض دس دس ہاتھ ہیں تو نجس چیز کے گرنے سے پانی نجس نہ ہوگا درمختار میں ہے وکذا یجوز براکد کثیر کذالک ای وقع فیہ نجس لم یرا ثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے الماء الراکد اذا کان کثیراً فھو بمنزلۃ الجاری لا یتنجس جمیعہ بوقوع النجاسۃ فی طرف منہ الا ان یتغیر لونہ اوطعمہ او ریحہ۔ نیز اسی میں ہے والفاصل بین الکثیر والقلیل انہ اذا کان الماء بحیث یخلص بعضہ الی بعض بان تصل النجاسۃ من الجزء المستعمل الی الجانب الآخر فھو قلیل والا فکثیر قال ابو سلیمان الجوزجانی ان کان عشرا فی عشر فھو مما لا یخلص وبہ اخذ عامۃ المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عـہ قذر کے معنی گھناؤنے کے ہیں۔ امجدی

مسئلہ (۲۵) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نجس پانی سے بھرے ہوئے برتن کو تھوڑا مستعمل پانی ڈالکر بہا دینے سے وہ پانی نجس ہی رہے گا یا مستعمل ہوجائے گا کہ نجاست حقیقی دھونے کے قابل ہوجاوے۔

الجواب - بظاہر یہ پانی پاک ہوجائے گا اگرچہ اس کا جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گذرا اس لئے کہ جب فقہائے کرام بہنے والی چیز نجس کے پاک کرنیکا یہ قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی مثل پاک چیز اس پر اسقدر ڈالیں کہ بہہ جائے تو پاک ہوجائیگی حالانکہ وہ مطہر نہیں[عہ] ہے تو معلوم ہوا کہ نجس پانی کے طاہر کرنے کے لئے مطہر پانی کا ڈالکر بہانا ضروری نہیں۔ ردالمحتار میں ہے فی القہستانی اول فصل النجاسات مایدل علیہ حیث ذکران المائع کالماء واللبن ونحوھما طہارتہ اما بجریانہ مع جنسہ فحینئذ طہارتہ کما روی عن محمد کما فی التمرتاشی واما بالخلط مع الماء الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پاک پانی سے بھرے ہوئے برتن میں نجاست غیر مرئی پڑکر برتن چھلک کر اوپر سے کچھ بھرجائے اور اوصاف ثلثہ میں سے کوئی ظہور میں نہ آئے تو وہ پانی پاک ہوگیا ناپاک ہوگا۔

الجواب - جب برتن میں نجاست پڑگئی تو پانی نجس ہوگیا نجاست کا غیر مرئی ہونا یا اوصاف میں تغیر نہ آنا اُسکو نجاست سے نہیں روکتا۔ یوں ہی اس پانی کا چھلک جانا بھی اُسے پاک نہ کرے گا تاوقتیکہ اس پر پاک پانی اتنا نہ ڈالا جائے کہ بہ جائے پاک نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷) از پہاڑ گنج دہلی مرسلہ جناب قاضی زین العابدین صاحب ۳ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ۔

"حضور نے بہار شریعت حصہ دوم صفحہ ۴۹ ماء مستعمل کے باب میں تحریر فرمایا ہے کہ انگلی کا ایک پور پانی میں بقصد یا بلا قصد پڑجائے تو پانی مستعمل ہوجائے گا اور اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔ عرض یہ ہے کہ ایسی احتیاط بہت ہی مشکل ہے خصوصًا اکثر مقام پر جہاں گھڑے سے پانی کھینچا جائے اور اس کو ہاتھ سے لیا جائے جب لانے والا اس کا کنارا تھام کر لائے گا تو یقینًا اسمیں چند انگلیاں داخل ہوجائیں گی۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ جناب کی عبارت عالمگیری کی اس عبارت کے خلاف ہے

ویشترط ادخال عضو تمام لصیرورۃ الماء مستعملا فی روایۃ المعروف الخ وبادخال الاصبع والاصبعین لایصیر مستعملا

عہ مطہر سے مراد مزیل حدث ہے اس لئے کہ ہر مائع مطہر نجاست حقیقیہ ہے۔ ار مستعمل مطہر اس معنی کر نہیں کہ وہ مزیل حدث نہیں مگر نجاست حقیقیہ پاک کرنے والا ہے۔ درمختار میں ہے یجوز رفع نجاسۃ حقیقیۃ عن محلہا بماء ولو مستعملا بہ یفتی۔ امجدی

الخ عالمگیری فصل الثانی فیما لا یجوز بہ التوضی عالمگیری کی اس روایت میں نہایت یسر ہے جناب کی کتاب میں اسکا حوالہ بھی نہیں ہے، امید کہ تسلی بخش جواب عطا فرمائیں گے ۔

الجواب ۔ بے پرواہی دوسری چیز ہے ورنہ اس پر عمل کرنے میں بالکل دقت واشکال نہیں ہے گھڑے سے پانی بھرنے والے کو بھی کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ اگر وہ باوضو ہے جب تو انگلی یا ہتھیلی پڑنے میں کوئی حرج نہیں اور بے وضو ہو تو اتنا حصہ ہاتھ کا دھولے جس کو پانی میں ڈالنا ہے اس کی نجاست حکمیہ زائل ہو جائے گی اور پانی میں ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا کہ اب ہاتھ کا پڑنا نہ زوال نجاست کے لئے ہے اور نہ بہ نیت تقرب البتہ بہار شریعت میں اس کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ہے ۔ اور حصہ دوم میں جس طرح دیگر مسائل میں کتابوں کا حوالہ نہیں ہے، اسمیں بھی نہیں ہے ۔ اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد اول رسالہ النمیقۃ الانقی میں کتابوں کے حوالے وعبارات اور اس قول کی ترجیح سب کچھ اسمیں پائینگے ۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

مسئلہ (۲۸) مسئولہ مولوی احسان علی سلمہ طالب علم مدرسہ اہلسنت ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۵ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مینڈک اگر کنویں میں مرجائے یا مر کر پھول پھٹ جائے ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے ۔

الجواب ۔ پانی کا مینڈک بلکہ خشکی کا بھی جبکہ بہت بڑا نہ ہو جسمیں خون سائل ہوتا ہے اگر کنویں میں مرجائے یا مرا ہوا گر جائے بلکہ پھول پھٹ جائے تو بھی پانی پاک ہے اور اس سے وضو وغسل جائز مگر جب ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزاء پانی میں مل جائیں تو اس پانی کا پینا حرام ہے[عہ] اور اگر خشکی کا بڑا مینڈک جس میں خون سائل ہو پانی میں مرجائے تو نجس ہو جائے گا ۔ درمختار میں ہے یجوز رفع الحدث بما ذکر وان مات فیہ مائی مولد کسمک وسرطان وضفدع الا بریا لہ دم سائل وھو ما لا سترۃ لہ بین اصابعہ فیفسد فی الاصح کحیۃ بریۃ ان لہا دم والا لا وکذا الحکم لو مات ماذکر خارجہ و القی فیہ فی الاصح فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمۃ لحمہ یعنی حدث کا دور کرنا ان چیزوں سے جائز ہے جن کا ذکر کیا گیا اگرچہ اس میں ایسا جانور مر گیا جس کی پیدائش پانی میں ہوتی ہے جیسے مچھلی اور کیکڑا و مینڈک مگر خشکی کا وہ

عہ اور اگر وہ بے وضو ہے اور ہاتھ دھونے کے لئے پانی نہیں جہاں تک ہوسکے گھڑے کو اوپر سے پکڑے، اور اگر اسکی قدرت نہ ہو تو معاف ہے، جیسا کہ جب کسی برتن میں پانی ہو اسے جھکانا دشوار ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ ہو جس سے پانی نکالے تو ہاتھ ڈال کر پانی لینے کی اجازت ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا، کما مر فی مسئلہ عہ ۔ امجدی ۔

عہ اس بنا پر نہیں کہ پانی ناپاک ہو گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مینڈک کا کھانا پینا حرام ہے جب مینڈک کے اجزاء ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل گئے ہیں اور پانی پیئے گا تو مینڈک کے اجزاء بھی پانی کے ساتھ پیٹ میں جائیں گے، اور یہ حرام ہے ۔ امجدی

مینڈک جس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے۔ خشکی کا مینڈک وہ ہے جس کی انگلیوں کے درمیان میں جھلی نہ ہو۔ اسکے مرنے سے اصح یہ ہے کہ پانی ناپاک ہو جائے گا، جیسے جنگلی سانپ جس میں خون ہو۔ اور اگر خون نہ ہو تو پانی فاسد نہیں۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ پانی کے باہر مرا اور پانی میں ڈالدیا گیا، اصح یہی ہے۔ اور اگر مینڈک کے مثل کوئی جانور پانی میں ریزہ ریزہ ہو گیا تو اس سے وضو جائز ہے مگر پینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔ صح واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹) مرسلہ عابد حسین صاحب از آبورد ڈکھرارنی جامع مسجد ۶ رجادی الاولیٰ سنہ ۱۳۷۲ھ۔

یہ امر دریافت طلب ہے کہ ایک چوہا کوئیں میں گر پڑا اور خبر اس وقت ہوئی جبکہ پانی بودینے لگا اور چوہے کے بال پانی میں مل گئے، ایسی حالت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے جبکہ کنویں کا پانی ٹوٹتا ہی نہ ہو۔ اور کس وقت تک کی نماز کا اعادہ کیا جائے اور نمازیوں کو اپنے کپڑے دھلنا چاہئے یا نہیں اور غسل کرنا چاہئے یا نہیں اور اس پانی سے جو کھانا وغیرہ پکایا گیا ہے اور جو گھڑے وغیرہ میں پانی بھر گیا ہے ان کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ جس وقت سے خبر ہوئی اس وقت سے کنویں کے نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا، تیسیراً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے وقالا من وقت العلم فلا یلزمهم شیء قبله قیل وبه یفتیٰ۔ لہذا اس سے پہلے کی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، اور اس سے پہلے بدن یا کپڑوں میں پانی لگا ہے، ان کے دھونے کی ضرورت نہیں اور جو کھانا پکایا گیا ہے، پاک ہے، برتن وغیرہ بھی سب پاک ہیں، ہاں اگر معلوم ہونے کے بعد وہ پانی بدن یا کپڑے میں لگا تو پاک کیا جائے، اگرچہ جس کے بدن یا کپڑے میں لگا، اُسے معلوم نہ تھا کہ پانی ناپاک ہو گیا ہے، یونہی علم کے بعد گھڑوں میں بھر گیا تو برتن پاک کرنے جائیں، اور معلوم ہونے کے بعد جو کھانا پکایا گیا ہے، وہ کتے کو کھلادیں، درمختار میں ہے وما عجن به فيطعم للكلاب اور کنویں کا پانی کل نکالا جائے، اور جبکہ پانی ٹوٹتا ہی نہیں تو اندازہ کر لیا جائے، اس وقت کنویں میں جتنا پانی ہو، نکال دیں پاک ہو جائے گا، مثلاً اس وقت کنویں میں ہزار ڈول پانی ہے تو ہزار ڈول نکالنے سے پاک ہو جائیگا اگرچہ ہزار ڈول نکالنے کے بعد بدستور ہزار ڈول پانی موجود ہو، اور یہ کہ کتنا پانی ہے، اس کے معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی لکڑی یا رسی سے پانی ناپ لیں پھر نہایت پھرتی کے ساتھ مثلاً سو ڈول نکالیں اور پھر ناپیں جتنا کم ہو، اسی حساب سے نکال ڈالیں، مثلاً پہلے دس ہاتھ تھا اور سو ڈول نکالنے کے بعد ناپا تو نو ہاتھ رہا، تو معلوم ہوا کہ ہزار ڈول کل پانی ہے، بس اسی قدر نکال ڈالیں۔ درمختار میں ہے وان تعذر نزح کلها لكونها معينا فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح قاله الحلبي۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰) مرسلہ حکیم احمد حسین و محمد حسین صاحبان از سکندر پور ضلع بلیا ۵ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔
کسی کنویں میں جوتا گر جائے اور نہ نکلے، زمانہ تین چار ماہ کا گزر جائے تو کیا کیا جائے۔

الجواب۔ اگر معلوم ہو کہ جوتا نجس تھا تو اُسے پہلے نکالے، پھر تمام پانی کھینچیں، اب کنواں پاک ہوگا، اور اگر نہ نکال سکیں تو تمام پانی نکالا جائے، پاک ہوجائے گا۔ اور اگر ناپاک ہونا معلوم نہیں تو بیس ڈول پانی نکال ڈالیں پانی پاک ہے[عہ]
طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وھی البئر وجد فیھا خف ای نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لو وقعت فی البئر خشبۃ نجسۃ او قطعۃ ثوب نجس وتعذر اخراجھا وتغیبت فیھا طھرت الخشبۃ والثوب تبعا لطھارۃ البئر کما فی الظھیریہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۱) مسئولہ مسلمانان محلہ سہسوانی ٹولہ شہر کہنہ بریلی شریف ۱۰ رشوال ۱۳۴۱ھ۔
علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کے کنویں سے چمار پانی بھرے اور غسل کرے تو اُس پانی سے وضو وغیرہ میں حرج ہوگا یا نہیں، چمار کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے دینا چاہئے یا نہیں، ایک مسلمان مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے اور نہانے کی اجازت دیتا ہے۔

الجواب۔ کنویں سے اگر چمار نے پانی بھرا اور غسل کیا تو فقط اتنی بات پر پانی کے نجس ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر پھر بھی ہندؤں خصوصاً چماروں سے اگر احتراز ہو تو بہتر ہے، کہ اُن کے یہاں طہارت و نجاست میں امتیاز نہیں اور نجس برتن کنویں میں ڈالنے کو برا نہیں جانتے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۲) مسئولہ ابرار حسین صاحب ۲۰ رمحرم ۱۳۴۲ھ۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں ایک اوپلا گر گیا، اُس کو نکالنا چاہا، مگر نکل نہ سکا بلکہ نیچے تہہ میں بیٹھ گیا، اس صورت میں کیا حکم ہے، اور کنویں کا پانی ٹوٹنا ناممکن ہے[عہ] بینوا توجروا۔

[عہ] ردالمحتار میں ہے فی الخانیہ لو وقعت الشاۃ وخرجت حیۃ ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لا للتطھیر حتی لو لم ینزح وتوضأ جاز۔ جیسے بکری پاک ناپاک ہر جگہ اٹھتی بیٹھتی ہے، اسی طرح جوتا ہر جگہ پہنچتا ہے جس طرح یہاں بیس ڈول کا حکم ہے اسی طرح طمانینت قلب کے لئے بیس ڈول نکالنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی [عہ] ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قدور المجوس قال انقوھا غسلا واطبخوا فیھا۔ دوسری روایت میں انھیں سے ہے انہ قال یارسول اللہ انا بارض اھل الکتاب فنطبخ فی قدورھم ونشرب فی آنیتھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لم تجدوا غیرھا فارحضوھا بالماء۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی
عہ ص ۲۳ پر

الجواب - عین نجاست اگر کنویں میں گر جائے تو اس کو نکلنے کے بعد پانی نکالا جائے، اور اگر اس کا نکالنا متعذر ہو، تو جبتک یہ گمان نہ ہو کہ گل سڑ کر مٹی ہو گئی ہو گی اُس وقت تک پانی پاک نہ ہو گا۔ درمختار میں ہے:۔ ینزح کل مائها بعد اخراجه الا اذا تعذر کخشبة او خرقة متنجسة ۔ ردالمحتار میں ہے واشار بقوله متنجسة الی انه لابد من اخراج عین النجاسة کلحم میتة وخنزیر اھ ح قلت فلو تعذر ایضا ففی القهستانی عن الجواهر لو وقع عصفور فیها فعجزوا عن اخراجه فما دام فیها فنجسة فتترك مدة یعلم انه استحال وصار حمأة وقیل مدة ستة اشهر اھ مگر مینگنی اوپلا اگر گر جائے تو بوجہ ضرورت فقہاء نے معافی کا حکم دیا ہے، کہ اس میں پانی نکالنے کی حاجت نہیں جبتک زیادہ نہ ہو۔ فتاوی ہندیہ میں ہے وبعر الابل والغنم اذا وقع فی البئر لا یفسد ما لم یکثر هکذا فی فتاوی قاضی خان وفی الجامع الصغیر الصحیح انه لا فرق بین الصحیح والمنکسر والرطب والیابس کذا فی الخلاصة ولا فرق بین الروث والخثی والبعر هکذا فی الهدایة ولا فرق بین آبار المصر والفلوات کذا فی التبیین وهو الصحیح لان الضرورة قد تقع فی الجملة فی المصر ایضا کما فی الحمامات والرباطات کذا فی محیط السرخسی ہاں اگر چاہیں تو تطییب قلب کے لیے بیس ڈول نکال دیں۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۳) کنویں میں مینڈک گرا اور پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا یا خون نکل آیا مگر مرا نہیں، اس صورت میں کتنا پانی نکالا جائے، اسی طرح چوہے، چھچھوندر اور کتے کے گرنے سے کتنا پانی نکالا جائے۔

الجواب - مینڈک کے پھولنے یا پھٹنے سے پانی ناپاک نہ ہو گا، ہاں جنگلی بڑے مینڈک جن میں خون ہوتا ہے، وہ چوہے کے حکم میں ہے، چوہا یا چھچھوندر کے مرنے سے بیس سے تیس ڈول تک نکالیں، اور پھولا یا پھٹا ہو تو کل اور کوا گر کر مر گیا تو چالیس سے ساٹھ تک ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

سے اگر اوپلا زیادہ تھا تو کل پانی نکالا جائے، کنواں ٹوٹتا نہیں تو اندازہ کر لیا جائے کہ ابھی کتنا باقی اوپلا گرنے کے وقت تھا۔ مثلاً پانسو ڈول ہزار ڈول اتنا نکال دیا جائے۔ اسکی ترکیب اوپر گزری۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ جس ڈول سے پانی نکالنا مقصود ہے اس کا مربع نکال لیا جائے، اور کنویں میں جتنے دو رنگ۔ پانی تھا اس کا مربع نکال کر حساب لگا لیا جائے کہ اس ڈول سے اتنا پانی کنویں میں تھا۔ قلیل وکثیر کا معیار فقہاء نے کچھ نہیں مقرر فرمایا۔ اُسے مبتلیٰ بہ پر چھوڑ دیا۔ درمختار میں ہے القلیل المعفو عنه ما یستقله الناظر والکثیر بعکسه وعلیه الاعتماد۔ امجدی۔ عہ نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے وان مات فیها دجاجة او هرة او نحوها فی الجثة ولم تنتفخ لزم منزح اربعین دلوا۔ وان مات فیها فارة او نحوها کعصفور ولم تنتفخ لزم نزح عشرین دلوا۔ اور ظاہر ہے کہ جنگلی بڑا مینڈک جثے میں چوہے کے برابر ہے اور کوا مرغی کے برابر　واللہ تعالیٰ اعلم　امجدی

مسئلہ (۴۴) از شہر اندور محلہ نیا پورہ مرسلہ ماسٹر عبدالغفار صاحب دوکاندار ۱۵ رجادی الاولی ۱۳۷۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کنویں میں ایک کچھوا مرگیا اور پھول گیا یا پھٹ گیا اور پانی میں بدبو آنے لگی، لوگوں سے وضو نہیں کیا جاتا، اب یہ پانی پاک ہے یا نہیں اور اس سے وضو کرنا کیسا ہے اور جو لوگ اس پانی سے وضو کرتے ہیں ان کی نماز کامل ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ کچھوا پانی کا جانور ہے پانی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے ایسے جانور کے پانی میں مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا بلکہ گل سڑ جانے پر بھی پانی پاک رہتا ہے۔ لہذا جن لوگوں نے اُس پانی سے وضو کیا اُن کے وضو کو باطل اور نماز کو فاسد و ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اگر پانی میں بدبو آگئی ہے تو تنظیف و تطییب قلب کے لئے اتنا پانی نکلوا دینا چاہئے کہ بدبو جاتی رہے، کیونکہ بدبو سے بچنا بہتر ہے، جس طرح لہسن و پیاز پاک ہے مگر بدبو کی وجہ سے کچے کا کھانا مکروہ قرار پایا، بلکہ اگر پانی میں اتنی بدبو پیدا ہوگئی کہ وضو و غسل کے بعد بدن سے بدبو آنے لگی تو ایسی حالت میں وضو کرکے مسجد میں جانا منع ہوگا، اگرچہ پانی ناپاک نہیں ہے وضو ہو جائے گا۔ اور اگر پھٹ کر اس کے اجزاء پانی میں مل گئے تو اگرچہ پانی ناپاک نہیں ہے مگر اس پانی کا پینا ناجائز ہے درمختار میں ہے ویجوز رفع الحدث بماذکر وان مات فیہ غیر دموی کزنبور وعقرب وبق ومائی مولد کسمک وسرطان وضفدع ولو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں سے پھٹا ہوا گرگٹ نکلا تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا یا نہیں، اور تمام پانی نکالنے کی صورت میں اگر اس طرح نکالا گیا کہ ایک روز دن بھر پانی کھینچا گیا گر وغفہ دیکر یہاں تک کہ نصف ڈول گدلا آنے لگا پھر دوسرے دن بھی ایسا ہوا۔ بہرحال اندازہ کے مطابق کنویں کا کل پانی نکل گیا لیکن نیا پانی آتا رہا اور متواتر نہیں کھینچا گیا، ایسی حالت میں کنواں پاک ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ اس صورت میں کل پانی نکالنے کا حکم ہے۔ اور جو کنواں ایسا ہے کہ اس کا کل پانی نکالا جاسکتا ہے یعنی پانی کی آمد اتنی نہ ہو کہ جتنا نکالتے ہیں اتنا ہی آجاتا ہے اور کل پانی نکالنے میں کنواں کے پھٹنے اور گرجانے کا گمان بھی نہ ہو تو وہاں کل نکالنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اتنا نکل جائے کہ نصف ڈول نہ بھرے، لہذا اگر اتنا نکال لیا تھا تو پہلے دن پاک

حاشیہ۔ حدیث میں ہے فان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی بہ الناس۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی

ہوگیا اگرچہ وقفہ کے ساتھ نکالا ہو۔ اور اگر کچھ کمی رہ گئی تھی مثلاً ابھی نصف ڈول بھرنا تھا اور چالیس یا پچاس ڈول اور نکالے جاتے تو نہ بھرتا مگر نکالا نہیں تو دوسرے دن پھر سے کل پانی نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ جتنے ڈول باقی رہ گئے تھے وہ نکال لیں کنواں پاک ہوجائے گا۔ اور اگر کنویں میں آمد زیادہ ہو یا شکستہ ہونے کا گمان ہو تو نجس ہونے کے وقت جتنا پانی کنویں میں موجود ہو نکال ڈالیں پاک ہوجائے گا، اس کی تفصیل بہار شریعت میں دیکھ لیجئے۔ درمختار میں ہے یخرج الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطهر الكل تبعا ولو نزح بعضه ثم زاد في الغد نزح قدر الباقي في الصحيح ــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۶) ہنود کو نہلا کر کنویں میں گھسایا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔ اور بغیر نہلائے گھسا تو کتنا نکالنا چاہئے۔

الجواب۔ نہلا کر پاک کپڑا پہنا کر گھسایا تو احتیاطاً بیس ڈول[عه] اور اگر بے نہلائے گھسا اور معلوم ہے کہ پیشاب کیا ہے یا اپنا وہی کپڑا پہنے ہوئے ہے جسے پیشاب کرکے باندھے ہوا تھا۔ تو کل پانی نکالا جائے۔ اور کچھ معلوم نہ ہو تو ناپاکی کا حکم نہ دیں گے مگر احتیاطاً کل پانی نکالیں[عه]۔ ــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۷) جو مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ ہوں وہ کنویں میں گھسیں تو کتنا پانی نکالنا چاہئے وضو سے ہوں، یا بے وضو۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ پاک ہے تو کچھ نہیں اور اگر بے وضو ہے اور بقدر ضرورت پانی کے اندر داخل ہوا تو پانی مستعمل بھی نہ ہوا۔ اور قدر ضرورت سے زیادہ اعضائے وضو پانی میں پڑے تو پانی مستعمل ہوگیا۔ بیس[لہ] ڈول نکالنا کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۸) جس مسلمان نے پیشاب کرکے ڈھیلے سے استنجا کیا، پانی سے نہیں، وہ کنویں میں گھسا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔

الجواب۔ صحیح[سہ] یہ ہے کہ کل پانی نکالا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۹) جس مسلمان نے پاخانہ پھر کر ڈھیلے سے استنجا کیا اور پانی سے نہیں، وہ کنویں میں گھسا تو کتنا پانی نکالنا چاہئے۔

الجواب۔ کل پانی۔ ــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

عه تطییب قلب کیلئے۔ امجدی۔ حاشیہ عه یہاں احتیاطاً کل پانی نکالنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ عادت ہے کہ پیشاب کرکے طہارت نہیں کرتے تو ان کے کپڑے اور بدن کے ناپاک ہونے کا احتمال قوی ہے۔ ردالمحتار میں ہے ان الكافر اذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء لانه لا يخلو من نجاسة حقيقية او حكمية اقول لعل نزحها للاحتياط، تامل۔ امجدی۔ لہ ردالمحتار میں ہے مذهب محمد انه ليسلبه الطهورية وهو الصحيح عند الشيخين فيلزم منه عشرون ليصير طهورا۔ دوسطر بعد ہے، فينزح ادنى ما ورد به الشرع وذالك عشرون احتياطا عن البدائع۔ امجدی۔ سہ غنیہ میں ہے وان كانت على بدنه او ثوبه نجاسة حقيقية او كان مستنجيا بحجر دون ماء تنجس الماء كله۔ تنویر شامی میں ہے المستنجي بالحجر اذا دخل الماء

مسئلہ (۴۰) عورتوں کو لہنگا پہنکر جیسا ہنود کے یہاں پہنتے ہیں کنویں پر چڑھکر پانی بھرنا چاہئے یا نہیں، یونہی تہبند باندھکر۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ کنویں سے پانی بھرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مسلمان عورتوں کو لہنگا پہننا، ناجائز ہے کہ ہنود سے مشابہت ہے ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۱) محی الدین صاحب عرف لعل محمد ڈاکخانہ قصبہ منڈوا ضلع فتحپور ہسوہ ۲۵ رجادی الاولیٰ ۵۵ھ

"ہمارے یہاں جتنے کنویں ہیں کسی میں احتیاط نہیں، پاک اور ناپاک گھڑے ڈالے جاتے ہیں، ہندو مسلمان سب بھرتے ہیں، اپنی حکومت نہیں کہ عوام کو نجس اور ناپاک گھڑے ڈالنے سے منع کیا جائے، اور نہ اپنے پاس اتنا سرمایہ کہ بذات خاص کنواں تعمیر کرایا جائے۔ ایسی حالت مجبوری میں کیا کرنا چاہئے، کس امام کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے اور اس مسئلہ کا مضمون کیا ہے۔

الجواب۔ ناپاک گھڑے اگر کنویں میں ڈالے جاتے ہوں تو کنواں ناپاک ہوجائے گا، مگر جب تک ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو محض احتمال نجاست ہونا کافی نہیں۔ محض شبہہ کی وجہ سے نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اگر وہاں مسلمان کے خاص کنویں نہیں ہیں تو مساجد کے کنویں ضرور مسلمانوں کے ہوں گے، ان کو ہی نجاست سے محفوظ رکھا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۲) از مارواڑ جنکشن مرسلہ غلام احمد صاحب قادری رضوی امام مسجد ۵ رجب ۵۶ھ۔

"کوا کنویں میں گر گیا ہے اور کہیں کنویں کے دروں میں گھس گیا بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا اب ہندو لوگ اس کنویں سے پانی پیتے ہیں، مسلمانوں نے بند کر رکھا ہے، اور یہی کنواں نزدیک ہے مسلمانوں کو بڑی تکلیف ہے، یہ کنواں کتنے روز بند رکھا جائے۔

الجواب۔ اگر معلوم ہے کہ کوا کنویں میں ہی رہ گیا، اس سے نہیں نکلا اور اسمیں مر گیا تو جب غالب گمان ہوجائے کہ سڑ کر مٹی ہوگیا۔ اس وقت کنواں[1] پاک ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے لو وقع عصفور فیہا فعجزوا عن اخراجہ فمادام فیہا فنجسۃ فتترک ۔ مدۃ یعلم انہ استحال وصار حمأۃ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۳) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مقام مالیگاؤں ضلع ناسک مسئلہ عبدالرحمن۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ ہجری

علہ۔ کبھی کبھی کنویں میں پختہ اینٹ کا ٹکڑا جو نجاست میں تھا، اور کلوخ کا پختہ ڈھیلا یا نجاست میں پڑا ہوا لوہا، جوتا

حاشیہ۔ حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی۔ حاشیہ یعنی جس وقت جانور سڑ کر مٹی ہوجائے تو پورا پانی نکالنے سے پاک ہوگا۔ پانی نکالے بغیر ہی پاک ہونا مراد نہیں۔ وھو حسن مع البیری بہار شریعت دیکھا ہوا المفہوم من ردالمحتار واللہ تعالیٰ اعلم

چیل اور گیند وغیرہ تھوڑا تھوڑا گراکرتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ مذکورہ چیزوں کا کنویں سے نکالنا ضروری نہیں کیونکہ پانی نکالتے نکالتے خود ہی دھل گئی۔ بکر کہتا ہے، پہلے مذکورہ چیزوں کو نکال لینا چاہیے، اگر اندر پڑی رہ گئی اور بقدر نجاست پانی نکال لیا گیا، تو پانی پاک نہ ہوگا بلکہ جوں کا توں رہے گا۔ جناب مفتی صاحب! آپ کی تحقیق میں کس کا کہنا صحیح ہے، کس کا غلط۔

۲۔ ایک بے نمازی بچہ والی عورت جو ہوش وحواس سے تھی ڈوبنے کی غرض سے جان بوجھ کر کنویں میں گری، اور تین چار گھنٹے بعد وہ زندہ نکال لی گئی۔ اس حال میں کہ اس کے ہوش وحواس سب درست تھے۔ تو اس کنویں کا پانی پاک ہے یا نجس۔

الجواب ۱۔ پہلے اس چیز کو کنویں سے نکالیں اس کے بعد پانی نکالیں، ہاں جو چیزیں خود نجس نہیں ہیں، بلکہ نجاست لگنے سے ہیں، اگر ان کا نکالنا دشوار ہے تو پانی نکالنے کے بعد طہارت کا حکم دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے۔ ینزح کل ماءھا بعد اخراجہ الا اذا تعذر کخشبۃ اوخرقۃ متنجسۃ فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطہر الکل تبعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲۔ اگر اس کے کپڑے نجس تھے، یا بدن پر نجاست لگی تھی، یا پاخانہ پیشاب نکل گیا تو کل پانی نکالا جائے۔ اور اگر کسی نجاست کا علم نہیں ہے تو بیس ڈول نکال دیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۴) مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب امام مسجد از ہوڑہ محلہ کرستان پاڑہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ

"اس وقت جو سوتی اور اونی موزے رائج ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں، مسافر ہو یا مقیم"

الجواب ۔ یہ موزے جو عموماً سوتی یا اونی پہنے جاتے ہیں، ان پر مسح کافی نہیں، پاؤں دھونا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۵) از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی احمد خاں سلمہٗ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ۔

"صاحب عذر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت کتنی ہے۔ معذور نے صبح کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا تو وہ بحالت اقامت ایک دن ایک رات، اور سفر میں تین دن تین رات مسح کر سکتا ہے یا نہیں، براہ کرم کسی قدر تفصیل فرمائی جائے۔

الجواب ۔ معذور کے لئے مسح موزہ میں وہی تمام احکام ہیں جو صحیح کے لئے ہیں۔ اگر مقیم ہے تو ایک دن ایک رات مدت مسح ہے۔ اور مسافر ہے تو تین دن تین راتیں۔ صبح کے وقت موزہ طہارت کاملہ پر پہنا اس کا وضو طلوع آفتاب سے جاتا رہا۔ لہٰذا اس وقت سے یعنی طلوع آفتاب سے مدت مسح شمار ہوگی۔ اور دوسرے دن طلوع آفتاب جب بوجہ عذر وضو منقوض ہوگا، مدت مسح بھی ختم ہو جائے گی، یعنی اب مسح نہیں کر سکتا۔ موزہ کا اتارنا لازم ہے (اور پاؤں دھونا فرض ہے)، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۶) کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جماع کی غرض سے اپنی بیوی کے پلنگ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی حائضہ ہے، تو زید نے اعلام کے لئے کہا، اس پر اسکی بیوی نے انکار کیا لیکن زید نے جبراً اپنی بیوی کے ساتھ اغلام کیا اور کہا اگر تونے کسی سے کہا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اب وہ عورت اپنے گھر پر ہے اور اسی خوف سے سسرال جانا نہیں چاہتی کہ مار نہ ڈالے۔ ایسی صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ حالت حیض میں ناف سے گھٹنوں تک کسی مقام سے استمتاع حرام ہے، نہ کہ وطی فی الدبر کہ یہ اشد حرام، سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اُوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ الآیہ اقبل وادبر واتق الدبر والحیضۃ پیچھے کے مقام اور حیض میں جماع کرنے سے بچو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من اتی امرأتہ فی دبرھا ملعون ہے وہ جو اپنی عورت سے پیچھے کے مقام میں وطی کرے رواہ احمد وابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور فرماتے ہیں ان الذی یاتی امرأتہ فی دبرھا لاینظر اللہ الیہ جو ایسا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائیگا رواہ فی شرح السنۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور روایت ترمذی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں ہے لاینظر اللہ الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی الدبر جو شخص مرد یا عورت کے پیچھے کے مقام میں وطی کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔

عورت کو وہاں جانے میں جبکہ اپنی جان کا خوف ہے تو جبتک کافی اطمینان نہ کرے اور شوہر اس حرکت خبیثہ سے باز نہ آئے اُس وقت تک اُس کے یہاں جانے سے اپنے کو روکے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۷) مرسلہ مولوی غلام محی الدین الجیلانی علیگڈھی مدرس اول مدرسہ جامع مسجد کرنال شریف۔

"عورت کے پیشاب کے مقام سے جو سفید رطوبت نکلتی ہے کیا وہ بھی پاک ہے، بہار شریعت میں رطوبت کو پاک لکھا ہے، سفید اور غیر سفید کی کوئی تفصیل نہیں۔

الجواب۔ فرج خارج[1] کی رطوبت ناپاک نہیں ہے، عموماً یہ رطوبت سفید ہی ہوتی ہے رد المحتار میں ہے واما رطوبۃ الفرج

---

[1] فرج خارج کی ہو یا داخل کی دونوں کی رطوبت پاک ہے۔ درمختار میں ہے ان رطوبۃ الفرج طاھرۃ عندہ، اسکے تحت رد المحتار میں ہے ای الداخل اما الخارج فرطوبتہ طاھرۃ بالاتفاق۔ فھو یدل علی الاتفاق کونہ حکم خارج البدن فرطوبتہ کرطوبۃ الفم والانف والعرق الخارج من البدن حلبی۔ اقول وقد صرح ۔۔۔ ولذا نقل فی التاترخانیۃ ان رطوبۃ الولد عند الولادۃ طاھرۃ وکذا السخلۃ اذا خرجت من امھا وکذا البیضۃ فلا یتنجس بھا الثوب ولا الماء اذا وقعت فیہ لکن یکرہ التوضی بہ للاختلاف وکذا الانفحۃ ھو المختار (ص۲۹ ج۱)

الخارج نظاھرۃ اتفاقا الخ وفی منھاج الامام النووی رطوبۃ الفرج لیست بنجسۃ فی الاصح قال ابن حجر فی شرحہ وھی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق یخرج من باطن الفرج الذی لایجب غسلہ بخلاف مایخرج مما یجب غسلہ فانہ طاھر قطعا ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعا ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبیلہ الخ.....

مسئلہ (۴۸) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب از بریلی محلہ جبولی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو مرض کی وجہ سے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے گا۔

الجواب۔ اگر یہ مرض حد عذر کو پہونچ گیا ہو، یعنی ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا نہ کرسکا، تو وہ معذور ہے، وقت میں ایکبار وضو کرلے اور جتنی چاہے اُس وضو سے نماز پڑھتا رہے، اس قطرہ کے آنے سے اُس کا وضو نہ جائے گا، بلکہ اس کا وضو خروج وقت سے ٹوٹے گا، پھر جب تک اندر وقت کے ایکبار بھی قطرہ آتا رہے گا، وہ معذور ہی ہے اور اُس کے لیے معذور کے احکام، اور اگر پورا وقت گذر گیا اور قطرہ نہ آیا، تو اب معذور نہ رہا۔ پھر اگر پاک کپڑے نماز ادا کرسکتا ہے، تو پاک سے ادا کرے۔ اور بغیر قدر مانع کے ادا نہیں کرسکتا ہے، تو اُسی حالت میں پڑھے جہانتک تقلیل نجاست ممکن ہو عمل میں لائے، اور جو نا ممکن ہو معاف ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور اگر شخص روئی وغیرہ رکھکر قطرہ بقدر ادائے فرض روک سکتا ہے، تو ایسا کرنا واجب ہے، بلکہ اگر رکوع سجود کرنے سے قطرہ آتے ہیں اور کھڑا

(بقیہ ص۲۸)، یہ حکم اسوقت ہے کہ شرمگاہ کی رطوبت کے ساتھ کوئی نجاست نہ ہو مثلاً خون یا مذی یا منی۔ اسی میں اسی صفحہ پر ہے وھذا اذا لم یکن معہ دم ولم یخالط رطوبۃ الفرج مذی او منی من الرجل والمرأۃ۔ یوں ہی اسی میں ہے کہ اندرون شرمگاہ کی رطوبت اگر بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو دھولیں تاکہ اختلاف علماء سے بچیں طحطاوی علی المراقی میں ہے لاینجس المائع وقوع بیضۃ طریۃ من بطن دجاجۃ ولا وقوع سخلۃ من بطن امھا ولو کانت رطبۃ ما لم یعلم ان علیھا قذرا لان رطوبۃ المخرج لیست بنجسۃ۔ رہ گئی رحم کی رطوبت تو اس کے بارے میں کوئی تصریح کہیں نہیں ملی، مگر ابھی رد المحتار سے گزرا کہ پیدائش کے وقت بچے کے جسم پر جو رطوبت ہوگی وہ پاک ہے اور یہی حکم بکری کے بچے اور انڈے کا بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رحم کی رطوبت بھی پاک ہے۔ جد الممتار میں اس کے تحت ہے، ظاھرہ ان رطوبۃ الرحم ایضا طاھرۃ بخلاف ما تقدم من ابن حجر من ان الخارجۃ من وراء باطن الفرج نجس۔ علاوہ ازیں قاضی خاں سے اُسی میں ہے، قال فی مسئلۃ السخلۃ انھا لا تفسد الماء علی قیاس قول ابی حنیفۃ، اسے نقل کرکے جد الممتار کی منہیہ میں فرمایا، فھذا النص منہ ان عدم الافساد مبنی علی طھارۃ تلک الرطوبۃ فی نفسھا لا لعدم الانفصال فانھا قضیۃ مجمع علیھا غیر مختصۃ بقول الامام کما لایخفی۔ اھ امجدی

یا بیٹھا رہے تو نہیں آتے، تو بجائے رکوع وسجود اشارہ کرے، درمختار میں ہے یجب ردّ عذرہ او تقلیلہ بقدر قدرتہ ولو بصلاتہ مؤمیا وبردہ لا یبقی ذا عذر۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کو بواسیر کا عارضہ ہے اور قریب قریب ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے، تو کیا یہ کافی ہوگا کہ پاخانہ کے مقام پر کپڑا باندھ لیا جائے اور ہر وقت تازہ وضو کرکے نماز پڑھے، کتنے وقت تک یہ پانی جاری رہنے پر معذور کے حکم میں ہوسکتا ہے۔ اور معذور کی تعریف کیا ہے۔

الجواب - ہر وقت جب رطوبت خارج ہوتی رہتی ہے تو معذور ہے، ایک وقت میں جو وضو کیا اس وقت میں اس وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھے، اس رطوبت کے خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ معذور کی تعریف اور اسکے باقی احکام بہار شریعت حصہ دوم میں دیکھ لیجئے، جو آپ کے پاس غالباً موجود ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۰) از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی احمد خاں سلمہٗ یکم ذی الحجہ سنہ ھ۔

"ایسا شخص جسے کچھ روز تک تو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حدث ہوجایا کرتا ہے اور کچھ دنوں اسکے خلاف، تو وہ صاحب عذر ہوگا یا نہیں۔ — **مسئلہ** (۵۱) صاحب عذر کا وضو خروج وقت سے جاتا رہتا ہے، یا جس وقت میں وضو کیا ہے، اس وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد۔

الجواب - معذور ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ نماز کا پورا ایک وقت اس حالت میں گذر گیا کہ طہارت کے ساتھ نماز فرض نہ پڑھ سکا۔ ایک وقت ایسا ہونے کے بعد وہ صاحب عذر ہوگا۔ اس کے بعد اگر وقت کے اندر ایک مرتبہ بھی وہ حدث ہوجایا کرے، تو صاحب عذر رہے گا، ہاں اگر پورا وقت نماز عذر سے خالی گذر گیا، صاحب عذر نہ رہا، اب پھر صاحب عذر اسوقت ہوگا کہ پہلی حالت پیدا ہوجائے، یعنی پورا وقت اس طرح گذر کر طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا نہ کرسکے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب - صاحب عذر کا وضو خروج وقت سے جاتا ہے، اس وقت کی نماز ادا کرنے سے نہیں جاتا جبتک نماز کا وقت خارج نہ ہو جتنی نمازیں چاہے پڑھتا رہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۲) مرسلہ اسمٰعیل صالح محمد صاحب از رانا واؤ ضلع کاٹھیا وار ۴ ر ذی الحجہ سنہ ۱۳ ھ۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دھوبی کو اگر ناپاک کپڑا دیا جائے تو پاک ہو کر آتا ہے یا نہیں، مولوی محمد حسین صاحب

حاشیہ - ۵ حدیث عمران بن حصین انی کنت رجلا مبسوراً - حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی

سورت والے سے سُنا گیا ہے کہ ناپاک ہو کر آتا ہے، اور رانا داؤ کے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پاک ہو کر آتا ہے۔

الجواب۔ بہتر تو یہی ہے کہ پاک کر کے دھوبی کو کپڑے دیئے جائیں، اور ناپاک کپڑا دیا تو دھل کر پاک ہو جائے گا، مگر جبکہ نجاست مرئیہ قابل ترداد تھی، اور ترائل نہ ہوئی کہ یوں اگر خود بھی دھوتا تو پاک نہ ہوتا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۳) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب بر دوکان حاجی خانو حاجی ولی ٹمرنی ۹ رجادی الآخر ۱۳۴۲ھ

"گذارش یہ ہے کہ بہار شریعت میں نجس چیزوں کے پاک کرنے کے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ جو کنکری زمین کے اوپر ہے خشک ہونے سے پاک نہ ہوگی۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی زمین نہ ہوگی جہاں کنکریاں نہ ہوں اور شہر سے متصل کی جگہ اور عام راستے جہاں پر لوگوں کا چلنا پھرنا ناپاک تر جوتوں سے اور جانوروں کا اکثر وہاں ٹھہرنا جہاں بول و براز کرتے ہوں کوئی زمین ایسی ہوتی نہیں جس کو جھاڑو دیکر صاف کی گئی ہوں، اور ریتے کی جگہ، تو کل ریتے کی کنکریاں زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں، تو ایسی جگہ نماز وقتیہ یا نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ ایسی جگہ کی کنکریوں کے بارے میں جانوروں کے پیشاب سے ناپاک ہونے کا احتمال ہوتا ہے، کہ اکثر جانوروں کا گذر اور ٹھہرنا ہوتا ہے، اور لوگوں کا ناپاک تر جوتوں سے چلنا پھرنا بھی ہوتا رہتا ہے اور ایسی کوئی زمین نہیں جہاں کنکریاں نہ ہوں کہ سوکھ جانے سے پاک مان لیا جائے اور ایسی جگہ ہمارے دھوراجی میں ندی کا میدان ریت کا ہے، اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کہ وہاں اکثر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، وہاں جاڑوں کے دنوں میں اکثر جانوروں کی گذرگاہ رہتی ہے جہاں کی سب کنکریاں زمین سے جدا ہیں اور اس جگہ بغیر بارش پانی نہیں گرتا کہ دھوئی جائے تو کیا حکم ہے۔

الجواب۔ نجاست کے معاملہ میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب تک نجس ہونا معلوم نہ ہو نجاست کا حکم نہ دیں گے، یہاں تک کہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ استعمالی جوتہ اگر کنویں میں گر جائے تو جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ ناپاک تھا نجاست آب کا حکم نہیں حالانکہ یہ کس قدر مظنہ نجاست ہے، تاتارخانیہ و طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ میں ہے سئل الامام الخجندی رحمہ اللہ تعالیٰ عن رکیۃ وجد فیہا خف او نعل ملبس ویمشی بہا صاحبہا فی الطرقات لا یدری متی وقع فیہا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا۔ اس کے نظائر کتب فقہ میں بکثرت ہیں، لہذا زمین پر جس جگہ کوئی اثر نجاست معلوم نہ ہوتا ہو، محض یہ خیال کہ یہاں ناپاک جوتا آیا ہوگا، یا کسی جانور نے پیشاب پاخانہ کر دیا ہوگا، یہ اوہام بالکل معتبر نہیں، وہ جگہ پاک ہے، اور وہاں نماز جائز، ہاں اگر معلوم ہو کہ انھیں کنکریوں پر پیشاب وغیرہ پڑا ہے، اور پانی نہیں برسا کہ دُھل کر پاک ہو جائیں اور یہ وہی کنکریاں ہیں تو ایسی کنکریوں پر جو کہ زمین پر پڑی ہیں، اس میں گڑی نہیں ہیں، نماز جائز نہیں، جبکہ مواضع سجود پر بقدر مانع مس کریں اور

یہ معلوم ہونا کہ یہ وہی ہیں، اس کے دو ہی طریقے ہیں، یا اُن پر اثر نجاست موجود ہے یا اُس وقت سے ابتک ہماری نگاہ کے سامنے ہیں، ورنہ کیا معلوم کہ وہی ہیں کہ اکثر کنکریاں پاؤں لگنے سے اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں، بچے وغیرہ اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر پھینک دیا کرتے ہیں، جانوروں کی ٹھوکروں سے ہٹ جایا کرتی ہیں۔ نیز اور بہت سے اسباب ہیں، جب تک وہ دونوں باتیں نہ ہوں کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہیں اور جب اوپر نجاست معلوم ہے تو نجس ہے۔ عالمگیری میں ہے الحصیٰ حکمہ حکم الارض اذا کان فیہا واما اذا کان علی وجہ الارض لا تطہر کذا فی المحیط وھکذا فی منیۃ المصلی۔ درمختار میں ہے وتطہر بیبسہا وذہاب اثرہا کلون وریح لاجل صلوٰۃ علیہا لا لتیمم بہا وحکم آجر مفروش وخص وشجر وکلأ قائمین فی الارض کذلک ای کارض فیطہر بجفاف وکذا کل ما کان ثابتا فیہا لاخذہ حکمہا باتصالہ بہا فالمنفصل یغسل لا غیر۔ ردالمحتار میں ہے مثلہ الحصا اذا کان متداخلا فی الارض کما فی المنیۃ وفی التاترخانیۃ اما اذا کان علی وجہ الارض لا یطہر اھ۔ اور ندی کے کنارے ریتے کا میدان یا اور کوئی ریتے کی جگہ ہو وہ زمین کے حکم میں ہے کہ سوکھ کر پاک ہے کہ ریتہ مثل گرد کے ہے، اور گرد تابع زمین ہے، کنکری کے مثل نہیں۔ علامہ شامی اسی ردالمحتار میں فرماتے ہیں والظاہر ان التراب لا یتقید بذلک والا لزم تقیید الارض التی تطہر بالیبس بما لا تراب علیہا تامل۔ اور اگر ایسی جگہ نماز پڑھنی پڑے جہاں نجس کنکریاں ہوں تو کوئی کپڑا وغیرہ بچھا لیں یا ان ناپاک کنکریوں کو ہٹا دیں پھر نماز پڑھیں، اس میں کیا دقت ہے۔ سڑکوں اور عام راستوں پر نجاست پڑی رہتی ہے، تو ایسی جگہ کون نماز پڑھتا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر تھوڑا پانی برسا کہ کنکریاں نہ دُھلیں تو ناپاک رہیں، پھر ان کی کیچڑ کپڑے وغیرہ کو لگے گی اور اس میں حرج ہے۔ لہٰذا علمائے کرام نے راستہ کی کیچڑ کو معاف کہا ہے، اگر کپڑے پر لگ جائے، نجس نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے طین الشارع عفو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۴) مرسلہ ابرار احمد صاحب برق چشتی از مونگیر محلہ توپخانہ بازار ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ حالت جنابت میں جو پسینہ جسم سے نکلتا ہے، وہ پاک ہے یا ناپاک اور بعض اوقات اس پسینے سے جو کپڑے تر ہو جاتے ہیں وہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ ان کپڑوں سے نماز ہو سکتی ہے؟ یا پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ جنب کا پسینہ پاک ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے عرق[عـه] کل شیٔ معتبر بسؤرہ کذا فی الھدایہ

عـه اور آدمی کا جوٹھا پاک ہے اگرچہ وہ جنب ہو۔ ہدایہ میں ہے عرق کل شیٔ معتبر بسؤرہ لانہما یتولدان من لحمہ (ص۳۳پر)

مگر جس جگہ نجاست لگی ہو وہاں پسینہ نکل کر اگر کپڑا تر ہو جائے تو اس نجاست کی وجہ سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ اور ناپاک ہونا اس نجاست کی وجہ سے ہے، نہ پسینہ کی وجہ سے، اگر پسینہ کی جگہ پانی ہوتا جب بھی یہی حکم تھا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا روئی دھنکنے سے اور پلنگ کے بانعدا دوھیڑنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

الجواب۔ روئی دھنکنے سے پاک ہو جاتی ہے جبکہ جتنی نجس تھی اُتنی یا اُس سے زیادہ دھنکنے میں اُڑ گئی ہو، ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں فرماتے ہیں ہے وکذا الندف ومن عدۃ شروط کون النجس مقدارًا فیلا یذھب بالندف والافلا یطھر کذا فی الاوزاجیۃ۔ اور پلنگ کے باندھ پلنگ کے ادھیڑنے سے پاک نہ ہوں گے، طہارت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۶) مسئولہ حمایت اللہ صاحب از اسٹیشن کلاں بریلی ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمی ہوئی چربی میں کتے نے منہ ڈالا اور کھائی، اب اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ جہاں سے کھائی وہاں آس پاس سے نکال کر پھینک دیں باقی پاک ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۷) از بھیلواڑہ میواڑ مرسلہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب پیش امام مسجد چوڑیگراں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ مسئلہ میں کہ سفید رنگ کا پرندہ جس کو بگلا کہتے ہیں، اُس کی بیٹ پاک ہوتی ہے؟ یعنی پرند بگلا کا پیشاب پاخانہ نجس ہے یا نہیں اور اگر نجس ہے تو نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ۔

الجواب۔ بگلا کی بیٹ پاک ہے اس لئے کہ جو پرند ہوا میں اُڑتے ہیں اور حلال ہیں اُن کی بیٹ پاک ہے۔ درمختار میں ہے وخرء ما یذرق فیہ فان ماکولا فطاھر والا فمخفف ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۸) از بھیلواڑہ میواڑ مرسلہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب پیش امام مسجد چوڑیگراں۔

(بقیہ صفحہ ۳۲) فلذا احدھا نحکم صاحبہ وسور الادمی ومایوکل لحمہ طاھر لان المختلط بہ اللعاب وقد تولد من لحم طاھر ویدخل فی ھذا الجواب الجنب والحائض والنفساء۔ نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے الاول سور طاھر مطھر بالاتفاق من غیر کراھۃ فی استعمالہ وھو ما شرب منہ آدمی لیس بفمہ نجاسۃ لما روی مسلم عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنت اشرب وانا حائض فانا ولہا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیضع فاہ علی موضع فی ـ ولا فرق بین الکبیر والصغیر والمسلم والکافر والحائض والجنب ۱۲ امجدی۔ ردالمحتار میں ہے تقوھو نحو سمن جامد من جوانب النجاسۃ، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی۔ بہار شریعت میں ہے جو پرند ہوا میں اونچے اڑتے ہیں۔ اور درمختار کی منقولہ بالا عبارت کا ترجمہ ہے۔ جو پرند ہوا میں بیٹ کرتے ہیں، ردالمحتار میں اسکے تحت فرمایا کحمام وعصفور یعنی کبوتر اور گوریا، اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ بگلا کی بیٹ ضرور پاک ہے۔ غنیہ کی عبارت نے تو اسکو بالکلیہ صاف کر دیا، کہتے ہیں واما خرء مایوکل لحمہ من الطیور سوی الدجاجۃ والبط والاوز ونحوھا فطاھر کالحمام والعصفور ونحوھما۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے صحن کے قریب درخت ہے جس کی ٹہنیاں مسجد کے صحن پر جھکی ہوئی ہیں اور وضو کرنے کی جگہ اور کنویں پر بھی لٹک رہی ہیں، اس درخت پر بگلے گھونسلے بنا کر بچے دیئے ہوئے ہیں، ہر وقت نمازیوں کے اوپر اُن کے پاخانے پڑتے ہیں، احتمال ہے کہ کنویں میں بھی پڑتے ہوں گے، نماز پڑھتے ہوئے بھی اکثر اُن کا پاخانہ نمازیوں کے اوپر پڑ جاتا ہے، گذارش یہ ہے کہ کیا اُن کے گھونسلوں کو بچوں سمیت پھینک دیا جائے یا یونہی نماز پڑھتے رہیں۔ **مسئلہ (۵۹)** اسی طرح سے کبوتر، کوا، چیل، فاختہ، مینا، طوطا وغیرہ کا کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا** جزاکم اللہ خیرا لجزاء۔

الجواب۔ بگلے کی بیٹ اگرچہ نجس نہیں مگر گندگی ضرور ہے اور مسجد کو گندگی سے بھی بچانا چاہئے، بگلے جب گھونسلے لگانے لگیں اُس وقت گھونسلوں کو توڑ کر پھینک دیا جائے کہ بچے کرنے اور گندگی کی نوبت نہ آنے پائے۔ درمختار میں ہے ولا باس برمی عش خفاش وحمام لتنقیۃ۔ ردالمحتار میں ہے جواب سوال حاصلہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقروا الطیر علی مکانتہا فاذالہ العش مخالفۃ الامر فاجاب بانہ للتنقیۃ وھی مطلوبۃ فالحدیث مخصوص بغیر المساجد ——— واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب۔ کبوتر، مینا، فاختہ کی بیٹ پاک ہے اور کوا، چیل کی نجاست خفیفہ اور اُن کے گھونسلے بھی پھینک دیئے جائیں۔

مسئلہ (۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ولایتی صابون استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں، جو لوگ ولایت سے آئے ہیں کہتے ہیں کہ وہاں جانور ذبح نہیں کئے جاتے، آیا ہر کسی کے کہنے پر اعتماد کیا جائے گا، یا کوئی متشرع آدمی بیان کرے۔

الجواب۔ نصاریٰ نے بہت زمانہ دراز سے موافق شرع جانور کو ذبح کرنا ترک کر دیا ہے، یہ لوگ بغیر تسمیہ ایسے ہی جانور کو جھٹکا مار کر کھاتے ہیں۔ کتب فقہ میں مذکور ہے النصرانی لاذبیحۃ لہ۔ اور یورپ میں ذبح شرعی نہ ہونے کی خبر بالکل متواتر ہے، ایسی خبر اثبات کے لئے گواہان عادل کی ضرورت نہیں کہ اس کے بیان کرنے والے دو چار شخص نہیں بلکہ سینکڑوں ہیں، لہٰذا وہ جانور مردہ ہیں اور ان کی چربی بھی ناپاک ہے۔ اور اگر اس کا صابون بنایا گیا ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہےعہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

عہ فی الدر ویطھر زیت تنجس بجعلہ صابونا۔ قال عنہ العلامۃ الشامی۔ ثم ھذہ المسئلۃ قد فرعوھا علی قول محمد بالطھارۃ بانقلاب العین الذی علیہ الفتویٰ واختارہ اکثر المشائخ خلافا لابی یوسف کما فی شرح المنیۃ والفتح وغیرھما وعبارۃ المجتبیٰ جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطھارتہ لانہ تغیر والتغیر یطھر عند محمد ویفتی بہ اھ۔ وظاھرہ ان دھن المیتۃ کذالک لتعبیرہ بالنجس دون المتنجس الا ان یقال ھو خاص بالنجس لان العادۃ فی الصابون وضع الزیت دون بقیۃ الادھان تامل۔ ثم رایت فی شرح المنیۃ ما یؤید الاول حیث قال وعلیہ یتفرع ما لو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابونا یکون طاھرا لتبدل الحقیقۃ اھ اقول قدیما ما یختلج فی صدری ان فی الصابون لا یتغیر الحقیقۃ بل یکون فیہ انجماد فکیف ینطبق علیہ فلما انتھیت الی ھذہ المسئلۃ فی الامجدیۃ تحیرت کیف افتی خلاف نص الشامی۔ ولکن لما تفکرت

(صفحہ ۳۵ پر)

مسئلہ (۶۱) حاجی عبداللطیف ایوب صاحب از مقام دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ ۱۴؍محرم [illegible]ھ۔

ہر آدمی سے کئی آدمی طاقتور ہوتے ہیں تو کمزور کا نچوڑا طاقتور کے حق میں کب پاک سمجھا جائے اگر پانی کم کی نسبت ہو تھوڑا پانی میں پہلی بار کپڑا ڈالنے سے پانی نجس ہو جائے گا، ہاں اگر تھوڑا پانی تینوں مرتبہ جدید میں دھونے کے بارے میں ہو ٹھیک ہو سکتا ہے یہ صرف میری ناقص سمجھ ہے، صحیح کیا ہے؟

الجواب۔ نجاست مرئیہ سے طہارت کے لئے ازالہ شرط ہے۔ اگر ایک بار میں زائل ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ دھونے میں پاک ہو جائے گی۔ اور تین بار سے زیادہ کی ضرورت ہو تو زیادہ دھوئے۔ درمختار میں ہے ويطهر محل نجاسة مرئية بقلعها اى بزوال عينها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلث فى الاصح۔ عالمگیری میں ہے وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئا يزول اثره ولا يعتبر فيه العدد كذا فى المحيط۔ اور نجاست غیر مرئیہ ہے اور وہ شئ نچوڑنے کے قابل ہے تو تین بار دھوئے اور ہر بار نچوڑے، اور نچوڑنے کی حد یہ ہے کہ اگر پھر نچوڑے تو قطرہ نہ ٹپکے اور اس میں خود اس کی قوت کا اعتبار ہے۔ اور اگر دوسرا جو زیادہ قوی ہے اس کے نچوڑنے سے قطرہ ٹپکے گا تو قوی کے لئے پاک نہ ہوگا، اور اس کمزور کے لئے پاک ہو گیا۔ درمختار میں ہے وقدر بغسل وعصر ثلثا فيما ينعصر مبالغا بحيث لا يقطر ولو كان لو عصره غيره قطر طهر بالنسبة اليه دون ذلك الغير۔ ردالمحتار میں ہے لان كل احد مكلف بقدرته ووسعه ولا يكلف ان يطلب من هو اقوى ليعصر ثوبه شرح المنية قال فى البحر خصوصا على قول ابى حنيفة ان قدرة الغير غير معتبرة وعليه الفتوى۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب وہ شخص صاحب وسوسہ ہو ورنہ غلبہ ظن حاصل ہونے سے پاک ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے ويطهر محل غيرها بغلبة ظن غاسل لو مكلفا والا فمستعمل۔ نیز یہ حکم اس وقت ہے جب تھوڑے پانی میں دھویا ہو۔ اور اگر حوض کبیر میں دھویا ہو، یا بہت سا پانی اس پر بہایا یا بہتے پانی میں دھویا تو نچوڑنے کی شرط نہیں۔ درمختار میں ہے اما لو غسل فى غدير او صب عليه ماء كثير او جرى عليه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس هو المختار۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) رأيت ان هذا الذى افتى به فى الامجدية تحقيقه وقد اشار الى هذا العلامة الشامى بعد اسطر حيث قال: وقد يقال ان الدبس ليس فيه انقلاب حقيقة لانه عصير جمد بالطبخ۔ اقول كذلك الصابون وقد صرح بذلك فى جد الممتار حيث قال اعلم انه ليس بين الزيت وبين الصابون الا الانعقاد بضم به برشنات من مياه الغلى والنورة لكن المقام بعد غير محرر فليحرر۔ ثم اقول مبنى ذلك ان بانقلاب العين يكون النجس طاهرا وفى الصابون لا يكون انقلاب العين بل يكون انضمام الاجزاء بعضها ببعض فكيف يحكم بطهارة النجس الذى وقع فيه۔ فيكون ما افتى به فى الامجدية صحيحا انظر جد الممتار على الشامى [illegible] للامام احمد رضا البريلوى قدس سره [illegible]

مسئلہ (۶۲) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ فتاوی رضویہ جلد دوم ص۱۹۱ میں ایک شخص کے پوچھے مسائل بیل کے پیشاب و گوبر سے بچنے کی دشواری کے جواب میں اعلیٰحضرت قبلہ نے گوبر کو نجاست خفیفہ فرمایا ہے تو گوبر سے نہ بچ سکنے کی حالت میں خفیفہ میں شمار کیا جاتا ہوگا ورنہ بہت سی کتابوں میں گوبر کو نجاست غلیظہ لکھا ہوا ہے۔

الجواب۔ گوبر اگر ماکول اللحم کا ہو تو اس کی نجاست غلیظہ و خفیفہ میں اختلاف ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلیظہ ہے، اور صاحبین کے قول میں نجاست خفیفہ ہے بلکہ امام محمد نے آخر زمانہ میں فرمایا کہ پاک ہے اور اس مسئلہ میں تصحیحیں مختلف ہیں کسی نے قول صاحبین کو ترجیح دی اور کسی نے امام کا قول اختیار کیا۔ درمختار میں ہے وفی النہر بلاء لبۃ قولہما اظہر۔ ردالمحتار میں فرمایا ہے لکن فی النکت للعلامۃ قاسم ان قول الامام بالتغلیظ رجحہ فی المبسوط وغیرہ۔ اور چونکہ اس زمانہ میں نماز کا بہت کم خیال رہتا ہے معمولی باتیں بھی چھوڑنے کے لئے عذر ہو جاتی ہیں خصوصاً جانور پالنے والے گاڑی چلانے والے اس سے بدقت بچ سکتے ہیں انکی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے نجاست خفیفہ کا حکم دیا بلکہ مجبوری اور عذر صحیح کی صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول اخیر پر بھی عمل کرنے کی اجازت دیدی ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۶۳) مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتا کو کیوں نجس فرمایا گیا ہے۔

الجواب۔ کتا حرام ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اُسی نے اسکی حرمت کا حکم دیا، اسکی شان ہے یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ اور اسکی حکمت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خصائل ذمیمہ دیکھئے۔ ہمیشہ اپنی جنس یعنی دوسرے کتوں کو دیکھکر دوڑاتا ہے اور حملہ کرنا چاہتا ہے۔ کتنی ہی زیادہ شی۔ اس کے کھانے کے لئے ڈالی جائے مگر دوسرے کتے کو کبھی کھانے نہ دے گا عین نماز فجر کے وقت جب تمام جانور خدا کی یاد کرتے ہیں یہ سوتا ہے وغیر ذالک۔ ہمارے مذہب میں کتا نجس العین نہیں، صرف اُس کا لعاب نجس ہے اور اسکی نجاست اسکی سمیت وغیرہ کی وجہ سے ہے ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۶۴) ہندو نجس ہے یا پاک ہے[ع]۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ باعتبار عقیدہ ناپاک ہے[ع] ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

ع قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

مسئلہ (۶۵) ہنود کو قرآن عظیم چھونا بغیر حائل کپڑا یا حائل کپڑا درست ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ان کے ہاتھ میں قرآن مجید نہ دیا جائے ــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۶۶) مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب برمکان ظہور میاں جی محلہ برکت پورہ خانقاہ برکاتیہ مالیگاؤں ناسک

۲ر جمادی الاُخریٰ ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت اس مسئلہ میں کہ کنویں میں کیڑے مرنے کے واسطے سرکاری کمیٹی یعنی میونسپلٹی انگریزی دوا ڈالتی ہے جس سے تمام پانی لال ہو جاتا ہے اور مزا بھی کڑوا ہو جاتا ہے۔ آیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، اگر پاک ہے تو کیا دلیل ہے۔

مسئلہ (۶۷) فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ میں لکھا ہے کہ جتنے رنگ ولایتی ہیں سب میں شراب کا جز رہتا ہے ہم نے اس فتاویٰ میں جو لکھا ہے ایک واقف کار آدمی سے سنا ہے، جناب مولانا صاحب یہ بات جو فتاویٰ میں تحریر ہے یہ بات آپ کی تحقیق میں سچ ہے یا خلاف۔ اگر خلاف ہے تو کیا دلیل ہے، مع دلیل تحریر فرمائیں۔

مسئلہ (۶۸) زید کہتا ہے: ولایتی رنگ سے جو کپڑا یا سوت رنگا ہوا ہے وہ نجس ہی رہتا ہے۔ بکر کہتا ہے تین مرتبہ پانی سے دھونے پر پاک ہو جائے گا، آیا بکر کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔

مسئلہ (۶۹) بہار شریعت میں کنویں کے بیان میں لکھا ہے کہ جس وقت سے نجاست کو دیکھا گیا ہے اسی وقت سے نجاست کا حکم ہے۔ جناب مولانا صاحب! دریافت طلب یہ ہے کہ مثلاً وضو کے حمام میں پانی بھرا جا رہا ہے اور لوگ وضو کر رہے ہیں۔ اور کوئی وضو کر کے نماز بھی پڑھ رہا ہے۔ اور کوئی پانی بھر کے اپنے مکان لے جا رہا ہے۔ کہ اسی اثنا میں یکایک سڑا ہوا چوہا نکل آیا تو اب اس سے پہلے کا جو بھی پانی حمام میں ہے۔ یا جن جن کے مکان میں جا چکا ہے، اُس پانی کے لئے کیا حکم ہے، یعنی پاک ہے یا نجس خلاصہ تحریر فرما دیں تاکہ بخوبی معلوم ہو جائے۔

الجواب ۔ پانی صاف کرنے اور کیڑے مارنے کے لئے جو دوا کنویں میں ڈالی جاتی ہے، اگرچہ اس سے پانی کا رنگ بدل جاتا ہے اور پانی میں سرخی آ جاتی ہے، مگر اس کی رنگت اتنی نہیں ہوتی کہ اس سے کپڑا رنگا جا سکے اور نہ اسکی وجہ سے وہ آبِ مطلق کو خارج ہو کر شئ دیگر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ پانی پاک بھی ہے اور پاک کرنیوالا بھی، اسکو ناپاک کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر دلیل شرعی سے یہ بات ثابت ہوتی کہ وہ دوا ناپاک ہے تو پانی کو ناپاک کہا جاتا۔ مگر اس کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں محض وہم اور شبہہ کی بنا

پر پاک چیز کو ناپاک نہیں کہا سکتا پانی کے ناپاک ہونیکی تفصیل ہم نے بہار شریعت حصہ دوم کے ضمیمہ میں ذکر کی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۔ ولایتی رنگوں کے ناپاک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں محض بعض لوگوں کا کہہ دینا کافی نہیں جب تک شرعی ثبوت نہ ہو۔ پھر اس رنگ میں ابتلاء عام ہے۔ عورتیں عموماً اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی ہیں اور انہیں نمازیں پڑھتی ہیں، کبھی کپڑے کا تر حصہ پانی وغیرہ میں پڑ جاتا ہے کبھی بھیگا ہاتھ کپڑے پر لگتا ہے پھر اسی ہاتھ کو پانی میں ڈالتی ہیں اور چیزیں چھوتی ہیں ۔ اگر اسکے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو نہ ان کی نماز ہو، نہ گھر کی چیزیں پاک رہیں، نہ کھانا اور پانی پاک رہے، سب ناپاک ہو جائیں ۔ اسی طرح مرد بھی عمامہ وغیرہ اس رنگ سے رنگا استعمال کرتے ہیں، اور وضو کرتے وقت بھیگا ہاتھ سر پر مسح کرنے کیلئے عمامہ سے لگتے ہیں، پھر دوسرے کو چھوتے ہیں، اور دوسرے کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اگر اس رنگ کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے تو بڑی مشکل ہوگی۔ ایسی دشواری کے موقع پر شرع مطہر نے عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے ۔ لہٰذا اس کے ناپاک ہونیکا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اس مسئلہ کی کامل تحقیق اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ "الاحلیٰ من السکر" میں فرمائی ہے ۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۔ زید کا قول بالکل غلط ہے اول تو وہ رنگ ناپاک ہی نہیں ۔ اور ناپاک ہوتا بھی تو دھونے سے پاک ہو جاتا، وہ دھونے سے بھی نجس ہی رہے گا، اس کے کوئی معنی نہیں ۔ درمختار میں ہے بل یطھر ما صبغ او خضب بنجس بغسلہ ثلاثا والاولی غسلہ الی ان یصفو الماء ۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۔ ایسی حالت میں کہ جانور کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو کب سے نجاست کا حکم دیا جائے گا، دو قول ہیں :۔ ایک یہ کہ تین دن تک کی نمازیں لوٹائی جائیں ۔ اور تین دن کے اندر جس چیز کو یہ پانی لگا ہے وہ ناپاک ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت سے پھولا پھٹا ہوا جانور دیکھا گیا ہے اسی وقت سے ناپاک قرار دیا جائے ۔ اس قول دوم میں آسانی ہے، لہٰذا اسی پر عمل ہے ۔ پس جو پانی سقایہ وغیرہ میں بھرا جا چکا ہے یا جو لوگ گھروں کے لئے لے گئے ہیں، یا غسل و وضو کر چکے ہیں، ان کے جسم اور کپڑوں کے ناپاک ہونیکا حکم نہیں دیا جائے گا۔ درمختار میں ہے ویحکم بنجاستہا من وقت الوقوع ان علم والا فمذ یوم و لیلۃ ان لم ینتفخ ولم یتفسخ و مذ ثلثۃ ایام بلیالیہا ان انتفخ او تفسخ استحسانا وقالا من وقت العلم فلا یلزمہم شیئ قبلہ قیل وبہ یفتی ۔

مسئلہ (۷۰) مرسلہ عبدالغفور صاحب دفتر انجمن اشاعۃ الحق بنارس ۲ رشعبان المعظم ۱۳۴۹ھ

"عام استعمالی جوتا کا کیا حکم ہے پاک ہے یا ناپاک ۔

الجواب ۔ استعمالی جوتا میں اگر نجاست نہ لگی یا لگی مگر اس نے پاک کر لیا یا اس کے علم میں نجاست لگنا نہیں ہے تو ان صورتوں

میں پاک ہے اور اگر اس کے علم میں یہ ہے کہ نجاست لگی تھی اور پاک نہیں کیا تھا تو ناپاک ہے۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۱) از بہار پور معماران مرسلہ محمد رضا ۸ صفر ۱۳۳۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے غسل خانہ میں پیشاب یا پاخانہ امام مسجد کو یا عام نمازیوں کو کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور فرش غسل خانہ پر لوٹا رکھنا کیسا ہے، لوٹا گندہ ہو یا نہیں۔

الجواب - غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور پاخانہ پھرنا بہت زیادہ بُرا۔ حدیث میں وارد ہوا لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّہٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ اَوْ یَتَوَضَّأُ فِیْہِ فَاِنَّ عَامَّۃَ الْوَسْوَاسِ مِنْہُ کوئی شخص نہانے کی جگہ پر پیشاب نہ کرے پھر وہاں غسل کرے اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں ـــ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اتقوا عن الملاعن الثلثۃ البراز فی الموارد وقارعۃ الطریق والظل تین چیزیں جو لعنت کی سبب ہیں ان سے بچو گھاٹ پر پاخانہ پھرنا اور بیچ راستہ میں اور سائے میں جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ وجہ ممانعت ولعنت ان جگہوں میں پاخانہ پھرنے کی یہ ہے کہ لوگوں کے لئے یہ تکلیف وایذا کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ غسل خانہ میں پاخانہ پھرنے سے مصلیوں کو کس قدر ایذا پہنچے گی۔ اس حدیث کے تحت مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: قولہ الملاعن الخ ای مجالب اللعن لان احصابھا یلعنھم المار بفعلھم القبیح او لانھم افسد وا علی الناس منفعتھم فکان ظلما وکل ظالم ملعون۔

اگر غسل خانہ کا فرش پاک ہے تو اس پر لوٹا رکھ سکتے ہیں، ورنہ نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۲) ٹاٹ پر بچہ نے پیشاب کر دیا اس کو خوب طرح سے تین مرتبہ پانی بہا کر دھو دیا گیا، وہ پاک ہو گیا؟

الجواب - ٹاٹ اگر پتلا ہے جو نچوڑنے کے قابل ہے تو تین بار دھوئے اور اچھی طرح نچوڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر موٹا ہے کہ نچوڑنے کے قابل نہیں تو دھو کر اُسے لٹکا دے کہ کل پانی ٹپک جائے۔ جب پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے، پھر دھو کر لٹکا دیں، اسی طرح تین مرتبہ کرنے سے پاک ہو جائے گا (تنبیہ [illegible]) ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۳) مرسلہ منشی عبد الرزاق خاں صاحب جیرت از بمبئی چھتری سورنگ محلہ وڈاکخانہ عٹ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین اس صورت میں کہ ہمیشہ زید کی یہ عادت رہی ہے کہ بلا کسی مرض کے تین یا پانچ یا سات ڈھیلوں سے استنجاء خشک کر لیتا ہے اور استبراء بھی کرتا ہے مگر جب پانی سے استنجاء کرتا ہے تو ضرور پیشاب کے دو چار قطرے آہی جاتے ہیں پھر مٹی کے بعد پانی سے استنجاء کرے تب بھی دو چار قطرے آجاتے ہیں، ہاں اگر پانی سے استنجاء اور متصلاً مٹی یا کپڑے سے استبراء کیا تو مطلقاً قطرے آنا بند ہو جاتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زید پہلے پانی سے اور بعد میں مٹی سے طہارت حاصل کر سکتا ہے؟ اور جمع بین الماء والحجر کی

(ایم ۱ ء /۱)

فضیلت پاسکتا ہے، اور بلا کراہت اسکی امامت درست ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا بالثواب۔

الجواب - ڈھیلے سے استنجا سنت ہے، اور ڈھیلے کے بعد پانی سے طہارت کرنا افضل جبکہ مخرج سے نجاست ایک درم سے زیادہ تجاوز نہ کرگئی ہو، ورنہ دھونا واجب ہے، اور جب زید کی حالت یہ ہے کہ اگرچہ استنجا و استبرا کرلیتا ہے، پھر بھی پانی کے بعد قطرے آجاتے ہیں تو پانی سے طہارت کا اس کے لئے کوئی محصل نہ رہا اور اسکے لئے اس تکلیف کی کچھ حاجت نہیں کہ ڈھیلے سے پھر پانی سے طہارت کرے، پھر ڈھیلے لے، اور جب یہ عذر موجود ہے تو اس سے افضلیت کا مطالبہ بھی نہیں، ہاں اگر نجاست علاوہ مخرج درم سے زائد پھیلی ہوئی ہے تو اس وقت ضرور پانی سے دھوئے کہ ڈھیلے سے طہارت نہ ہوگی، اور دھونے کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے قطرات سکھالے۔ درمختار میں ہے والغسل بالماء بعده ای الحجر بلا کشف عورة عند احد سنة وبجب ای یفرض غسله ان جاوز المخرج نجس مانع ویعتبر القدر المانع لصلاة فیما وراء موضع الاستنجاء اھ ملتقطا۔ اور اسکی امامت میں کوئی کراہت نہیں کہ کراہت ترک سنت سے ہوتی ہے اور پانی لینا صرف افضل ہے، نہ کہ سنت اور یہ مستحب بھی بیرون نماز ہے، نہ کہ داخل نماز، اور اس کا ترک مع العذر ہے نہ کہ بلا عذر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۷) مسئولہ جعفر احمد بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید یعنی پیش امام شرم کے مارے راستہ میں پیشاب نہیں کرتے ہیں لہذا غسلخانہ میں پیشاب کرتے ہیں بعد کو پانی بہا دیتے ہیں۔ آیا زید کے لئے یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں، جواب سے مشکور فرمائیں۔

الجواب - غسلخانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، حدیث میں اسکی ممانعت آئی اور اسکی وجہ سے نہانے والوں کو وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا لا یبولن احدکم فی مستحمه ثم یغتسل فیه او یتوضأ فیه فان عامة الوسواس منه

مسئلہ (۷۵) مسئولہ حضرت مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب از مارہرہ مطہرہ ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن میں قدر مانع بلکہ اس سے زائد نجاست حقیقیہ لگی ہے اور دھونے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے تو نماز کیسے پڑھے، اس کا کوئی جزئیہ نظر میں ہو تو لکھا جائے، اور آیا تیمم غسل نجاست حقیقیہ کا بھی ہوسکتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب - اگر پانی سے دھونا مضر ہو، مگر اور کسی چیز سے اس کا ازالہ مضر نہ ہو، مثلاً دوا کا جوشاندہ یا سرکہ یا کوئی عرق تو ان سے ازالہ کرلیا جائے، کہ نجاست حقیقیہ کی طہارت کے لئے پانی ہونا ضروری نہیں، بلکہ ازالہ درکار ہے، چاہے وہ کسی مزیل سے ہو اور یہ بھی نہ ہوسکے کہ مرض بڑھنے کا ظن غالب ہے، اگرچہ پانی کے سوا کسی اور شی سے زائل کرے تو مجبوری اور عفو ہے، یہانتک کہ اوروں کے سامنے

سترکھولنا بھی عفو کے لئے عذر ہے۔ عالمگیری میں ہے تطہیر النجاسۃ من بدن المصلی وثوبہ والمکان الذی یصلی علیہ واجب هذا اذا کانت النجاسۃ قدرًا مانعًا وامکن ازالتہا من غیر ارتکاب ما هو اشد حتی لو لم یتمکن من ازالتہا الا بابداء عورتہ للناس یصلی معہا لوابداها للازالۃ فسق هکذا فی البحر۔ تیمم صرف نجاست حکمیہ کا مزیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الصلوٰۃ

مسئلہ (۷۶) مسئولہ جناب عبدالعزیز صاحب از ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۰ رجب ۱۳۷۱ھ۔

ایک مسلمان عمداً نماز قضا کرتا ہے، اور باقی افعال بہت اچھے ہیں یعنی جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، زنا کرنا، اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتا ہے، تو اب یہ شخص اسلام سے خارج ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - جو شخص قصداً ترک نماز کرے، وہ بعض صحابہ و ائمہ کے نزدیک کافر ہے، اور بعض احادیث کے ظاہر سے یہی مستفاد اور اصح یہ ہے کہ کافر نہیں مگر فاسق فاجر مرتکب اشد کبیرہ مستحق نار و غضب جبار ہے، تارک صلوٰۃ کے بارے میں بکثرت آیات و احادیث میں نہایت شدید وعیدیں وارد ہیں، وہ فوراً توبہ کرے، اور نماز کی پابندی اپنے اوپر لازم کرے، اور جلد سے جلد فوت شدہ نمازیں قضا کرے، کہ موت کا وقت معلوم نہیں، اور روز قیامت سب سے پہلے اسی کا حساب دینا ہوگا، حدیث میں فرمایا اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوٰۃ۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے کو تنبیہ کریں، اور نمازی بنانے کی کوشش کریں، ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۷) مسئولہ عبدالحمید طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے باوجودیکہ اس سے نہایت عاجزی و انکساری سے کہا جائے اور اس پر بھی نہ پڑھے، اسکے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

الجواب - جو ایک وقت کی نماز قصداً ترک کرے وہ فاسق گنہگار مستحق عذاب نار و غضب جبار ہے، نہ کہ وہ جو بالکل پڑھتا ہی نہ ہو، شرعی جو سزا اسکے لئے ہے، وہ یہاں کون دے، اسکی سزا قید ہے، یہاں تک کہ سچی توبہ کرے یا قید ہی میں مرجائے، اور امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ فرماتے ہیں کہ جو ایک وقت کی بھی چھوڑے قتل کر دیا جائے۔ درمختار میں ہے:۔

وتارکہا عمدًا مجانۃ فاسق یحبس حتی یصلی وقیل یضرب حتی یسیل منہ الدم وعند الشافعی یقتل بصلوٰۃ واحدۃ

رد المحتار میں ہے وکذا عند مالک واحمد۔ اب مسلمان اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اُس سے میل جول ترک کردیں، نہ اپنے پاس اُسے بیٹھنے دیں نہ اُس کے پاس خود بیٹھیں جب عاجزی سے کہنے پر وہ توجہ نہیں کرتا تو جہاں تک سختی برت سکتے ہوں برتیں تاوقتیکہ توبہ نہ کرے، اُس کے ساتھ یہی معاملہ جاری رکھیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۸) مسئولہ عبد الرحمٰن از شہر کہنہ ۲۰ رجادی الاولیٰ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ سورج نکل آیا تھا گر دھوپ اچھی طرح سے نہیں پھیلی تھی، زید مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں دو لڑکے نوعمر جنکی عمر تخمیناً ایک کی ۱۴ سال، دوسرے کی ۲۰ سال ہوگی، انھوں نے سقایہ سے پانی لیکر وضو کرنا شروع کیا اور قہقہہ مارتے جاتے تھے، اور یہ کہتے جاتے تھے کہ ایک جوڑنے پڑھا تو مگر اسکی آواز ملی نہ دوسرے کی خیر تیسرے کی کچھ ملتی تھی مگر ہمارا تمھارا گلا خوب ملا، تو میں نے جاکر اُن سے کہا کہ تمھارے اوپر افسوس کرتا ہوں کہ وہ منبر جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اُس پر لوگ جاکر بیٹھتے ہیں بے وضو، اور نماز تک نہیں پڑھتے ہیں اور پھبکیاں اڑاتے ہیں، گلا ملانے اور آواز ملانے کی تاکید کر رہے ہو، کیا تم کو نماز کی ہدایت نہیں ہے، تم کو شرم نہیں آتی کہ اب قضا نماز پڑھنے آئے ہو کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ اور میلاد شریف پڑھنے کے لئے منبر پر جا بیٹھتے ہو، ان سے یہ الفاظ اس لئے کہے گئے تاکہ ان کو شرم معلوم ہو اور یہ نماز کے پابند ہو جائیں۔ اگر یہ میرا اعتراض شرع کے خلاف ہے اور جو حکم ہو اس سے زید توبہ کرنے کے لئے تیار ہے، اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم جو چاہیں وہ کریں زید نے یہ کہا کہ میں دس پانچ مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ تم صبح کی نماز قضا پڑھتے ہو اور تمھارے والد نے بھی یہ کہا کہ تم آٹھ بجے اٹھتے ہو، اور اب تم کو کیا غرض یہ بھی میں نے کہا تھا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سود لیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور زنا بھی کرتے ہیں، ان میں اور ہنود میں کیا فرق ہے[1] ایسے آدمیوں کی ہم کو کیا ضرورت ہے، جو ہم دعا مانگیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم سنی ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ بلا عذر شرعی ایک وقت کی بھی نماز قضا کر دینا سخت کبیرہ گناہ ہے، اور تارک نماز شرعاً مستحق سزا ہے، اور فاسق و فاجر ہے، ایسے کو منبر کو بیٹھنا حرام، اس سے میلاد پڑھوانا گناہ، اور سننا ناجائز۔ مجلس خیر اُس سے پڑھوائیں جو فاسق و فاجر نہ ہو۔ اگر انھیں معلوم ہے کہ دیر کر کے سونے سے صبح کی نماز قضا ہو جائے گی، تو جلد سوئیں بلا وجہ دیر تک نہ جاگیں۔ اور مسجد میں قہقہہ لگانا اور فضول باتیں کرنا بھی ناجائز ہے، زید نے جو انھیں نماز کی ہدایت کی بہت اچھا کیا امر بالمعروف واجب ہے قال اللہ تعالیٰ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ گناہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا نہ سنی ہونے سے خارج ہوتا ہے، مگر بے نماز مسلمان گویا تصویر بے جان ہے، ایسے کے لئے

[1] سود لینے والا جوا کھیلنے والا شراب پینے والا زنا کرنے والا بدترین فاسق فاجر ہے مگر کافر نہیں۔ جس نے یہ کہا ان میں اور ہنود میں کیا فرق ہے وہ توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

دعا جائز ہے خصوصاً یہ دعا کہ خدا انھیں ہدایت دے اور عمل خیر کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۷۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکے اور لڑکی پر کس عمر میں روزہ نماز فرض ہوتی ہے۔

الجواب ۔ روزہ نماز فرض اس وقت ہوں گے جب یہ بالغ ہو جائیں، اس کے لئے عمر کی تحدید نہیں بلکہ فرضیت میں بلوغ کا اعتبار ہے، لڑکی کم از کم نو سال میں بالغ ہو سکتی ہے اور لڑکا کم از کم بارہ سال میں، اور دونوں کی اکثر مدت بلوغ پندرہ سال ہے، یہ حکم فرضیت کا ہے، اور نماز پڑھنے کا حکم انھیں اس وقت سے کیا جائے جب سات سال کی عمر ہو جائے، حدیث میں فرمایا مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ[۵] بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوْا عَشْرَ سِنِيْنَ یعنی سات برس کے ہو جائیں تو نھیں نماز کا حکم دو اور دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھواؤ اور روزہ کے متعلق ان کے جسم وجثہ کا لحاظ کرکے جب وہ اس حد کو پہنچ جائیں کہ روزہ کی طاقت انھیں آجائے تو روزہ رکھوانا شروع کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۰) مرسلہ غلام محی الدین صاحب تیرپالی مارواڑ و نیاز محمد ٹوپی ساز پالی مارواڑ زیر جامع مسجد ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس حدیث کے متعلق کیا فرماتے ہیں، آیا یہ حدیث صحیح ہے اور سند کے ساتھ ہے یا ضعیف ہے۔ یا اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں، حدیث یہ ہے:۔

"روی ان النبی جلس یوماً مع اصحابہ فجاء شاب من العرب الی باب المسجد وھو یبکی فقال ما یبکیک یا شاب فقال یا رسول اللہ مات ابی ولیس لہ کفن ولا غاسل فامر النبی ابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فذھب الی المیت فرأیاہ مثل الخنزیر الاسود فرجعا الی النبی علیہ السلام فقال رأیناہ مثل الخنزیر الاسود یا رسول اللہ فقام الی الجنازۃ فدعا فصار المیت علی صورتہ الاولیٰ وصلی علیہ الصلوٰۃ واراد والدفن فرأوہ کالخنزیر الاسود فقال یا شاب ای عمل کان یعمل ابوک فی الدنیا فقال کان تارک الصلوٰۃ فقال یا اصحابی انظروا حال من ترک الصلوٰۃ یبعثہ اللہ یوم القیٰمۃ مثل الخنزیر الاسود نعوذ باللہ تعالیٰ منہا۔ (ترجمہ) روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز اپنے اصحاب کو لیکر بیٹھے تھے کہ ایک جوان عرب روتا ہوا دروازہ مسجد پر آیا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوان تو کیوں روتا ہے، اس نے کہا میرے والد نے وفات پائی اور ان کو کفن اور غسل دینے والا کوئی نہیں ہے

---

[۵] رواہ ابو داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۔ امجدی

حضرت رسول مقبول نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا، پس یہ دونوں مُردے کے پاس گئے، اور کیا دیکھتے ہیں، وہ مثل کالے سوٗر کے ہے، پس دونوں حضرت کے پاس لوٹ آئے، اور کہا کہ نہیں دیکھا ہم نے اسکو مگر مثل کالے سوٗر کے یا رسول اللہ۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کے پاس کھڑے ہوکر دعا مانگی، پس وہ مُردہ اصل صورت پر ہوگیا۔ پھر حضرت نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ لوگوں نے اس کو دفن کرنا چاہا، اتنے میں پھر وہ کالے سوٗر کی طرح دکھائی دینے لگا۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اے جوان تیرا باپ دنیا میں کیا کام کرتا تھا۔ جوان نے کہا بے نمازی تھا۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اصحاب دیکھو حال بے نمازی کا، اٹھائے گا اللہ اسکو قیامت کے دن کالے سوٗر کی طرح، بحوالہ بہجۃ الانوار۔

یہ حدیث ایک واعظ صاحب پیر جی نے بیان کیا، اس پر ایک شخص نے کہا، کہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے لئے بھی دعا فرمائیں اس کا بیڑا پار ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضور کے دعا کرنے سے ذرا سی دیر کے لئے وہ اصل صورت پر ہو پھر ویسی ہی اسکی شکل ہوجائے۔ علاوہ اس کے جس جنازہ کی نماز آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا دیں اور وہ بدبخت ہی رہے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق بالکل دلائل کے ساتھ جواب عطا فرمائیں۔ چونکہ ایسے لوگ وعظ کہہ کر لوگوں کو بدعقیدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دے۔ آمین ثم آمین

الجواب۔ درۃ الناصحین میں یہ روایت بہجۃ الانوار کے حوالہ سے لکھی ہے، بہجۃ الانوار نہ یہاں ہے نہ اس کے متعلق مجھے یہ علم ہے کہ وہ کس مرتبہ کی کتاب ہے، کہ آیا اس میں صحیح روایات ہی کو لکھا ہے یا ہر رطب و یابس کو بلا امتیاز جمع کردیا ہے۔ بہرحال یہ روایت نہ تو صحاح ستہ میں ہے، نہ اور کسی کتاب میں میری نظر سے گذری ہے۔ روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کا واقعہ بتایا گیا اگرچہ تصریح نہیں ہے مگر الفاظ سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے، اور ظاہر یہ بھی ہے کہ وہ شخص صحابی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صحابی ہوکر کیسے تارک الصلوٰۃ ہوگا، جبکہ منافقین بھی اس زمانہ کے نماز پڑھا کرتے تھے بلکہ جماعت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقه او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ۔ میں نے دیکھا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہ نماز سے پیچھے نہ رہ جاتا مگر وہ منافق جس کا نفاق معلوم تھا یا بیمار اور مریض جو دو شخصوں کے درمیان چل کر نماز کو آتا۔ لہٰذا کسی صحابی کی نسبت تارکِ صلوٰۃ ہونے کا وہم نہیں کیا جاسکتا خصوصاً جبکہ تمام اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ الصحابۃ کلهم عدول و ثقات سب صحابہ عادل و ثقہ ہیں۔ اور ترک نماز گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے عدالت

جاتی رہتی ہے اگر کسی صحابی یا صحابیہ سے کوئی کبیرہ ہوا بھی ہے تو انھوں نے توبہ کرلی ہے، جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اور عورت غامدیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر تمام مدینہ والوں پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے وسیع ہو جائے۔ یا عورت مخزومیہ کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حَسُنَتْ توبتھا اسکی توبہ اچھی ہوئی۔ پھر بڑی بات اس روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے اسکی صورت ٹھیک ہوگئی مگر نماز جنازہ کے بعد جب دفن کا ارادہ کیا تو پھر خنزیر کی شکل ہوگئی۔ اگر حضور کی دعا مقبول ہوئی اور اسکی حالت اچھی ہوگئی، پھر نماز کے بعد وہی حالت پیدا ہوگئی، اس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ نماز جنازہ میں سب کے لئے دعائے مغفرت کیجاتی ہے۔ چاہئے تو یہ کہ بعد نماز جنازہ اور بہتر حالت ہوتی نہ کہ صورت جو مسخ ہوگئی تھی اور دعا سے یہ عذاب مسخ اٹھا لیا گیا، پھر اسی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جس بندے سے عذاب اٹھالے اسکو پھر اسی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا:

بالجملہ اگر یہ روایت سند سے مروی ہوتی تو سند دیکھکر حکم لگایا جاتا کہ کیسی ہے، مگر اصول مذہب کے بظاہر خلاف ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۱) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ احمد عبد الشکور مرسلہ عبد الغفار ۱۶ شوال ۱۳۶۲ھ۔

حدیث اربعین نمبر ۱۳ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ بشیء فکانما زنیٰ بامہ الف مرات۔ حدیث نمبر ۱۴ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ بلقمۃ واحدۃ من طعام او شربۃ من ماء فکانما ھدم الکعبۃ بیدہ الف مرات۔ حدیث نمبر ۱۵ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعان تارک الصلوٰۃ لو بکلمۃ واحدۃ فکانما قتل الانبیاء جمیعًا اولھم آدم علیہ السلام واٰخرھم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

عرض یہ ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا غلط، اگر صحیح ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے، یہ اکثر مسجدوں میں چھپوا کر لگاتے ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں۔ صاف وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب - یہ احادیث جو سوال میں مذکور ہیں، کتب صحاح اور ان کے علاوہ بھی دیگر کتب متداولہ میں میری نظر سے نہیں گذریں، معلوم نہیں یہ اربعین کس کی ہے اور اس کتاب والے نے ان حدیثوں کو کس کتاب سے نقل کیا ہے، بظاہر ان پر وضع کے آثار نمایاں معلوم ہوتے ہیں، مگر تحقیق کے ساتھ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ موضوع حدیثیں ہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۲) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۵ رجب ۱۳۴۲ھ۔

"مدینہ طیبہ کے سفر میں بعض وقت بمجبوری قافلہ نہ ٹھہرنے کی وجہ سے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ملاکر پڑھنا جائز ہے؟ یہ صرف مدینہ طیبہ کے لئے یا ہر کہیں جہاں قافلہ چھوٹ جانے اور خوف کے مقام پر دو دو نمازیں ملاکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً ریل چلنے میں عصر کا وقت ہے اور معلوم ہے کہ مغرب تک نہ ٹھہرے گی، تو اس عصر کو مغرب کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ ہمارے مذہب میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں اگر ممکن ہو تو مذہب سے خروج نہ کیا جائے اور مدینہ طیبہ کے راستہ میں بعض دفعہ مجبور ہونا پڑتا ہے، اس مجبوری کے وقت مذہب غیر پر عمل کرے، اور اگر کہیں ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو وہاں بھی اسپر عمل کر سکتے ہیں، ریل پر جب وقت جاتا دیکھیں تو چلتی گاڑی میں پڑھ لیں پھر ٹھہرنے کے بعد پڑھیں[۱]۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۱] چلتی ریل گاڑی پر فرائض واجبات اور سنت فجر صحیح نہیں، جیسے چلتے ہوئے چھکڑے پر یا چلتی ہوئی کشتی پر جبکہ کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز پڑھنا ممکن ہو۔ اسکی علت یہ ہے کہ نماز صحیح ہونے کے لئے قرار علی الارض شرط ہے، لہٰذا جن صورتوں میں قرار نہ ہو نماز درست نہیں۔ فتح القدیر میں ہے وفی الایضاح وان کانت موقوفة فی الشط وهی علی قرار الارض فصلی قائما جاز لانها اذا استقرت علی الارض فحکمها حکم الارض۔ فان کانت مربوطة ویمکنه الخروج لم تجز الصلوٰة فیها لانها اذا لم تستقر فهی کالدابة اھ۔ بخلاف ما اذا استقرت فانها کالسریر بحرالرائق میں اینا ہے اسے نقل فرماکر کما داختاره فی المحیط والبدائع۔ درمختار میں ہے، ولو صلی علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علی النزول بنفسه لا تجوز الصلوٰة علیها اذا کانت واقفة (وفی الشامیة تحتها) وکذا الوسائع بالاولی الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بان رکز تحته خشبة (وفی الشامیة) وهذا لو بحیث یبقی قرار المحمل علی الارض لا علی الدابة فیصیر بمنزلة الارض زیلعی۔ فتصح الفرضیة فیه قائما کما فی نور الایضاح) واما الصلوٰة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة وهی تسیر او لا تسیر فهی صلوٰة علی الدابة (وفی الشامیة) اما اذا کانت تسیر فظاهر واما اذا کانت لا تسیر وکانت علی الارض وطرفها علی الدابة فتشکل لانها فی حکم المحمل اذا رکز تحته خشبة فتکون کالارض۔ وقد یفرق بانها اذا کان احد طرفیها علی الارض والأخر علی الدابة لم یصر قرارها علی الارض فقط بل علیها وعلی الدابة بخلاف المحمل لانه انما تصح الصلوٰة علیه اذا کان قراره علی الارض فقط بواسطة الخشبة لا علی الدابة) وان لم یکن طرف العجلة علی الدابة جاز لو واقفة لتعلیلهم بانها کالسریر هذا کله فی الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر۔ (وفی الشامیة) قوله لو واقفة کذا قیده فی شرح المنیة والمراد نعلیه بعدم اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شیئ منها علی الدابة وانما الهاحبل مثلا تجرها الدابة به تصح الصلوٰة علیها لانها حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی هذا التعلیل انها لو کانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوٰة علیها بلا عذر۔ وفیه تامل ——
ان ساری عبارتوں کا ماحصل یہ نکلا۔ کشتی اگر کنارے بندھی ہے اگر زمین پر ٹکی ہے تو نماز فرض درست اور اگر ٹکی نہیں اور کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز پڑھ سکتے ہیں تو نماز فرض درست نہیں۔ علت یہ بیان کی کہ قرار علی الارض نہیں۔ جانور پر محمل ہے محمل میں نماز پڑھی نماز فرض نہ ہوئی جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو۔ ہاں اگر جانور کھڑا ہو اور محمل زمین پر ٹکی ہو تو درست، علت وہی قرار علی الارض۔ گاڑی جانور کھینچ رہا ہے اس کا کچھ حصہ زمین پر کچھ جانور پر ہے، نماز نہ ہوئی اسلئے کہ استقرار علی الارض نہ ہوا حتیٰ کہ جانور کھڑا ہو نماز نہ ہوئی اسلئے کہ پوری گاڑی زمین پر ٹکی نہیں کچھ زمین پر ہے کچھ جانور پر گاڑی کا کوئی حصہ جانور پر نہیں اگر گاڑی کھڑی ہے تو نماز درست، چل رہی ہے تو درست نہیں۔ سبب وہی قرار وعدم قرار جن صورتوں (باقی ص۲۵ پر)

مسئلہ (۸۳) مرسلہ قاضی محمد عبد الرزاق صاحب از بانٹوہ کاٹھیاوار ۷، محرم الحرام ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہرین و عشائین کی ابتدار و انتہار کیا ہے۔ اور انکی کراہیت کس وقت کے ساتھ خاص ہے اور سایہ اصلی جو ہر موسم میں تبدیل ہوتا ہے شریعت میں اسکی معین مقدار کیا ہے۔ اور عصر بوقت مثلین ادا کیجائے تو جائز ہے یا نہیں، مذہب حنفی کے مطابق جواب ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب - آفتاب ڈھلنے سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور جبتک علاوہ سایہ اصلی دو مثل سایہ نہ ہو ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، اور جب دو مثل ہو گیا، عصر کا وقت آیا اور غروب تک عصر کا وقت رہتا ہے، ظہر کا وقت اول سے آخر تک بالکل اسمیں کوئی جزو مکروہ نہیں، ہاں جاڑوں میں تعجیل مستحب ہے، اور گرمیوں میں تاخیر، سایہ اصلی نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ہے اور موسم و بلد کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ بعض جگہ بعض موسم میں ہوتا بھی نہیں، جہاں جس روز جو سایہ اصلی ہو اسی کا اعتبار ہے، عصر کا وقت آفتاب زرد ہو جانے پر مکروہ ہو جاتا ہے علاوہ سایہ اصلی دو مثل ہونے پر اگر عصر کی نماز شروع کی گئی تو ہو گئی اور دو مثل سے قبل شروع کی تو نہیں ہوئی، مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور جبتک شفق ابیض غروب نہ کرے رہتا ہے، مگر ستاروں کے خوب نکل آنے پر مکروہ وقت ہو جاتا ہے اور بعد شفق ابیض وقت عشار شروع ہوتا ہے، اور طلوع فجر تک رہتا ہے، مگر بعد نصف شب مکروہ ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) میں زمین پر قرار ہے نماز صحیح، اور جن صورتوں میں زمین پر قرار نہیں نماز درست نہیں۔ رہ گیا حضرت علامہ شامی کا تامل وہ خود ان کے ارشادات سے مندفع ہے۔ اس سے پہلے فرما چکے ہیں۔ انما تصح الصلاۃ علیہ اذا کان قرارہ علی الارض فقط۔ اس سے چند سطر پہلے فرما چکے ہیں البحث بقی قرار المحمل علی الارض۔ ان ارشادات کا صاف و صریح مطلب یہی ہے کہ فرائض و واجبات کی صحت کیلئے قرار علی الارض لازم ہے۔ اور گاڑی جب چل رہی ہو تو قرار علی الارض تو دور ہے سرے سے قرار ہی نہیں۔ علاوہ ازیں۔ اس تامل کے چند سطر بعد اس تامل کی بنیاد خود ہی ڈھا فرماتے ہیں۔ والحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلۃ شرط فی صلاۃ غیر النافلۃ عند الامکان لا یسقط الا بعذر۔ اور ظاہر ہے کہ گاڑی جب چل رہی ہو، تو مکان متحد نہیں اسلئے چلتی گاڑی میں فرائض، واجبات، سنت فجر صحیح نہیں۔ ہاں اگر وقت جا رہا ہو تو پڑھے بعد میں اعادہ کرے، کہ جہاں مجبوری من جہۃ العباد ہوتی ہے یہی حکم ہے۔ ایک شخص ایسا بیمار ہے قیام و رکوع، سجدہ نہیں کر سکتا ہو اشارے سے نماز پڑھی اگر تندرست ہو جائے تو اعادہ نہیں۔ اور اگر کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ دے تو حکم ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھے، رہائی کے بعد اعادہ کرے۔ شامی میں ہے قولہ لا یعید ای فی سقوط الشرائط والارکان تعذر وسادی عکلاف مالو کان من قبل العبد۔ در مختار میں ہے ثم ان نشاء الخوف بسبب عبد اعاد الصلوٰۃ الا لا انہا سادی اس کے تحت شامی میں ہے، وقع فی الخلاصۃ وغیرہا الاسیر منعہ العدو من الوضوء والصلوٰۃ یتیمم ویصلی بالایماء ثم یعید ——— ریل گاڑی میں استقرار علی الارض کا فوت ہونا من جانب العباد ہے، اس لئے بدرجہ مجبوری نماز پڑھے، اور بعد میں اعادہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم - امجدی۔

مسئلہ (۸۴) مسئولہ جناب ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ موضع سچھورہ تحصیل کھیر ضلع علیگڈھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے اور عوام الناس کو سکھلاتا ہے کہ نماز جمعہ کا وقت دو بجے ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد جمعہ نہیں ہو سکتا۔

الجواب ۔ حنفیہ کے نزدیک جمعہ وظہر دونوں کا وقت ایک ہے یعنی علاوہ سایہ اصلی دو مثل سایہ ہونے تک ان بلاد میں ہمیشہ دو بجے کے بعد بلکہ تین کے بعد تک وقت رہتا ہے۔ بحر الرائق میں ہے (الجمعۃ کالظہر وقتا واستحبابا) ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۵) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد۔

"عرفات میں ظہر وعصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء ایک ساتھ جوڑ پڑھنے کا حکم ہے کیا وہاں کی مقررہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ یہ حکم خاص ہے، یا اپنے اپنے ڈیرے میں بھی ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، یا ہر ایک وقت کی نماز اپنے اپنے وقت میں جُدا جُدا۔

الجواب ۔ عرفات میں وقت ظہر میں عصر پڑھنے کے لئے شرط یہ ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے، اگر تنہا پڑھی یا اپنی جماعت الگ کی تو اب عصر کی نماز قبل وقت نہیں پڑھ سکتا، خواہ تنہا یا اپنی جماعت ڈیرے میں کی، یا مسجد میں۔ درمختار میں ہے شرط لهذا الجمع الامام الاعظم او نائبه ۔ مزدلفہ کی عـہ مغرب وقت عشاء میں پڑھنے کے لئے یہ شرط نہیں ڈیرے میں پڑھی یا جماعت کے ساتھ بہر حال مغرب وقت عشاء میں پڑھی جائے۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آفتاب نکلتے وقت جو کلام پاک پڑھنے کی ممانعت ہے آیا آفتاب نکلنے پر کتنا بلند ہو جائے تو شروع کرنا چاہیئے، اگر پہلے سے پڑھ رہا ہو تو کتنی دیر تک انتظار کرے۔

الجواب ۔ اوقات مکروہہ یعنی طلوع وغروب واستواء کے وقت قرآن کی تلاوت ممنوع نہیں بلکہ افضل واولیٰ یہ ہے کہ ان اوقات میں تلاوت کو ترک کرے اور درود شریف وغیرہ اذکار میں مشغول ہو کہ ان اوقات میں انہیں اشتغال تلاوت میں اشتغال سے افضل ہے۔ درمختار میں ہے وفیه عن البغية الصلوٰة فيها على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم افضل من قرأة القرآن وكانه لانها من اركان الصلوٰة فالاولى ترك ما كان ركنا لها ———

عـہ درمختار میں ہے وشرط العشائين باذان واقامة لان العشاء في وقتها لم تحتج للاعلام كما لا احتياج هنا للامام وقال الشافعي تحتهما فلو صلاهما منفردا جاز ۔ امجدی

یہ وقت مکروہ[علیہ] طلوع سے اسوقت تک ہے کہ آفتاب پر نظر خیرہ ہونے لگے جس کی مقدار تجربہ سے بیس منٹ ثابت ہوئی ہے، لہٰذا اتنی دیر تک تلاوت کو موقوف رکھنا افضل ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی نے نماز فجر کی نیت کی اور آفتاب نہیں نکلا تھا کہ سجدہ کرلیا اب دوسرے سجدہ کے وقت نکل آیا تو نماز ہوگئی۔ اسی طرح عصر کی نماز ہے کہ آفتاب تھا اور نیت باندھ لی ایک سجدہ کے بعد آفتاب غروب ہوگیا، دوسرا سجدہ اسی حالت میں کیا نماز ہوگئی لیکن قضا نمازوں کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ نماز فجر وجمعہ وعیدین کہ ان میں سلام سے پہلے بھی وقت نکل گیا تو نماز جاتی رہی۔ صحیح کیا ہے ؟

علیہ وقت مکروہ آفتاب کی آخری کرن غائب ہونے سے بیس منٹ پہلے سے شروع ہوجاتا ہے۔ استواء سے مراد صرف وقت زوال نہیں بلکہ ضحوۂ کبریٰ سے لیکر زوال تک پورا وقت مراد ہے۔ درمختار میں ہے کرہ صلاۃ مطلقا مع شروق واستواء وغروب الا عصر یومہ۔ قال الشامی قولہ مع شروق وما دامت العین لا تحار فیہا فہی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انہ الاصح بحر قولہ واستواء التعبیر بہ اولیٰ من التعبیر بوقت الزوال لان وقت الزوال لا تکرہ فیہ الصلاۃ اجماعا بحر عن الحلیۃ ای لانہ یدخل بہ وقت الظہر کما مر وفی شرح النقایۃ للبرجندی قد وقع فی عبارات الفقہاء ان الوقت المکروہ ہو عند انتصاف النہار الی ان تزول الشمس ولا یخفی ان زوال الشمس انما ہو عقیب انتصاف النہار بلا فصل وفی ہذا القدر من الزمان لا یمکن اداء الصلاۃ فیہ فلعل المراد انہ لا تجوز الصلاۃ بحیث یقع جزء منہا فی ہذا الزمان او المراد بالنہار ہو النہار الشرعی وہو من اول طلوع الصبح الی غروب الشمس وعلی ہذا یکون نصف النہار قبل الزوال بزمان یعتد بہ اہ اسماعیل ونوح وحموی وفی القنیۃ واختلف فی وقت الکراہۃ عند الزوال فقیل من نصف النہار الی الزوال لروایۃ ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن الصلاۃ نصف النہار حتی تزول الشمس قال رکن الدین الصباغی وما احسن ہذا لان النہی عن الصلاۃ فیہ یعتمد تصور ما فیہ اہ وعزی القہستانی القول بان المراد انتصاف النہار العرفی الی ائمۃ ما وراء النہر وبان المراد انتصاف النہار الشرعی وہو الضحوۃ الکبری الی الزوال الی ائمۃ خوارزم اہ اقول فی حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلالۃ واضحۃ علی ان المراد ہہنا بنصف النہار نصف النہار الشرعی لان بین نصف النہار العرفی وزوال الشمس لیس زمان ممتد یکون فیہ غایۃ نہیا انما یکون زوال الشمس بعد نصف النہار الشرعی متصلا بلا فصل فتعین ان یکون المراد فی الحدیث بنصف النہار ہو نصف النہار الشرعی یعنی الضحوۃ الکبری۔ وقد ترجح ہذا القول بقول رکن الدین الصباغی ما احسن ہذا۔ وہذا من الفاظ الافتاء۔ قال فی الرضویۃ۔ ویؤیدہ ما فی الشامی عن الطحطاوی عن ابی السعود الحموی عن البرجندی عن الملتقط فی باب الکسوف انہا اذا انکسفت بعد العصر او نصف النہار دعوا ولم یصلوا ای لکراہۃ النفل فی الوقتین ووجہ التائید ظاہر لیس بخاف۔ غرض جب علماء میں اختلاف ہے اور ایک امام اجل نے اس قول پر کہ یہاں مراد نصف النہار شرعی ہے اس کو ترجیح دی اور اس کے خلاف ترجیح منقول نہ ہوئی تو احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے۔ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک جو وقت ہے اس کے نصف پر ضحوۂ کبریٰ ہے۔ وقت مکروہ ضحوۂ کبریٰ سے شروع ہوکر نصف النہار حقیقی تک رہتا ہے یعنی طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جو وقت ہے اسکے نصف تک۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

الجواب ۔ اگر نماز فجر میں آفتاب طلوع ہوگیا اگرچہ قعدہ میں اگرچہ تشہد کے بعد نماز جاتی رہی پہلا مسئلہ صحیح نہیں مذہب حنفی کے خلاف ہے البتہ نماز عصر میں اگر آفتاب غروب ہو جائے تو نماز ہو جائے گی کہ اس نے نماز ناقص وقت میں شروع کی اور ناقص ہی ادا کی، تو جیسی شروع کی ویسی ہی ادا کی لہٰذا ہو گئی، بخلاف فجر کے تو اس کا کوئی وقت ناقص نہیں بلکہ سب کامل ہے تو اس نے کامل شروع کی اور کامل ہی اس پر واجب ہوئی اور اثنائے نماز میں آفتاب نکل آیا تو ناقص ادا ہوئی، لہٰذا جیسی واجب ہوئی تھی یعنی کامل ویسی اس نے ادا نہ کی اس وجہ سے نماز نہ ہوئی، اس قسم کے مسائل بہار شریعت دیکھکر نکال لیا کیجئے۔

مسئلہ (۸۸) مالابدمنہ باب الاوقات کے حاشیہ پر درج ہے کہ جمعہ کے روز استواء آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے کذا فی الاشباہ و درمختار شاید اسوقت النفال یا سنن پڑھنے کے لئے جواز ہے نہ نماز فریضہ لیکن مجمع المسائل حصہ اول مصنفہ اعلیحضرت بریلوی صفحہ اور اعلیحضرت کے ملفوظات حصہ اول میں وقت استواء بروز جمعہ نماز پڑھنا جائز لکھا ہے اور اشباہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ حاوی قدس تھے جنھوں نے حضرت یوسف سے روایت لکھی ہیں گویا وہ یوسفی ہوئے، لہٰذا احناف کے نزدیک بوقت استواء آفتاب بروز جمعہ نماز پڑھنا صحیح و معتمد ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مالابدمنہ میں حوالہ درمختار کا دیا ہے اور اعلیحضرت نے مجمع المسائل میں بھی درمختار کا حوالہ دیا ہے، لہٰذا درمختار دوبارہ ملاحظہ فرماکر اطلاع بخشیں کہ بوقت استواء آفتاب النفال پڑھنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ مجمع المسائل اعلیحضرت کے فتاویٰ کا مجموعہ نہیں ہے غالباً یہ مولوی حشمت علی بریلوی نے اپنے فتاوے جمع کئے ہیں، درمختار میں بروز جمعہ وقت استواء نماز کا جائز ہونا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا اور اسی کو اصح اور معتمد کہا متن میں مطلقاً وقت استواء کو وقت کراہت لکھا ہے۔ اور صاحب درمختار نے امام ابو یوسف کے قول کا استثناء کر کے اسکی تصحیح کی، عبارت یہ ہے (واستواء) الا یوم الجمعۃ علی قول الثانی المصحح المعتمد کذا فی الاشباہ ونقل الحلبی عن الحاوی ان علیہ الفتویٰ۔ مگر اس تصحیح پر ردالمحتار میں اعتراض کیا ہے اعترض بان المتون والشروح علی خلافہ کہ متون اور شروح سب اسکے خلاف پر ہیں، لہٰذا اسکی تصحیح صحیح نہیں۔ پس صاحب درمختار نے اگرچہ قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصحیح کی کہ نوافل

ف بلکہ صحیح و معتمد یہی ہے کہ وقت استواء جمعہ کے دن بھی نماز مکروہ ہے۔ شامی میں ہے لکن شراح الھدایۃ انتصروا لقول الامام واجابوا عن الحدیث المذکور باحادیث النھی عن الصلوٰۃ وقت الاستواء فانھا محرمۃ واجاب فی الفتح بحمل المطلق علی المقید وظاھرہ ترجیح قول ابی یوسف ووافقہ فی الحلبۃ کما فی البحر لکن لم یعول علیہ فی شرح المنیۃ والامداد علی ان ھذا لیس من المواضع التی یحمل فیھا المطلق علی المقید کما یعلم من کتب الاصول وایضا فان حدیث النھی صحیح رواہ مسلم وغیرہ فیقدم لصحتہ واتفاق الائمۃ علی العمل بہ وکونہ حاظرا وکذا امنع علمائنا عن سنۃ الوضوء وتحیۃ المسجد ورکعتی الطواف ونحو ذالک (صفحہ ۲۸۰)

وقت استواء میں جائز ہیں مگر قول صحیح و معتمد وہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ بروز جمعہ مطلقاً وقت استواء میں نماز ممنوع ہے کہ قول امام ثانی کی تصحیح کا مدار حاوی قدسی پر ہے اور حاوی قدسی کے مصنف ہر جگہ قول امام ابو یوسف ہی کو اختیار کرتے ہیں، لہٰذا اس باب میں یہ ترجیح بلحاظ ان کے مذہب کے ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۹) مرسلہ جناب عبد الرحمٰن صاحب ولد عبد القادر متصل خانقاہ شریف محلہ برکت پورہ مالیگاؤں سٹی ضلع ناسک

۴ رجب ۱۳۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۸ میں عصر کے وقت کا بیان ہے، کہ فلاں ماہ فلاں ہفتہ میں اتنے بجکر اتنے منٹ تک عصر کا وقت رہتا ہے۔ جناب مولٰنا صاحب اسمیں ان بلاد کا لفظ لکھا ہے تو ان بلاد میں کون کون شہر داخل ہیں، اور کون کون خارج یا اس سے کل ہندوستان مراد ہے۔

الجواب۔ ان بلاد سے مراد بریلی اور اسکے قریب کے دوسرے شہر یا وہ شہر و اضلاع جن کا عرض البلد بریلی کے برابر یا کچھ کم و بیش ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۰) از بمبئی گول پیٹھا اسلام پورہ اسٹریٹ نلو بھائی دلوی داس کی چال پہلا مالہ مرسلہ اسمٰعیل ابن الفیاض رجب ۱۳۶۵ھ

"وہ جگہ کونسی ہے جہاں لوگوں کو عشاء کی نماز نہیں ملتی ہے۔ مغرب کی نماز پڑھکر فارغ ہوتے ہیں اور سورج طلوع ہوجاتا ہے۔

الجواب۔ جہاں غروب آفتاب اور طلوع آفتاب میں صرف اتنا وقفہ ہوکہ مغرب کی نماز پڑھ لی جائے، وہاں نہ آبادی ہے نہ وہاں انسان رہ سکتا ہے، ہاں وہ جگہیں جہاں شفق ڈوبتے ہی فجر طلوع کرآئے، یا دونوں میں چند منٹ کا فاصلہ ہو ایسی بہت سی جگہیں ہیں۔ بلغار[عہ] میں ایسا ہوتا ہے، اور لندن میں بعض دنوں میں ایسا ہوتا ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(حاشیہ صفحہ ۵۰) ملک العلماء مظلہ العالی المجیب۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ کے الملفوظ میں یہ منقول ہے کہ فرمایا امام اعظم کا قول اسی حدیث (جمعہ کے دن جہنم بھڑکایا نہیں جاتا) کی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روز جمعہ وقت زوال کراہت نہ مانی۔ اشباہ میں اسے صحیح و معتمد رکھا، مگر حاوی نکو ہے ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ صاحب حاوی یوسفی المذہب ہیں ہر جگہ قول امام ابو یوسف کو بلا تفقہ لیتے ہیں، جا بجا امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب جس پر تمام متون و شروح ہیں۔ اطلاق منع ہے اور یہی صحیح و معتمد ہے، لہٰذا سائل کا یہ لکھنا کہ ملفوظات حصہ اول میں وقت استواء روز جمعہ نماز پڑھنا جائز لکھا ہے، غلط ہے۔ اس کا امکان ظاہر ہے کہ سائل دیتا کتابت کیا ہو۔ وہ لکھنا چاہتا تھا ناجائز، اور لکھ گیا جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم ——— امجدی

عہ درمختار میں ہے دفاقد وقتہما کبلغار فان فیہا یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی اربعینیۃ الشتاء۔ قال محشیہ الشامی صوابہ فی اربعینیۃ الصیف۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

مسئلہ (۹۱) مرسلہ عبدالحکیم خاں صاحب جمعدار ساکن چھاؤنی بلارم دکن رسالہ ۳۲ کیولری ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا ہے تو انگوٹھے جو چومتے ہیں، کیسا ہے۔

الجواب ۔ جب اذان میں مؤذن أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ کہے تو مستحب ہے کہ سننے والا انگوٹھوں کو بوسہ دے، ردالمحتار میں ہے وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ۔ اور مسئلہ کی تحقیق تام رسالہ منیر العین میں ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں کہ:-

(۱) ۔ اگر کوئی شخص بہ نیت ثواب صحیح طریقے سے اذان اور تکبیر کہہ سکتا ہے، لیکن کچھ نمازی یونہی یا اور کسی وجہ سے مانع ہوں، تو کیا یہ شخص اذان اور تکبیر کہنے پر مُصِر ہو سکتا ہے؟

(۲) ۔ ڈاڑھی منڈانے والا یا نابالغ بلند آواز اور صحیح طریقے سے اذان اور تکبیر ادا کرتا ہے، تو دے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ جب یہ شخص ثواب کے لئے اذان کہتا اور الفاظ اذان صحیح ادا کرتا ہے، تو لوگ اُسے اذان سے کیوں روکتے ہیں اگر بلاوجہ منع کرتے ہوں تو انھیں ایسا نہ چاہئے، اور اس صورت میں یہ شخص اصرار کر سکتا ہے، مگر جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو باز رہے، اور اگر وجہ صحیح سے منع کرتے ہوں تو اصرار کی کوئی وجہ نہیں۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲ ۔ نابالغ اگر سمجھ والا ہے تو بلا کراہت اذان دے سکتا ہے، مگر بالغ اذان کہے تو بہتر ہے۔ درمختار میں ہے ویجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق۔ ردالمحتار میں ہے المراد بہ العاقل وان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری میں نہایہ سے اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل۔ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے [عہ] اور فاسق کی اذان مکروہ۔ تنویر الابصار میں ہے ویکرہ اذان فاسق (ملخصاً)، عالمگیری میں ہے ویکرہ اذان الفاسق ولایعاد ھکذا [عمہ] فی الذخیرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ ۔ یعنی ایک مُشت سے کم کرانے والا بھی فاسق ہے ۔ فتح القدیر میں ہے اما الاخذ دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد۔ ایک مشت سے کم ڈاڑھی کرانا جیسا بعض مغاربہ اور ہجڑے قسم کے مرد کرتے ہیں، اسے کسی نے جائز نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمہ ھکذا فی الھندیۃ ولکن فی القھستانی واعلم ان اعادۃ اذان الجنب والمراۃ والمجنون والسکران والصبی والفاجر والماشی والمنحرف عن القبلۃ واجبۃ لانہ غیر معتد بہ وقیل مستحبۃ فانہ معتد بہ الا انہ ناقص وھو الاصح کما فی التمرتاشی وقال فی البحر وینبغی ان لایصح اذان الفاسق بالنسبۃ الی قبول قولہ والاعتماد علیہ لما تقدم انہ لایقبل قولہ (ص ۵۳ ج ۱)

مسئلہ (۹۳) مرسلہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب از موضع پیوارگھاٹ ڈاکخانہ پن پن پٹنہ ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

"بے وقت اذان ہونے یا غلط ہونے پر جماعت کا اعادہ واجب ہے ؟"

الجواب ۔ قبل از وقت اذان اذان ہی نہیں، اگرچہ اذان فجر ہو، بلکہ اگر قبل وقت شروع کی، اور وقت میں ختم کی تو اس کے بھی اعادہ کا حکم ہے ۔ درمختار میں ہے فیعاد اذان وقع بعضہ قبلہ تو یہ جماعت بغیر اذان پڑھی گئی، یونہی اگر اذان غلط ہوئی تو دوبارہ اُسکی تصحیح چاہیئے، اور اذان سنّت مؤکدہ ہے، بلکہ بعض نے واجب کہا، اور اصح اول ہے، اور جو جماعت بغیر اذان ہوئی مکروہ ہوئی ۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیر اذان واقامۃ کذا فی فتاوی قاضیخان ۔ اور ایسی جماعت کا اعادہ بہتر ہے کہ جو نماز خلاف سنّت ادا ہوئی اُس کا اعادہ بہتر، مگر فجر و عصر و مغرب میں اعادہ نہ چاہیئے، کہ فرض ادا ہوچکا ہے، اور یہ جواب پڑھے گا نفل ہے، اور فجر و عصر کے بعد نفل نہیں، اور مغرب میں نفل کا تین رکعت ہونا لازم آئے گا جس طرح اگر کوئی بغیر جماعت ان نمازوں کو پڑھ چکا ہے، پھر مسجد میں جماعت قائم ہوئی تو ان تین میں شریک نہ ہو اور ظہر و عشاء میں شریک جماعت ہو، کما ھو مصرح فی عامۃ الکتاب ــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسئلہ (۹۴) مرسلہ حامی سنّت منشی محمد عبد العزیز خاں صاحب از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ بڑی مسجد میں نئے امام صاحب کے کہنے پر لوگ حیّ علی الصّلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہیں اور قدقامت الصّلوٰۃ پر امام تکبیر کہتے ہیں، اسمیں چند وہابی معترض ہیں کہ ایسی بڑی جماعت میں اتنے قلیل وقت میں صف برابر نہیں ہوتی اسلئے امر فضیلت کیلئے امر کراہت کا احتمال جائز نہیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ یہ مسئلہ نہایت واضح اور عامۂ کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے ۔ اور نہیں تو شرح وقایہ ہی دیکھئے، فرماتے ہیں و یقوم الامام والقوم عند حیّ علی الصّلوٰۃ ۔ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی اس کے حاشیہ "عمدۃ الرعایہ" میں لکھتے ہیں ای مواضعھم الی الصف وفیہ اشارۃ الی انہ اذا دخل المسجد یکرہ لہ انتظار الصلوۃ قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات ۔ اس مسئلہ کے متعلق عبارات جمع کیجائیں تو بہت طول ہو ۔ بعض عبارات پر اقتصار کیا جاتا ہے مجمع الانہر

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) فی الامور الدینیۃ ۔ قال الشامی علی حاشیتہ کذا فی النھر الفائق وظاھرہ انہ یعاد وایضا ھو قد سرہ صرح فی رد المحتار فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح کما قد منا عن القھستانی فلذالک صرح فی بہار شریعت ۔ خنثیٰ و فاسق اگرچہ عالم ہی ہو اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے ۔ لاہور، کانپور اور دہلی کی بہار شریعت میں حوالہ درمختار کا ہے ۔ یہ کاتب کی مہربانی اور ناشرین کی غفلت کا نتیجہ ہے ۔ اللہ عزوجل ان ناشرین کو ہدایت دے بہار شریعت چھاپ کر اپنی خزانے بھرتے ہیں مگر اس کا ناس لگا کر رکھدیا ہے ۔ ایسی ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ کتاب محرّف ہو کے رہ گئی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

میں ہے واذا قال المؤذن فی الاقامۃ حیّ علی الصلوٰۃ قام الامام والجماعۃ عند علمائنا الثلثۃ للاجابۃ وقال الحسن و زفر اذا قال قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف۔ جب خود امام اعظم و صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرما رہے ہیں تو اب ان کے مقلد کو چون و چرا کی کیا گنجائش۔ عام لوگوں میں خلاف سنت یہ رواج پڑ گیا ہے کہ اقامت شروع ہونے سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بوجہ جہالت بیٹھنے والے پر ملامت کرتے ہیں اور سنت قدیمہ کو اپنی ناواقفی سے نئی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ بیٹھے سے انتظار نماز میں کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ "جامع المضمرات" کی عبارت بحوالہ عمدۃ الرعایہ سن چکے، یہ کہ مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حیّ علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ وھو الصحیح الخ بلکہ اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آیا کہ اقامت ہو رہی ہے، تو سنت یہ ہے کہ بیٹھ جائے اور کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ اسی میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حیّ علی الفلاح کذا فی المضمرات۔ درمختار میں ہے، دخل المسجد والمؤذن یقیم یقعد الی قیام الامام فی مصلاہ۔

وہابیہ کو جب اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق ہی نہیں، تو ان کی آرزو ہوگی کہ سنت پر عمل نہ ہو، اور اس کے نئے طرح طرح کے حیلے نکالیں گے، پہلے ہی سے کیوں نہیں صف برابر کر کے بیٹھنے، اور افضل یہ ہے کہ بعد ختم اقامت امام نماز شروع کرے اگرچہ بعد قد قامت الصلوٰۃ بھی شروع کرنا جائز ہے کما فی القنیہ اور اگر صف[عہ] سیدھی نہ ہوئی تو امام اتنا انتظار کر سکتا ہے کہ صف درست ہو جائے ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۵) مسئولہ محمد علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۲ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ صبح صادق کا وقت کے بجے سے شروع ہوتا ہے، اور اگر فجر کی اذان پانچ بجے دیدی گئی ہو تو جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو دوبارہ اذان دی جائے گی یا نہیں۔

الجواب۔ صبح صادق بلکہ تمام اوقات روزمرہ مختلف ہوتے رہتے ہیں گھنٹے منٹ کے ساتھ ایسی تحدید کہ روز وہی رہے کیونکر ممکن، آجکل موسم سرما میں یہاں پانچ بجے کے بعد صبح صادق ہوتی ہے، اور وہ اذان کہ قبل وقت ہوئی صحیح نہیں، پھر دوبارہ[۵] وقت میں کہی جائے، تنویر الابصار میں ہے فیعاد اذان وقع قبلہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عہ قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حیّ علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب۔ نماز ہونا چاہئے کہ جب مؤذن حیّ علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں پھر صف باندھیں اور صفوف کو سیدھی کریں مونڈھوں کو برابر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

مسئلہ (۸۶) مسئولہ عبدالعزیز خاں از شہر کہنہ بریلی ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

"اذان مسجد کے داہنی طرف کہنی چاہئے یا بائیں طرف، نیز مسنون اذان کا کہنا کس طرف ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب - اذان مئذنہ پر ہونی چاہئے، اور اگر مئذنہ بنا نہ ہو تو فصیل وغیرہ کسی اونچی جگہ پر ہو، پھر اگر داہنی طرف نمازیوں کی زیادہ تعداد ہو تو داہنی طرف اور بائیں طرف زیادہ رہتے ہوں تو بائیں جانب بہتر ہے، اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں طرف ہونی چاہئے بالکل غلط ہے، داہنے بائیں کی تخصیص نہیں، بلکہ وہ جگہ اختیار کریں کہ اسمع للجیران ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے السنۃ ان یؤذن فی موضع عال یکون اسمع لجیرانہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۷) از الہ آباد چوک مرسلہ حاجی عبدالحمید صاحب سوداگر ۱۵ ر صفر ۱۳۵۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز کے لئے صفوں کا برابر کرنا اور سیدھا کرنا ضروری امر ہے یا اثنائے اقامت میں امام ومقتدین کے لئے نماز میں کھڑا ہونا جیسا کہ بعض کتب فقہیہ میں مذکور ہے "القیام حین قیل حی علی الفلاح وشروع الامام مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ" اور اگر کوئی امام تسویہ صفوف سے اثنائے اقامت میں کھڑے ہونے کو مہتم بالشان خیال کرے اور اپنے اسی رائے پر ہٹ کرے، تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب - صفوں کا برابر کرنا مسنون ہے، حدیث میں ہے "لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم" صفوف کو سیدھا نہ کرنے میں اندیشہ ہے کہ لوگوں میں مخالفت پیدا ہو جائے۔ اور وقت اقامت بیٹھا رہنا جیسا کہ عامۂ کتب معتبرہ فقہ متون وشروح وفتاویٰ میں مذکور ہے، امام وقوم اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن[عہ] حی علی الصلوٰۃ کہے اسکی بھی پابندی کی جائے نہ اسکی وجہ سے اُسے ترک کریں نہ اُس کی وجہ سے اِسے کہ ان دونوں میں منافات نہیں، زمانہ موجودہ میں عام طور پر رواج ہو گیا ہے کہ جبتک امام مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو جائے تکبیر نہیں کہتے گویا یہ تصور کر لیا ہے کہ تکبیر اس سے قبل جائز ہی نہیں یہانتک کہ اگر دو تین مقتدی ہوں کہ اگر وہ اِدھر اُدھر بھی بیٹھے ہوں تو برابر کرتے کیا دیر لگتی ہے، اسمیں بھی اپنے اسی قانون کی پابندی کرتے ہیں، یہ بالکل بے اصل ہے، اگر جماعت کثیرہ بھی ہے تو لوگ پہلے ہی سے اسطرح بیٹھیں کہ صفوف کے سیدھا کرنے میں دیر نہ لگے تاکہ کسی سنت ومستحب کا ترک کرنا نہ پڑے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

عہ دو روایت ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہو، یا حی علی الفلاح پر۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دونوں میں یہ تطبیق دی کہ حی علی الصلوٰۃ پر اٹھنا شروع کرے اور حی علی الفلاح پر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ عالمگیری سے گزرا کہ کھڑے ہو کر اقامت سننا مکروہ ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کا خیال رکھیں، کھڑے ہو کر اقامت ہرگز نہ سنیں، واللہ تعالیٰ اعلم ـ امجدی

مسئلہ (۸۷) از گیا مرسلہ عبد الکریم حاجی ہاشم ۲۰ صفر ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ جماعت نماز کے لئے تثویب بعد اذان کہنا کیسا ہے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ میں اسکے معنی اور کیا غایت اور کیا حکم شرعی اور اس کے لئے کیا کیا الفاظ لکھے ہیں۔

الجواب ۔ متاخرین نے تثویب کو مستحسن فرمایا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ نماز کیلئے اعلان کیا جائے تاکہ جو لوگ اذان سنکر نماز کے لئے نہیں آئے انھیں یاد دہانی ہوجائے کہ اب آجائیں اور اس کے لئے کسی خاص لفظ کی تعیین بلکہ وہاں کے لوگوں نے جو لفظ بھی اس کے لئے مقرر کردیا ہو جائز ہے۔ درمختار میں ہے ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ ردالمحتار میں ہے التثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام درر۔ نیز اسی میں ہے قولہ فی الکل ای الصلوۃ لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوۃ سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اھ قولہ بما تعارفوہ کتنحنح او قامت قامت او الصلوۃ الصلوۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالک جاز نھر عن المجتبیٰ ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ امور دین میں لوگ سست ہوگئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے سوا تمام نمازوں میں کی جائے اور مسلمان جس امر کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور تثویب کے لئے جو الفاظ مقرر کرلئے جائیں جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے والتثویب حسن عند المتاخرین فی الصلاۃ الا المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلاۃ الصلاۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذالک بما تعارفوہ کذا فی الکافی ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۸۸) مرسلہ حافظ ارشاد خیر صاحب دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وسط شہر میں ایک مسجد مسلمانوں کے گنجان محلہ میں واقع ہے جس میں مؤذن اور امام دونوں موجود ہیں، پنجگانہ نماز جماعت کے لئے ان مساجد میں اذان دیجاتی ہے لیکن بخلاف اس کے مسجد مذکور میں صبح کی جماعت بغیر اذان اکثر ہوجاتی ہے، بروئے حکم شرع اطہر نماز جماعت میں بلا اذان کے کوئی نقص واقع ہوتا ہے یا کیا اور اذان کے کہنے کا مؤذن اور مسلمانوں کے ذمہ کوئی مواخذہ ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ۔ صلوات خمسہ جبکہ جماعت سے ادا کی جائیں تو اذان سنت مؤکدہ ہے[عہ] اور اسکی تاکید بہت زائد ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ وجوب کے قائل ہیں اور اس کا ترک موجب اثم ہے۔ غنیہ میں ہے "الاذان سنۃ فی قول عامۃ الفقہاء وکذا الاقامۃ وقال بعض مشائخنا واجب لقول محمد لو اجتمع اہل بلدۃ علی ترکہ قاتلناہم علیہ"، نیز اسی میں ہے "وفی الدرایۃ عن علی ابن الجعد عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وابی یوسف رحمہ اللہ صلوا فی الحضر الظہر والعصر بلا اذان واقامۃ اخطئوا السنۃ واثموا انہما سنۃ للصلوات الخمس اداءً وقضاءً اذا صلیت بجماعۃ"۔ نیز اذان شعائر اسلام سے ہے اسکو ہرگز ترک نہ کیا جائے اور جب مؤذن نوکر ہو تو اس کے لئے پانچوں وقت اذان کہنا ضروری ہے اور نہ کہے تو علیحدہ کر دیا جائے اسکی جگہ دوسرا رکھا جائے۔

مسئلہ (۸۹) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ خان بہادر خاں صاحب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین عبارت ذیل میں، صاحب درمختار فرماتے ہیں "والقیام للامام والمؤتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتہی الیہ الامام علی الاظہر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرہم علیہ الا اذا اقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریۃ وان خارجہ قام کل صف ینتہی الیہ"، بحر بعض لوگ عبارت مذکورہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے کہ امام محراب کے پاس ہو اور اگر صف سے دور ہو یا مسجد سے باہر ہو تو جس صف کے پاس امام پہونچے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں عام اس سے کہ تکبیر شروع ہو یا نہ ہو، اسی بنا پر جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صف سے قریب ہو کر کہتے ہیں کہ اے مقتدیو! کھڑے ہو جایا کرو جب میں تمہارے پاس آجایا کروں۔ بعض مقتدیوں نے کہا ابھی مکبر نے حی علی الفلاح نہیں کہا ہے ہم کیونکر کھڑے ہوں۔ یہ تو اس وقت ہے جبکہ مکبر حی علی الفلاح کہہ لی ہو اور امام موجود نہ ہو۔ تو محض مکبر کے حی علی الفلاح پر نہ کھڑے ہوں بلکہ امام کا انتظار کریں، اس پر بہت زور دیا جا رہا ہے کہ نہیں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، بلکہ میں جب قبل حی علی الفلاح آیا کروں تو بھی کھڑے ہو جانا تم لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبارت مذکورہ کا مطلب ہے کہ امام جب محراب کے قریب ہو تو حی علی الفلاح پر اٹھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو دو صورت ہے، اگر بعد حی علی الفلاح آیا ہے تو جس صف سے گذرے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں اور قبل حی علی الفلاح کے امام آیا ہے تو اس کو بھی بیٹھ جانا چاہئے، کیونکہ انتظار اقامت کھڑے ہو کر کردہ ہے جیسا کہ صاحب طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے "واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ

عہ بلا اذان جماعت اولیٰ مکروہ اور خلاف سنت ہے، فتاوی رضویہ جلد ۲ ص ۴۰۸۔ اذان سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ اگر ایک کہہ دے تو سب سے ساقط، اور اگر کوئی نہ کہے تو سب گنہگار۔ شامی میں ہے "واستظہر فی البحر کونہ سنۃ علی الکفایۃ بالنسبۃ الی کل اہل بلدۃ"، وہو تعالیٰ اعلم۔

اذان کا بیان

مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراہۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون اور تبیین جامع الرموز میں ہے ویقوم الامام والقوم عند حی علی الفلاح وفی الاصل وغیرہ الاحب ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن وھذا قول العلماء الثلثۃ وھو الصحیح۔ چند عبارت کے بعد فرماتے ہیں وفی الکلام ایماء خفی الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامۃ یقعد لکراہۃ القیام والانتظار کما فی المضمرات۔ عالمگیری نے کچھ اضافہ کرکے تشریح کی ہے ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات، اور اگر قبل حی علی الصلوٰۃ کے محض امام کے آنے پر خود امام اور لوگ کھڑے ہوجائیں، تو صاحب مضمرات کی عبارت کا مطلب باطل ہوجاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جب امام قرب محراب میں ہو تو حی علی الصلوٰۃ پر وہ خود اور مقتدین اٹھیں اور بعدم موجودگی امام وقت حی علی الصلوٰۃ مقتدی نہ اٹھیں، بلکہ امام جب صف سے قریب ہوجائے تو اس صف والے مقتدی اٹھیں، تو صاحب مضمرات اور صاحب درمختار دونوں کی عبارتوں کا مطلب صحیح باقی رہے گا۔ دوسرے صاحب طحطاوی کی عبارت لفظ "دخل" اور جامع الرموز کی عبارت میں لفظ "احد" جو آیا ہے وہ مطلق ہے، یعنی امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یا محض مقتدی اس سے مراد ہیں، لہٰذا عبارات مذکورہ کا جو صحیح مطلب ہے تحریر فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ عمل کیا ہونا چاہئے، اور بوقت اقامت بیٹھنا اور حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہوجانا ہے۔

کوئی نیا مسئلہ ہے یا پرانا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے سے تو کہیں کسی کو ہم نے بیٹھتے نہیں دیکھا یہ نیا مسئلہ ہے میں تو بہت شوق کا مفصل جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں تاکہ یہ مرحلہ طے ہوجائے۔

الجواب ۔ عبارت درمختار بہت واضح وظاہر ہے اور مسئلہ بھی نہایت صاف ہے، بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جنہیں روایات مختلف ہوتی ہیں یا ائمہ مذہب یا مشائخ میں اختلاف ہوتا ہے، ایسے مسائل میں ترجیح وتصحیح کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاں اختلافات نہ ہوں یا روایات مختلف نہ ہوں اور متون تک میں مذکور ہوں۔ وہاں قیل وقال کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول اس کے متعلق موجود، اور ائمہ ثلٰثہ بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوں، جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے شروع سے کھڑا ہوجانا نہ مذہب امام اعظم ہے نہ صاحبین کا قول۔ پس حنفی کو چون وچرا کی اصلاً گنجائش نہیں۔ ہمارے ائمہ میں امام حسن بن زیاد اور امام زفر نے اگرچہ ائمہ ثلٰثہ کا خلاف کیا ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ پہلے ہی سے کھڑے ہوجائیں، بلکہ ان کے نزدیک قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرۃ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ وقال الحسن بن زیاد وزفر اذا قال

المؤذن قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف واذا قال مرۃ ثانیۃ کبّر والصحیح قول علمائنا الثلثۃ۔ ان دونوں ائمہ نے بھی اس طرح نہ کہا جیسا آجکل حنفی عوام کرتے ہیں کہ وقت اقامت تمام جماعت و امام کا کھڑا ہوجانا ضروری سمجھتے ہیں یا کم از کم مستحب جانتے ہیں یہاں تک کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے پر فساد کے لئے تیار ہوجاتے یا ناراض ہوتے ہیں، غالباً یہ انکار عدم واقفیت پر مبنی ہے، مگر بتا دینے کے بعد اس کی طرف رجوع نہ کرنا خلاف انصاف ہے۔ عام طور پر لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں، اس وجہ سے اسے نیا کہتے ہیں۔ ورنہ جو حکم عامہ کتب مذہب متون و شروح و فتاویٰ میں مذکور ہو اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ قول ہے، اسے نیا کہنا عجب ہے، امام کے قول کے خلاف حنفی کو عمل کرنا نیا ہے نہ کہ قول امام کو نیا اور حادث کہا جائے اگر مشائخ یا علماء کا استخراج ہوتا جب بھی نیا نہ کہلاتا نہ کہ امام اعظم کے ارشاد کو نیا کہکر رد کیا جائے، یہ حنفی سے نہایت بعید ہے۔ درمختار کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وقت اقامت اگر امام قریب محراب میں ہو تو حیّ علی الفلاح پر کھڑے نہ ہوں بلکہ جب صف کے پاس امام وہ کھڑی ہوجائے، والا فیقوم کا مطلب یہ نہیں کہ اقامت سے پہلے جب امام آئے تو اس کے آنے سے ہی لوگ کھڑے ہوجائیں اس لئے کہ وہ الّا مخفف ہے وان الحربکن کذالک کا جس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صورت متقدمہ ہو تو حکم یہ ہے، اور یہاں صورت متقدمہ یہ تھی کہ اقامت اس وقت کہی گئی کہ امام قرب محراب میں نہ ہو لہذا اگر قبل اقامت امام آیا تو نہ اس کے آنے پر لوگ کھڑے ہوں نہ اس عبارت سے اسے کوئی تعلق

ثانیاً۔ قبل اقامت امام کے آنے پر مقتدیوں کا کھڑا ہونا، اس کی دو صورتیں ہیں، تعظیم امام کے لئے یہ کھڑا ہونا ہے یا نماز کے لئے، بر تقدیر اول خود امام کا لوگوں کو اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دینا سخت معیوب و مذموم ہے، نیز یہ کہ زیر بحث نہیں کلام اس قیام میں ہے جو نماز کے لئے ہو نہ کہ امام کے لئے۔ اور بر تقدیر ثانی انتظار الصلوٰۃ قائماً ہوا، اور فقہاء اس کو مکروہ کہتے ہیں، لہٰذا یہی نہیں ہوسکتا تو امام کے آنے پر کھڑا ہونا اگرچہ قبل اقامت ہو، درمختار کی عبارت کا مقصود نہیں ہوسکتا۔ اگر کہا جائے انتظار الصلوٰۃ قائماً سے قیام طویل مراد ہے اور یہاں تھوڑی دیر کھڑا ہونا پڑے گا۔ لہٰذا مکروہ نہیں، تو جواب یہ ہے کہ امام کے آنے پر فوراً اقامت ہوکر نماز شروع ہوجانا کیا ضرور ہے، بسا اوقات کچھ لوگ وضو کرتے ہوتے ہیں جن کا انتظار ہوتا ہے یا وقت مقرر میں کچھ منٹ باقی ہوتے ہیں جنکے پورے ہونے کا لحاظ کیا جاتا ہے، پھر ایسی صورت میں امام و مقتدی سب کھڑے کھڑے کب تک پریشان ہوں گے۔ اور اگر فوراً اقامت ہوکر نماز شروع ہو بھی جائے تو اتنی دیر تک کہ قیام بلکہ اس سے کم کو بھی (مثلاً اقامت ہوتے وقت مسجد میں آیا) فقہاء مکروہ بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بیٹھ جائے اور وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ انتظار قائماً ہے اور یہ کروہ جب اثنائے اقامت میں آنے والے کے لئے کھڑا رہنا انتظار قائماً میں داخل ہے تو پہلے ہی سے کھڑا ہوجانا انتظار قائماً میں بدرجہ اولیٰ داخل۔ عالمگیری میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ

یکرہ لہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔ فتاوے ہندیہ میں ہے دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائماً الی وقت الشروع۔

ثالثاً۔ اگر امام کا مسجد میں آنا ابھی قیام مقتدی کو جائز ہونا عام ازیں کہ اقامت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو جب امام خود تکبیر کہے اس صورت میں فقہا کیوں حکم فرماتے ہیں کہ جب تک تکبیر ختم نہ کرے مقتدی کھڑے نہ ہوں، خود اسی درمختار میں اسی جگہ اس عبارت سے متصل یہ فرمایا الا اذا اقام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریہ۔ اسی طرح بحر الرائق میں بھی اسی ظہیریہ سے نقل فرمایا یہاں امام موجود ہے اور خود کھڑا بھی ہے مگر مقتدی کو حکم ہے جب تک تکبیر پوری نہ ہو بیٹھے رہیں، تو معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس وقت ہے کہ امام موجود ہو اور دوسرا شخص اقامت کہہ رہا ہو اور امام موجود نہ ہو تو حی علی الفلاح پر کھڑے نہ ہوں بلکہ اس کے آنے پر اور امام تکبیر کہے تو تکبیر کے ختم ہونے پر۔

رابعاً۔ یہ مضمون کہ حی علی الفلاح پر جب امام وہاں نہ ہوں کھڑے نہ ہوں بلکہ امام کے آنے پر کھڑے ہوں، حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی، یعنی اگر میرے آنے سے پہلے اقامت ہو جائے تو جب تک مجھے آتا ہوا نہ دیکھو کھڑے نہ ہو، امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں لا بد فیہ من التقدیر تقدیرہ لا تقوموا حتی ترونی خرجت فاذا رأیتمونی خرجت فقوموا۔ یہ حدیث صاف کہہ رہی ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد مقتدی کھڑے نہ ہوں جب تک امام نہ آجائے۔ نیز اسی عمدۃ القاری میں ہے وقال ابو حنیفۃ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام لانہ امین الشرع وقد اخبر بقیامھا فیجب تصدیقہ واذا لم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لا یقومون حتی یروہ۔ اس عبارت میں دونوں حکموں کو ایک ساتھ بیان کرنا اور حتی یروہ کو عدم قیام کی غایت قرار دینا اسی وقت چسپاں ہوگا جب امام کے آنے سے پہلے اقامت ہونے پر محمول کریں، ورنہ عبارت غیر مرتبط ہوگی کما لا یخفی۔ بدائع الصنائع میں اولاً یہ تحریر فرمایا والجملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معھم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف۔ اس کے بعد امام زفر و حسن بن زیاد کا قول و استدلال اور اس کا جواب ذکر کر کے فرمایا ھذا اذا کان الامام فی المسجد فان کان خارج المسجد لا یقومون مالم یجئ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا تقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت" اقامت ہونے کے متعلق یہ دو حکم بیان کرتے ہیں، ایک اس وقت

تک کے لئے کہ امام مسجد میں ہو۔ دوسرا اس حالت کے متعلق کہ امام خارج مسجد ہو، اور حدیث سے اس حکم کو ثابت کرتے اور حدیث ہم اوپر بیان کر چکے کہ اس میں اقامت کو شرط کیا ہے یعنی قبل اقامت امام کے آنے پر کھڑا ہونا کہا جائے تو نہ حدیث ثابت ہوگا نہ اقامت کے متعلق یہ دو حکم ہوں گے۔ اور اقوال علماء کو اختلاف پر حمل کرنا جبکہ اتحاد درست ہو درست نہیں۔

مسئلہ (۹۰) از دھوراجی کاٹھیاوار مدرسہ مسکینیہ مناری کی مسجد مرسلہ مولوی حشمت علی سلمہ اللہ تعالیٰ

۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۴۶ھ

"مولوی ابراہیم صاحب ساکن کچی باغ بنارس آج کل مسئلہ جلوس بوقت اقامت کے خلاف بہت کچھ زور لگائے ہیں، اُس کا ایک مطبوع استفتاء میرے پاس بھی آیا ہے، انہیں جس قدر عبارات اپنے مفید سمجھ کر لکھی ہیں، وہ سب حقیقۃً اُن کے مدعا کے خلاف ہیں، مگر ایک مغالطہ البتہ سمجھ میں نہیں آیا جو انہیں کی عبارت درج ذیل میں ہے وہ یہ ہے:۔

"فقہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہو جائیں، وہاں امام ومقتدی دونوں کے واسطے لکھا ہے مگر حضرت فاضل بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۴۰۸ میں لکھتے ہیں یہ حکم قوم کے لئے ہے ص۴۱۸ امام کے لئے اس میں خاص کوئی حکم نہیں، مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں ص۴۱۵ مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں، حضرت فاضل بریلوی کی یہ تخصیص قوم کی بظاہر عموماً کتب فقہیہ ونیز بہارِ شریعت کی تصریحات کے خلاف ہے، حیرت کہ بہارِ شریعت کے آخر میں حضرت فاضل بریلوی ممدوح کی تصدیق موجود ہے اب فرمائیں کون صحیح ہے"

حضور والا اس مغالطہ کا حل کسی خادم سے لکھوا کر روانہ فرمائیں۔

الجواب ۔ فتاویٰ رضویہ کی ان عبارات کو کتب فقہیہ کے خلاف بتانا بالکل غلط وباطل ہے، سائل نے جس قسم کے سوال کئے ہیں، اُن کے موافق جوابات تحریر فرمائے ہیں، سوال وجواب دونوں کو دیکھنا چاہئے نہ یہ کہ ایک جملہ جواب کا دیکھا اور اُس کو عام قرار دیکر کتب فقہ کے خلاف کہدیا، ص۴۰۸ کا محصل یہ ہے کہ امام حجرہ میں تھا اور تکبیر شروع ہو گئی اور حیّ علی الفلاح یا ختم تکبیر کے وقت مصلے پر پہنچے گا تو اس صورت میں بیٹھ جائے یا چل کر مصلے پر جائے، جواب میں فرمایا بیٹھنے کی حاجت نہیں یونہی، بعد خطبہ جمعہ امام کا جلوس منقول نہیں صورت اولیٰ میں امام ابھی تک اپنی جگہ پر پہنچا ہی نہیں، پھر بیٹھنے کی کیا ضرورت، مقتدی بیٹھے ہیں بیٹھے رہیں۔ امام جب اُن کے آگے ہو جائے تو اُس وقت کھڑے ہوں اور صورت ثانیہ

میں مقتدی بیٹھے ہیں بیٹھے رہیں اور امام کھڑا ہے اس کا جلوس ثابت نہیں۔ یہ حکم کسی کتاب کے مخالف نہیں امام کو حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا حکم اُس وقت ہے جب وہ قرب محراب بیٹھا ہوا ہو نہ یہ کہ حجرہ میں بیٹھا ہو، جب بھی بیٹھا ہے اور وقت تکبیر آرہا ہے تو بیٹھ جائے صلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ امام بھی کھڑا ہے اور مقتدی بھی تو تکبیر شروع ہوتے وقت مقتدی بیٹھ جائیں، سائل یہی پوچھتا ہے اُس کی عبارت یہ ہے کہ "امام و مقتدی کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے، کھڑا رہنا اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب پہلے سے کھڑا ہو اگر بیٹھا ہوتا تو یہ کہتا کہ کھڑا ہو جانا چاہئے، نیز بیٹھ جانا اُسی وقت کہہ سکتے ہیں جب کھڑا ہو ورنہ یہ کہتا کہ بیٹھے رہنا چاہئے نہ یہ کہ بیٹھ جانا اور بیشک اس صورت میں امام کے لئے کوئی حکم کسی کتاب میں نہیں صلاۃ کا بھی یہی حاصل ہے کہ لفظ "بیٹھ کر سنیں" اس سے ظاہر یہی ہے کہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں، اور بیٹھ کر سنیں اگر یہ ہوتا کہ بیٹھے ہوئے سنیں اور پھر یہ فرمایا ہوتا کہ مقتدیوں کے لئے یہ حکم ہے تو کتب فقہ کے خلاف کہا جاسکتا تھا مگر جب یہ نہیں تو کتب فقہیہ کے خلاف بتانا سراسر غلط و خلاف واقع ہے۔ ھذا ما سنح لی ———— وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۱) از محلہ تلہ شہر ہوڑہ مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۵ رجب ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ "جس وقت اذان مروج نہ تھی اس وقت مصلیوں کے بلانے کی کونسی صورت اختیار کی گئی تھی، اور زید کہتا ہے کہ مسجدوں میں جو گھڑیاں لگی ہوئی ہیں اسمیں گھنٹہ کی آواز برآمد ہوتی ہے اور یہ مشابہت مشرکین ہے۔ لہٰذا اگر گھڑی رکھی جائے تو وہ جسمیں آواز نہ ہوتی ہو، ورنہ ناجائز۔ تو کیا زید کا قول حق بجانب ہوسکتا ہے اور گھنٹہ والی گھڑی میں واقعی کوئی کراہیت شامل ہے۔

الجواب۔ جبتک اذان کا حکم نہ تھا لوگ خود وقت کا خیال کر کے مسجد میں حاضر ہوجاتے مگر جب اسمیں دقت ہونے لگی تو حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا اور آپسمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ کیا کہ اعلان کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، پھر عبداللہ بن زید بن عبد ربہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خواب دیکھا جسمیں فرشتہ نے اذان کی تلقین کی۔

بجنے والی گھڑی رکھنے میں کوئی گناہ نہیں کہ اس کی آواز کفار کے گھنٹوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ اور طرح کی آواز ہوتی ہے جس کو سُنکر بلا توقف آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ مندر کا گھنٹہ نہیں ہاں اگر کسی گھڑی کی آواز اس کے ساتھ مشابہ ہو تو اُس کا رکھنا مکروہ ہوگا ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۲) از اجمیر شریف ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اذان کے وقت جب مؤذن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتا ہے تو لفظ محمد رسول اللہ پر دونوں انگوٹھوں کو چومنا کیسا ہے اور یہ فعل آیا کرنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب ۔ اس وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز و مستحب[ع] ہے رد المحتار میں ہے یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد اھ قھستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع اشھد ان محمدا رسول اللہ فی الاذان کنت انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ ۔

مسئلہ (۹۳) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ حفیظ الرحمٰن صاحب ، ۷ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

علماء دین ارشاد فرمائیں کہ اذان ثانی جو بین یدی الخطیب ہوتی ہے، اس کے متعلق اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے فتاوی انیقہ مسمّیٰ بفتاوی رضویہ میں بڑے شد و مد کے ساتھ فرمایا ہے کہ یہ اذان بھی خارج از مسجد ہونی چاہیے مسجد میں ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے جب بین یدی سے اندرون مسجد مراد لیا تو اس کا جواب شافی یہ دیا گیا کہ بین یدی قریب و بعید دونوں میں مستعمل ہے لیکن بعض کتابوں میں قریب منہ اور عند المنبر کی تصریح ہے۔

چنانچہ جامع الرموز کے الفاظ یہ ہیں بین یدیہ ای بین الجھتین المسامتتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منہ وسطھما بالسکون فیشمل ما اذا فی زاویۃ قائمۃ الخ مبسوط للسرخسی جلد اول ص ۱۳۴ میں ہے فکان الطحاوی یقول ھو الاذان عند المنبر بعد خروج الامام فانہ ھو الاصل الذی کان للجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ بعدہ حسن ابن زیاد کے قول کو نقل فرمایا فکان الحسن بن زیاد یقول المعتبر ھو الاذان علی المنارۃ لانہ لو انتظر الاذان عند المنبر یفوتہ اداء السنۃ وسماع الخطبۃ الخ اسی کے مثل حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمائی روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الخ کما فی الکفایۃ شرح الھدایۃ۔ اور حاشیہ ہدایہ پر بھی اسی عبارت

ع اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل رسائل کا مطالعہ کریں۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین نہج السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ۔ ابر المقال فی قبلۃ الاجلال ۔ امجدی

کو مولٰنا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہاں قریبًا منہ اور عند المنبر سے کتنا فاصلہ خطیب اور مؤذن کے درمیان ہو جو قریبًا اور عند المنبر کا مصداق بنے۔ نیز یہ بھی فرمائیے کہ ہمارے یہاں بعض مسجدیں تین در اور اکثر دو در کی ہوتی ہیں اس کے بعد صحن مسجد، تو اگر بیرون صحن دیجائے تو عند المنبر اور قریبًا کا فرمانا فقہائے کرام کا کیونکر صادق آسکتا ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اذان خطبہ میں پائی جاتی ہے تو جملہ اور اذانیں جو منارہ پر ہوتی ہیں ان سے اسے کیا علاقہ جبکہ اس کے جدا احکام کے الفاظ موجود ہوں۔ ان تصریحات فقہاء نے مجھے تذبذب میں محو کر دیا ہے۔ لہٰذا مفصل جواب بدلائل الفاظ فصحاء عرب اور لغات مرحمت فرمائیے تاکہ اطمینان ہو کہ عند المنبر اور قریبًا منہ سے یہاں بعد صحن مسجد جو حقیقت میں منبر اور خطیب سے دور ہے اس پر اطلاق عند المنبر اور قریبًا منہ کا باعتبار کلام بلغاء عرب آسکتا ہو۔

بینوا توجروا :—

الجواب ۔ فقہاء کرام نے مسجد میں اذان کہنے کو مکروہ فرمایا ہے لا یؤذن فی المسجد[عہ] ویکرہ ان یؤذن فی المسجد[عہ] اور اسی قسم کی بہت کثرت سے عبارات کتب فقہ میں آپ کو ملیں گی مگر کسی جگہ اذان جمعہ یا کسی اذان کا استثناء آپ کتب فقہ میں نہ پائیں گے۔ اگر اذان جمعہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوتی تو کسی کتاب میں ضرور استثناء مذکور ہوتا، ہرجگہ مطلق حکم نہ بیان کیا جاتا۔ البتہ اذان جمعہ میں ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ محاذی منبر بین یدی الخطیب ہونی چاہیے۔ چنانچہ فقہاء کرام اس تخصیص کو ذکر کرتے ہیں اگر داخل مسجد ہونا بھی اسکے خصوصیات سے ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا لہٰذا اس حکم میں وہ عام اذان کے شل ہے رہا لفظ عند المنبر یا قریبًا منہ یہ اندرون مسجد ہونے کے لئے خاص نہیں داخل خارج دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، لہٰذا اس سے تخصیص نہیں ہو سکتی، قرب و بعد امور اضافیہ سے ہیں، بعض مرتبہ اس شئی کو بھی قریب کہا جاتا ہے جو مسافت بعیدہ رکھتی ہو، مگر دوسری چیز اس سے بھی زیادہ دور ہے، لہٰذا اسے قریب کہتے ہیں، چونکہ دیگر اذانیں منارہ پر ہوتی ہیں اور یہ محاذی منبر، تو اگرچہ منبر سے کچھ فاصلہ ہے، مگر اور اذانیں کے اعتبار سے ضرور قریب ہے، اس اعتبار سے قریب ہے اگرچہ بیرون مسجد ہے۔ اگر آپ تفصیل چاہتے ہوں، تو رسائل اذان مثلاً وقایہ اہل السنۃ سلامۃ اللہ لاہل السنۃ وغیرہا کا مطالعہ کیجئے، تمام شکوک کا شافی جواب انہیں موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۴) از مقام آنند ضلع کھیڑا مرسلہ جناب منشی باقر علی صاحب مدرس مدرسہ اسٹیشن ۹ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ

عہ فتاویٰ خانیہ مصری ج۱ ص۷۸، فتاویٰ خلاصہ قلمی ص۴۳، خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان ہندیہ مصری ج۱ ص۵۵، البحر الرائق مصری ج۱ ص۲۶۸، شرح نقایہ علامہ برجندی ص۸۴، فتح القدیر مصری ج۱ ص۱۷۱ ۔

عہ طحطاوی علی المراقی ص۱۳۸ ۔ امجدی

علمائے دین وشرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ظہر کی اذان کے بعد یا جمعہ وعشار کی اذان کے بعد بآوازِ بلند یہ کلمات کہتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا حبیب اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا خیر خلق اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا عیسیٰ روح اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا موسیٰ کلیم اللہ، الصلوٰۃ والسلام یا آدم علیہ صفی اللہ۔ حالانکہ اذان کے بعد تو حدیث میں یہ دعا اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ الخ آیا ہے نہ یہ کہ یہ کلمات مذکورہ، اور جو صاحب مذکورہ کلمات پڑھتے ہیں، وہ اور عوام ان کلمات کو لازم کرتے ہیں اس سے کہ جو منع کرتا ہے اسکو برا بھلا کہتے ہیں اور ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ صبح وظہر وعصر وعشار کی اذان کے بعد مذکورہ صلوٰۃ کہنا چاہیے، صرف مغرب کی اذان کے بعد نہ کہنا چاہیے۔ کون منع کرتا ہے ضرور کہنا چاہیے کیا اس شخص کا یہ فعل صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین سے منقول ہے یا نہیں۔ اگر منقول نہیں ہے تو یہ امر احداث فی الدین ہے اور بدعت وممنوع ہونا چاہیے، اور بدعت وممنوع نہیں ہے تو ذیل کی عبارت کا کیا مطلب ہے، خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر لکھئے۔ وہ عبارت یہ ہے:- قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ) قال علیہ السلام مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ (رواہ احمد، مشکوٰۃ)۔ اخبر عبد اللہ بن مسعود بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب وفیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا وکذا او سبحوا اللہ کذا وکذا او احمدوا اللہ کذا وکذا فیفعلون فحضرھم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبد اللہ بن مسعود فو الذی لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام علمًا (مجالس الابرار) اس روایت سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی اور تکبیر وتہلیل وتسبیح ہی تھا مگر چونکہ اس کی وضع وہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے نہ تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ناجائز وبدعت تھا اس مذکورہ پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ اہتمام واجتماع کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا تھا، ذکر اللہ تو محبوب ومطلوب ہے ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید صورت ایجاد کرے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ اذان کے بعد جو دعا احادیث میں وارد ہے اس کا پڑھنا اتباع سنت وموجب برکات ہے۔ اس کے پڑھنے کے لئے احادیث میں شفاعت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس دعا کے بعد اگر وہ کلمات جو سوال میں مذکور ہیں کہے تو اصلا حرج نہیں بلکہ جائز وافضل ہے، کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر درود وسلام پڑھنا موجب ثواب وبرکات اور درود کے ثواب جو احادیث میں وارد

ہیں اس کا مستحق ہے، احادیث میں درود پڑھنے کی فضیلت موجود ہے اور اذان کے بعد درود کی ممانعت نہیں، لہٰذا ان اوقات میں بھی ممنوع نہیں اور یہ اوقات بھی اس کلیہ میں داخل ہیں۔ مطلق کے جواز ثابت ہونے کے بعد افراد وجزئیات کے لئے مستقل علیحدہ دلیل ضروری جاننا نظم شریع کو درہم برہم کرنا ہے، ہاں یہ البتہ ضروری ہے کہ خصوصیت ممنوع ہونے کے لئے دلیل ضرور چاہئے اور اسوقت اس خاص کا مطلق سے استثنار ہوگا، عدم جواز کا یہ حیلہ تراشنا کہ عوام اسے لازم جانتے ہیں بالکل مہمل و باد ہوا ہے، ہرگز عوام کا یہ خیال نہیں کہ ایسا نہ کریں گے تو نماز نہ ہوگی، نہ یہ کہ اسکے نہ کرنے پر گناہ ہوگا پھر لازم کہاں ہوا، ہاں یہ ضرور ہے کہ منع کرنے والے کو بُرا کہتے ہوں گے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسے لازم و واجب جانتے ہیں، بُرا کہنا تو اس لئے ہے کہ وہ جائز چیز کو ناجائز بتاتا ہے اور یہ بات تو ہر مباح میں بھی ہے کہ جو اسے ناجائز وممنوع کہے گا بُرا کہا جائیگا۔ تو کیا اس سے ہر مباح واجب ہو جائیگا، یا مباحات شرعیہ کو لوگ منع کرتے رہیں اور سیٹا کرے کچھ نہ بولے اور ان کا رد کرے تو مباح کو واجب کر لیا، لہٰذا وہ مباح نہ رہا ممنوع ہوگیا، یہ تو مباحات کے ممنوع کرنیکا اچھا نسخہ ہاتھ آیا کہ اس سے تمام مباحات ممنوع قرار دیئے جائیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس مختصر تقریر کو غور وفکر کرکے سمجھنے کے بعد اسکو ناجائز وبدعت قبیحہ کہنے والے ایمان و انصاف سے بولیں کہ اذان کے بعد درود شریف پڑھنا کس حدیث میں منع آیا کس صحابی نے منع کیا، یا تابعین وتبع تابعین یا ائمہ مجتہدین میں کس نے ناجائز کہا اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو یہ حکم ممانعت احداث فی الدین وبدعت قبیحہ ہے یا نہیں، ضرور ہے اور وہ تمام احادیث جو مجوزین کے حق میں ذکر کی گئیں، سب مانعین کے حق میں ہیں۔ مجالس الابرار کی روایت اگر صحیح ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اذان مغرب کے قبیل نماز اُن لوگوں نے ایسا کیا ہوگا اور اس فعل سے نماز مغرب میں تاخیر ہوتی اس وجہ سے ایسا فرمایا یا نماز مغرب کے بعد ان لوگوں نے ذکر جہر کرنا شروع کیا ہوگا، اور دوسرے لوگ سنت ونوافل میں مشغول ہوں گے۔ ان کا ہیئت مجموعی کیساتھ ذکر جہر کرنا انکے انتشار کا سبب ہوگا۔ اس وجہ سے منع کیا ہوگا ورنہ یہ صورتیں نہ ہوں تو احادیث میں بعد صلوات خمسہ اذکار وارد ہیں، ان کے انکار کے کیا معنی، کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنت ثابتہ کا انکار کریں گے، ان کے کلام کے ایسے معنی لینا انکی سخت توہین ہے۔

بالجملہ یہ صلوٰۃ وسلام جو سوال میں مذکور ہے، جائز ہے، کسی دلیل شرعی سے اسکی ممانعت نہیں۔ اب نجدیوں نے موقوف کر دیا ہے، ورنہ صدیوں سے حرمین طیبین مکہ ومدینہ دیگر بلاد اسلامیہ میں رائج ومعمول بنا رہا۔ اور علماء ومشائخ اسے بنظر استحسان دیکھتے رہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن، لہٰذا یہ جائز ومستحسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ درمختار ہی کی تخصیص نہیں، ہدایہ، فتاویٰ قاضی خاں، البحر الرائق، عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں اسکے جواز بلکہ استحسان کی تصریح ہے۔ یہ اصل میں تثویب ہے۔ ہدایہ میں ہے والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ۔ ہندیہ میں ہے والتثویب (حسن) م

میں ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیہا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ۔ علمانے اس کو اس ہیئت خاصہ کے ساتھ بدعت حسنہ کہتے ہیں، تو اسے بدعت سیئہ قرار دیکر منع کرنا سخت غلطی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۹۵) جس وقت اذان پڑھی جائے تو جو کھڑا ہے بیٹھ جائے یا جو بیٹھا ہے کھڑا ہو جائے اور جو لیٹا ہے بیٹھ جائے یا جس صورت سے ہے اسی صورت پر رہے، یا جو صورت افضل ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اختیار ہے ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۶) امام مصلیٰ پر نہیں ہے، مسجد کے صحن میں کھڑا ہے یا بیٹھا ہے یا بیرون مسجد حجرہ میں ہے اور مکبر نے اقامت شروع کر دی، یہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ تکبیر شروع کر دینا جائز ہے اور یہی طریقہ زمانہ رسالت میں تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ میں ہوتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکبیر کہہ دیا کرتے تھے، بوقت تکبیر امام کا مصلیٰ پر ہونا نہ واجب نہ سنت نہ مستحب مصلیٰ پر ہو یا نہ ہو دونوں برابر ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۷) زید بحث کرتا ہے کہ صلوٰۃ چند سال سے کیوں اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے جاری کرائی، اعلیٰحضرت تو چودہ سال میں مفتی ہو گئے تھے اور تر سٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا اور تیرہ سو ترپن (۱۳۵۳) برس سے اسلام جاری ہے مدت میں اسلام صلوٰۃ کیوں نہیں جاری ہوئی، مع دلیل ثابت کریں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ صلوٰۃ کے معنی درود کے ہیں درود ہمیشہ سے جب سے آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا نازل ہوئی مسلمانوں میں جاری ہے قرآن و حدیث نے اس کے لئے کوئی وقت معین نہیں کیا کہ مثلاً نماز کے وقت نہ پڑھی جائے یہ بحث بالکل بیکار ہے رہا یہ خاص طریقہ کئی سو برس سے حرمین طیبین میں بلا نکیر جاری رہا۔ جیسا کہ صاحب درمختار نے تصریح فرمائی التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیہا مرتین وھی بدعۃ حسنۃ۔

(بقیہ حاشیہ ص) حسن عند المتاخرین فی کل صلوٰۃ الا فی المغرب ھٰکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلوٰۃ الصلوٰۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذالک بما تعارفوہ کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی

خلاصہ یہ ہے کہ اذان کے بعد حضور پر سلام بھیجنا [illegible] میں پیر کے دن عشار کی نماز میں شروع ہوا اور یہ نئی بات ہے مگر ابھی یہ
یہ کہنا کہ اعلیحضرت نے جاری کی ہے، جہالت ہے۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۸) از برہانپور ضلع کھنڈوا محلہ سنوارہ مرسلہ عبدالرب ولد غلام محمد صاحب ۲۳ رجادی الثانی [illegible]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں اذان کے لئے خاص مقام بنایا ہوا نہ ہو تو
اس مسجد میں دائیں جانب اذان کہی جائے یا بائیں جانب۔

الجواب ۔ اذان اس جانب کہی جائے جدھر پڑوس والوں کو زیادہ سنائی دے، اور دونوں جانب یکساں ہو تو
جدھر چاہے اختیار ہے۔ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۹) محمد کامل صاحب بنارس　　　یکم محرم الحرام [illegible]

بعد اذان باوجود قدرت و حفظ کے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ کی جگہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً الخ کے
پڑھنے پر اصرار کرتا ہے۔

الجواب ۔ بعد اذان اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ الخ کے پڑھنے کی بہت فضیلت احادیث میں مذکور ہے اور اس پر
وعدۂ شفاعت فرمایا ہے، ان فضائل کو قصداً جان بوجھکر چھوڑنا محرومی کی دلیل ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس طرف جی چاہے منھ کرکے نماز پڑھ لیا
ہو جائے گی اور اگر نہیں ہوتی تو اس کا ثبوت کلام پاک سے دو کہ بلا کعبہ کی طرف منھ کئے ہوئے نماز نہیں ہوگی۔

الجواب ۔ اگر کعبہ کی طرف نماز میں منھ کرنا ضروری نہ ہوتا تو کعبہ مسلمانوں کا قبلہ کیوں ہوتا، اب تو تمام جہان قبلہ
ہو جائے گا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو خواہ مخواہ قبلہ کی کیوں تحویل
کی گئی، اور لوگوں کو طعن کرنے کا کیوں موقع دیا گیا، اور بہت سے لوگ اس کا انکار کرکے مرتد کیوں ہو گئے۔ اب تک کسی فرقہ نے
قبلہ کا انکار نہ کیا تھا اس وجہ سے تمام فرق مدعیان اسلام اہل قبلہ کہے جاتے تھے۔ اور حدیث مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ
قِبْلَتَنَا میں مسلمانوں کا اہل کتاب کفار سے قبلہ سے امتیاز تھا پہلے یہ بھی اب رخصت ہوا۔ آجکل آزادی کا زمانہ ہے جس کا جو
جی چاہتا ہے بکتا ہے، احکام اسلام کی حفاظت تو بڑی چیز ہے، صاف طور پر ان سے روگردانی و انکار ہوتا ہے پھر بھی پکے مسلمان
باقی رہتے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ تحویل قبلہ کی خبر بعض مساجد میں اس وقت

پہونچی کہ مسلمان نماز میں تھے اور کہنے والے نے خبر سُنائی تو ان لوگوں نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ اپنی یہ نماز تو پوری کرلیں، بلکہ نماز ہی میں کعبہ کی طرف منھ کرلیا، چنانچہ وہ مسجد ابتک مدینہ طیبہ میں مسجد ذو القبلتین کے نام سے مشہور ہے، اب یہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماعی اور متواتر مسئلہ کا جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے ابتک چلا آیا ہے، انکار کیا جاتا ہے، اور اگر قرآن مجید ہی سے ثبات کرنے کی ضرورت ہے تو آیت موجود ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ ہم تمھیں اے محبوب اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو تو اپنے منھ کو مسجد حرام کی جانب کردو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبلۂ خاص اتنا ضروری امر تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کعبہ کی طرف منھ کرنے کا حکم ہو جائے مگر جب تک حکم نہ ہوا آپ نے باوجود پسند کے ادھر سے منھ نہ پھیرا، اگر ہر جانب نماز ہو جایا کرتی تو حکم الٰہی کے انتظار کے کیا معنی، جدھر آپ کا دل چاہتا پڑھتے، مگر آپ نے ایسا نہ کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز میں خصوصیت قبلہ کی ضرورت ہے اور فرماتا ہے وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ، کہیں بھی تم ہو اس مسجد حرام کی طرف متوجہ کرکے نماز پڑھو۔ ایسے صاف و صریح حکم ہونے کے بعد کسی زیادہ وضاحت کی بالکل ضرورت نہیں، شاید اس کو یہ دھوکہ لگا ہو کہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ حالانکہ یہ رد ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے تھے کہ جب قبلہ بیت المقدس تھا تو اس کی تحویل کی کیا وجہ۔ ان کو جواب یہ دیا گیا کہ جب تک اللہ کے حکم سے تم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جہت تھی، اب کہ کعبہ کو قبلہ کیا اب یہ جہت ہے۔ یا یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں ہے جن کو قبلہ کا صحیح پتا نہ چلے کہ کدھر ہے تو جدھر تحری کرکے نماز پڑھیں گے نماز ہو جائے گی کہ اگرچہ کعبہ کی طرف منھ حقیقۃً نہ ہوا مگر وہ اپنے خیال میں جبکہ کعبہ کی طرف منھ کر رہے ہیں اور حقیقت سے ناواقف ہیں تو وہ اسی کے مامور ہیں اور تعمیل حکم اپنے ظن غالب سے کرچکے، لہٰذا ان کی نماز قبلہ ہی کی طرف قرار پائے گی اور نماز ہو جائے گی کہ انھوں نے حکم الٰہی سے انحراف نہ کیا اور اسکی تعمیل کا ارادہ کیا اتنے ہی کے مکلف تھے وبس کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور انھوں نے تعمیل میں وسعت صرف کرلی اور جو بات وسعت سے خارج ہے اس کا مطالبہ نہیں۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: (۱۰۱) از دھوراجی ٹھکانہ کپڑا بازار کاٹھیاواڑ مرسلہ جناب عبد اللطیف ایوب صاحب ۲۳ر شوال ۱۳۴۰ھ۔

"جو شخص نماز پڑھنے میں کعبہ معظمہ کی جہت سے ۴۵ درجہ جنوب یا شمال کی طرف پھر جاوے اسکی نماز نہ ہوگی، تو ایک صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مغرب کی سمت سے انڈیا کے ہر ایک شہر کے واسطے برابر ہے یعنی ۴۵ درجہ مگر میرا کہنا یہ ہے جو شہر کعبہ معظمہ سے دس پانچ درجہ پھرا ہو مثلاً بمبئی شہر کعبہ معظمہ سے شمال کی طرف دس درجہ ہٹا ہوا واقع ہو تو بمبئی میں نماز پڑھنے والا اگر پینتیس درجہ شمال کی طرف

پھر کر پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی اس واسطے کہ جنیتیؔ یہ اور خود شہر دس درجہ ہٹ کر واقع ہے تو کل چھیالیس درجہ کعبہ معظمہ سے پھر جانا ہوا، اب ان باتوں میں کونسی بات صحیح ہے۔

الجواب ۔ کعبہ معظمہ سے ۴۵ درجے سے زیادہ منحرف ہونے سے استقبال فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا تمام انڈیا میں مغرب کو کعبہ تصور کرنا غلط ہے۔ لہٰذا دسؔ درجہ جو جگہ شمال کو ہٹی ہوئی ہے، وہاں نقطہ مغرب سے ۳۵ درجہ انحراف پر ۴۵ درجہ ہو جائیں گے۔ اور ۴۵ درجہ سے اگر کچھ بھی زیادہ انحراف ہو گیا تو نماز نہ ہوگی۔ ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم عہ

مسئلہ (۱۰۲) اعلیحضرت بریلوی نے ملفوظ حصہ اول میں درج ہے کہ نمازی کو داہنے شانہ پر قطب ستارہ لینا اکی تحقیق نہیں الخ اس میں عرض یہ ہے کہ بوقت تعمیر مسجد قطب ستارہ کس طرح اور کہاں سمجھا جائے اور لیا جائے۔ اور جنگل میں اگر نمازی اپنے داہنے شانہ پر قطب ستارہ نہ رکھے تو قبلہ کا رُخ کس طرح سمجھا جائے۔

الجواب ۔ اس قسم کے سوالات اگر آپ بھیجیں تو کتاب کے صفحات بھی لکھ دیا کریں تاکہ جواب تحریر کرنے میں کتابوں کی تلاش میں وقت صرف نہ ہو۔

"نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے اور عرض البلاد کے مختلف ہونے سے اس کی جہت مختلف ہوگی۔ قطب تارہ کا داہنے شانہ کے سامنے ہونا ہر جگہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے البتہ ہندوستان میں قطب تارہ داہنے شانہ پر لینے سے جہت قبلہ حاصل ہو جاتی ہے عہ اور صحت نماز کے لئے اس قدر کافی ہے۔ اسی بنا پر یہ مشہور ہے کہ نماز میں قطب تارہ داہنے شانہ پر ہو ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۳) از باسنی متصل ناگور مارواڑ مرسلہ محمد غیاث الدین کمہاروی ۲۰ صفر ۱۳۵۳ھ۔

• اگر پیش امام مصلّی پر کھڑا ہو اور مقتدی کے نیچے کچھ بچھا نہ ہو تو کیسا ہے۔

الجواب ۔ جائز ہے کچھ حرج نہیں۔ ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۴) مصلّی کے اوپر قالین کی جانماز بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ درست ہے جبکہ پیشانی دبنے سے اُس کے روئیں مانع نہ ہوں ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ شمال یا جنوب کو ہٹا ہوا ہونا عرض موقع کے اعتبار سے ہے نہ کہ عرض البلاد سے۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی۔

عہ یعنی تقریبی جو نماز کی صحت کے لئے کافی ہے۔ ہندوستان کے کسی بھی مقام پر قطب تارہ داہنے مونڈھے لیکر نماز پڑھیں تو سمت قبلہ سے انحراف نہ ہوگا۔ کعبہ مقدسہ ۴۵ درجے کے اندر اندر ہوگا۔ یہ الملفوظ میں بھی بالاختصار، وہیں سے جہاں سے سائل نے لیا ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ رخ کی طرف منہ کرکے اس طرح کھڑے ہوں کہ قطب داہنے شانے پر ہو تو جہت محاذی وجہ (مونھ) ہو وہی سمت قبلہ ہے، حالانکہ یہ تحقیق نہیں۔ البتہ ہندوستان میں تقریب کے لئے کافی ہے۔ حصہ اول صہ۲۳ مطبوعہ لکھنؤ۔ امجدی

مسئلہ (۱۰۵) مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ۔

سنتوں کے پڑھنے کے بعد کسی قسم کا کلام کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر کریں تو کیا حرج ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سنت و فرض کے درمیان کلام کرنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے ولو تکلم بین السنۃ والفرض لا یسقطھما ولکن ینقص ثوابھما۔ بحرالرائق میں ہے ولو تکلم بعد الفریضۃ ھل تسقط السنۃ قیل تسقط وقیل لا تسقط ولکن ثوابہ انقص من ثوابہ قبل التکلم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو سنت فجر کے بعد کلام کرتے دیکھا، فرمایا اما ان تذکر اللہ واما ان تسکت یاد خدا کر یا چپ رہ، ذکرہ فی عدۃ الفتاوی۔

مسئلہ (۱۰۶) مرسلہ مولوی محمد امین صاحب از تھانہ بھرطی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ۔

"اطراف بمبئی وغیرہ میں امام بعد فرض و سنن و نوافل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور قوم آمین آمین کہتی ہے۔ یہ دعا مانگنا عند الشرع کیا ہے۔

الجواب۔ جائز ہے، کہ مطلق دعا جس کا قرآن و حدیث میں حکم ہے، یہ اسی کی ایک فرد ہے۔ اور بعد نماز اقرب الی الاجابۃ ہے اور مجمع کا آمین کہنا سبب حصول مطلب۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۷) مرسلہ مولوی یار محمد صاحب از دہلی محلہ چوڑی والان ۱۷ محرم ۱۳۳۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زادکم اللہ شرفاً و تعظیماً لدیہ۔ اس مسئلہ میں کہ بعد سنت و نوافل دعا کرنا کیسا ہے، اور امام زور سے الفاتحہ کہکر پکارتے ہیں، یہ پکارنا کیسا ہے۔ بینوا بیاناً شافیاً اجرکم اللہ تعالیٰ اجراً وافیاً

الجواب۔ نمازوں کے بعد دعائیں کوئی مضائقہ نہیں، مطلقاً دعا امر محمود ہے، قرآن و حدیث میں اس کا حکم وارد قال اللہ تعالیٰ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ جس وقت چاہے دعا کرے، اسی کے تحت میں داخل یونہی بعد سنت و نوافل فاتحہ پڑھنا اور امام کا بلند آواز سے الفاتحہ کہنا، اس کے ممانعت کی بھی کوئی وجہ نہیں، بلا دلیل شرعی کسی امر کو ممنوع بتا دینا، اللہ و رسول پر افترا، اور خود شارع بننا ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۸) از شہر کہنہ بریلی ۲۲ محرم ۱۳۳۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنے کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب ۔ مقتدی کے لئے صرف سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ تابع قرارت ہے اور مقتدی پر قرارت نہیں۔ یونہی بِسْمِ اللّٰهِ۔ درمختار میں ہے ویتعوذ لقراءۃ فلا یتعوذ المقتدی ویؤخر عن تکبیرات العیدین بخلاف الثناء۔ ان مسبوق یعنی جب مقتدی کی کوئی رکعت جاتی رہی، جب وہ اپنی پڑھے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے کہ اب اس کے ذمہ قرارت ہے۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۹) نماز پنجگانہ اور سنتوں کے بعد امام زور سے دعا مانگتا ہے، اور مقتدی آمین پکارتے ہیں، اور ختم دعا کے بعد فاتحہ بھی سب لوگ پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۔ دعا کا آہستہ ہونا بہتر، اور امام اگر کچھ بلند آواز سے دعا کرے، اور مقتدی آمین کہیں، اس میں بھی حرج نہیں، اور بعد ختم فاتحہ پڑھنا بھی جائز۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۰) مسئولہ عبدالغفار صاحب طالب علم از شہر بریلی محلہ قلعہ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ۔

"نیت باندھنے کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے میں جملہ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ پر انگشت شہادت اُٹھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتاب ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔"

الجواب ۔ کلمۂ لَا پر داہنے ہاتھ کی ایک انگلی یعنی انگشتِ شہادت اُٹھا سکتے ہیں ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۱) مسئولہ عبدالرحمن　　از شہر کہنہ　　۲۰ جمادی الاولیٰ۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ کہا کہ ایسے آج تک میں نے کسی عالم کو دعا مانگتے نہیں سُنا کہ "اللہ سنّیوں کی لاج رکھے" بلکہ باہر مسجد جا کر امام صاحب نے یہ کہا، کیا نئی بات زید نے یہ کہا کہ میں نے دہلی وغیرہ میں نماز پڑھی، مگر کسی عالم نے یہ دعا بالخصوص نہیں مانگی، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے، بلکہ جمیع امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے مانگی، زید نے اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہا کہ سنی ہندوستان میں اور عرب میں حضور خود موجود تھے، تو کیا عرب کے واسطے دعا نہیں مانگنا چاہئے، تو عمرو نے یہ جواب دیا کہ عرب تمہاری دعا کی پرواہ نہیں رکھتے ہیں، زید نے یہ بھی کہا کہ حضور پیر مرشد مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے اکثر صبح کی نماز ادا کی، مگر اُن کی زبان سے کبھی نہیں سُنا، کہ اللہ سنّیوں کی لاج رکھے، ایک شخص نے کہا کہ تم کو یہ دعا مانگنا کیوں بُرا معلوم ہوا تو زید نے کہا کہ مجھکو بُرا کیوں معلوم ہوتا مگر یہ نئی بات اور نئی دعا ہے، اس سبب سے میں نے یہ کہا کہ، اللہ سنّیوں کی لاج رکھے، اور تمام مسلمانانِ عرب و عجم کے واسطے کرنا روا ہے، اگر اسمیں زید سے کوئی قصور

شرعی ہو تو توبہ کرے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ آج کل اپنے کو مسلمان کہنے والے بکثرت ایسے بھی ہیں جو یقیناً مسلمان نہیں، جنھیں علمائے عرب و عجم نے کافر کہا، وہابیہ، روافض، قادیانی کیا اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے، اور باوجود اس کے کفر بھی بکتے ہیں، سچے مسلمان اور نجات پانیوالا گروہ یہی گروہ اہلسنت وجماعت ہے، یہی حق پر ہے، اسی کے فتح ونصرت وغلبہ کی دعا مانگی جائے، عرب شریف میں سنی ہی ہیں، اِدھر اُدھر سے اگر کوئی بدمذہب گیا بھی تو تقیہ کرلیتا ہے، یہ دعا صرف ہندوستان کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام جہان کے سنیوں کو شامل ہے، یہ دعا کوئی نئی دعا نہیں، جس پر زید کو تعجب ہوا۔ زید کا یہ کہنا اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ ایسا نہیں کرتے تھے، غلط ہے اکثرت سنیوں کے لئے دعا کرتے تھے اگرچہ نماز کے بعد بلند آواز سے دعا نہیں مانگتے تھے، کہ زید کو سننے کا اتفاق ہوتا۔ عمرو کا یہ کہنا کہ عرب والے تمہاری دعا کی پرواہ نہیں رکھتے، غلطی ہے، کون مسلمان نہیں چاہتا کہ ہمارے دوسرے بھائی مسلمان ہمارے لئے دعا کریں، خصوصاً آجکل کہ مسلمانان عرب پر خلفشار نجدیہ کا تسلط ہے، وہ سنیوں کو بہت سخت سخت ایذائیں دیتے اور طرح طرح ستاتے ہیں، آجکل خصوصیت کے ساتھ اہل عرب کے لئے دعا کی جائے، کہ ان نجدیہ وہابیہ سے وہ ملک پاک ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۲) مسئولہ عبدالعزیز خاں صاحب از شہر کہنہ بریلی ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ۔

"سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کے لَا پر اور دعائے قنوت کے لَا نُشْرِکُ کے کلمہ لَا پر انگشت شہادت اُٹھانا مستحب ہے یا نہیں اور اس کا عام حکم شریعت میں کیا ہے۔

الجواب ۔ ثنا میں انگشتِ شہادت اُٹھانا بہتر ہے کہ یہ اشارہ بیانِ توحید ہے، حدیث میں ہے ایک صاحب دو انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے، اُن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَحِّدْ، اَحِّدْ، ایک سے اشارہ کرو، ایک سے اشارہ کرو۔ اور مقصود یہ ہے کہ زبان سے اللہ عزوجل کی توحید بیان کی دل میں اس کا اعتقاد ہے، جوارح سے بھی اشارہ ہو کہ جنان ولسان و ارکان سب موافق ہوں۔ دعائے قنوت میں یہ اشارہ کرنا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۳) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ۔

"سنت مستحب مثلاً قبل عصر وقبل عشاء چار چار رکعت پڑھتے ہیں، ان کے بیچ کے قعدہ میں درود و دعا اور تیسری رکعت کے شروع میں تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں، پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

الجواب ۔ سنت غیر مؤکدہ میں درود و دعا اور تیسری رکعت کے اول میں تعوذ پڑھنا چاہئے۔ کہ اُن کے نہ پڑھنے کا حکم صرف

فرض وواجب وسنّت مؤکدہ میں ہے، درمختار میں ہے "وکذا ترك الزيادة فيه" - ردالمحتار میں ہے "اى فى الفرض و السنّة المؤكدة لا نتهاء النفل مطلوبة"۔ ________ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۴) مرسلہ منشی محمد عبدالعزیز خاں صاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۳۔

"مولانا صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - مہربانی کرکے بہت جلد بواپسی ڈاک کتاب غنیہ کے اس صفحہ کا نمبر لکھ بھیجیں جس کا حوالہ آپ نے اپنے جواب فتویٰ مسئولہ میں دیا ہے اور جس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ " افضل یہ ہے کہ بعد ختم اقامت امام نماز شروع کرے، شرح وقایہ میں ہے ویشرع عند قد قامت الصلوٰۃ" اس کے حاشیہ پر مولوی عبدالحی لکھتے ہیں قولہ عند ای قبیلہ عند ابی حنیفة و محمد و بعدہ عند ابی یوسف والخلاف فی الافضلیة، اس حاشیہ و متن کتاب کا کیا مطلب ہے، اس سے تو قول امام رحمۃ اللہ علیہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت امام اللہ اکبر کہے۔

الجواب - فقیر نے جو مسئلہ لکھا کہ بعد ختم اقامت شروع کرنا چاہئے، یہی صحیح ہے، شرح مجمع میں اسکو اعدل المذاھب کہا، اور خلاصہ میں اسے اصح فرمایا، درمختار میں ہے "وشروع الامام فى الصلوٰة مذ قيل قد قامت الصلوٰة ولو اخر حتى اتمها لا بأس به اجماعا وهو قول الثانى والثلثة وهو اعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه وفى القهستانى معزيا للخلاصة انه الاصح"، اور طحطاوی علی المراقی میں بحوالہ نہر اسے حق کہا، نیز یہی من حیث الدلیل قوی ہے - اولاً، جواب اقامت مستحب ہے، اور قد قامت الصلوٰۃ کا جواب "اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا" ہے، اور جب اسی لفظ پر شروع کرے گا تو جواب کیونکر دے گا، اور اس کے بعد کے الفاظ کا بجوآرہنا ظاہر۔ ثانیاً، امام کے ساتھ مقتدیوں کا شروع کرنا سنّت ہے، یعنی اس کے بعد بلا تاخیر۔ حدیث میں ہے "اذا كبّر فكبّروا"۔ تو اگر امام نے قَدْ قَامَتْ پر شروع کر دیا تو مؤذن کی یہ سنّت فوت ہوگئی۔ اور بعد ختم شروع کرنے میں یہ سنّت مکبّر بھی پائے گا، اور اگر اس کو حاصل کرے تو اقامت پوری نہیں ہوتی۔ تو ختم پر شروع کرنے میں امام و مقتدی کو اقامت کا جواب میسر ہوگا، اور مکبّر کو وہ سنّت حاصل ہوگی، لہٰذا یہی افضل ہے، اور عبارت شرح وقایہ اُس روایت کی بناء پر ہے کہ افضل قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے وقت شروع کرنا ہے، اور اس کا جواب عبارت درمختار سے ظاہر ہے کہ ترجیح اس روایت کو ہے، اور یہی امام وصاحبین سے مروی، یا اس عبارت شرح وقایہ میں محض جواز بلا کراہت کا حکم ہے نہ یہ کہ افضل یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۵) مرسلہ مولوی عبدالحی سلمہٗ از بلدوانی منڈی ضلع نینی تال ۱۵ ر صفر ۳۵ھ۔

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور نماز کے ختم میں درود شریف

قصداً چھوڑ جاتا ہے، پس وہ شخص ایسا کرنیوالا کافر ہے یا مؤمن، فقط بینوا توجروا من اللہ تعالیٰ۔

الجواب - نماز میں درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، کہ قصداً ترک کرنا بُرا ہے اور ایسا شخص مستحقِ ملامت وعتاب ہے اگر یہ ترک بہ علت وہابیت نہ ہو تو کافر نہیں بلکہ فاسق بھی اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۶) از گالی مرسلہ عبد الکریم حاجی ہاشم ۲۰ ربیع صفر ۱۳۷۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ بعد نماز عشاء شب جمعہ وبعد نماز جمعہ یہ درود شریف صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قبلہ رو دست بستہ مؤدبانہ آواز میانہ باصف باجماعت کھڑے ہوکر سو مرتبہ پڑھنا اور شروع اَعُوْذُ بِاللّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ اور اس آیت کریمہ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا سے کرنا شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب - درود شریف پڑھنا افضل اعمال سے ہے اس کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً سب سے زیادہ مجھ سے قریب روز قیامت وہ شخص ہوگا جس نے زیادہ مجھ پر درود پڑھی۔ دوسری حدیث نسائی نے انھیں سے روایت کی کہ فرمایا: تم مجھ پر درود پڑھو کہ تمہاری درود مجھکو پہنچتی ہے تم جہاں کہیں ہو۔ نیز اسی نسائی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرمایا: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا اور اس کی دس خطائیں معاف کیجائیں گی اور دس درجے بلند کئے جائینگے جس سے جہاں تک ہوسکے اسکی کثرت کرے کہ یہ اللہ کو محبوب ہے، خصوصاً اوقات فاضلہ ومتبرکہ میں اس کا پڑھنا زیادہ باعث ثواب، اور جمعہ وشب جمعہ میں درود شریف پڑھنا محبوب وپسندیدہ ہے، ردالمحتار میں ہے نص العلماء على استحبابها فى مواضع يوم الجمعة وليلتها الخ علماء نے چند مواضع میں درود شریف کو مستحب فرمایا ہے، انھیں میں سے روز جمعہ وشب جمعہ ہے۔ قبلہ رو دست بستہ پڑھنا یہ ایک ادب ہے اور جہاں تک ادب کی مراعات کیجائے افضل ہے اور مجمع میں پڑھنا سبب از دیاد خیر ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے انا عند ظن عبدى بى فمن ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى ومن ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير منهم اگر بندہ مجھے دل میں یاد کرے، میں اُسے اپنے نفس میں یاد کروں اور اگر کسی مجمع میں یاد کرے تو میں اُسے ایسے مجمع میں یاد کروں جو اُس سے بہتر ہے۔ بالجملہ جو صورت سوال میں مذکور ہے جائز ہے، اسمیں کوئی شرعی خرابی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۷) از الہ آباد مرسلہ سید ضمیر الحسن صاحب رضوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ہر نماز فرض کے بعد رُخ پھیر کر دعا مانگتا ہے، بکر کہتا ہے کہ حدیث میں صرف ان نمازوں کے بعد رُخ پھیرنے کا حکم ہے جن کے بعد سنت نہ ہو. مثلاً فجر وعصر۔ ساتھ ہی زید یہ بھی کہتا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے بعد رُخ پھیرنا مستحب ہے، لہٰذا شریعت کے صحیح حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب۔ حدیث شریف میں مطلقاً انصراف وارد ہوا، فجر وعصر کی تخصیص نہیں اور انصراف یعنی داہنے بائیں یا مقتدیوں کی طرف منھ کرنا تینوں صورتیں احادیث سے ثابت. کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجہہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف منھ کر لیتے (رواہ البخاری عن سمرۃ بن جندب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) دوسری روایت یوں ہے کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم داہنی طرف انصراف فرماتے. رواہ مسلم عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ. ایک اور روایت میں یوں ہے کنا اذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجہہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پیچھے جب ہم نماز پڑھتے تو حضور کی داہنی طرف ہونا ہمیں محبوب ہوتا کہ ہماری طرف منھ کر کے بیٹھیں گے رواہ مسلم عن البراء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ. حضرت عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لایجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یریٰ ان حقا علیہ ان لاینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ. اپنی نماز میں سے کچھ حصہ شیطان کے لیے کوئی نہ کرے. اسکی صورت یہ ہے کہ یہ یقین کرے کہ داہنے ہی طرف پھرنا ضروری ہے میں نے بہت مرتبہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو بائیں طرف انصراف فرماتے دیکھا (رواہ البخاری ومسلم) یہ چند حدیثیں ذکر کر دی گئیں جن سے انصراف کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، اور کسی حدیث میں تقیید فجر وعصر نظر فقیر میں نہیں، بلکہ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس نماز کے بعد نوافل ہیں اس میں بھی نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے انصراف فرمایا ازرق بن قیس کہتے ہیں صلی بنا امام لنا یکنی ابا رمثۃ قال صلیت ھٰذہ الصلوٰۃ اومثل ھٰذہ الصلوٰۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال وکان ابوبکر وعمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینہ وکان رجل قد شھد التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ فصلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن یمینہ وعن یسارہ حتی رأینا بیاض خدیہ ثم انفتل کانفتال ابی رمثۃ یعنی نفسہ فقام الرجل الذی ادرک معہ التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبیہ فھزہ ثم قال اجلس فانہ لن یھلک اھل الکتاب الا انہ

لم یکن بین صلاتہم فصل فوثب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب یعنی ہمارے امام ابورمثہ نے نماز پڑھائی پھر یہ کہا کہ یہی نماز یا اس جیسی نماز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی، حضورؐ نے نماز پوری کرکے داہنے بائیں سلام پھیرا پھر انصراف فرمایا جیسے میں نے کیا، ایک شخص جس نے حضور کے ساتھ تکبیر اولیٰ پائی تھی سلام کے بعد ہی نماز دوگانہ کے لئے کھڑا ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا کہ بیٹھ جا، اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کی نماز میں فاصلہ نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اے ابن خطاب خدا نے تمہارے ساتھ حق رکھا ہے یعنی تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کے بعد فوراً نماز کے لئے کھڑا نہ ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز تھی جس کے نوافل پڑھنا منع نہ تھا اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصراف فرمایا۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا قول ہے کہ نماز مغرب کے بعد دعا مانگتے ہوئے کھڑا ہو جانا چاہئے کیونکہ وقت قلیل ہوتا ہے اور دوسری سنت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی عمل فرماتے تھے؟ یہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، زید امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً دعا مانگتا ہوا اٹھ جاتا ہے اور امام کی متابعت نہیں کرتا، ایسا کرنا کیسا ہے

الجواب ۔ جس نماز کے بعد سنتیں ہیں ان میں سلام کے بعد مختصر دعاؤں پر اکتفا کرے تاکہ سنتوں میں زیادہ تاخیر نہ ہو زیادہ تاخیر کو ہمارے فقہائے کرام مکروہ فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ اور بعض احادیث میں بھی آیا ہے کہ حضور اس دعا کے بقدر سلام کے بعد بیٹھے رہتے مثلاً مسلم و ترمذی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا بقدر ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام یعنی سلام کے بعد حضور بقدر اس دعا کے بیٹھے رہتے۔ اور مسلم کی دوسری روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اذا انصرف عن صلاتہ استغفر ثلثاً وقال اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ یعنی سلام کے بعد تین بار استغفار پڑھتے[1] اور یہاں مقصود تحدید نہیں ہے کہ صرف اتنا ہی پڑھے، اس پر زیادت اصلاً نہ کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ زیادہ تاخیر نہ کرے اس لئے کہ صحیح بخاری و مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول

[1] محقق ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں، ذخیرہ کے حوالہ سے اذا کان فرغ الامام من صلاتہ اجمعوا علی انہ لا یمکث فی مکانہ مستقبل القبلۃ سائر الصلوات فی ذالک علی السواء قال وقد صرح غیر واحد بانہ یکرہ ذالک۔ اس پر فقہا نے اجماع فرمایا کہ امام اپنی نماز سے فارغ ہو کر اپنی جگہ قبلہ رو نہ بیٹھے، تمام نمازیں اس میں برابر ہیں۔ ایک ہی نے نہیں بہت حضرات نے تصریح کی ہے کہ یہ (سلام پھیرنے کے بعد امام کا قبلہ رو بیٹھنا) مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ یعنی حضور ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے اور ظاہر ہے کہ یہ پہلی دعا سے زیادہ ہے اس وجہ سے ردالمحتار میں فرمایا وقول عائشۃ بمقدار لا یفید انہ کان یقول ذالک بعینہ بل کان یقعد بقدر ما یسعہ ونحوہ من القول تقریباً فلا ینافی ما فی الصحیحین من انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہ الحدیث بالجملہ۔ ان احادیث وعبارات فقہ سے ثابت ہوا کہ اتنی دیر تک بیٹھے۔ پس زید کا قول دعا مانگتے ہوئے کھڑا ہو جانا چاہئے، حدیث وفقہ دونوں کے خلاف ہے کہ حدیث میں بمقدار اس دعا کے بیٹھنا ثابت ہے، اور فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، بلکہ بعض احادیث میں تو نمازوں کے بعد کے لئے طویل دعائیں بھی آئی ہیں۔ جس کی تاویل ہمارے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ ادعیہ سنن کے بعد پڑھی جائیں بلکہ سوال مذکور میں ابوداؤد حدیث مذکور ہوئی کہ سلام کے بعد ایک شخص فوراً سنتوں کے لئے کھڑا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کا شانہ پکڑ کر بٹھا دیا اور فرمایا کہ نمازوں کے درمیان فصل نہ ہونے کی وجہ سے اگلے لوگ ہلاک کئے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر کی تصویب فرمائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوراً کھڑا نہ ہونا چاہئے بلکہ امام احمد کی روایت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ جو شخص مغرب وصبح کی نماز کے بعد بغیر پاؤں موڑے یہ دعا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ دس مرتبہ پڑھے، اس کے دس گناہ مٹائے جائیں گے، اور دس درجہ بلند کئے جائیں گے۔ اور اس کی ہر مکروہ سے حفاظت ہوگی اور شیطان رجیم سے حفظ ہوگا اور شرک کے سوا کوئی گناہ اُسے ضرر نہ دیگا اور باعتبار عمل وہ سب سے افضل ہوگا، مگر وہ جو اس سے افضل کہے پھر زید کا مغرب کے ساتھ خاص کرنا بالکل بے دلیل ہے، بلکہ یہ حکم ہو کہ تاخیر نہ کیجائے مغرب اور ان تمام نمازوں میں جن کے بعد سنن ہیں یکساں ہے۔ اور مغرب کا وقت کم ہے تو کیا اتنا کم ہے کہ دعا پڑھتے پڑھتے ختم ہو جائے گا۔ ہندوستان میں ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ سے کم کبھی نہیں ہوتا مگر سلام کے بعد امام کی متابعت ضروری نہیں البتہ جماعت کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہے کہ امید اجابت ہے۔ ——— واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۱۱۹) ظہر ومغرب وعشاء کے فرض کے بعد امام کا دائیں یا بائیں جانب موڑ کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ کبیری میں جن حدیثوں سے اس انحراف پہ دلیل لائے ہیں، ان حدیثوں میں بعض نماز کے ساتھ خصوصیت ظاہر نہیں ہے۔ بلکہ تمام نماز کے لئے حکم عام معلوم ہوتا ہے بایں ہمہ آگے ارشاد فرماتے ہیں ھٰذا الذی ذکرنا من التخییر بین الانصراف والجلوس مستقبلا اذا

لم یکن بعد الصلوٰة المکتوبة التی اتبعها تطوع کالفجر والعصر، یہ تخصیص کس بنا پر ہے، بینوا توجروا

الجواب ۔ ان نمازوں میں بھی دائیں بائیں انصراف کرکے دعا مانگنا جائز بلکہ احادیث کے اطلاق سے یہی ثابت اور سنت ہے البتہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں انہیں مختصر دعا مانگے اور فجر و عصر کے بعد ادعیہ طویلہ واذکار کثیرہ کی بھی اجازت ہے۔ غنیہ وغیرہا میں جو تخیر ذکر کرتے ہیں ان میں جلوس سے مراد جلوس طویل ہے، چنانچہ حلیہ میں تصریح ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان کے بعد بھی انصراف کرے کہ علت مشترک ہے اور احادیث کے اطلاق سے یہی ثابت ۔۔۔۔۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۰) از ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

ما قولکم ایہا العلماء الکرام فی ہذہ المسائل رحمکم اللہ الملک العلام :۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں حد رکوع کیا ہے اگر اتنا جھکا کہ سر اور زمین میں ایک بالشت یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تو کیا اس کی نماز میں نقصان آگیا ؟ بینوا توجروا

مسئلہ (۱۲۱) رکوع اور سجدہ میں جو الصاق کعبین سنت لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے پورے قدموں کا آپس میں ملانا یا صرف ٹخنوں ہی کا ملانا، اگر صرف ٹخنوں ہی کا ملانا مراد ہے تو رکوع میں خیر آسانی ہوگی لیکن سجدہ میں جہاں تک فقیر نے تجربہ کیا ہے مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ سجدہ میں انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف بھی کرنے کا ہے اور ظاہر اس سے یہی ہے کہ تمام انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رہے نہ بعض کا، اور الصاق کعبین میں دونوں پاؤں کی صرف ایک ایک یا دو دو انگلیاں قبلہ رو رہتی ہیں باقی نہیں بہر حال ان دونوں سنتوں میں ایک ضرور ترک ہو جاتی ہے ۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ بیٹھکر نماز پڑھنے میں رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کی سمت میں آجائے ۔ رد المحتار میں ہے دفی حاشیة القتال عن البرجندی ۔ ولو کان یصلی قاعداً ینبغی ان یحاذی جبہتہ قدام رکبتیہ لیحصل الرکوع

اقول ۔ یہاں محاذات سے مراد سمت میں ہونا ہے نہ کہ اتنا جھکنا کہ پیشانی کی زمین سے بلندی گھٹنے کے بالائی حصہ کے برابر ہو جائے فالایراد الذی اورد العلامة الشامی بقولہ لعلہ محمول علی تمام الرکوع الخ ساقط ولعلہ اشار الی ہذا بقولہ تامل ۔ بہر حال اتنا جھکنا کہ پیشانی اور زمین میں ایک بالشت یا کم کا فاصلہ رہا موجب نقصان نہیں ۔۔۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۔ در مختار میں رکوع کے اندر الصاق کعبین کو سنت تحریر کیا اور رد المحتار میں سید ابو السعود سے نقل کیا کہ وہ بحوالہ در سجود میں بھی الصاق کو سنت لکھتے ہیں ۔ اس پر علامہ شامی اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ شارح نے در مختار میں لکھا نہ در منتقی

میں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی غیر کے کلام میں بھی میں نے اس کو نہیں پایا۔ پھر اس کی ایک ضعیف سی توجیہ بھی کرتے ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی سنیت کا ماخذ کیا ہے مجھے خیال ہے کہ بہار شریعت میں اسی درمختار کے حوالے سے میں نے الصاق کو سنن میں شمار کیا تھا۔ مگر اعلیٰحضرت قبلہ نے اُسے نکال دیا[عہ]۔ میرا خیال ہے کہ اگر الصاق سنت کہا جائے تو شاید بایں معنیٰ ہو کہ دونوں ٹخنوں محاذات ہو جانا چاہئے نہ کہ چپکا دیے جائیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نماز جماعت میں ایک شخص اپنے کعب کو دوسرے کعب سے الصاق کیا کرتا تھا، اس کے معنیٰ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ الصاق سے مراد محاذات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۲) زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کیا وجہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ نفس کو مغلوب کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مابین سجدتین اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ الخ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ مابین سجدتین نوافل میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاعْفِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھنا مسنون ہے اور حدیث ابو داؤد جس میں یہ دعا وارد ہے، عند الحنفیہ نوافل پر محمول ہے اور فرائض میں اگر منفرد ہو یا مقتدی تھوڑے ہوں اور معلوم ہو کہ ان پر گراں نہ ہوگا تو اس کے پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ پڑھنا مستحب و مندوب ہے کیونکہ ائمہ حنفیہ نے اس کی کہیں ممانعت نہیں فرمائی اور حنبلیہ کے نزدیک اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہنا واجب ہے کہ بغیر اس کے نماز ہی باطل ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر اپنے مذہب کے خلاف کرنا لازم نہ ہو تو رعایت اختلاف مستحب ہے یعنی اس طرح عمل کرے کہ دوسرے کے نزدیک باطل نہ قرار پائے۔ درمختار میں ہے ولیس بینھما ذکر مسنون علی المذھب وما ورد محمول علی النفل۔ ردالمحتار میں ہے قال ابو یوسف سألت الامام ایقول الرجل اذا رفع رأسہ من الرکوع والسجود اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ قال یقول ربنا لک الحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذ لم ینہ عن الاستغفار (نھر وغیرہ) اقول بل فیہ اشارۃ الی انہ غیر مکروہ اذ لو کان مکروھا لنھی عنہ کما ینھی عن القراءۃ فی الرکوع والسجود وعدم کونہ مسنونا لا ینافی الجواز کالتسمیۃ بین الفاتحۃ والسورۃ بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرۃ بین السجدتین خروجا من خلاف الامام احمد لابطالہ الصلوٰۃ

[عہ] الملفوظ حصہ چہارم مطبوعہ لکھنؤ ص۴۰ پر ہے۔ عرض: درمختار کبیری صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ ارشاد: لم یثبت۔ کہیں ثابت نہیں دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے: اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے۔ اھ
فتاویٰ رضویہ سوم ص۴۵ پر اسکے خلاف اس کے مسنون ہونے کی تصریح ہے۔ اور اس پر وارد شبہات کا جواب بھی، مگر وہ فتویٰ بہت پہلے کا ہے سوال کی تاریخ ۹ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ ہے۔ اور الملفوظ کا ارشاد ۱۳۳۶ھ کے بعد کا ہے۔ اور بہار شریعت کی تصنیف ۱۳۳۶ھ کے بعد کی ہے اس لئے معتبر و معتمد یہی ہے جو الملفوظ میں ہے۔ اور جو حضرت صدر الشریعہ نے بیان فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

بترکہ عامدًا ولم ار من صرح بذالک عند نالکن صرحوا باستحبابہ مراعاۃ الخلاف

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۴) مرسلہ محمد حبیب حسین صاحب و محفوظ الکریم بانکی پور دیاپور ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں :-

امام کے لئے بعد فراغ فرائض انحراف عن القبلہ یمین و یسار پہلو پر ہو کر دعا مانگنا ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد مستحب ہے یا بعض کے بعد۔ زید کہتا ہے کہ ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد انحراف عن القبلہ کرنا مستحب ہے۔ خالد کہتا ہے کہ صرف عصر اور فجر کی نماز کے بعد مستحب ہے۔ دلیل میں فتاویٰ درمختار مطبع احمدی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے و فی الخانیۃ یستحب للامام التحول لیمین القبلۃ یعنی یسار المصلی لتنفل۔ نیز نور الایضاح نزل الشوی تقریر ترمذی شریف بحوالہ فتح القدیر شرح منیہ کبیری وغیرہ پیش کرتا ہے۔ عبارت مذکورہ بالا کا واضح مطلب و احناف فقہاء کرام کا متحقق و مفتی بہ قول مع حوالہ کتب نقل عبارت کے ساتھ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

الجواب - فرائض کے بعد سنن پڑھنے میں کچھ فاصلہ کرنا چاہئے۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام فصل کیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امرنا بذلک ان لا نوصل بصلوٰۃ حتی نتکلم او نخرج (رواہ مسلم) اور فرائض و سنن میں فصل طویل بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ اس امر میں فقہائے حنفیہ کا قول یہ ہے کہ احادیث میں ایسی نمازوں کے بعد جو اذکار طویلہ وارد ہیں اُن سے یہ مراد ہے کہ رواتب کے بعد وہ اذکار پڑھے جائیں۔ معلوم ہوا کہ فصل طویل مکروہ ہے ورنہ اس تاویل کی حاجت نہ تھی۔ ردالمحتار میں ہے واما ما ورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بہا قبل السنۃ بل یحمل علی الاتیان بہا بعدہا لان السنۃ من لواحق الفریضۃ و توابعہا و مکملاتہا فلم تکن اجنبیۃ عنہا فما یفعل بعدہا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ۔ اب رہی یہ بات کہ ان فرائض کے بعد جو اذکار قلیلہ یا دعائیں پڑھی جائیں، وہ قبلہ رو امام بیٹھے ہوئے پڑھے یا اس کے لئے انحراف عن القبلہ ہونا چاہئے۔ انحراف کے متعلق جو کچھ احادیث نظر فقیر سے گذری ہیں، ان حدیثوں سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ صرف فجر و عصر میں انحراف ہوتا تھا باقی نمازوں میں نہ تھا، لہٰذا بلا دلیل شرعی اس انحراف کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً صحیح بخاری میں سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجہہ۔ صحیح مسلم شریف میں

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجہہ۔ بلکہ بظاہر ان احادیث سے عموم سمجھا جاتا ہے بلکہ ابوداؤد کی ایک حدیث سے صراحۃً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نماز کے بعد نوافل ہیں، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انحراف فرمایا ہے۔ ازرق بن قیس سے مروی کہتے ہیں صلی بنا امام لنا یکنی ابا رمثۃ قال صلیت ھذہ الصلوٰۃ او مثل ھذہ الصلوٰۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال وکان ابوبکر و عمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینہ وکان رجل قد شھد التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ فصلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم سلم عن یمینہ و عن یسارہ حتی رأینا بیاض خدیہ ثم انفتل کانفتال ابی رمثۃ یعنی نفسہ فقام الرجل الذی ادرک معہ التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوٰۃ یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبیہ فھزہ ثم قال اجلس فانہ لن یھلک اھل الکتاب الا انہ لم یکن بین صلاتھم فصل فرفع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو منع کرنا اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے فرض و سنت میں فصل نہ کیا اور اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی، اگر وہ نماز فجر و عصر ہوتی تو نماز ہی سے ممانعت کی جاتی نہ کہ فصل کو منع کیا جاتا۔ اور یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ اس نماز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انحراف فرمایا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ انحراف امام فجر و عصر کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی فتح القدیر میں ذکر فرمایا، اور یہ بتایا کہ جو لوگ فرض و سنت میں وصل کے قائل ہیں۔ ان کا قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ کے مکث کرے، اُن کے قول پر اس حدیث سے اعتراض نہیں ہوتا کہ اس حدیث سے حدیث فصل طویل ثابت نہیں۔ فتح القدیر کی عبارت یہ ہے ولا یرد علی الثانی اذ قد یجاب بان قولہ اللھم انت السلام ومنک السلام الخ فصل فمن ادعی فصلا اکثر منہ فلینقلہ۔ امام ابن ہمام کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس نماز کو فجر و عصر کا غیر قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھنے میں بھی امام کو انحراف چاہئے۔ لہٰذا جن فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں بعد سلام صرف بقدر اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ توقف کرے جیسا کہ درمختار میں ہے ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ۔ ان روایات فقہیہ سے کہیں ایسا ثابت نہیں کہ حالت اولیٰ پر بیٹھے ہوئے یہ کلمات کہے بلکہ فقہائے کرام نے انحراف کی جو علت بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ نئے آنے والے کو شبہ نہ ہو کہ ابھی جماعت ختم

نہیں ہوتی ہے۔ اور وہ اقتدار کی نیت کر کے کہیں شامل نہ ہو جائے۔ یہ علت بتائی ہو کہ امام کو ہر نماز میں منحرف ہونا چاہئے، جبکہ کتب مذہب میں فقہائے کرام کی تخصیص نہیں ملتی کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں، ان میں انحراف نہیں کیا جائے۔ اور احادیث اس باب میں مطلق ہیں، بلکہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں بھی انحراف حدیث سے ثابت اور قول اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ اور انحراف میں منافی نہ ہونا امام ابن ہمام کی تصریح سے ثابت۔ لہٰذا یہ انحراف تمام فرائض کے بعد امام کرے۔ اور یہی سنت ہے، بلکہ حلبیہ شرح منیہ میں یہ تصریح ذخیرہ سے نقل فرمائی، اور حالت اولیٰ پر جلوس کو مکروہ بتایا۔ سائر الصلوات فی ذالک علی السواء وقد صرح غیر واحد بانہ یکرہ ذالک۔ درمختار کی جو عبارت سوال میں منقول ہے اس کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں اس عبارت کا محصل یہ ہے کہ امام اسی جگہ نوافل نہ پڑھے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۵) مسئولہ محمد کامل صاحب پسر شیخ محمد امان اللہ پورہ بنارس یکم محرم ۱۳۵۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بعد نماز فرض متصلاً ۳ بار حق حق کہنا، یا ۳ بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بلند آواز سے ضرب لگانا کسی حدیث یا فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب سے ثابت ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہے تو بحوالہ کتب عبارت نقل فرمایئے۔

مسئلہ (۱۲۶) بعد ختم نماز فرض حدیثوں میں ۳ مرتبہ استغفار کا حکم آیا ہے اور مختلف اذکار کے پڑھنے کا ثبوت بھی ہوا ہے۔ کیا بعینہ انھیں اذکار کا پڑھنا سنت ہوگا، یا کچھ تغیر و تبدل کرنا بھی سنت ہوگا۔

الجواب۔ ذکر جہر کی مختلف صورتیں ہیں بعض حالتوں میں جائز و بہتر اور بعض میں مکروہ جبکہ اس کا صحیح مقصد ہو اور نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو اور سونے والوں کو ایذا نہ ہو اور ریا کی مداخلت سے خالی ہو تو جائز ہے، اور نماز کے بعد ذکر کا جواز احادیث سے ثابت ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالتکبیر۔ دوسری روایت میں ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفوا بذالک اذا سمعتہ۔ ردالمحتار میں فتاویٰ خیریہ سے ہے والجمع بینھما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذالک بین احادیث الجھر والاخفاء بالقرأۃ ولا یعارض ذالک حدیث خیر الذکر الخفی لانہ حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اھل العلم ان الجھر افضل لانہ اکثر

اسرار ولتعدی فائدتہ الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم و یزید النشاط۔ جب مطلقاً ذکر جائز ہے تو وہ ذکر بھی جائز ہے جو سوال میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب۔ وہ اذکار جو احادیث میں وارد ہیں ان کے سوا دوسرے اذکار بھی جائز ہیں مگر جو احادیث میں ہیں وہ افضل ہیں۔

مسئلہ (۱۲۷) مسئولہ محمد کامل صاحب بنارس یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ

اگر کوئی شخص بجائے اللہ اکبر کے اَجَلُّ وَاَعْظَمُ اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْکَبِیْر اور سجدہ میں رَبِّیَ الْاَکْبَرُ اور سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ کہنے پر مداومت اور اصرار کرے تو یہ خلاف سنت ہے یا نہیں اور اس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں اَلسَّلَامُ نہیں آیا ہے بلکہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ آیا ہے اور یہی بہتر ہے۔

الجواب۔ اگرچہ اَللّٰہُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ سے بھی تحریمہ ہو جائے گا اور نماز میں داخل ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے اور حدیث کے خلاف ہے کہ ارشاد فرمایا وتحریمها التکبیر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لَوْشَرَعَ بالتسبیح او بالتهلیل صح ولکن الاولیٰ ان یشرع بالتکبیر کذا فی التبیین وهل یکره الشروع بغیره اختلف المشائخ بعضهم قالوا یکره والاصح هٰکذا فی الذخیرة والمحیط والظهیریة۔ ردالمحتار میں ہے فان الاصح انه یکره الافتتاح بغیر اللّٰہ اکبر عند ابی حنیفة کما فی التحفة والذخیرة والنهایة وغیرها اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی جگہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہنا بھی خلاف سنت و مکروہ ہے ردالمحتار میں ہے فان قال اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ او اَلسَّلَامُ او سَلَامٌ عَلَیْکُمْ او عَلَیْکُمُ السَّلَامُ اجزاه وکان تارکا للسنة وصرح فی السراج بکراهة الاخیر اھ۔ قلت تصریحه بذالک لاینافی کراهة غیره ایضاً مما خالف السنة۔ اور اس کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں اَلسَّلَامُ نہیں آیا ہے، غلط ہے، قرآن مجید میں ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۸) نماز میں سجدہ کی حالت میں ناک اور پیشانی کا زمین سے لگا رہنا ضروری ہے، یا پیشانی زمین سے لگنے کے بعد اٹھ جانا چاہیئے۔ اور جو ایسے نماز پڑھتا ہے۔ کہ ناک نہ لگے یا ناک محض چھو جائے بعد میں پیشانی لگ جائے اور ناک اٹھ جائے اُس کی نماز کیسی ہے۔

الجواب۔ سجدہ میں پیشانی کا زمین پر جمنا فرض ہے، اور ناک اس طرح جمانا کہ جو حصہ ناک کا نرم ہے اس کے دبنے کے بعد ناک کی ہڈی زمین پر جم جائے۔ یہ واجب اگر ناک کی نوک زمین سے چھو گئی اور ہڈی نہ لگی نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ حدیث میں ارشاد ہوا امرت ان اسجد علی سبعة اعظم واشار الی انفه۔ یعنی پیشانی زمین پر لگنے کا یہ مطلب ہے کہ ناک کی ہڈی بھی زمین

پر لگ جائے ــــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۲۹) مرسلہ عبد الغفور صاحب دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ۔

"عورتوں کے لئے نماز میں سجدہ کی حالت میں پیر اور پیر کی انگلیوں کے متعلق کیا حکم ہے"۔

الجواب۔ عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہئے، اس حکم میں عورتوں کا استثنا میری نظر سے نہیں گذرا ہے ــــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۰) صف اور مصلیٰ بچھانے میں مصلیٰ کا کچھ حصہ صف کے اوپر رہتا ہے بعض اوقات نیچے بھی ہو جاتا ہے لہٰذا مصلیٰ کا کچھ حصہ صف کے اوپر رہنا چاہئے یا صف کے نیچے یا صف سے علیحدہ یا تمام طریقے جائز ہیں جس مصلیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ چٹائی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سب طرح جائز ہے مگر امام کو مقتدیوں کی صف سے زیادہ فاصلہ پر نہ کھڑا ہونا چاہئے۔ مقتدی کے موضع سجود اور موضع قیام امام میں اگر فاصلہ ہو تو اتنا ہو کہ بکری کا بچہ گذر جائے ــــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۳۱) مسئولہ مولوی عبد الکریم صاحب طالب علم درجہ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۶۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں :۔

کلام مجید کو مخارج سے ادا کر کے نماز میں پڑھنا فرض ہے یا سنت یا مستحب۔

(۲) جو شخص مخارج کو ادا نہیں کرتا ہے اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور اگر وہ نماز پڑھا رہا ہو تو اسکی اقتدا کرنا چاہئے یا نہیں۔

(۳) اور جو شخص مخارج کے ادا کرنے کی سعی ہمیشہ کرتا رہتا ہے مگر ادا نہیں ہوتی تو اس کی نماز اور اسکی اقتدا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) اور جس شخص میں اس قدر استطاعت و قدرت ہے کہ سعی و کوشش سے مخارج کو ادا کرے گا پھر وہ کوشش نہیں کرتا تو اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اُسپر شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے، جواب بحوالۂ کتب ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا

بینوا توجروا

ــــــــــــــــــــ

ع ۲ اس لئے عورتیں بھی اس عموم میں داخل ہیں۔ یونہی یہ بھی کہیں نہیں کہ وہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگائیں، مگر عموم حکم سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جب ان کا استثنا نہیں۔ حالانکہ جو ان کی وضع خاص ہے اُسے فقہا نے بیان فرمایا۔ تو اگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہوتیں تو اس کو بھی ضرور بیان فرماتے۔ وقد استدل بعض الافاضل بما نقله الشامی عن البحر انها لا تنصب اصابع القدمين كما ذكره في المجتبى۔ فيه نظر لان في البحر عد من خصائص المرأة حيث قال ـ ويزاد على العشر انها لا تنصب اصابع القدمين۔ فان كان المراد به بسط ظهور الاصابع وتوجيه رؤسها نحو القبلة فلا خصوصية للمرأة الرجال في هذا الحكم مثلهن فليحرر۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

الجواب (۱) قرآن مجید مطلقاً صحیح پڑھنا فرض ہے، نماز میں ہو یا بیرون نماز، اس طرح کہ حروف مخارج سے نکالے جائیں اور وہ صفات جن سے ایک مخرج کے چند حروف باہم ممتاز ہوتے ہیں، اُن کی بھی رعایت کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو، تصحیح حروف تو بڑی چیز ہے، علمائے کرام تو تجوید کو بھی واجب کہتے ہیں، بلکہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ترتیل کی تفسیر تجوید سے فرمائی، امام شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد جزری مقدمہ جزریہ میں فرماتے ہیں وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ ؎ مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ۔ لِاَنَّہٗ بِہِ الْاِلٰہُ اَنْزَلَا ؎ وَھٰکَذَا مِنْہُ اِلَیْنَا وَصَلَا تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا لازم حتمی ہے جو قرآن کو تجوید کے ساتھ نہ پڑھے گنہگار ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی قرآن کو نازل فرمایا اور ایسا ہی قرآن ہم تک پہونچا۔ ان کے صاحبزادے تجوید کی رعایت کرنے پر شرح میں فرماتے ہیں اذا لم یراع ذالک فکانہ قرأ القرآن بغیر لغۃ العرب والقرآن لیس کذالک فھو قارئ ولیس بقارئ بل ھادم وعدم قراءتہ اولیٰ من قراءتہ وصوبھا من اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ومن الداخلین فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ۔ یعنی جس نے تجوید کی رعایت نہ کی، تو گویا غیر زبان عرب میں قرآن پڑھا، حالانکہ قرآن غیر عربی نہیں، تو بظاہر قرآن پڑھتا ہے اور فی الحقیقت قرآن پڑھنے والا نہیں، بلکہ ہادم ہے اور اس کا نہ پڑھنا پڑھنے سے بہتر ہے، اور اس طرح قرآن پڑھکر وہ اُن لوگوں میں ہوا، جن کی زندگیِ دنیا میں کوشش بیکار ہوگئی۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کرتے ہیں، اور ایسا پڑھنے والا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ بہت قرآن پڑھنے والے وہ ہیں، جن پر قرآن لعنت کرتا ہے، اعاذنا اللہ تعالیٰ منھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) جو شخص مخارج سے نہیں ادا کرتا، اس کے پیچھے اس شخص کی نماز نہیں ہوسکتی، جو صحیح پڑھ سکتا ہے، اور خود اُسکی نماز ہوگی یا نہیں، اس کی دو صورتیں ہیں جو مسئلہ اور مسئلہ کے جواب سے ظاہر ہوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) جو شخص صحیح پڑھنے پر قادر نہیں، اُسے حکم ہے کہ پوری کوشش صرف کرے، اور زمانہ کوشش میں اُس کی خود نماز ہوجائے گی، اور اس جیسا کوئی دوسرا ہو یعنی جو حرف یہ ادا نہیں کرسکتا ہے دوسرا بھی اسی حرف کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی امامت بھی کرسکتا ہے، اور اگر صحیح خواں کی اقتدا کرسکتا ہو، یا بقدر فرض قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھ سکتا ہے، جس میں وہ حرف نہ ہو، جسے ادا نہیں کرسکتا، یا کوشش نہیں کرتا، تو ان تین حالتوں میں جبکہ غلط پڑھے گا، تو خود اس کی نماز بھی نہ ہوگی، اور جب خود اس کی نہ ہوئی تو دوسرے کی اُس کے پیچھے کیونکر ہوگی۔ در مختار

میں ہے ولا یصح اقتداء غیر الالثغ به ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبیٰ وحرر الحلبی وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثله ولا تصح صلاته اذا امکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف توتلے کی اقتدا اُس کے لیے صحیح نہیں، جو توتلا نہ ہو، اصح مذہب یہی ہے، ایسا ہی بحر میں مجتبیٰ سے ہے، اور حلبی اور ابن الشحنہ نے یہ تحریر فرمایا کہ وہ الثغ اپنی ہمیشہ پوری کوشش کرنے کے بعد امی (ان پڑھ) کے مثل ہے، وہ صرف اپنے ہی جیسے کی امامت کر سکتا ہے، اور اگر اچھے پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے، تو اس کی اپنی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، یا کوشش کرنا ترک کردے، یا بقدر فرض ایسی آیتیں پڑھ سکتا ہو، جن کو توتلے پن کے بغیر پڑھ سکتا ہو، یعنی صحیح ادا کر سکتا ہو، الثغ کے بارے میں یہی صحیح اور مختار ہے، ایسا ہی حکم اُس شخص کا ہے، جو حروف میں سے کسی حرف خاص کو صحیح ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔

ردالمحتار میں فرمایا، قوله دائما ای فی آناء اللیل واطراف النهار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة کما فی المحیط وغیره قوله حتما ای بذلا حتما فهو مفروض علیه قوله فلا یؤم الا مثله یحتمل ان یراد المثلیة فی مطلق اللثغ فیصح اقتداء من یبدل الراء المهملة غینا معجمة بمن یبدلها لاما وان یراد المثلیة فی خصوص اللثغ فلا یقتدی من یبدلها غینا الا بمن یبدلها غینا وهذا هو الظاهر کاختلاف العذر فلیراجع ح قوله وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف وذالك کالرحمٰن الرحیم والشیطان الرجیم والعٰلمین وایاك نعبد وایاك نستعین الصراط انعمت فکل ذالك حکمه مامر من بذل الجهد دائما والا فلا تصح الصلاة به . ہمیشہ کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کے اوقات میں کوشش کرے جب تک کوشش کر کے سیکھ رہا ہو، اُس زمانہ کی اُس کی نماز جائز ہے، اور اگر کوشش چھوڑ دے، تو اُس کی نماز فاسد ہے، ایسا ہی محیط وغیرہ میں ہے، یہ جو کہا گیا کہ وہ صرف اپنے ہی جیسے کی امامت کر سکتا ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ وہ مطلقاً لثغ میں اُس کا مثل ہو، اس تقدیر پر وہ شخص جو رائے مہملہ کو غین معجمہ سے بدلتا ہے، یہ اُس کی اقتدا کر سکتا ہے جو رائے کی جگہ لام پڑھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خصوص لثغ میں اُس کا مثل ہو، لہٰذا رائے کو غین پڑھنے والا اُس شخص کی اقتدا نہیں کر سکتا جو رائے کو لام پڑھتا ہو، یہی ظاہر ہے، جیسا کہ وہ معذور جن کے عذر مختلف ہوں، اُن میں بھی ایسا ہی ہے، الثغ کا جو حکم ہے، یہی حکم

اُس شخص کا ہے، جو حروف میں سے کسی حرف کے تلفظ پر قادر نہ ہو جیسے کوئی یوں پڑھے الرحمٰن الرھیم، الشیتان الرجیم، آلسامین، وایاك نابُدُ وایاك نستئین، السرات، انأمت تو ان سب کا حکم وہی ہے، جو گذر گیا، کہ اگر ہمیشہ کوشش کرے تو نماز ہوگی، ورنہ نہیں، فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی میں ہے امامۃ الالثغ للمفائق تجوز عند البعض من اکابر وقد اباہ اکثر الاصحاب ؂ لما الغایرہ من الصواب ۔ وقلت نظما غابر الزمان ؂ یزری بنظم الدر والجمان ۔ امامۃ الالثغ بالفصیح ؂ فاسدۃ فی الراجح الصحیح ۔ قال فی البحر بعد کلام کثیر والحاصل ان امامۃ الانسان لمماثلہ صحیحۃ الا امامۃ المستحاضۃ والضالۃ والخنثیٰ المشکل لمثلہ ولمن دونہ صحیحۃ ولمن فوقہ لاتصح مطلقاً اھ ۔ نیز اسی فتاویٰ خیریہ میں ہے الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ الالثغ لغیرہ ممن لیس بہ لثغۃ ۔ ________ واللہ تعالیٰ اعلم

جـ (۴) اس کا حکم ماسبق سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ نہ خود اسکی نماز صحیح ہے، نہ دوسرا اسکی اقتدا کر سکتا ہے، جب شریعت مطہرہ یہ حکم دیتی ہے، کہ جو قدرت نہ رکھتا ہو، وہ دن رات کوشش کرے، پھر بھی صحیح نہ ادا کر سکے، تو زمانہ کوشش کی نماز ہو جائیگی، تو جو باوجود قدرت صحیح ادا نہیں کرتا، اس کی شناعت کا کیا پوچھنا، یہ شخص تارک فرض ہے، اور اگرچہ بظاہر نماز پڑھتا ہے، مگر بے نمازی ہے اور نماز ترک کرنے پر جو وعیدیں ہیں ان کا مستحق، اور جان بوجھکر قصداً کلام اللہ کو بدلنا چاہتا ہے[عہ] ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو صحیح پڑھنے کی توفیق دے ۔ ________ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۲) مسئولہ حافظ علی حسین صاحب فرنیچر مرچنٹ از سرائے حکیم علی گڈھ ۱۳ر شوال ۱۳۴۱ھ

علمائے دین و شرح متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ زید امام ہے، اس نے نماز جمعہ پڑھائی، دوسری رکعت میں سورۃ ھَلْ اَتَاكَ پڑھی، تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً کے بجائے تَصْلٰی نَارٌ حَامِیَۃٌ ادا کیا ہے، کیا اس اعرابی غلطی سے نماز ہو گئی یا نہیں، زید شامی کا حوالہ دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر کیسی بھی اعرابی غلطی ہو جائے، اور معنی بدل جائے، نماز ہو جائے گی، شامی کے قول کو ملیے امام صاحب نے رد کیا ہے یا نہیں، اور زید یہ بھی کہتا ہے، قرارت کوئی چیز نہیں[عہ]، اور یہ بھی کہتا ہے کہ فقہ کے مقابلے میں اگر کوئی معتبر حدیث مل جائے گی، تو ہرگز نہیں مانوں گا ۔ یہ جائز ہے یا نہیں ۔

عہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص صحیح ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے پھر بھی صحیح نہیں ادا کرتا تو وہ ضرور بالقصد قرآن مجید کو غلط پڑھتا ہے، اور قرآن مجید غلط پڑھنا قصداً اُسے بدلنا ہے، مگر چونکہ اس کی نیت تحریف قرآن کی نہیں بلکہ وہ سستی اور لاپرواہی سے ایسا کرتا ہے، اسلئے کافر تو نہ ہوگا، البتہ شدید گنہگار ضرور ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی ۔ عہ قراءت بمعنی تجوید کا مطلقاً انکار کفر ہے کہ یہ ارشاد ربانی ورتل القرآن ترتیلا (بقیہ صفحہ پر)

الجواب ۔ صورت مذکورہ میں یہ غلطی ایسی نہیں کہ نماز فاسد ہو، مگر جب اعرابی غلطیاں ایسی ہوں کہ تغیر معنی لازم آئے، تو متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور متاخرین میں بھی اختلاف ہے، اور اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ نماز فاسد ہونے کا حکم دیا جائے۔ شامی میں ہے ومثال ما یغیر اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا بضم ھاء الجلالۃ وفتح ھمزۃ العلماء وھو مفسد عند المتقدمین واختلف المتاخرون فذھب ابن مقاتل ومن معہ الی انہ لا یفسد والاول احوط وھٰذا اوسع کذا فی زاد الفقیر لابن الھمام۔ زید کا یہ کہنا کہ قراءت کوئی چیز نہیں، غلط ہے، تصحیح حروف ضروری ہے، کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا اور معنی فاسد ہو گئے، نماز جاتی رہی، اگر صحیح حرف ادا نہیں ہوتے تو حکم ہے کہ پوری کوشش کر کے تصحیح حروف کرے، ورنہ اس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔ درمختار میں الثغ کا حکم بیان فرمایا، ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ اس کے بعد فرمایا، ھٰذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لا یقدر ما اس کے تحت فرمایا وذالک کالرحمٰن الرحیم والشیطان الرجیم والعٰلمین وایاک نعبد وایاک نستعین الصراط انعمت فکل ذالک حکمہ ما مر من بذل الجھد دائما والا فلا تصح الصلٰوۃ بہ۔ اور اگر قراءت سے مراد مد و شد واظہار واخفاء وغنہ وترقیق وتفخیم وغیرہا ہیں تو اگرچہ ان کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی چیز نہیں۔ جزریہ میں ہے والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن اٰثم۔ احادیث پر عمل کرنا بغیر مدد فقہ، یہ مجتہد کا کام ہے، مقلد کے لئے مجتہد کا قول سند ہے، اور مجتہد نے جو کچھ فرمایا وہ احادیث ہی سے فرمایا، حدیث کے الفاظ دیکھ لینے سے کام نہیں چلتا، اس کے معنی کی پوری واقفیت مجتہد کو ہوتی ہے، عہ اس لئے ائمہ کے اقوال عمل کے لئے بس ہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(بقیہ حاشیہ عہ) کا انکار ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے، تجوید بنص قطعی واخبار متواترہ سید الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماع تمام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان الی یوم القیام حق وواجب وعلم دین وشرع الٰہی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ورتل القرآن ترتیلا اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمہ کفر ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی خاص قاعدے کا انکار کرے وہ اس کا جہل ہے اسے آگاہ اور متنبہ کرنا چاہئے، وہو اعلم ص ۲ ج ۳ ۔ امجدی ۔ عہ غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے، اور اس زمانے میں اس پر اجماع امت ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ان کے علاوہ اور ائمہ مجتہدین کی جائز نہیں، اس لئے کہ ان ائمہ اربعہ کا مذہب مع تمام جزئی تفصیل کے بحفاظت موجود ہے، بخلاف ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کہ ان کا مذہب آج محفوظ ہی نہیں۔ پھر ان کی تقلید کی اجازت بیکار ہے۔ بعض لوگ یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ان چاروں میں جس کا مذہب احادیث کے مطابق پاتے ہیں اسکی تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تقلید نہیں ہوئی۔ تقلید کے معنی ہیں، کسی کی بات بلا دلیل ماننا۔ جب آپ کسی کی بات اسلئے مانتے ہیں کہ وہ آپکے زعم میں حدیث کے مطابق ہے، تو یہ بلا دلیل ماننا نہ ہوا بلکہ اپنے گمان کے مطابق دلیل سے ماننا ہوا۔ پھر یہ تقلید نہ ہوئی بلکہ

مسئلہ (۱۳۳) مرسلہ نور محمد طالب علم مدرسہ مسجد قدیم چتوڑ گڈھ میواڑ ۳ رجمادی الاخریٰ ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ امام ہر سہ نماز جہری میں مسلسل الحمد سے قرأت شروع کرے اس طرح کہ مقتدیوں پر گراں نہ گذرے اور اثنائے نماز میں جہاں آیت سجدہ آئے وہاں سجدۂ تلاوت بھی کرے یہاں تک کہ سال میں دو مرتبہ قرآن مجید ختم کرے، تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اور ہر روز متفرق طور پر قرأت کرنے کے بجائے مذکورہ صورت اختیار کرنے میں زید مستحق ثواب ہوگا یا نہیں۔ اور کسی جاہل مقتدی کا یہ کہنا کہ اس طرح مسلسل فرضوں میں قرآن مجید کا پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا کہیں دنیا میں دیکھا نہ سُنا، اور صورت مذکورہ کے ترک کرنے پر مصر ہونا۔ اسکو مستحق گناہ اور قابل ملامت بنائیگا یا نہیں۔ نیز آنحضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کا کل بے نماز مغرب میں سورۂ اعراف پڑھنا صحیح ہے یا نہیں۔ جُہلا کا یہ اعتراض کرنا کہ مغرب کا بہت ہی مختصر وقت ہے۔ سورۂ اعراف میں چوبیس رکوع ہیں کیونکر پڑھے گئے ہوں گے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نماز فجر میں سورہ بقر پڑھنا لکھا ہے تو کیا صبح صادق کے بعد ہی نماز شروع کر دی تھی۔ بسم اللہ جو جزو قرآن ہے اس ختم میں جہر کے ساتھ کسی جگہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب۔ حضر میں مسنون یہ ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل پڑھے۔ اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل۔ اور مغرب میں قصار مفصل۔ یہی تمام متون مثلاً قدوری و کنز و مجمع الانہر و وقایہ و نقایہ و تنویر وغیرہا میں مذکور، اور اسی کو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریر فرما کر بھیجا۔ امام ابن الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر میں مصنف عبد الرزاق سے نقل فرماتے ہیں کتب عمر رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اقرأ فی المغرب بقصار المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل ہدایہ میں فرمایا والاصل فیہ کتاب عمر الی ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ رد المحتار میں کافی سے نقل فرمایا وھو کالمروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان المقادیر لا تعرف الا سماعاً اھ مگر انھیں سورتوں کو معین کر لینا کہ اس کے سوا کبھی دوسری سورت نہ پڑھے، مکروہ ہے، بلکہ احیاناً اور سُور بھی پڑھتا رہے کہ عوام کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ انھیں کا پڑھنا ضرور ہے۔ ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوات لما فیہ من ھجر الباقی وایھام التفضیل۔ اور یہ طریقہ کہ سوال میں مذکور ہے اگرچہ جائز ہے یعنی نماز ہو جائے گی۔ مگر اس پر مداومت کرنا اور اسی کا التزام کر لینا ضرور مُوہم ہے کہ اس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یوں مسلسل

(بقیہ ص۸۹) بلکہ اپنی رائے پر عمل ہوا۔ تفصیل کیلئے انتصار الحق۔ النہی الاکید اور پاسبان کے مقاصد نمبر کا مطالعہ کریں واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

پڑھنا مسنون ہوگا اور کم از کم بہتر ہوگا، ورنہ اس کا التزام کیوں ہوتا اور پھر اس کو جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص کرنا بھی، اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ مقتدیوں کو بھی پورا ختم سنانا ہے، ورنہ تخصیص کے کیا معنی اور اسی بنا پر بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے کو دریافت کیا لہٰذا یہ صورت خاصہ نہ مسنون ہے نہ مستحب ہے، بلکہ یہ خصوصیت والتزام مثل تعیین کے ہے، اور ایہام تفضیل موجود تو بظاہر کراہت سے خالی نہیں، فقہائے کرام نے تو یہاں تک فرمایا کہ جو سورتیں جن نمازوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں انھیں تبرکاً پڑھے مگر احیاناً اور سورتیں بھی پڑھے ورنہ کراہت ہے۔ فتح القدیر میں ہے قال الطحاوی والاسبیجابی ھذا اذا رأہ حتما لایجوز غیرہ اما لو قرء للتیسیر علیہ او تبرکا بقراءتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلا کراھۃ لکن بشرط ان یقرء غیرھا احیانا لئلا یظن الجاھل ان غیرھا لایجوز۔ تو جب ماثورات ومرویات میں التزام کو مکروہ فرماتے ہیں تو یہ التزام خاص کیوں مکروہ نہ ہوگا تنزیہی ہے کہ پوری سورت کو بہ نسبت جزء کے پڑھنا بہتر ہے۔ ردالمحتار میں ہے صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ عالمگیری میں ہے الافضل ان یقرأ فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ فی المکتوبۃ۔ اور اس صورت مذکورہ میں غالباً جزء سورت پڑھا جائے گا، نیز ختم کے قرب میں فجر وعشاء میں بلا وجہ چھوٹی سورتیں پڑھے گا، اور سنت کا ترک لازم آئے گا، یا جمع بین السور کرے یہ بھی اور یہ بھی مکروہ ہے۔ نماز مغرب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سورۂ اعراف شریف پڑھنا نسائی شریف میں بروایت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مذکور ہے، مگر یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے، اور وہ بھی اس وقت کہ مقتدیوں پر گراں نہ ہو ورنہ کبھی ہوتو دوسری روایت انس رضی اللہ عنہ سے ممانعت ثابت، بلکہ بچوں کے رونے کی آواز سن کر صرف معوذتین پر فجر میں اختصار فرمایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سورۂ اعراف پڑھنے سے اس سورت کے ایک جزء کا پڑھنا مراد ہو نہ کہ پوری سورت۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح معانی الآثار (باب القراءۃ فی صلوۃ المغرب) میں پہلے یہ حدیث ذکر کی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقرء فی المغرب بالطور۔ اور وہ حدیثیں ذکر کیں جنمیں سورہ والمرسلات اور سورہ اعراف مغرب کی نماز میں پڑھنا مذکور ہے، اس کے بعد فرمایا یجوز ان یکون یرید بقولہ قرء بالطور قرء ببعضھا وذالک جائز فی اللغۃ ویقال ھذا فلان یقرء القرآن اذا کان یقرء شیئا منہ۔ بسم اللہ جہر سے ایکبار تراویح میں پڑھنا سنت ہے، کہ اس میں ختم قرآن مجید سنت ہے، اگر جہر سے نہ پڑھے گا تو مقتدی اس سنت سے محروم رہجائیں گے اور نماز مفروضہ میں ختم سنت نہیں تو جہر بالتسمیہ کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۴) مسئولہ محمد نورالحق طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۰ رجب ۱۳۳۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ شخصے در صلاۃ مغرب در سورہ والتین والزیتون بجائے فمایکذبک اگر

فَمَنْ یُّکَذِّبُ بخواند نماز مش بر وفق شرع جائز شود یا نہ۔ بینوا توجروا بالدلیل۔

الجواب۔ نماز او جائز و صحیح شدہ کہ دریں صورت معنی فاسد نمی شود و بنائے مسائل زلّت القاری و ترجیح و ابطال نماز بر عدم فساد معنی و فساد دست کما لا یخفیٰ علی من طالع الکتب و یک تفسیر ایں آیت چنیں کردہ شدہ است کہ مَا بمعنی مَنْ است در تفسیر کبیر آوردہ والثانی وھو اختیار الفراء انہ خطاب مع محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمعنی فَمَنْ یُّکَذِّبُکَ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بعد ظھور ھٰذہ الدلائل بالدین پس فساد معنی چگونہ خواہد شد و نماز چرا باطل شود ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۵) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۵ ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ۔

امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت الحمد اور سورہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، نماز سری ہو یا جہری۔ بینوا توجروا

الجواب۔ مقتدی نہ فاتحہ پڑھے نہ سورہ بلکہ چپ[عہ] رہے۔ حدیث میں ہے وَاِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ. جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ نماز جہری ہو یا سری دونوں کا ایک حکم ہے ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۶) از مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں قصاب باڑہ ضلع ناسک مرسلہ محمد حسین صاحب مدرس ۲۹ رجب ۱۳۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو اَللّٰہُ الصَّمَدُ کے ساتھ وصل کرنا، اور اَحَدٌ کے بعد نون قطنی پڑھنا، اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے ساتھ وصل کرنا، اور اِھْدِنَا کے ہمزہ کو ساقط کرنا از روئے قواعد تجوید درست ہے یا نہیں۔ اور اگر اس طرح نماز میں پڑھا جائے تو نماز درست ہوگی یا نہیں، اور اسی طرح کُفُوًا اَحَدٌ کو تکبیر انتقالی کے ساتھ ملانا اور لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدُ نِ اللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اور شامی جلد اول مطبوعہ مصر ۳۲۷ میں جو یہ عبارت ہے وعن ابی یوسف انہ قال ربما ترکت وربما وصلت وذکر فی التاتارخانیہ تفصیلا حسنا وھو انہ اذا کان اٰخر السورۃ

عہ قرارت خلف الامام بہت مشہور اختلافی مسئلہ ہے اور اس زمانے میں غیر مقلدین نے اسے اور اہمیت دیدی ہے، مگر اسی ایک مسئلہ پر اگر کوئی منصف فریقین کے دلائل بنظر غائر دیکھے تو اسپر غیر مقلدین کے عمل بالحدیث کا ادعا کا ذب سمجھ میں آجائے گا، اور واضح ہو جائے گا کہ عمل بالحدیث اصل میں حنفی کرتے ہیں، غیر مقلدین قرارت خلف الامام کرکے۔ دو جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایک عمل بالقرآن کا ترک، دوسرے بہت سی احادیث پر عمل کا ترک۔ برخلاف احناف کے کہ بحمدہ تعالیٰ وہ قرارت خلف الامام نہ کرکے قرآن مجید کی اس آیت پر بھی عامل ہیں اور ان احادیث پر بھی جن میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ اسلئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من صلی خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو امام کی قرارت مقتدی کیلئے بھی قرارت ہے۔ رواہ الامام محمد فی الموطأ وغیرہ فی غیرہ۔ اس پر غیر مقلدین کی جرح اور تنقید کے مفصل جوابات فتح القدیر وغیرہ میں پوری تفصیل و تحقیق کے ساتھ موجود ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مقتدی اگرچہ قرارت نہیں کرتا مگر حکماً قاری ہے، اسطرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو گیا۔ مقتدی کا قرارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ در مختار میں ہے فان قرأ کرہ تحریما۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

ثناء مثل کبیر تکبیرا فالوصل اولیٰ والا فالفصل اولیٰ مثل اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔؟

الجواب۔ نَسْتَعِيْنُ کو اِهْدِنَا سے وصل کرنا جائز ہے۔ اور جب وصل کیا جائے تو ہمزہ کو ضرور ساقط کرنا ہوگا، کہ اِهْدِنَا کا ہمزہ وصلی ہے، اور بصورت وصل اسکو باقی رکھنا لحن ہوگا۔ اور جب نَسْتَعِيْنُ پر وقف کریں تو ہمزہ کو ضرور پڑھنا ہوگا، ورنہ ابتدا بسکون ہوگا، اور یہ متعذر ہے۔ آج کل عام طور پر پڑھنے والے سانس نہیں توڑتے اور آیت پر سکون کر دیتے ہیں اور اس کو وقف سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ وقف ہے نہ وصل، بلکہ اس کو سکتہ کہتے ہیں۔ اور مواضع سکتہ قرآن میں متعین ہیں، یہ انہیں سے نہیں۔ عبارت شامی کا مطلب ظاہر ہے کہ ختم قرارت جملہ ثنار پر ہو تو تکبیر کے ساتھ وصل کرنا اولیٰ ہے ورنہ فصل اولیٰ۔ لہٰذا سورۂ اخلاص کو تکبیر کے ساتھ وصل کرنا اولیٰ ہے۔ اور جو صورت سوال میں مذکور ہے اس طرح پڑھنا بہتر ہے۔ خود یہ فقیر بھی وصل کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اور اعلیٰحضرت قدس سرہٗ بھی اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اور بہت سی معتبر کتابوں میں اسی تفصیل حسن کو اختیار کیا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال الفقیہ الامام السعید النجیب ابوبکر اذا فرغت من القراءۃ و ترید ان تکبر للرکوع ان کان الختم بالثناء فالوصل باللّٰہ اکبر اولیٰ ولولم یکن بالثناء فالفصل اولیٰ کقولہ تعالیٰ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ھٰکذا فی التاتارخانیۃ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۷) از گرشکال ڈاک خانہ نرائن پٹنہ ریاست حیدرآباد دکن مرسلہ مولوی اسرار الرحمٰن صاحب

۱۸ رجب ۴۶ سنہ ۱۳ھ

کتاب سیر الاولیار مطبوعہ محب ہند دہلی فیض بازار کے صفحہ ۳۹۲ باب ہفتم سطر ۱۰ میں قرارت سورہ فاتحہ خلف الامام کے لئے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے یہ کتاب اہلسنت کے ہاں مستند ہے کیا اس پر عمل کیا جائے؟

الجواب۔ حضرت سلطان الاولیار محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ عین شریعت تک واصل تھے اور ایسے حضرات اگرچہ مقلد ہوں مگر مجتہد بھی ہوتے ہیں اور بعض مسائل میں اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے لئے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک کافی ہے۔ اسی پر ہم عامل اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں درمختار میں ہے ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل۔ ردالمحتار میں ہے دکذا العمل بہ۔ اگرچہ حضرت نے اس قول کو ترجیح دی اور اسپر عمل فرمایا، مگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث لاصلوٰۃ لمن لایقرء بفاتحۃ الکتاب کو حق مقتدی میں قرارت حکمی پر حمل کیا، کہ دوسری حدیث میں ہے من کان لہ الامام فقراءۃ الامام قراءۃ لہٗ۔ اور بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے مقتدی کو قرارت کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہے اور جب خود قرآن پاک میں ارشاد ہوا اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا تو مقتدیوں کو انصات ہی واجب ہے اور اس حدیث کو قرارت حکمی پر حمل کرنا ضرور

ورنہ حدیث آیت کے معارض ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۸) مسئولہ مولوی سید رشید الدین صاحب بریلوی　　۱۲ر صفر ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:۔

مغرب کی اول رکعت میں سورہ کافرون پڑھی اور دوسری میں سہواً اِذَا جَآءَ (سورہ نصر) پڑھنا چاہتا تھا کہ سہواً اِنَّا اَعْطَیْنَا زبان پر جاری ہوگیا۔ اور لفظ اِنَّا اَنْزَلْنَا نکل گیا تو زید نے اسی سورت کو پڑھا اور ترک کر کے اِذَا جَآءَ وغیرہ بعد کی سورت نہیں پڑھی اس صورت مذکورہ میں بکر کہتا ہے کہ نماز لوٹانا چاہئے نماز نہیں ہوئی، اس پر زید نے کہا کہ چونکہ سہواً زبان پر دوسری سورت اوپر کی جاری ہوگئی اس لئے اب اسی کو پڑھنا چاہئے اس کو ترک کر کے دوسری سورت اِذَا جَآءَ وغیرہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے ہاں اگر قصداً وارادۃً ایسا کرے تو البتہ نماز میں کراہت آتی اور نماز مکروہ ہوتی۔ اس کے جواب میں بکر نے کہا کہ قصداً وعمداً ایسا کرے تو نماز ترتیب قرآنی کے خلاف ہونیکی وجہ سے بالکل نہ ہوگی۔ اور نماز فاسد ہوجائیگی۔ اور سہواً جاری ہونے کی صورت میں بھی نماز بالکل نہ ہوتی۔ یعنی نماز واجب الاعادہ ہے۔ اور سہواً خلاف ترتیب زبان پر جاری ہونے کی صورت میں اس کو ترک کر کے بعد والی سورت کو پڑھنا چاہئے تھا اس بارہ میں بھی زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔؟

اور علاوہ نماز قرآن شریف خلاف ترتیب پڑھنا یعنی آیت وغیرہ میں پڑھا جاسکے ہے کیسا ہے۔ اور نیز نوافل میں خلاف ترتیب پڑھنا کیسا ہے، یعنی نوافل میں رخصت اور اجازت ہے یا نہیں

الجواب۔ ترتیب کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا واجب ہے اور خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ تحریمی۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرء منکوساً یعنی بیچ میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ دینا یا خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلیٰ مما قرأ فی الاولیٰ لان ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ یعنی منکوس پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ دوسری میں پہلی سے اوپر کی سورت پڑھے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ قرأت میں ترتیب سور واجبات تلاوت سے ہے مگر یہ کراہت وترک واجب اسوقت ہے کہ قصداً خلاف ترتیب پڑھا اور اگر بھول کر پڑھا یا پڑھنا کچھ چاہتا تھا زبان سے دوسری سورت جاری ہوگئی تو کراہت نہیں اور اسوقت حکم یہ ہے کہ جو سورہ شروع کر دی ہے اسی کو پورا کرے اسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے فی القنیۃ قرأ فی الاولیٰ الکافرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم یعنی پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھی اور دوسری میں اَلَمْ تَرَ یا تبت پڑھنی شروع کر دی پھر یاد آیا تو اسکو پورا کرے۔ ردالمحتار میں ہے افاد ان التنکیس او الفصل بالقصیر

انما یکرہ اذا کان عن فصل فلو سہوا فلا کما فی شرح المنیۃ اذا انتفت الکراہۃ فاعراضہ عن التی شرع فیہا لاینبغی وفی الخلاصۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک تلک السورۃ و یفتتح التی ارادہا یکرہ اھ وفی الفتح ولو کان ای المقرؤ حرفا واحدا یعنی صاحب درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ خلاف ترتیب یا فصل کرنا اسوقت مکروہ ہے جب قصداً ہو اور اگر سہواً ہو تو مکروہ نہیں، ایسا ہی شرح منیہ میں ہے اور جب کراہت نہیں تو جسے شروع کر دیا اس سے اعراض کرنا نہ چاہیے۔ اور خلاصہ میں ہے ایک سورت شروع کی حالانکہ اس کا ارادہ دوسری سورہ کا تھا اور ایک یا دو آیت پڑھنے کے بعد یاد آیا اب یہ چاہتا ہے کہ اسے چھوڑ دے اور جس کا ارادہ تھا اُسے پڑھے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے اگرچہ ایک ہی لفظ پڑھا ہو اسے چھوڑنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو قرأ فی رکعۃ سورۃ وقرأ فی الرکعۃ الاخری سورۃ او اخری بینھما سورۃ او قرء سورۃ فوق السورۃ فالمختار انہ یمضی فی قرأتھا ولا یترک ھکذا فی الذخیرۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ وکذا لو قرء اقل من آیۃ وان کان حرفا۔ اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے جو ردالمحتار کا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب ترتیب کے ساتھ پڑھنا واجب ہے تو اگر سہواً ترتیب فوت ہو جائے تو آیا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں، اس کے متعلق فقہائے کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور نہ اعادہ اس لئے کہ ترتیب واجبات نماز سے نہیں ہے اور سجدہ سہو یا اعادہ کا حکم واجبات نماز کے ترک میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے انھم قالوا یجب الترتیب فی سور القرآن فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمہ سجود السھو لان ذالک من واجبات القرأۃ لا من واجبات الصلوٰۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السھو یعنی فقہائے کرام فرماتے ہیں سور قرآن میں ترتیب واجب ہے لہذا اگر قصداً خلاف ترتیب پڑھا گنہگار ہوا، مگر سجدہ سہو لازم نہیں اس لئے کہ ترتیب واجبات قرارت سے ہے واجبات نماز سے نہیں۔ ایسا ہی بحر الرائق باب السہو میں ہے۔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے قولہ بترک الواجب ای من واجبات الصلوٰۃ الاصلیۃ لا کل واجب اذ لو ترک ترتیب السور لا یلزمہ شئی مع کونہ واجبا یعنی سجدہ سہو اس واجب کے ترک سے لازم ہوتا ہے کہ وہ واجبات نماز سے ہو نہ کہ ہر واجب سے اس لئے کہ اگر ترتیب سور کو ترک کر دے تو کچھ بھی لازم نہیں باوجودیکہ یہ واجب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا قرأ فی الرکعۃ الاولیٰ سورۃ وقرأ فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلھا فلا سھو علیہ کذا فی المحیط یعنی اگر پہلی رکعت میں کوئی سورہ پڑھی اور دوسری میں اس سے پہلے کی سورت پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو نہیں، ایسا ہی محیط میں ہے۔ نیز عالمگیری میں ہے اذا اراد ان یقرأ فی صلاتہ سورۃ فاخطأ فقرأ سورۃ اخری لا سھو علیہ کذا

فی فتاویٰ قاضیخان یعنی ایک سورت پڑھنا چاہتا تھا اور غلطی سے دوسری سورت پڑھ دی تو سجدہ سہو نہیں، ایسا ہی فتاویٰ قاضیخان میں ہے، یہ حکم فرائض کا ہے کہ قصداً خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے اور نوافل میں خلاف ترتیب پڑھنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے ولا یکرہ فی النفل شئ من ذالک یعنی نفل میں خلاف ترتیب پڑھنا یا درمیان سے ایک چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا مکروہ نہیں۔ بیرون نماز تلاوت کرنے میں بھی رعایت ترتیب واجب ہے جیسا کہ اوپر کی منقول عبارت سے ثابت ہے البتہ اگر تلاوت میں کچھ پڑھنے کے بعد وقفہ کیا اور سکوت کے بعد پھر تلاوت شروع کی تو اس صورت میں ترتیب واجب نہیں یعنی پہلے جو کچھ پڑھا تھا اسکے ماقبل کی سورت یا آیات بعد میں پڑھ سکتا ہے یونہی پنج آیت اگر ایک شخص پڑھے تو ترتیب لازم ہے اور کئی شخص پڑھنے والے ہوں تو دوسرے پر لازم نہیں کہ پہلے کے بعد سے پڑھے بلکہ اسکو اختیار ہے جہاں سے چاہے پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض کی نیت کی اور بجائے دو رکعت کے تین رکعت بھری پڑھ گیا تو اب چوتھی بھری پڑھے یا خالی۔؟

الجواب۔ چوتھی خالی پڑھے بھری پڑھنے کی ضرورت نہیں اور نماز ہوگئی اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر نماز انگریزی، فارسی، اردو، یا کسی اور زبان میں پڑھے تو کیا نقصان ہے۔ اگر مانع صحت ہے تو قرآن و حدیث سے ثابت کرو۔ اگر ترجمے عربی نہیں آتی تو وہ کیا کرے۔؟

الجواب۔ اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ جو کچھ تمہیں ہو سکے قرآن میں پڑھو اور قرآن نام ہے النظم الدال علی المعنی کا جیسا کہ ائمہ نے تشریح فرمائی صرف معنی کا نام قرآن نہیں یعنی اگر وہ معنی دوسرے الفاظ میں ادا کئے جائیں تو اس عبارت کو قرآن نہ کہیں گے، اگرچہ وہ عربی ہی عبارت ہو، اور نہ اس عبارت کو خدا کا کلام کہیں گے کہ کلام خدا منزل ہے اور معجز ہے اسکے لئے قرآن میں فرمایا گیا وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اور ظاہر ہے کہ یہ عبارت نہ معجز ہے نہ متحدیٰ بہ ہے نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ جبرئیل علیہ السلام اسے لائے پھر کیونکر قرآن ہوئی، لہذا جب قرآن نہیں تو اس کا پڑھنا باوجود قدرت کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ بس جبکہ عربی عبارت جو اس نظم کا غیر ہو اگرچہ مطلب اس کا یہی ہے قرآن نہیں۔ تو فارسی اردو انگریزی کیونکر قرآن ہو سکیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا بلسانٍ عربیٍ مبینٍ پھر غیر عربی کس طرح قرآن ہو سکے گی، لہذا دوسری زبان میں ترجمہ پڑھنے سے نماز نہ ہوگی، کہ امر الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس نظم عربی پر قادر نہ ہو تو وہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے نہ اس وجہ سے کہ اُس نے قرآن پڑھا بلکہ بوجہ اتی دینے

کے اس پر قراءت فرض نہیں وہ بجائے قراءت جو کچھ ذکر کر لیتا کافی ہوتا۔ اور جبکہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو اگرچہ قرآن نہیں مگر دوسری زبان میں قرآن کا مطلب ہے، لہذا ایسے کا پڑھنا کافی ہوگا۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۱) از مقام راجگڑھ ریاست الور محلہ امام چوک مرسلہ ممتاز علی نواب صاحب ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہر کی چاروں رکعت سنت میں الحمد مع سورت پڑھنا چاہئے [۲] اور بقیہ رکعتوں میں صرف الحمد پر اکتفا کرنا چاہئے۔

الجواب ۔ ظہر کی سنتوں میں چاروں رکعت بھری پڑھی جائیں۔ یعنی ہر ایک میں فاتحہ کے بعد ضم سورت واجب ہے درمختار بیان واجبات صلوٰۃ میں ہے۔ وضم سورۃ فی الاولیین من الفرض وفی جمیع رکعات النفل وکل الوتر اور نفل اس مقام پر عام ہے سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ کو بھی شامل ہے، اسی وجہ سے فقہاء قراءت کے مسئلہ میں سنت مؤکدہ کو ذکر ہی نہیں کرتے کیونکہ نفل کہدینے کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی۔ اسی درمختار میں ہے۔ کل سنۃ نافلۃ ولا عکس۔ ردالمحتار میں ہے والکل یسمی نافلۃ لانہ زیادۃ علی الفرض لنکمیلہ۔ بلکہ ردالمحتار میں اس امر کی تصریح ہے کہ سنت ظہر و جمعہ باب قراءت میں کل شفع صلوٰۃ علی حدۃ کا حکم رکھتی ہے اس کی عبارت یہ ہے نعم اعتبروا کون کل شفعۃ صلوٰۃ علی حدۃ فی حق القراءۃ پس معلوم ہوا کہ ظہر اور جمعہ کی چار رکعت والی سنتوں میں ہر رکعت میں سورت ملائی جائے گی۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۲) از شہر بنارس، مرسلہ جناب راحت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد سورہ فاتحہ نماز میں آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الاٰیۃ پڑھی۔ عمر کہتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تین آیت نہیں ہے جبتک تین آیت نہ ہوگی نماز نہ ہوگی لہذا اظہار کرام سے مستفتی ہے کہ نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ نماز درست ہوگئی تین آیت پڑھنا واجب ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تین چھوٹی آیتیں ہوں۔ یا ان کے برابر بلکہ اگر ایک آیت تین چھوٹی آیات کے برابر ہو جب بھی نماز ہو جائے گی۔ تین چھوٹی آیت کی مثال فقہاء نے یہ دی ہے ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ کہ ان آیات کے حروف کل تیس ہیں لہذا اگر تیس حروف کی ایک آیت پڑھ دی تو

عـہ اسلئے کہ ترجمہ قرآن کریم ذکر الٰہی ہے۔ جسے قرآن مجید کی کوئی آیت یاد نہیں۔ اسے نماز میں بقدر قراءت مفروضہ کھڑا رہنا فرض اور بقدر قراءت واجبہ کھڑا رہنا واجب اس وقت چپ کے کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ ذکر کرے۔ یہ ذکر تسبیح و تہلیل ہو خواہ کچھ اور۔ اس صورت خاص میں اس نے اگر قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو اس کی اجازت دی ہے۔ درمختار میں ہے او قرأ بہا عاجزا فجائز اجماعا [illegible]

[۲] [illegible] سورۃ پڑھنا چاہئے۔

ادا ہوگیا۔ درمختار میں ہے وضم اقصر سورۃ کالکوثر او ما قام مقامھا وھو ثلث آیات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وکذا لوکانت الآیۃ او الآیتان تعدل ثلثا قصارا ذکرہ الحلبی۔ ردالمحتار میں ہے فلو قرأ آیۃ طویلۃ قدر ثلثین حرفا یکون قد اتی بقدر ثلث آیات ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۳) زید قرآن شریف چھوٹی مصری لہجہ سے پڑھتا ہے اور وہ امامت میں سورہ کوثر میں کوثر کے (ر) کو زبر پڑھتا ہے اور وقف نہیں کرتا ہے بلکہ وَانْحَرْ پر وقف کرتا ہے، لہٰذا از روئے شرع قراءت کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اگر وقف نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، صحیح وَانْحَرْ ہے۔ وَالنَّحَرْ آپ نے غلط لکھا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۴) ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ امام کو نہ چاہیے۔ نوافل تنہا پڑھے تو جمع کرسکتا ہے جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمع فرمائی ہیں۔

مسئلہ (۱۴۵) ایک شخص نے فرضوں میں درمیان میں ایک سورہ چھوڑ کر دوسری سورہ پڑھا، اس کو کہا گیا کہ ایسا نہ چاہیے اس شخص نے نہیں مانا دوسرے روز پھر اسی طرح پڑھا۔

الجواب۔ اگر درمیان کی سورت بڑی ہے اس وجہ سے چھوڑ دی تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پہلی میں وَالتِّیْن اور دوسری میں اِنَّا اَنْزَلْنَا پڑھی اور اگر بیچ والی سورت بڑی نہیں ہے تو قصداً چھوڑنا مکروہ ہے ……… ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۶) مسئولہ مولوی سردار احمد طالب علم مظفرپوری بہار یونہ؟ بریلی گلی لوہاران مسجد بجرانی۔

(بقیہ حاشیہ ص۹۷) وعلیہ الفتوی۔ اسی میں ہے وصح وضمہ وواجبۃ ومسنونۃ ومندوبۃ بقدر القراءۃ فیہ۔ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے فھو بقدر آیۃ فرض وبقدر الفاتحۃ وسورۃ واجب وبطوال المفصل واوساطہ وقصارہ فی محالھا مسنون والزیادۃ علی ذالک نحو تطویل مثل وہ۔ ہر مسلمان مکلف پر ایک آیت کا یاد کرنا فرض ہے۔ اور سورۂ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورہ یا اس کی مقدار یاد کرنا واجب۔ درمختار میں ہے۔ وحفظھا فرض عین وحفظ جمیع القرآن فرض کفایۃ وحفظ فاتحۃ الکتاب وسورۃ واجب۔ ردالمحتار میں ہے ای اقصر سورۃ او ما یقوم مقامھا من ثلاث آیات قصار۔ اسلئے ایسے شخص پر لازم ہے کہ دن رات محنت کرکے قرآن مجید کو یاد کرے۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں توجہ ہو تو چند گھنٹوں میں ما تجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار یاد کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

عسہ بلکہ اگر آیت پوری بھی نہ ہو اور تین چھوٹی آیتوں کی مقدار قراءت ہوجائے نماز ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے، لکن التعلیل الاخیر ربما یفید اعتبار العدد فی الکلمات او الحروف ویفید توہمہ لو قرأ آیۃ تعدل اقصر سورۃ جاز وفی بعض العبارات تعدل ثلاثا قصارا ای کقولہ تعالیٰ ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وقدرھا من حیث الکلمات عشر ومن حیث الحروف ثلاثون فلو قرأ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یبلغ مقدار ھٰذہ الآیات الثلاث فعلی ما قلنا لو اقتصر علی ھٰذا المقدار فی کل رکعۃ کفی عن الواجب۔ اسی میں واجبات میں ہے وعلم انہ یفید ان بعض الآیۃ کالآیۃ فی انہ اذا بلغ قدر ثلث آیات قصار یکفی مگر چونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے اسلئے پوری آیت پڑھے، ایک آیت سے کم نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے پہلی رکعت میں سورہ الٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ تک پڑھا۔ اس کے بعد بھول گیا اور کسی نے لقمہ بھی نہ دیا۔ زید رکوع میں چلا گیا۔ پھر دوسری رکعت میں سورہ یٰسٓ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تک پڑھا، نماز ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ضم سورہ واجب ہے اور اس سے مراد اقصر سورہ یا تین چھوٹی آیات یا ان کے مساوی ہے صورت مذکورہ میں اگرچہ پہلی رکعت میں تین آیتیں نہ پڑھیں مگر چونکہ جو کچھ پڑھا ہے تین آیات قصیرہ کے برابر ضرور ہے اسلئے واجب ادا ہوگیا اور نماز ہوگئی، قرآن مجید میں تین آیات قصیرہ جو ایک جگہ مجتمع ہوں وہ یہ ہے ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ان سے زیادہ مختصر آیات مجتمعہ دوسری جگہ نہیں۔ ان آیات یا ان کی مقدار ایک آیت یا بعض آیت کا پڑھ لینا کافی ہے۔ درمختار میں ہے۔ وضم اقصر سورۃ کالکوثر او ما قام مقامها وهو ثلث آيات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستكبر وكذا لو كانت الأية او الأيتان تعدل ثلثا قصارا ذكره الحلبي آیات مذکورہ کو علامہ شامی نے تیس حروف پر مشتمل بتایا اور یہ فرمایا وهي ثلثون حرفا فلو قرء اية طويلة تعدل ثلثين حرفا يكون قد اتى بقدر ثلث ايات۔ مگر آیات مذکورہ کے حروف اگر ملفوظ شمار کئے جائیں تو انتیس ہوتے ہیں اور مکتوب گنے جانے میں نو ستائیس ہوتے ہیں تیس کسی طرح نہیں ہوتے ہاں اگر ملفوظ و مکتوب دونوں شمار کئے جائیں تو تیس ہوں گے۔ مگر دونوں شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ملفوظ حروف گنے جائیں کہ قراءت کا تعلق تلفظ سے ہے نہ کہ کتابت سے۔ بہرحال جو کچھ سوال میں مذکور ہے وہ اس کے برابر بلکہ زائد ہے۔ لہٰذا نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے ذكر الحلبي في شرح الكبير على المنية ان قرء ثلث ايات قصارا او كانت الأية او الأيتان تعدل ثلث أية قصار خرج عن حد الكراهة المذكورة يعني كراهة التحريم۔ قال الشارح في شرحه على الملتقى ولم ار لغيرهم وهو مهم منه بسر عظيم لدفع كل القصر بهر الخ قلت صرح به في الدرر ايضا حيث قال وثلث ايات قصار تقوم مقام السورة وكذا الأية الطويلة ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۶) مسئولہ محمد اسمٰعیل ولد النو ڈوڈیا کی ڈونگن روڈ لاہوری بدر پاڑہول ۲۴۲ ممبئی۔

اللہ تعالیٰ نے تین وقتوں کی نماز میں قراءت بالجہر کا حکم دیا اور دو میں قراءت بالسر کا حکم دیا۔

الجواب ۔ صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے قرء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فيما امر وسكت فيما امر وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وَلَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اگر صرف قدس

ـــه احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء ظہر و عصر میں بھی بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اس پر مشرکین شور کرتے اسلئے آہستہ پڑھنے لگے۔ (امجدی)

علیہ وسلم فیما امر و سکت فیما امر وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا، وَلَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں جہر کا حکم تھا جہر کیا اور جہاں آہستہ کا حکم تھا آہستہ پڑھا اور خدا بھولنے والا نہیں اور تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۶) مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الغوڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل ۲۷۲ بمبئی ۸ جمادی الاولیٰ

"لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے مولانا صاحب نے یہ کیا جواب دیا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جہاں پر خدا نے آپکو آہستہ کا حکم دیا آہستہ پڑھا، جہاں جہر سے پڑھنے کا حکم دیا جہر کیا۔ مگر اللہ نے آپ کو آہستہ پڑھنے کا حکم کس واسطے دیا۔

الجواب - یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم کسی مصلحت سے ہوتا ہے، خواہ وہ مصلحت معلوم ہو یا نہ ہو۔ عوام کی توجہ اس طرف ہونی چاہئے، کہ احکام شرعیہ کی پابندی کریں اس بحث میں نہ پڑیں کہ کیوں ہے۔ اور کس لئے ہے۔ جو کچھ جواب میں لکھا گیا وہ میرا نہیں بلکہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے علم و حکمت کے دقائق بیان کرنے کے لئے کوئی محل ہوتا ہے حکم شرع کے سامنے سر جھکانا چاہئے اور عمل کی کوشش کرنی چاہئے۔　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۷) از نیڈون ضلع گڑھوال صدر بازار مرسلہ محمد سعید اشرف ۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

بخدمت شریف حضرت مولانا صاحب دام اقبالہ۔ بعد سلام مسنون گذارش یہ ہے کہ یہاں گذشتہ جمعہ کو امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورہ والتین شریف پڑھی اور دوسری میں سورہ اخری چھوڑ کر اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ شریف پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کراہت سے یا بلا کراہت۔ بہت جلد تحریر فرمایا جائے، تاکہ جمعہ میں لوگوں کو سنا دیا جائے۔

الجواب - بلا کراہت نماز ہو گئی کہ پہلی رکعت میں ایک سورہ پڑھنا اور دوسری میں ایک سورہ چھوڑ کر قراءت کرنا اسوقت مکروہ ہے، جبکہ وہ درمیان والی سورہ چھوٹی ہو۔ اور اگر بڑی سورہ ہو تو کراہت نہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ۔ ردالمحتار میں ہے اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ۔ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے جدالممتار حاشیہ ردالمحتار میں تحریر فرمایا۔ اما بسورۃ طویلۃ الخ کسورۃ العلق بین التین والقدر وقد کانت حادثۃ الفتویٰ۔　وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۸) از پورنیہ کشنگنج بازار سوداگر پٹی مرسلہ امام جامع مسجد ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

عام از یں کہ حافظ قرآن ہو یا عالم یا عوام الناس بقدر علم قراءت و بحیثیت تعلیم و بغیر تعلیم ادائیگی مخرج بالترتیل بقاعدہ کہ ہر شخص

کلام الٰہی جان بوجھکر پڑھا کرتا ہے۔ مگر خواہ مخواہ کسی نے سمجھ لیا اور کہدیا، قراءت غلط کرتے ہیں، حالانکہ سیکڑے پنچانوے کو الفاظ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض کا یہ گمان کرنا۔ (۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے الحمد کا دال اور للّٰہ کا لل ایک جگہ ملا کر دلل سمجھ لیا۔ (۲) لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے للّٰہ کا ہ رب سے ملا کر ھرب موضوع کرلیا۔ (۳) اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے کنع۔ (۴) وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے کنس۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ سے دنس وضع کرلیا، کہ یہ شیاطین کے نام گڑھکر دوسری کی قراءت کو غلط سمجھ لیا۔ خواہ مخواہ ایسی تہمت دینے پر کیا حد شرع ہے، اور اس کے ایمان کے بارے میں کیا حکم ہے، حالانکہ پڑھنے والوں کا اس کا وہم بھی نہ تھا۔ خلاصہ جواب باصواب بالتشریح عنایت فرمایا جائے؟

الجواب۔ قرآن عظیم کو صحیح طور پر ادا کرنا کہ ہر حرف اپنے مخرج سے صحیح طور پر ادا ہو اور ہر حرف دوسرے حرف سے صحیح طور پر ممتاز ہو واجب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ امام جزری نے اپنے رسالہ میں فرمایا والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القراٰن اٰثم۔ اور اگر کسی نے قرآن مجید کی تلاوت میں غلطی کی ہے اور اس پر کسی نے بتایا تو انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ بتانے والے سے جھگڑا نہ کیا جائے۔ اگر واقع میں وہ ٹھیک کہتا ہے تو مان لیا جائے۔ اور اگر اس کے سننے میں غلطی ہوئی ہے پڑھنے والے نے حقیقت میں صحیح پڑھا ہے۔ تو اس سے یہ کہدینا چاہئے کہ میں نے غلط نہیں پڑھا۔ جھگڑا کرنا کسی کی طرف سے ہو بہت بُری چیز ہے۔ یا یہ کہنا کہ سورہ فاتحہ میں سات جگہ شیطان کا نام ہے یہ بالکل غلط ہے، جس کو بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے، اور اسی بنا پر وہ لوگ بلاوجہ سکتہ کرتے ہیں۔ الحمد کہکر کچھ وقفہ کے بعد للّٰہ پڑھتے ہیں علیٰ ھذا القیاس یہ سب اوہام باطلہ ہیں شرعاً ان کا کوئی وجود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۹) مسئولہ غلام نبی صاحب معمار محلہ ذخیرہ بریلی ۱۸ ربیع الاول سنہ ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان سے کچھ کپڑا مثلاً دری یا چادریں وغیرہ چرائیں، وہ چرا کر ایک شخص کے یہاں امانۃً اس وعدہ پر رکھ آیا کہ کچھ دنوں کے بعد آدھے کا میں مالک، اور آدھے کے تم، پھر کچھ عرصہ کے بعد مال تقسیم کرنے گیا۔ مگر زید کو اس شخص نے نہیں دیا، پھر زید محلہ کی مسجد کے امام کو مذکورہ بالا باتوں سے آگاہ کر کے چلا آیا کہ میرا مال تقسیم کرا دو امام صاحب نے اس وقت تو ٹالدیا۔ پھر تنہائی میں لوقع پاکر اسی چوری کے مال کو خود لے آئے، اور اس کے اپنے استعمال میں لائے ہیں، میں نے اور چند اشخاص نے دیکھا، کہ امام صاحب نے چوری کے مال کو استعمال کرتے ہیں، اور زید نے جب طلب کیا، تو جواب دیا کہ میں لے آیا اور اب تم کو نہیں دوں گا، شرع کا جو حکم ہو مجھ پر لگادو۔ تو اس امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور شرع

کا کیا حکم ہے ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

الجواب ۔ جب امام کو معلوم ہے کہ یہ مال چوری کا ہے، پھر اُسے استعمال بھی کرتا ہے، تو یہ ناجائز و گناہ ہے، اور لوگوں کے علم میں اگر علانیہ استعمال کرتا ہو تو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ اور مال کی نسبت شرع مطہر کا یہ حکم ہے کہ جس کا ہے اُسے واپس دے ـــــــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۰) مرسلہ محمد اسحٰق صاحب مدرس از دھام پور ضلع بجنور ۳ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظ ہے، اور ایک ناخواندہ اور ناخواندہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، اور صاحب ترتیب ہے، اور حافظ نماز کا پابند نہیں ہے اور بدعتی ہے چالیسواں دسواں کرتا ہے اور میلاد میں بھی شامل ہوتا ہے اور اگر ان کاموں کو انکار کرتے ہیں اس کو تو یوں کہتا ہے کہ میں ایسا ہی کروں گا، تو اب نماز پڑھانے میں بہتر کون ہوگا، حافظ یا ان پڑھ

الجواب ۔ امام وہ ہوگا جو جمیع شرائط صحت نماز کا جامع ہو، مثلاً صحت اعتقاد و صحت طہارت وضو و غسل و صحت قراءت جو شخص ان پڑھ ہے، اگر وہ صحیح الاعتقاد ہے، وضو و غسل اُس طرح کرتا ہے جس طرح حکم ہے اور کچھ سورتیں قرآن کی اُسے یاد ہیں جن کے حروف مخارج سے ادا کرتا ہے، تبدیل حروف کر کے معنیٰ فاسد نہیں کرتا، اور مسائل نماز فرائض و واجبات و مکروہات سے واقف ہے اور ان کی رعایت بھی کرتا ہے، اور فاسق معلن بھی نہیں ہے، تو یہ احق ہے اور اگر یہ ان باتوں کا جامع نہیں ہے، تو ایسے امام کو تلاش کریں جن میں یہ باتیں ہوں، اور حافظ اگر تارک صلاۃ ہے، تو فاسق ہے اور فاسق معلن کی امامت مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا۔ رہا سائل کا یہ کہنا کہ حافظ بدعتی ہے چالیسواں دسواں کرتا ہے اور میلاد شریف میں بھی شامل ہوتا ہے یہ اس حافظ پر الٹا الزام ہے، ان امور کو بدعت کہنا وہابیہ کا شیوہ ہے، جو خود مبتدع بلکہ ان کے بہت سے اکابر کی علمائے حرمین طیبین نے تکفیر فرمائی، نہ یہ امور بدعت نہ ان کی وجہ سے حافظ بدعتی اور اگر وہ ان پڑھ ان امور کو بدعت کہتا ہے تو بظاہر وہابی ہے، اور ہرگز امامت کا صالح نہیں ـــــــــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۱) مسئولہ جناب محمد یحییٰ صاحب از بھینڈر میواڑ ۱۲ رجادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ۔

عـہ اسلئے کہ اب یہ فاسق معلن ہو گیا۔ اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ غنیہ میں ہے وفیہ اشارۃ الی انھم لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوۃ وفعل ماینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذا لم یجز الصلوۃ خلفہ اصلا عند مالک وروایۃ عن احمد۔ اور درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ لہٰذا جب سے اس نے چالیسواں کیا ہوا کہتا ہے، اسوقت سے جتنی نمازیں اسکے پیچھے پڑھی ہیں سب کا اعادہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہے جو قوم سے فقیر ہے اردو فارسی کچھ جانتا ہی گمان ہے کہ دینی مسائل سے بھی واقفیت رکھتا ہوگا، پھر بھی چار عیبوں سے اجتناب نہیں کرتا۔ اور جب کوئی ان عیبوں کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اس کے ردعمل میں سخت سست کہنے کے علاوہ زدوکوب کی نوبت آجاتی ہے۔ (۱) بعد وضو مسجد میں ڈاڑھی چڑھاتا ہے اور اسی طرح نمازیں پڑھاتا ہے (۲) نماز میں سہو ہوتا ہے لیکن سجدہ سہو نہیں کرتا مثلاً ترک واجب یا تاخیر فرض وغیرہ (۳) وضو کرنے میں بارہ سیر سے زائد پانی صرف کرتا ہے۔ (۴) قرارت اتنی طویل کرتا ہے کہ مقتدی پریشان ہو جاتے ہیں، نیز الف پر مد ہو یا نہ ہو راگ کیا تمد کھینچتا ہے بطور الحان۔ تو کیا ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے اور یہ امام اس حدیث ثلاثۃ لعنھم اللہ من تقدم قوما وھم لہ کارھون (اخرجہ الحاکم فی مستدرکہ) کے تحت آتا ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا کاملا

الجواب۔ داڑھی چڑھانا حرام ہے، نسائی شریف میں رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا رویفع لعل الحیاۃ ستطول بک بعدی فاخبر الناس انہ من عقد لحیتہ او تقلد وترا او استنجیٰ برجیع دابۃ او عظم فان محمدا منہ بری۔ اے رویفع میں امید کرتا ہوں کہ میرے بعد تیری زندگی طویل ہو تو لوگوں کو خبر کر دے کہ جو اپنی ڈاڑھی چڑھائے، یا کمان کا چلہ گلے میں لٹکائے، یا جانور کے پاخانہ یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔ شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ لمعات میں فرماتے ہیں من عقد لحیتہ الاکثرون علی ان المراد تجعید اللحیۃ بالمعالجۃ وانما کرہ ذالک لانہ فعل من لیس من اھل الدین وتشبہ بھم وقیل کانوا یعقدون فی الحراب فی زمن الجاھلیۃ تکابرا وتعجبا فامروا بارسالھا وذالک من فعل الاعاجم وقال التوربشتی! یفتلونھا کذا فی مجمع البحار۔ والاول ھو الوجہ۔ مجمع البحار میں ہے عقد ای جعدھا بالمعالجۃ ونھی عنہ لما فیہ من التشبہ بمن فعلہ، من الکفرۃ۔ یعنی ڈاڑھی چڑھانا اُن کا فعل ہے جو اہل دین سے نہیں، اور چونکہ کافروں سے تشبہ ہے لہٰذا ممانعت فرمائی۔ نیز یہ فعل مسجد میں کرنا اور زیادہ قبیح ہے کہ مسجد خانۂ خدا میں ایسا فعل نہایت بیباکی کی دلیل ہے، اور اس شخص کا سجدہ سہو لازم آنے کی صورت میں سجدہ سہو نہ کرنا بھی گناہ ہے، کہ سہواً ترک واجب میں سجدہ سہو واجب اور ترک واجب گناہ۔ ردالمحتار میں ہے وظاہر کلامھم انہ لو لم یسجد یاثم بترک الواجب ولترک سجود السھو تجب وفیہ نظر بل یاثم لترک الجابر فقط اذ لا اثم علی الساھی نعم ھو فی صورۃ العمد ظاھر وینبغی ان یرتفع عنہ الاثم

بلعادتها نهر اور جب اس شخص کی یہ حالت ہے تو کیا توقع ہے کہ نماز کا اعادہ کرتا ہو۔ حالانکہ ایسی صورت میں اعادہ واجب ہے، درمختار میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتها اور جب وہ شخص اس کا عادی ہے تو فاسق بھی ہے۔ درمختار میں ہے ولها واجبات لا تفسد بترکها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو ان لم یسجد له وان لم یعدها یکون فاسقا آثما۔ اور وضو میں ادائے سنت سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف ہے، امام احمد و ابن ماجہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، انی الوضوء سرف کیا وضو میں اسراف ہے فرمایا نعم وان کنت علی نهر جار، ہاں اگرچہ نہر جاری پر ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بارے میں سوال کیا، حضور نے تین تین بار وضو کر کے دکھایا اور فرمایا وضو اس طرح ہے فمن زاد علی هذا فقد اساء وتعدی وظلم جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا، اور حد سے گذرا اور ظلم کیا۔ رواہ النسائی وابن ماجہ وابو داؤد ومعناہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ ہاں اگر تین بار سے زیادہ اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے دھویا تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ بطور وسوسہ نہ ہو کہ وسوسہ کی صورت میں اس کی طرف التفات نہ چاہئے، بلکہ اس کے خلاف کرنا چاہئے درمختار میں ہے ولو زاد لطمانینۃ القلب لا باس به۔ ردالمحتار میں ہے لانه امر بترک ما یریبه الی ما لا یریبه وینبغی ان یقید هذا بغیر الموسوس اما هو فیلزمه قطع مادۃ الوسواس عنه وعدم التفاته الی التشکیک لانه فعل الشیطان وقد امرنا بمعاداته ومخالفته، حسبی قدر مسنون سے زیادہ کرنا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے اگرچہ مقتدیوں پر گراں نہ ہو اور اگر ضرورت ہو کہ مقتدیوں میں کوئی بیمار وغیرہ ہو تو امام اس کا لحاظ کرے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایکبار نماز عشاء میں قرارت طویل کی جب اسکی شکایت دربار رسالت میں گزری، تو ارشاد فرمایا افتان انت یا معاذ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز میں تخفیف فرمادیتے، کہ اس کے رونے سے اسکی ماں پریشان ہوگی۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیهم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسه فلیطول ما شاء۔ غرض یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تخفیف کا حکم فرمایا، اور اطالت پر غضب فرمایا۔ درمختار میں ہے ویکرہ تحریما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائدا علی قدر السنۃ فی قراءۃ واذکار رضی القوم اولا لاطلاق الامر بالتخفیف نهر۔ وفی الشرنبلالیۃ ظاهر حدیث معاذ انه لا یزید علی صلاۃ اضعفهم مطلقا ولذا قال الکمال الا الضرورۃ وصح انه علیه الصلوٰۃ والسلام قرء بالمعوذتین فی الفجر حین سمع بکاء صبی۔ بالجملہ یہ شخص امامت سے معزول کیا جائے کہ اُسے امام بنانا گناہ، اور اسکے

پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھی تو پھیرنی واجب، شرح علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا۔

مسئلہ (۱۵۲) مسئولہ شفاء الرحمٰن سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۹ ر شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید عمرو بکر وغیرہم محض ایک دنیاوی مخاصمت مثلاً شادی بیاہ کی وجہ سے خالد جو عالم سنت وجماعت ہے، اور امام مسجد ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اور جماعت میں تفریق کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نماز خالد عالم متبع سنت کے موجود ہوتے ہوئے غیر عالم کے پیچھے ہوگی یا نہیں۔ ایسا کرنا ان لوگوں کو جائز ہے یا نہیں، اور جماعت کے تفریق کرنے والے پر محض دنیاوی معاملات پر از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ محض دنیاوی مخاصمت کی بنا پر عالم کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جماعت میں تفریق کرنا ناجائز ہے، ہاں اگر امام میں کوئی ایسا نقصان آگیا کہ صالح امامت نہ رہا، تو اس امام کی امامت ناجائز ہے، درمختار میں ہے ولو ام قوما وہم لہ کارہون ان الکراہۃ لفساد منہ او لانہم احق بالامامۃ منہ کرہ ذالک تحریما لحدیث ابوداؤد لا یقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وہم لہ کارہون وان ہو احق لا والکراہۃ علیہم کسی قوم کی امامت کی اور لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں، اگر لوگوں کا بُرا جاننا امام کی کسی خرابی کی وجہ سے ہے، یا اس لئے کہ وہ لوگ بہ نسبت اس امام کے امامت کے زیادہ حقدار ہیں تو اس کا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کی نماز مقبول نہیں جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اُسے ناپسند کرتے ہیں اور اگر وہ امام ہی امامت کا زیادہ حقدار ہے تو مکروہ نہیں اور کراہت کا وبال ان لوگوں پر ہے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے وہم لہ کارہون ای لمعنی مذموم للشرع وان کرہوا لخلاف ذالک فالعیب علیہم ولا کراہۃ اور عالم متبع سنت کے ہوتے ہوئے غیر عالم کو امام بنایا تو بُرا کیا، جبکہ یہ غیر عالم صالح امامت ہو، ورنہ غیر عالم کو جو صالح امامت نہ ہو امام بنانا جائز ہی نہیں۔ درمختار میں ہے ولو قدموا غیر الاولی اساؤا اگر ایسے کو امام بنایا جو غیر اولیٰ ہے تو ان لوگوں نے بُرا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۳) مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن سلمہٗ طالب علم مدرسہ اہلسنت درجہ سوم ۱۹ ر شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جو عوام بلکہ ہر خاص وعام میں متہم بزنا ہے، یا ایسی کہ جس کو حمل زنا سے بچہ پیدا ہوا تھا، یا ایسی کہ علانیہ طوائف تھی یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، زید کے ساتھ دینی معاملات کرنا جائز ہے یا نہیں، مثلاً امام بنانا سلام کرنا زید جبکہ عالم دین ہے تو اس کے موجود ہوتے ہوئے غیر عالم نماز پڑھائے اور زید عالم کو امامت سے معزول کر دیا جائے محض ایسے نکاح کی وجہ سے عوام کا غیر عالم کو امام بنالیا گیا ہے، مع حوالہ کتب فقہ وحدیث وقرآن جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ۔ زانیہ سے نکاح جائز ہے، اور نیت محمودہ کے ساتھ کہ اس سے نکاح کرلیا جائے گا، تو بُرے کاموں سے پرہیز کرنے لگے گی، اصلاً حرج نہیں قال اللہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اب وہ عورت تمام افعالِ شنیعہ سے باز آئے، اور اگر اب بھی وہ افعال کرتی ہو اور شوہر تا حد مقدور منع نہ کرتا ہو، تو دیوث ہے اور ایسے کو امام بنانا گناہ ہے اور اگر عورت تائب ہو گئی تو شوہر کی امامت میں اصلاً حرج نہیں، اور ایسی حالت میں معزول کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور عالم کے ہوتے ہوئے غیر عالم کو امام بنانا بُرا ہے، جب کہ وہ عالم شرائطِ امامت کا جامع ہو۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۴) مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب سب انسپکٹر پولیس از اودی پور میواڑ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں :۔

زید نے محض اس نیت سے کہ قبر پر مردہ دفن ہونے کے بعد خشک اور پاک مٹی ڈالنے پر کراہت کی نظر سے ہاتھ دھونا ممنوع ہے، بکر کو کسی کتابی یادداشت پر ہاتھ دھونے سے منع کیا تو کیا زید اس طرح کہنے پر توبہ نہ کرنے کی حالت میں امامت سے روکا جاسکتا ہے اور کیا زید کو عام مجمع میں توبہ کرنا لازم ہے۔ اور توبہ نہ کرنے پر کفر عائد ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ مٹی دینے کے بعد جو کچھ ہاتھوں میں خاک لگی ہے اختیار ہے کہ دھو ڈالیں یا جھاڑ دیں، نہ دھونا واجب نہ ناجائز ہاں اگر نہ دھونا اپنے لئے بدشگونی تصور کرتے ہوں یا اسے منحوس جانتے ہوں، جیسے بعض عوام ان گھڑیوں کو توڑ ڈالتے ہیں جن سے پانی لے کر میت کو نہلاتے ہیں، تو ایسے فاسد خیالات اور توہمات سے اجتناب لازم، اور زید کا ان کو ہاتھ دھونے سے روکنا کوئی ایسا امر نہیں جس پر توبہ لازم، اور معاذ اللہ توبہ نہ کرنے پر کفر عائد ہونا کیونکر ہوسکتا ہے، کفر تو گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کرنے پر بھی نہیں، اور زید کا یہ فعل مانع امامت بھی نہیں کہ محض اتنے کہہ دینے پر کہ ہاتھ نہ دھوو، قابل امامت نہ رہا، فاسق یا کافر ہو گیا، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے افترات و اختراعات سے بچیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۵) مرسلہ محمد حبیب الرحمن خاں صاحب از کوکرا ضلع کھیری ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک نابینا حافظ ہیں، جو نہایت عابد و صالح اور متقی و پرہیزگار ہیں، اور موضع کے تمام مسلمانوں کے مقابلے میں مسائل نماز سے بہت واقف ہیں، ایسی صورت میں امامت کا مستحق کون ہے کیا ایسی صورت میں بھی نابینا کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، موضع کے لوگ ان کے پیچھے نہیں پڑھتے ہیں اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، جبکہ یہاں کے لوگ نہ قرآن صحیح پڑھ سکتے ہیں نہ مسائل نماز سے واقف ہیں، ایسی صورت میں امامت کا مستحق شرعاً کون ہے نیز مکروہ اور

ناجائز کے فرق کو بھی واضح فرمادیا جائے۔

الجواب۔ نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، جبکہ دوسرے لوگ مسائل طہارت ونماز میں اس سے زائد یا اس کے برابر ہوں، اور اگر سب سے زائد یہی علم رکھتا ہو، تو اس کی امامت میں اصلاً کراہت نہیں، بلکہ اس صورت میں اسی کو امام بنانا بہتر ہے۔ بحرالرائق میں ہے قید کراھۃ امامۃ الاعمیٰ فی المحیط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولیٰ۔ مکروہ تنزیہی[عہ] ناجائز نہیں ہوتا مگر اس سے بچنا بہتر اور کرنا برا ہے، مگر گناہ نہیں۔ ـــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۶) مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب از اودی پور میواڑ ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۶۶ھ

بکر بسلسلۂ علاج اپنی بیوی اور ایک خورد سالہ بچی کے ساتھ زید کے مکان پر قیام کیا، چند دنوں بعد یہ ظاہر ہوا کہ زید بکر کی عورت کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کر لیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہو گیا، کہ زید بکر کی عورت کو اپنی زوجیت میں لینے کے لئے بکر کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا، بکر کے فوت ہو جانے کے بعد اسکی عورت زید ہی کے مکان پر رہی، چند دنوں کے بعد بکر کے رشتہ داروں نے زید اور زوجہ بکر پر زہر سے مروانیکا دعویٰ کیا، دوران مقدمہ مدعی بھی فوت ہو گیا، اور اس وقت تک بکر کی عورت زید کے مکان پہ ہے علاوہ ازیں گورنمنٹ کے پاس بکر کے چند سو روپے تھے جن کو حاصل کرنے کے لئے زید نے بکر کی عورت کی طرف سے یہ فریبانہ چال چلی کہ بکر کی عورت بکر کے نام پر بیٹھی ہے حالانکہ بکر کی عورت زید کے قبضہ میں بطور عورت ہے، جس کو چند سال کا عرصہ بھی ہو چکا ہے اور عام اعلان کے ساتھ نکاح کیا ہے نہ مطابق قانون حکومت نکاح ثانی کی اجازت ہی لی ہے، اور امامت بھی کرتا ہے اور نام نہاد مولوی کی حیثیت سے بھی مشہور ہے، نہ عالم ہے نہ اس کے پاس کوئی سند ہے، تو کیا ایسے کو امام بنانا درست ہے، اور جن لوگوں نے اسکے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اور ایسا شخص وعظ کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر واقع میں زید نے بکر کو زہر دیکر مار ڈالا تو فاسق، فاجر، مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے۔ حق اللہ وحق العبد دونوں میں گرفتار ہے، اور بکر کی عورت سے ناجائز تعلق کا بھی یہی حکم ہے، کہ اگر نکاح بعد عدت نہیں کیا، اور یہ وطی کرتا ہے، تو ان دونوں کو زانی اور زانیہ ہونے میں کیا شبہہ۔ بہر حال اگر صورت واقعہ یہی ہے، تو اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے

[عہ] مکروہ کی دو قسمیں ہیں، مکروہ تحریمی ومکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی کا ارتکاب ناجائز وگناہ ہے۔ شامی میں ہے۔ صرح العلامۃ ابن نجیم فی رسالتہ المؤلفۃ فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر۔ بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ اس کا ارتکاب گناہ نہیں خلاف اولیٰ ہے۔ اور ناجائز عام ہے حرام قطعی مکروہ تحریمی دونوں پر اس کا اطلاق ہے۔ تفصیل کے لئے بہار شریعت حصہ دوم ص۹ کا مطالعہ کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب۔ شرح علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً اور اسکو منبر پر بٹھانا اور اس سے وعظ کہلانا بھی ناجائز۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ اور جبکہ جاہل بھی ہے تو اس کا اہل بھی نہیں حدیث میں ہے لا یقص الا امیر او ماموراو مختال۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۷) مسئولہ قاسم علی خاں از قصبہ اسلام پور ریاست جے پور ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ

یہاں غیر مقلدین اور وہابیوں کا بہت زور شور ہے، کیا ہم اہلسنت و جماعت ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب۔ وہابیوں اور غیر مقلدوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، کہ یہ لوگ کفری عقائد رکھتے ہیں کما حققہ امام اہلسنت[عہ] فی رسالۃ النھی الاکید بما لا مزید علیہ۔ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۸) مسئولہ علی بخش صاحب سنی حنفی ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ امام باڑہ کے دروازہ پر جہاں قبرستان ہے اور مقتدیوں کے آگے قبر پڑتی ہے، اور بعض مقتدی قبروں پر کھڑے ہوتے ہیں، اور امام باڑہ کے متولی سے اجازت بھی نہیں لی جاتی اور عید گاہ سے تخمیناً ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر ہے، عید گاہ کی جماعت توڑنے کی غرض سے قصداً یہاں نماز عید سے پہلے یا بعد کو نماز پڑھی جاتی ہے، اور امام وہ ہو سکتا ہے جس نے ہندو مسلمان کے اتحاد قائم رکھنے کے لئے مندر میں جا کر اپنی تصویر کھنچوائی ہے تو کیا ایسی جگہ اور ایسے امام کے پیچھے عیدین کی نماز جائز ہے یا مکروہ اور حرام وغیرہ وغیرہ اور جن سنی مقتدیوں نے یہاں عیدین کی نماز پڑھی انکی ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں ہوئی تو اب کونسی صورت ہے۔

(۲) زید بکر سے بوجہ معاملات دنیوی دلی رنجش اور قلبی عداوت رکھتے ہیں، اور ایک مسجد خاص میں زید کبھی امام ہو کر نماز پڑھاتا ہے اور کبھی کسی کی اقتدا کرتا ہے، تو اس مسجد میں بکر کا نماز پڑھنا کیسا ہے اور زید کے پیچھے یا زید کے ہمراہ جبکہ دونوں ایک امام کے مقتدی ہوں بکر کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ قبرستان میں ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ قبریں آگے ہوں، منع و ناجائز ہے اور اسمیں یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔ صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ خدا کی لعنت ہو

[عہ] فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں یہ رسالہ چھپا ہوا ہے۔ امجدی

یہود و نصاریٰ پر کہ انھوں نے قبور انبیاء کو مساجد بنایا۔ صحیح مسلم شریف میں جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذالک اگلے لوگوں نے انبیاء، صالحین کی قبور کو مساجد بنایا، خبردار تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمھیں اس سے منع فرماتا ہوں، ابوداؤد و ترمذی و دارمی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام، ترمذی و ابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی نہٰی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یصلی فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق وفی الحمام وفی معاطن الابل وفوق ظھر بیت اللہ۔ بحرالرائق میں ہے تکرہ الصلوٰۃ فی معاطن الابل والمزبلۃ والمجزرۃ والمغتسل والحمام والمقبرۃ وعلی سطح الکعبۃ وذکر فی الفتاویٰ اذا غسل موضعا فی الحمام لیس فیہ تمثال وصلی بہ لاباس بہ وکذا فی المقبرۃ اذا کان فیھا موضع اخر اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ۔ ردالمحتار میں ہے ولا باس بالصلوٰۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ کما فی الخانیۃ ولا قبلتہ الی قبر حلیہ۔ اور قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے اور جب قبروں پر کھڑے ہونے ہیں تو ضرور قبروں کو روندتے بھی ہوں گے اور قبروں پر بیٹھتے بھی ہوں گے اور یہ سب حرام، قطع نظر اس سے کہ نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، خود ان افعال کا دوسرا گناہ ہے کہ ان افعال سے مُردوں کو اذیت ہوتی ہے اور مُردوں کو ایذا دینا ویسا ہی حرام ہے جیسے زندوں کو تکلیف دینا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیوتہ۔ مؤمن کو موت کے بعد ایذا دینا ویسا ہی ہے جیسا زندگی میں تکلیف دینا، اور حدیث میں ہے المیت یوذیہ فی قبرہ ما یوذیہ فی بیتہ۔ مراقی الفلاح میں ہے انھم یتاذون بخفق النعال جوتوں کی سخت آواز سے بھی مردے اذیت پاتے ہیں، اور عید کا ہنگامہ اور اس میں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع کس قدر قبرستان کا پامالی اور مُردوں کی ایذا کا سبب ہوگا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر۔ آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا کہ کپڑے جلا کر جلد تک پہنچ جائے، یہ قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے، رواہ مسلم و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نیز فرماتے ہیں لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم، آگ یا تلوار پر چلنا مجھے زیادہ پسند ہے، اس سے کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں، رواہ ابن ماجہ عن عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فتاویٰ عالمگیریہ و فتح القدیر و بدائع و بحرالرائق و درمختار و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ان امور

کی ممانعت مذکور اور زیادہ تفصیل درکار ہو تو امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کا رسالہ "اہلاک الوہابین" مطالعہ کریں، اور بلا وجہ
شرعی عیدگاہ کی جماعت توڑنا یعنی اُس کے مقابل میں ایک دوسری جماعت اس لئے قائم کرنا کہ وہاں کے نمازی کم ہو جائیں یہ بھی
ناجائز ہے، اور اس میں وہ اسلامی شوکت کہ اجتماع میں تھی کم ہوتی ہے، مگر جب کفار سے اتحاد کی ٹھہری تو شوکت اسلام مٹانے اور
شعائر اسلام پامال کرنے پر کیا گلہ کہ یہ امور تو امتیاز بین المسلمین والکفار کیلئے ہیں اور انھیں اتحاد اور ایک ہو جانا منظور تو امتیازی
امور کا کھونا ضرور، اور مندر میں جانا بھی منع ہے، کہ وہ مجمع شیاطین ہے۔ تاتارخانیہ پھر بحر پھر رد المحتار میں ہے یکرہ للمسلم
الدخول فی البیعۃ والکنیسۃ وانما یکرہ من حیث انہ مجمع الشیاطین لامن حیث انہ لیس لہ حق الدخول اھ
قال فی البحر والظاہر انہا تحریمیۃ لانہا المرادۃ عند اطلاقہم وقد افتیت بتعزیر المسلم لازم الکنیسۃ مع الیھود
اھ فاذا حرم الدخول فالصلوۃ اولی وبہ ظہر جہل من یدخلہا لاجل الصلوۃ فیہا۔ پھر اس امام کا تصویر کھنچوانا حرام
واشد حرام ہے، احادیث اس بارہ میں بکثرت وارد، کہ تصویر بنانا حرام، اور قیامت کے دن اُس پر نہایت سخت عذاب ہوگا
اُن میں سے بعض یہ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ان الذین یصنعون ھٰذہ الصور یعذبون یوم
القیٰمۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم، جو لوگ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، اُن سے کہا جائے گا جو تم نے
بنایا ہے، اُسے زندہ کرو۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور فرمایا اشد الناس عذابا عند اللہ
یوم القیٰمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ سب سے سخت تر عذاب خدا کے نزدیک بروز قیامت انھیں ہوگا، جو اللہ کے پیدا کرنے کے
ساتھ مشابہت کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ ہے، ان من اشد الناس عذابا یوم القیٰمۃ الذین یصورون ھٰذہ الصور
بیشک جن لوگوں پر قیامت کے دن سخت تر عذاب ہوگا۔ ان میں سے وہ لوگ ہیں، جو تصویریں بناتے ہیں، اور ایک روایت
میں ہے ان اصحاب ھٰذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ فیقال لہم احیوا ما خلقتم۔ وقال ان البیت الذی فیہ الصور
لاتدخلہ الملائکۃ۔ ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا ان سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے، اُسے زندہ
کرو، اور فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، روی ھٰذہ الروایات البخاری ومسلم
عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فرمایا کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورہا نفسا فیعذبہ
فی جہنم ہر مصور جہنم میں ہے، اور اس نے جتنی تصویریں بنائیں، ہر تصویر کے بدلے میں ایک نفس ہوگا، جو اُسے جہنم میں عذاب دیگا
رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وفی روایۃ للبخاری عنہ قال لا احدثک الا ما سمعت

من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمعتہ یقول من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہ الروح ولیس بنافخ فیھا ابدا، جو تصویریں بنائے گا اللہ اُسے عذاب دیگا یہاں تک کہ اُس میں روح پھونکے اور ہرگز کبھی نہ پھونک سکے گا، نیز ارشاد فرمایا قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃ ولیخلقوا شعیرۃ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُس سے زیادہ ظالم کون جو میری بنائی ہوئی کی مثل پیدا کرنے چلے، وہ ایک چھوٹی چیونٹی تو بنادیں، اور ایک جَو تو پیدا کردیں، رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرمایا لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولاصورۃ، جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز حدیث میں آیا، یخرج عنق من النار یوم القیٰمۃ لہ عینان یبصر بھما واذنان یسمعان ولسان ینطق بہ یقول انی وکلت بثلثۃ بمن جعل مع اللہ الٰھا اٰخر وبکل جبار عنید وبالمصورین، روز قیامت جہنم سے ایک گردن نمودار ہوگی جس کی آنکھیں ہونگی جن سے دیکھیں گی، اور کان ہونگے کہ سنیں گے، اور زبان ہوگی جس سے بولے گی، وہ کہے گی مجھے تین قسم کے لوگ سپرد کئے گئے، وہ جس نے خدا کے ساتھ دوسرے کو خدا مانا، اور ہر ظالم سرکش اور تصویر بنانے والے، رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان اشد الناس عذابا یوم القیٰمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی او قتل احد والدیہ والمصورون وعالم لم ینتفع بعلمہ روز قیامت سب سے سخت عذاب اُسے ہوگا، جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا اُسے کسی نبی نے قتل کیا، یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا، اور تصویر بنانے والے، اور وہ عالم جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا، رواہ البیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اور وہ امام اگرچہ خود تصویر نہیں کھینچتا، مگر جب اس نے تصویر کھنچوائی تو اس حرام کا باعث ہوا، اور اس گناہ میں وہ مصور کا شریک ہے اور معصیت پر اعانت کرنے والا، قال اللہ تعالیٰ: تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، اور جب وہ امام ہندو مسلم اتحاد کا حامی ہے، تو مندر میں جانے اور تصویر کھنچوانے پر کیا بس کرتا ہوگا، دیگر محرمات شرعیہ جو آجکل حامیان اتحاد عمل لائے ہیں، وہ بھی کرتا ہوگا ایسا ہے تو اُسے امام نہ بنانا چاہیئے۔ ———— واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) ۔ جبکہ محض دنیوی عداوت ہے اور زید قابل امامت ہے، تو بکر زید کے پیچھے نماز پڑھے کچھ کراہت نہیں، بلکہ محض دنیوی عداوت کی بنا پر اس کے پیچھے نماز چھوڑ دینے سے خود بکر پر الزام ہے، درمختار میں ہے ولو ام قوما وھم لہ کارھون

ان الکراھۃ لفسادفیہ اولانھم احق بالامامۃ کرہ لہ ذالک تحریما لحدیث ابی داؤد لایقبل اللہ صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وان ھو احق لاوالکراھۃ علیھم۔ اور دنیوی عداوت کی بنا پر تین دن سے زیادہ جدائی اور قطع تعلق جائز بھی نہیں، نہ کہ اس حد کی کہ جس مسجد میں وہ نماز پڑھے یہ اس کے ساتھ بھی نماز نہ پڑھے، اس کی اقتدا تو درکنار۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لایحل للرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا و یعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام، آدمی کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رہے، کہ دونوں ملیں تو یہ اس سے منہ پھیرلے، اور وہ اس سے اعراض کرے، اور ان دونوں میں اچھا وہ ہے جو ابتدا بسلام کرے، رواہ البخاری ومسلم عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور فرماتے ہیں دبّ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقۃ لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین، اگلی امتوں کی بیماری تمہاری طرف چلی، یعنی حسد وعداوت یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے، لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے، رواہ الامام احمد والترمذی عن ابی الکفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ باہمی عداوت کو دور کریں، اور مل کر رہیں، کہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۸) مرسلہ مولوی سید رشید الدین احمد امام مسجد جامع ضلع نرسنگھ پور (سی پی) ۲۶ رجب ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل شہر نے جامع مسجد کے جملہ امور انتظامیہ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کمیٹی پر اعتماد کرتے ہوئے تمام اختیارات بھی سونپ دیئے، چنانچہ ایک پیش امام عالم سنی حنفی مقرر موجود ہے، لیکن پورا حافظ نہیں، البتہ حفظ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، چنانچہ نصف قرآن سے زائد حفظ بھی کرچکا، اور قرآن شریف درست وصحیح موافق تجوید و ترتیل بھی پڑھتا ہے، لیکن اب کمیٹی محض اس وجہ سے اس کو امامت سے علیحدہ کرنا چاہتی ہے، کہ وہ پورا حافظ نہیں اور رمضان شریف میں ختمی تراویح کے لئے دقت ہوتی ہے، حالانکہ حافظ درست خواں جو موافق تجوید پڑھتے ہیں، اور مخارج وصفات کا لحاظ کریں، اور مشتبہ الصوت میں فرق کر سکیں، کمیاب ہیں، علاوہ ازیں بعض وہابیہ و دیوبندیہ عقائد کے ہوتے ہیں، چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ بیشتر کئی ایسے امام آئے جو دیوبندی وہابی عقائد رکھتے تھے، اگرچہ بعض عالم وحافظ بھی تھے، اور بعض مذبذب اور کم علم اور غیر مجود جو پورے طور پر اوقات نماز سے بھی ناواقف تھے، غرضکہ کمیٹی اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کرتی، کہ پیش امام کس عقیدہ کا ہے۔ اور کیسا ہے، صرف حافظ ہونا چاہئے، نیز بوقت تقرری یہ معاہدہ ہوا تھا کہ جبتک قرآن شریف پورا حفظ نہ ہوگا پیش

روپے ماہوار دیئے جائیں گے، اور بعد حفظ پھیلتی روپئے ہوجائیں گے۔ اور مدت حفظ کی بھی کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہوئی تھی

میں ان حالات کے پیش نظر صرف حفظ نہ کرنے کی وجہ سے عام موصوف کو امامت سے برطرف کرنا صحیح اور درست ہے جبکہ یہ کمیٹی

درست خواں حافظ رمضان شریف میں تراویح پڑھانے کے لئے انتظام کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرمادیا جائے کہ

اس صورت میں یہ کمیٹی مسلمانوں کی خیر خواہ ہے، یا بدخواہ۔ اور اس سے قبل جو امام بدمذہب، جاہل مذہب، اوقات نماز سے

ناواقف، اور غیر مجود رکھے گئے تھے، جن سے تمام مسلمانوں کی نماز فاسد و باطل ہوئی۔ اس کی ذمہ دار کمیٹی ہوئی یا نہیں، اور عنداللہ

وعندالناس یہ کمیٹی جوابدہ ہوگی یا نہیں، اور ایسے اماموں کے پیچھے جو مذکور ہوئے، نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ احق بالامامۃ وہ ہے، جو طہارت و نماز کے مسائل کا اُن سب میں زیادہ علم رکھتا ہو، پھر وہ جو قرآن مجید زیادہ اچھا

پڑھتا ہو، یعنی با تجوید پڑھتا ہو، درمختار میں ہے، والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصباً الاعلم باحکام الصلوٰۃ فقط صحۃ وفساداً

بشرط اجتنابہ للفواحش الظاھرۃ ثم الاحسن تلاوۃ وتجویداً للقراءۃ، اور نفس تصحیح حروف کہ حرف دوسرے

سے صحیح طور پر ممتاز ہو، یہ شرائط امامت سے ہے، کہ اگر اتنی تصحیح بھی نہ ہو تو وہ صحیح پڑھنے والوں کا امام ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ اگر کوشش

نہیں کرتا، اور بے پرواہی برتتا ہے، تو خود اُس کی ہی نماز نہ ہوگی، اوروں کی اس کے پیچھے کب ہو، اور ہندوستان میں اکثر یہی صورت

پائی جاتی ہے، کہ اگر کوشش کریں اور خیال رکھیں تو صحیح ادا کرلیں، اور اگر کوشش کرنے پر بھی کسی خاص حرف کو صحیح ادا نہیں

کرسکتا، تو خود اُس کی ہو جائیگی، یا اُس کے پیچھے ایسے کی نماز ہو جائے گی، کہ یہ دوسرا بھی اسی حرف کو صحیح ادا نہیں کرسکتا، مثلاً (ث،

ادا نہیں ہوتا دوسرے سے (ع) تو ایک دوسرے کی امامت نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے ولا یصح اقتداء غیر الالثغ بہ

ای بالالثغ علی الاصح، کما فی البحر عن المجتبیٰ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی

فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ

ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف، ردالمحتار میں ہے، وذلک

کالرحمٰن الرحیم والشیطان الرجیم والآلمین وایاک نابد وایاک نستئین السراط وانأمت فکل ذلک حکمہ

ما مر من بذل الجھد دائما والا فلا تصح صلاتہ بہ، اور امام مذکور جبکہ عالم بھی ہے، اور قرآن مجید با تجوید پڑھتا ہے،

تو محض اس بنا پر کہ حافظ نہیں، اسے معزول کرنا جائز نہیں، آخر یہ کونسا گناہ ہے، کیا حافظ ہونا شرط امامت ہے، کہ بغیر

اس کی امامت صحیح نہیں، کیا جب اُسے مقرر کیا تھا، اُس وقت اُس نے اپنا حافظ ہونا ظاہر کیا تھا، اور حافظ سمجھ کر امام بنایا تھا

ء و ث، دونوں کو ادا نہیں ہوتا اور یہ بھی اس صورت میں ہو گا جب کہ کسی صحیح خواں کی اقتدا میسر نہ ہو سکے ورنہ صحیح خواں کے ہوتے ہوئے اسے امام نہ کیا تو اگرچہ دن رات کوشش کرتا ہو خود اس کی نماز نہ ہوگی اور اگر ایک سے

لہٰذا کمیٹی کو امامت سے معزول کرنیکا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں، ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمہا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ کمیٹی تو کمیٹی اگر بلا وجہ شرعی حاکم اسلام معزول کرنا چاہے، تو نہیں کرسکتا، فتاویٰ خیریہ میں ہے قد صرح العلماء بانہ لایجوز عزل الناظر ولا عزل صاحب وظیفۃ مابغیر جنحۃ ولو عزلہ الحاکم لا ینعزل بغیر جنحۃ وللقاضی ابقاءہ علیٰ وظیفتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جب اہل کمیٹی کو اتنی بھی واقفیت نہیں، کہ کون قابل امامت ہے، اور کون نہیں، نہ اہلسنت و بدمذہب کو جان سکیں، تو ان کو سرے سے باختیار خود عزل ونصب امام کا اختیار ہی نہیں، اور جان بوجھکر قصداً نااہل کو امام بناتے اور اور مسلمانوں کی نمازیں تباہ و برباد کرتے ہیں، تو حکم اور سخت ہے، ایسی حالت میں یہ لوگ ہرگز مسجد کی تولیت کے قابل نہیں، اور مسلمانوں پر لازم، کہ دیندار اور دیانتدار کو تولیت سپرد کریں، اور ایسوں کو معزول کریں، اگر یہ لوگ نااہلوں پر وقف کی آمدنی صرف کرتے، اور اہل کو بلا وجہ شرعی معزول کرتے، اور ایسوں کو امام بناتے ہیں، جن کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، درمختار میں ہے، وینزع وجوبا بزازیۃ لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون او عاجزاً بحر پھر ردالمحتار میں ہے وان کان غیر مامون اخرجہا من یدہ وجعلہا فی ید من یثق بدینہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۵۹) مسئولہ جناب محمد حنیف صاحب مدرس مدرسہ نور الہدیٰ مقام پوکھریرا ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور، ۲۰ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ

داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے یا نہیں، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے یا کس قسم کی، ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی ہو جائے، عام ہے کہ کسی امام کے فسق کی وجہ سے یا رکن کے فوت سے وہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں،

الجواب - داڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام، حدیث میں ارشاد ہوا احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ - درمختار میں ہے، یحرم علی الرجل قطع لحیتہ، فتح القدیر و بحر الرائق و شرنبلالیہ و درمختار میں ہے الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلہا فعل مجوس الاعاجم والیہود والھنود وبعض اجناس الافرنج یعنی ایک مشت سے کم کرنا کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا یہ مجوسیوں اور ہندوؤں اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے، شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں حلق کردن لحیہ حرام ست وروش فرنج وہنود وجوالقیان ست، کہ ایشاں را قلندریہ گویند، اس مسئلہ کی تفصیل درکار ہو تو

اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کا رسالہ لمعۃ الضحیٰ دیکھا جائے کہ آیات و احادیث و اقوال فقہاء سے بکمال بسط و تفصیل اس کی حرمت کا اس میں بیان ہے، غرض ڈاڑھی منڈانا حرام، اور بعد اصرار کبیرہ و فسق، حدیث میں ہے لاصغیرۃ مع الاصرار رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور بالاعلان ہونا خود عیاں، عیاں راچہ بیان اور فاسق مُعلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب، حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً، ردالمحتار میں ہے، واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً ولا یخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بھم بغیر طھارۃ کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذا لم تجز الصلوٰۃ خلفہ اصلاً عند مالک وروایۃ عن احمد، درمختار میں ہے، کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۰) مسئولہ مولوی عبد الجبار صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۳۰ رشعبان ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) امام حق کس کو کہتے ہیں (۲) امام حق کے لئے کیا کیا شرائط ہونے چاہئیں (۳) محلہ کی مسجد میں صرف نماز جمعہ کے لئے کوئی امام مقرر کیا جائے، اسکو امام حق کہیں گے یا نہیں۔ اگر اس کو امام حق نہیں کہیں گے تو اس کو کونسا امام کہیں گے۔

الجواب (۱، ۲) - امام حق، مسجد محلہ کے امام کو کہتے ہیں، جس کو اہل محلہ یا متولی مسجد نے امامت کے لئے مقرر کیا جو اس مسجد میں نماز پنجگانہ پڑھاتا ہو، اُس کے لئے کوئی خاص شرائط نہیں، بلکہ وہی جو مطلقاً امام کے لئے ہیں، اس کے لئے بھی ہیں، ردالمحتار میں ہے ھو امام المسجد الخاص بالمحلہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) - جو صرف جمعہ پڑھانے کے لئے امام ہو، وہ امام جمعہ ہے امام حق اُسے نہ کہیں گے، کہ حق بمعنی گروہ ہے، اور امام مسجد محلہ چونکہ اُس خاص محلہ کا امام ہے، لہٰذا اسے امام حق کہتے ہیں، بخلاف امام جمعہ کہ اُسی خاص محلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اگر شہر میں ایک ہی جمعہ ہوتا ہے، تو وہ اُس وقت کے لئے سارے شہر کا امام ہے، اور اگر چند جمعہ ہوتے ہیں تو جتنے محلوں کا ایک جمعہ ہے، وہ اس وقت میں اُن سب محلوں کا ایک امام ہے۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۱) مرسلہ ظہیر صاحب　　از میرٹھ　　۲۰ رشوال ۱۳۳۱ھ

کیا مندرجہ ذیل صورتوں میں زید کو مسجد کا امام مقرر کرنا اُس کی اقتدا کرنا اور اس سے نماز جنازہ و نکاح پڑھوانا درست ہے؟ اگر ناجائز ہے تو اس مسجد کے نمازی اور متولی زید کی حرکات ذیل سے باخبر ہونے پر بھی اس کو امامت سے خارج نہ کریں تو شریعت مطہرہ ان پر کیا حکم لگاتی ہے۔ بینوا توجروا

(۱) زید نے مسجد کی سفیدی و صفائی کے لئے پیشہ ور طوائفوں کے حرام کمائی سے چندہ لیا۔

(۲) زید چند پیسوں اور گلگلوں کے لالچ میں بازاری رنڈیوں اور ان کے تبعہ و لحقہ کو مسجد کا طاق بھرنے کے لئے برہنہ پاؤں اور بے طہارت مسجد کے اندر جانے دیتا ہے۔

(۳) زید جوان ہے اور اس کے کمرہ خاص میں اکثر مسلمان اور بیشتر ہندو جوان عورتیں گنڈا اور تعویذ لینے آتی ہیں اور علاوہ دیگر نسوانی تمناؤں کے اکثر اولاد کی بھوکی بھی ہوتی ہیں اور ہندوؤں میں ایک مسئلہ نیوگ کا ہے یعنی اگر کسی عورت کا شوہر نامرد ہو اور اولاد پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو عورت کسی اور شخص سے استقرار حمل کرا سکتی ہے؟

(۴) زید بلا اجازت شوہر اس کی منکوحہ کو کار خدمت کے حیلہ سے رکھ لیا ہے اور اس کو شوہر کے پاس نہیں جانے دیتا ہے۔

الجواب ۔ حرام مال مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہے، حدیث میں فرمایا لا یقبل اللہ الا الطیب زید نے ایسا کیا ہے تو توبہ کرلے، اور چند بار کرنے، پھر توبہ نہ کرنے پر امامت سے معزول کر دیا جائے، بازاری عورتوں کا طاق بھرنے جانا یہ زید کا فعل نہیں، اگر زید قدرت رکھتا ہو، تو روکدے، کہ اُن کا اس طرح آنا احترام مسجد کے خلاف ہے، زید کے یہاں عورتوں کا تعویذ کے لئے آنا یہ کوئی ایسا امر نہیں ہے، کہ اس کے سبب امامت سے معزول کرنے کا حکم دیا جائے، اور ہندوؤں کے یہاں نیوگ کا مسئلہ ہونا زید کو متہم نہیں کرنا، ایسے اوہام بعیدہ قابل اعتبار نہیں، مگر جبکہ ان عورتوں کے آنے سے لوگوں کو خاص سبب سے زید کی طرف شبہ ہوتا ہو تو چاہئے، کہ عورتوں کا آنا روکدے، حدیث میں ہے اتقوا مواضع التھم، دوسرے کی عورت کو کار خدمت کے لئے زید کا نوکر رکھنا کوئی جرم نہیں، اگر اس کے شوہر کو منظور نہ ہو ہر طرح لیجا سکتا ہے، ہاں اگر زید عورت مذکورہ کو بہکاتا ہو، اور عورت کو ایسی باتیں سکھاتا ہو، کہ وہ شوہر کے یہاں بلا وجہ نہ جائے، تو گنہگار ہے ایسا ہے تو توبہ کرے۔ بہرحال امور مذکورہ ایسے نہیں کہ مطلقاً زید کے فسق کا حکم دیا جائے، اور امامت سے معزول کیا جائے، ـــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۱) مسئولہ حافظ نبی صاحب از نینی تال یکم ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ ہجری۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیش امام سے رنج رکھتا ہے، نہ اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، ادھر جماعت ہوتی ہے اُدھر زید نماز پڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے، کہ ہم حافظ ہیں اور امام ناظرہ خواں اور حافظ کی نماز ناظرہ خواں کے پیچھے نہیں ہوتی ہے جبکہ ناظرہ خواں کلام اللہ بہت عمدہ پڑھتا ہے، اور اس کے پیچھے جملہ مسلمان، سادات، اور حافظ نماز ادا کرتے ہیں اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب ۔ زید نے محض غلط کہا کہ میری نماز غیر حافظ کے پیچھے نہیں ہوتی، امام کے لئے نہ حافظ ہونا شرط ہے، نہ واجب جبکہ غیر حافظ کو لوگوں نے امام مقرر کیا ہے، تو زید اگرچہ حافظ ہے، اُسی کے پیچھے پڑھے جماعت کا ترک بلا وجہ شرعی گناہ ہے، اور اس پر زیادتی، یہ کہ جماعت ہوتی رہتی ہے، اور شریک نہیں ہوتا، اپنی الگ پڑھتا ہے، زید کو توبہ کرنی چاہئے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے قال عامۃ مشائخنا انہا (الجماعۃ) واجبۃ وفی المفید تسمیتہا سنۃ لوجوبہا بالسنۃ۔ درمختار میں ہے وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرہا۔ قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب۔ ردالمحتار میں ہے، قال فی النھر ھو اعدل الاقوال واقواھا ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شہادتہ اذا ترکہا استخفافا ومجانۃ

مسئلہ (۱) (۱۴۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کے پیچھے بالغ کی اقتدا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مشائخ بلخ کی ایک روایت ہے، کہ نابالغ کے پیچھے تراویح، سنت اور نفل جائز ہے حقیقت حال سے مطلع فرمائیں۔

الجواب ۔ بالغ کے امام کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، ردالمحتار میں نور الایضاح سے ہے، وشروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار، لہٰذا نابالغ کے پیچھے بالغ کی مطلقاً کوئی نماز نہ ہوگی، درمختار میں ہے، ولا یصح اقتداء رجل بصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح ہاں مشائخ بلخ تراویح وسنن ونوافل میں نابالغ اگر بالغ کی امامت کرے، تو جائز بتاتے ہیں، مگر مختار و اصح وظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ناجائز ہے اور یہی قول عامہ ائمہ ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ ظاہر الروایۃ سے عدول نہ کیا جائے گا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان المختار انہ لایجوز فی الصلوٰت کلہا کذا فی الھدایۃ وھو الاصح ھکذا فی المحیط وھو قول العامۃ وھو ظاہر الروایۃ ھکذا فی البحر الرائق۔ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۳) مرسلہ عبدالستار صاحب پارچہ فروش ساہوکاراں لین بازار ہلدوانی نینی تال ۴ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیش امام جامع مسجد کے متعلق کچھ لوگوں نے یہ عذر کیا کہ ہم امام صاحب کے پیچھے عیدالفطر نہیں پڑھیں گے، چونکہ یہ امام صاحب قبور کا طواف کرتے ہیں، اور مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے واسطے دعا نہیں مانگتے اور ٹھٹھو نہیں پہنتے۔ تو اس شک کو رفع کرنے کے لئے عیدالفطر سے ایک روز قبل عیدگاہ میں مسلمانان ہلدوانی کا ایک جلسہ ہوا، اس جلسہ میں تقریباً تین سو آدمی جمع تھے، اس جلسہ میں ان آدمیوں سے دریافت کیا گیا کہ تم لوگوں کو امام صاحب کے پیچھے نماز عیدالفطر ادا کرنے میں کیا عذر ہے، تو ان لوگوں نے وہی عذر پیش کیا جو اوپر بیان کیا گیا — اس کے بعد امام صاحب سے معلوم کیا گیا تو امام صاحب نے سوال اول کا یہ جواب دیا کہ ہم قبور کا طواف نہیں کرتے بلکہ عرس کے موقع پر قرآن شریف پڑھکر بزرگوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں، اور دوسرے سوال کا یہ جواب دیا کہ اس سے قبل مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے، اب نہیں سنتے ہیں، اور نہ میرا یہ عقیدہ ہے، تیسرے سوال کا جواب حاضرین نے یہ دیا کہ ہم لوگوں نے خلیفۃ المسلمین کے لئے دعا مانگتے سنا ہے، چوتھے سوال کا جواب اہل جلسہ نے یہ دیا کہ ٹھٹھو پہننا کوئی ضروری نہیں ہے، اس جلسہ میں دو مولوی بھی تھے، ان لوگوں سے بھی پوچھا گیا کہ اب اس امام صاحب کے متعلق کیا حکم ہے۔ تو ان دونوں مولوی نے یہ جواب دیا کہ بلا کراہت اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے، اس کے بعد جملہ معترضین نے تسلیم کرلیا، اور یہ وعدہ کیا کہ کل ہم لوگ اس امام صاحب کے پیچھے عیدالفطر ادا کرینگے، مزید براں جن لوگوں کو اعتراض تھا ان لوگوں نے یہ کہا کہ امام صاحب توبہ کرلیں، امام صاحب نے سبھوں کے سامنے توبہ بھی کیا، لیکن عیدالفطر کے روز ان لوگوں نے جن کو عذر تھا اس امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، اور سب کے سب مذکورہ دو مولویوں کے ساتھ شارع عام پر عیدالفطر ادا کی۔

الجواب - امام پر جو الزام جا یا بیجا لگائے گئے امام نے اُن سے برأت ظاہر کی اور لوگوں کے کہنے سے اس نے توبہ بھی کرلی تو اب پھر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا، اور مسلمانوں میں تفریق کرنے کے لئے جدید جماعت قائم کرنا، ناروا ہے، خصوصاً نماز عید کہ اُسکا امام ہر شخص نہیں ہوسکتا، اس کا امام وہی ہوسکتا ہے جو جمعہ کا امام ہوسکتا ہے، اور جمعہ کا امام بادشاہ اسلام ہوگا، یا اس نے جسے مقرر کیا ہو، اور یہ نہ ہوں تو عوام نے جسے امام مقرر کیا ہو، وہ پڑھائے، درمختار میں ہے: نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں ضرورت نہیں کہ ایک امام موجود ہے، اور وہ نماز پڑھا رہا ہے۔ بلا وجہ شرعی اسکی مخالفت میں یہ دوسری جماعت قائم کی گئی، غرض یہ نئی جماعت عید جو قائم کی گئی، ناجائز اور یہ نماز بھی راستہ پر پڑھی گئی، شارع

عام پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ وفی طریق۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۴) مرسلہ مولوی مصباح القیوم صاحب رضوی از اورنگ آباد بلند شہر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک غیر مقلد صاحب ریاست ہونے کی وجہ سے مسلمانان حنفی المذہب کو اپنی اقتدار پر بالجبر مائل کرتا ہے، اور جمعہ بھی پڑھاتا ہے، اور کچھ خلاف عجب بھی کرتا ہے، علاوہ ازیں یہ شخص تقلید ائمہ اربعہ کا منکر ہے، اور مقلدین پر طعن کرتا ہے، اور نماز وغیر نماز میں ڈاڑھی نوچتا ہے، یہاں تک کہ ایک ایک رکن میں کئی کئی بار ڈاڑھی نوچتا ہے یہاں تک کہ نوچ نوچ کر ایکدم صاف کر دیا ہے، اور نماز میں دونوں پاؤں بچھا کر بیٹھتا ہے، تو کیا ایسے کی امامت درست ہے۔

(۲) جس جگہ لوگ ایک مدت سے جمعہ پڑھتے رہے ہوں، اب وہاں ایک وہابی غیر مقلد غلبۂ ریاست کی وجہ سے جمعہ خطبہ پڑھاتا ہو، تو کیا بستی حنفی المذہب کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی دوسری مسجد میں جمعہ قائم کریں۔

الجواب (۱) - فرقہ غیر مقلد گمراہ وبددین ومبتدع ہے اور اہلسنت سے خارج ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں من شذ عن جمہور اھل الفقہ والعلماء السواد الاعظم فقد شذ فیما یدخلہ فی النار فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالیٰ وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی مذاھب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمھم اللہ تعالیٰ ومن کان خارجا عن ھذہ الاربعۃ فی ھذہ الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار۔ اور بدمذہب کو امام بنانا ناجائز وگناہ کہ امام بنانا تعظیم ہے اور اہل بدعت کی تعظیم حرام، حدیث میں فرمایا من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام جس نے بدمذہب کی توقیر کی، اُس نے اسلام ڈھانے پر مدد کی، غنیہ شرح منیہ میں ہے، المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع صغیری میں ہے یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم وعند مالک لایجوز وھو روایۃ عن احمد وکذا المبتدع۔ ردالمحتار میں ہے المبتدع تکرہ امامتہ بکل حال۔ طحطاوی علی الدر میں ہے الکراھۃ فیہ تحریمیۃ علی ما سبق، اور اُس غیر مقلد کا مقلدین پر طعن کرنا فسق عملی ہے، اور فاسق کو امام بنانا ناجائز وگناہ ، کما مر۔ یونہی اُس کا ڈاڑھی نوچ کر صاف کر دینا بھی فسق ہے۔ کہ یہ اسکی عادت ہے، حدیث

میں فرمایا احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ۔ اور یہ شخص اگر بدمذہب نہ بھی ہوتا، تو ایک ایک رکن میں تین تین بار ڈاڑھی پر ہاتھ لے جانا اور نوچنا عمل کثیر ہے۔ اور عمل کثیر مفسد نماز تو جب امام کی نماز خود ہی نہ ہوئی، تو اُس کے پیچھے مقتدیوں کی کیونکر ہو۔ درمختار میں ہے ویفسدھا کل عمل کثیر۔ ردالمحتار میں ہے وکذا قول من اعتبر التکرار ثلثا متوالیۃ فانہ یغلب الظن بذالک فلذا اختارہ جمہور المشائخ۔ اور مبتدع کے پیچھے نماز کا مکروہ تحریمی ہونا اس صورت میں ہے جب اس کی بدعت مکفرہ نہ ہو ورنہ اس کے پیچھے نماز اصلا نہ ہوگی، اور غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم[عہ]، والتحقیق التام فی رسالۃ شیخنا النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید من شاء الاطلاع فلیرجع الیھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اولاً جس طرح ممکن ہو اُس کو امامت سے علیحدہ کریں، اور یہ نہ کر سکیں تو اپنی نماز کسی دوسری مسجد میں پڑھیں اسکے پیچھے پڑھکر کیوں گنہ گار بنیں، فتح القدیر میں ہے یکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحویل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۵) مرسلہ مولوی عبد العزیز صاحب امام مسجد کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ ۱۱ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

امام حی کا حق کب تک ہے اگر امام محلہ کا انکار ہو جائے یا فوت ہو جائے تو قوم نے دوسرا امام مقرر کیا، عرصہ دس بارہ برس رہا پھر وہ اپنی رضا سے چلا گیا پھر قوم نے ایک اور امام مقرر کیا مگر جو پہلے تھا وہ فوت ہو گیا، تو اس کے لواحقین سے ایک شخص نے آکر جھگڑا کیا اب اُس مقرر کردہ امام عالم کو معزول کر کے اس کو امامت مل سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب - جب امام مر گیا یا اُس نے امامت سے دست برداری کر لی تو اُس کی امامت ختم ہو گئی اور یہ کوئی مال و ترکہ نہیں جس میں وراثت جاری ہو، تیسرے امام کو بلا وجہ شرعی معزول کرنا جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۶) مسئولہ رحیم بخش صاحب از شیو پوری تحصیل فرید پور بریلی ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

(۱) مجھ پیش امام کو موضع لدھولی کے لوگوں نے شریعت کی بات بتانے اور بُرے کاموں سے روکنے کی وجہ سے عید اضحی کی نماز پڑھانے سے رد کر دیا اور کسی دوسرے شخص کو امام بنایا۔

(۲) میں پیش امام بروز جمعہ چار پانچ آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا، جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو موضع لدھولی

عہ ہمارے زمانے کے غیر مقلدین لزوم سے بڑھکر التزام کی حد میں آچکے ہیں۔ انکے پیچھے نماز قطعاً درست نہیں قضاء بھی بدتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

کے لوگوں نے ہم لوگوں کو پکڑ کر بطور حراست ایک گھنٹہ بٹھایا، اور سب کے سب آمادہ فساد ہوگئے، اور کہنے لگے تم نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں کیوں آئے تم شرع کیوں نکالتے ہو اب اگر آؤ گے تو مار ڈالیں گے

الجواب (۱) ۔ بلا وجہ شرعی امام اول کو معزول کرنا اور اُس کی جگہ دوسرے کو امام بنانا ناجائز ہے، اور امام لوگوں کو بُری باتوں سے منع کرتا ہے، اور احکام شرعی کی طرف ہدایت کرتا ہے تو یہ اُس سے ناراض ہونے کا سبب نہیں بلکہ اور خوش ہونا چاہئے، مگر جن لوگوں کے دلوں میں خوف خدا و رسول نہ ہو شیطان کی پیروی کرنا چاہیں وہ ضرور احکام شرع کو سنکر گھبراتے ہیں، اور بد کتے ہیں ان لوگوں پر توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی تکلیف دینا حرام ہے، حدیث میں ہے من اٰذیٰ مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ جس نے مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور مسجد سے روکنا بھی حرام۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُس سے زیادہ ظالم کون جس نے اللہ کی مسجدوں میں خدا کے نام لئے جانے سے روکا، اور اُن کی بربادی میں کوشش کی، یہ سب لوگ گنہگار ہیں توبہ ان پر فرض ہے، اور امام سے معافی مانگنی ضروری ہے۔

مسئلہ (۱۶۷) ایک ایسا شخص جو پنجگانہ جماعت سے نہیں پڑھتا ہے اور جمعہ کے دن امام بن کر جمعہ پڑھاتا ہے تو کیا ایسے کی اقتدا درست ہے۔

الجواب ۔ جماعت واجب ہے، اور اس کا ترک گناہ، اور ترک کی عادت فسق، اور یہ چونکہ بالاعلان ہے لہٰذا اسکو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب۔ واجب ہے کہ دوسرے کو امام مقرر کریں، اگر کسی وجہ سے لوگ اُسے معزول نہ کر سکتے ہوں، تو دوسری جگہ پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۸) مسئولہ قاضی عبدالعزیز صاحب از فرید پور بریلی ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد کا امام ہو کر سودی اسٹام لکھتا ہو، اور جھوٹی گواہی دیتا ہو، اور رشوت لیتا ہو، کیا اُسکے پیچھے نماز درست ہے، اور اُس کا پڑھایا ہوا نکاح جائز ہے۔

الجواب ۔ سودی دستاویز لکھنا حرام ہے، حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت

فرمائی سود دلینے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی دینے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یونہی جھوٹی گواہی دینا بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا قال عدلت شہادۃ الزور بالاشراك باللہ ثلث مرات ثم قرء فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ رواہ ابو داؤد وابن ماجۃ عن خریم بن فاتك رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ شخص فاسق ہے، اگر مُعلن بھی ہو تو اُسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اس کا نکاح پڑھایا ہوا درست ہے، مگر اس سے نہ پڑھوایا جائے تو اچھا ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۹) مسئولہ نواب وحید احمد خاں صاحب محلہ قلعہ بریلی۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ جماعت ہورہی ہے، لیکن زید کو امام کا حال معلوم نہیں، صحیح العقیدہ ہے یا نہیں، یا وہ ارکان نماز مثلاً سجدہ میں زمین سے انگلیوں کا پیٹ لگاتا جانتا ہے یا نہیں اور اگر جانتا بھی ہے تو اگر لگاتا ہے یا نہیں تو اس صورت میں زید جماعت میں شریک ہوگا یا نہیں۔؟

(۲) ایک شخص فرض پڑھ رہا ہے۔ زید مسجد میں داخل ہوا لیکن دل اس کے پیچھے پڑھنے کو نہیں چاہتا ہے، صرف اس گمان سے کہ یہ بدعقیدہ ہے، حالانکہ زید اسے نہیں جانتا۔ بکر کہتا ہے کہ مسلمان پر بدگمانی حرام ہے، زید کو چاہیئے کہ خواہ مخواہ اس کو بدعقیدہ نہ سمجھے نماز پڑھے، پھر عقائد دریافت کرے، اگر وہ واقعی بدعقیدہ ہے تو نماز پھیرلے، زید کہتا ہے کہ اگر دل نہ کہے تو نہ پڑھے۔ اس پر بکر جواب دیتا ہے، دل کا اعتبار نہیں ہے۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے۔

(۳) زید نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، مگر سنتوں میں یہ دیکھا کہ امام کی انگلیاں زمین سے نہیں لگتی ہیں، تو زید کیا کرے اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں بتا بھی نہیں سکتا مثلاً ریاست رامپور وغیرہ تو ایسی صورت میں زید کو کیا کرنا چاہیئے، یہ بھی واضح ہو کہ اس امام کے پیچھے بہت سے عالم بھی نماز پڑھ چکے ہیں۔

الجواب (۱)۔ محض اوہام پر بنائے کار نہیں، جبتک ظن غالب نہ ہو، ترک جماعت نہ کرے، امام کے ساتھ نیک گمان کرے، اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر اگر بعد میں امام کی نماز کا فساد ظاہر ہو تو پھر پڑھ لے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر بدعقیدہ ہونے کا گمان غالب ہو تو اقتدا نہ کرے لان الظن ملحق بالیقین پھر اگر اس میں ایسی بدعقیدگی کا گمان ہے، جو کفر تک لیجانیوالی ہے، مثلاً وہابیت قادیانیت وغیرہا تو اگرچہ وہ واقع میں ایسا نہ ہو مگر جب زید کا گمان

ہے تو اقتدا صحیح نہیں، اور اس صورت میں نماز ہوگی ہی نہیں، کہ جب گمانِ مقتدی میں نمازِ امام نماز ہی نہیں، پھر اقتدا کیونکر ہو سکے، کہ اقتدا کے معنیٰ ہیں اپنی نماز کو نمازِ امام کے ساتھ ربط دینا، تو جب امام کی نماز ہی نہیں تو ربط کس کے ساتھ دے گا۔ ردالمحتار میں ہے، وکذا لو کانت صحیحۃ فی زعم الامام فاسدۃ فی زعم المقتدی لبنائہ علی الفاسد فی زعمہ فلا یصح بیشک مسلمان پر بدگمانی حرام ہے، مگر جبکہ کسی قرینہ سے اُس کا ایسا ہونا ثابت ہوتا ہو، تو اب حرام نہیں، مثلاً کسی کو بھٹی میں آتے جاتے دیکھکر اُسے شراب خور گمان کیا، تو اس کا قصور نہیں اُس نے موضع تہمت سے کیوں اجتناب نہ کیا، بکر کا یہ کہنا کہ بدگمانی حرام ہے، بدگمانی نہ کرنی چاہیئے، بیشک اگر کوئی وجہ نہ ہو جس کی بنا پر بدگمانی کیجا سکے تو یہ قول صحیح ہے، مگر جبکہ زید اُسے بدعقیدہ گمان کر رہا ہے، تو اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھے، اقتدا میں دل کے گمان کا اعتبار ہے، اور اگر مجرد وہم ہے تو قابلِ اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر اُس کی عادت ایسی ہونا معلوم ہوتا ہے، کہ ایک انگلی بھی سجدہ میں نہیں جاتا تو ضرور نماز پھیرے، اور کبھی جاتی ہے کبھی نہیں جب بھی اعادہ کرلے زید اُسے مسئلہ بتا دے ماننے اور عمل کرنے کا اُسے اختیار ہے اور بتانے میں اس کا لحاظ رکھے کہ فتنہ و فساد نہ ہو، ورنہ اپنی پھیرے اور اس کے پیچھے پھر نہ پڑھے، اور امام کا عالم ہونا یا عالم کا اس کے پیچھے پڑھنا اس کے اس فعل کو جائز نہ کر دے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۷۰) مسئولہ مولوی آفتاب الدین صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف ۳ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع خیر المرسلین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص ذاتی مفاد کے لئے اس نیت سے جھوٹ بولے کہ اصل مالک سے مال غصب ہو کر غیر مالک کو مل جائے اور دوسروں کو آمادہ بھی کرے، تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کی اقتدا کیسی ہے، اور جو اشخاص اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب - جھوٹی گواہی دینا حرام و کبیرہ ہے، حدیث میں ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلاۃ الصبح فلما انصرف قام قائما فقال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ ثلث مرات ثم قرء فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ رواہ ابوداؤد واحمد والترمذی) اور دوسرے مسلمان کو اس پر آمادہ کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا جبتک یہ شخص توبہ نہ کرے اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۷۱) مرسلہ مولوی محمد عبدالغفور صاحب از بنچہ ضلع شاہ پور پنجاب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہٰذا میں کہ زید بروز عید اضحیٰ احکام و فضائل قربانی بیان کرتے

ہوئے ذکر کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے امتحان کے بعد شام کی طرف سفر کیا، راستہ میں فرعون مصر کے ظلم نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امتحان لینا چاہا، مگر خدا پاک نے ظالم کے مکر کو چلنے نہ دیا، الٹا اسے سزا ملی پس اُس نے ایک خادمہ ہاجرہ نامی عطا کی، پھر حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیدی جن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، وہ واقعہ بموجب صحاح خمسہ بخاری شریف، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ بیان کیا فدعا الذی جاء بھا فقال لہ انک انما جئتنی بشیطان ولم تأتنی بانسان فاخرجھا من ارضی واعطھا ھاجر فاقبلت تمشی فلما رأھا ابراھیم علیہ السلام قال مھیم قالت خیراکف اللہ ید الجبار واخدم خادما الحدیث اخرجہ الخمسۃ الا النسائی تیسیر الوصول ص۲۲۲ عمرو نے کہا کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی، خادمہ نہ تھی، عمرو کے بھائی بھتیجہ وخالد نے کہا کہ زید نے انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً حضرت اسمٰعیل اور سرور کائنات کو گالی دی اور توہین کی، زید آریہ شدہ ہے۔ کافر ہے۔

پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا زید پر کفر لازم آتا ہے، یا نہیں۔ بموجب حدیث ولا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کس پر توبہ لازم ہے۔ اور عمرو وبکر محض نفسانیت کی وجہ سے علیحدہ مسجد جمعہ بنائیں: تو اسمیں نماز درست ہے یا نہیں اور اس مسجد پر مسجد ضرار کا حکم مرتب ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ زید نے ہرگز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین نہیں کی، خوانخواہ زبردستی اُس کے سر توہین کا الزام رکھکر اُسے کافر کہنا، اور اُس کے پیچھے نماز ناجائز سمجھنا شدید ظلم ہے۔ زید نے تو ایک حدیث صحیح بیان کی، خود حدیث کے الفاظ یہ ہیں فاخدمھا ھاجر رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع البحار میں اس کے معنی یہ لکھے ای جعلھا خادما۔ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ای وھب لھا خادما اسمھا ھاجرۃ وھی ام اسمٰعیل علیہ السلام یعنی حضرت سارہ کو اُس بادشاہ نے ایک خادمہ دی جن کا نام ہاجرہ ہے، اور وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں ہیں، زید کا بیان بالکل اسی عبارت کرمانی کے موافق ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں، تو یہ زید کے بیان کے منافی کب ہے اس لئے کہ اُس نے خدمت ہی کے لئے دی تھی، خادم کرکے عطا کی تھی کہ حدیث میں لفظ اخدمھا اس معنی پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ پھر زید نے کیا توہین کی عمرو وغیرہ معترضین پر لازم، کہ توبہ کریں اور زید سے معافی مانگیں اور جماعت وجمعہ میں بلاوجہ شرعی تفریق نہ کریں، اور فساد ذات البین ونفسانیت کو دور کریں، کہ فساد ذات البین دین کو تباہ کرنے والا ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ رشتہ اخوت کو مضبوط کریں۔ اور آپس کی نزاع سے دشمنانِ دین کو قوت پہنچانے کے سبب نہ بنیں۔ واللہ الموفق وھو اعلم

مسئلہ (١٧٢) مسئولہ سید شرف الدین متعلم مدرسہ اہلسنت بریلی شریف ١٢ جمادی الاولیٰ ١٣٣٢ھ

(١) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی یا ماں یا ہمشیرہ یا لڑکی وغیرہ عام طور پر باہر نکلتی ہیں، یا دروازے سے ہاتھ نکال کر غیر محرم سے خرید و فروخت کرتی ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زید قابل امامت ہے ؟

(٢) بکر شرع کے خلاف ڈاڑھی رکھتا ہے، اُس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں ؟

الجواب (١) - جن کے یہاں کی یہ عورتیں اگر پردے کے ساتھ نکلتی ہیں، یعنی موٹی چادر یا برقع اوڑھکر کہ تمام بدن چھپا ہو، یا صرف منہ اور ہاتھ کھُلے ہیں، باقی تمام بدن چھپا ہے، اُن پر کچھ الزام نہیں، اور اگر کلائی یا بال وغیرہ وہ اعضا جن کا چھپانا فرض ہے، کھولے ہوئے غیر محرم کے سامنے ہوتی ہیں، اور مرد اُسے روکتا ہے اور ممانعت میں پوری کوشش کرتا ہے جب بھی اس پر الزام نہیں کہ اس کے ذمہ جو تھا ادا کر چکا، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ اور اگر منع نہیں کرتا، یا معمولی طور پر کہہ دیتا ہے پوری کوشش سے روک تھام نہیں کرتا۔ تو گنہگار ہے اور اسکی وجہ سے فاسق ہے اسکو امام بنانا مکروہ تحریمی

(٢) اگر ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرانے کا عادی ہے تو فاسق مُعلن ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (١٧٣) مرسلہ عبدالحکیم صاحب محلہ مصری بازار شہر کانپور ٣٠ رجب ١٣٣٢ھ۔

(١) زید سید ہے لیکن فقیہ نہیں، اگر ایسی صورت میں زید فقیہ اور نجیب الطرفین و دیگر اقوام مسلم مصلی ہوں تو حق امامت شرعاً کس کو ہے۔

(٢) حق تعیین امام اندر وقف نامہ زید کو حاصل نہیں، علاوہ ازیں صرف شخص واحد زید کو بلا رضامندی جمہور مصلیان شرعاً حق تعیین امام کو حاصل ہے یا نہیں۔

(٣) نماز تراویح کے لئے کسی ایسے حافظ کا متعین کرنا جو نذرانہ و اجرت لے کیسا ہے، جبکہ خود نمازیوں میں ایسے حافظ موجود ہیں جو بلا کسی نذرانہ و اجرت کے نماز تراویح کے لئے تیار ہیں، نیز تراویح پڑھانے کا حق کس کو پہنچتا ہے۔

(٤) متولی مسجد کو مال موقوفہ سے حافظوں کو نذرانہ و اجرت دیکر تراویح پڑھوانا کیسا ہے۔

الجواب (١) - امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو مسائل نماز و طہارت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، بشرطیکہ فواحش و معاصی سے بچتا ہو اگرچہ کسی قوم کا ہو۔ درمختار میں ہے والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوۃ فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ اگر عالم کو امام نہیں بناتے تو بُرا کرتے ہیں، اُسی میں ہے،

ولو قدموا غیر الاولی اساؤا بلا اثم ہاں اگر احیانًا عالم آگیا تو حقدار امام راتب ہے، اگرچہ عالم نہیں جبکہ صالح امامت ہو۔ تنویر الابصار میں ہے وصاحب البیت اولی بالامامۃ من غیرہ۔ درمختار میں ہے ومثلہ امام المسجد الراتب۔ واللہ تعالی اعلم

(۲) تعیین امام ومؤذن کا حق بانی مسجد یا اسکی اولاد کو ہے، مگر جبکہ اہل محلہ نے ایسے کو منتخب کیا، جو بانی مسجد کے منتخب سے بہتر ہے، تو اہل محلہ نے جسے پسند کیا وہ امام بنایا جائے اور اگر دونوں برابر ہیں تو بانی مسجد کا پسند کیا ہوا بہتر ہے۔ غنیہ میں فتاوی بزازیہ وخلاصہ سے ہے ان تنازع البانی فی نصب الامام والمؤذن مع اہل المحلۃ فان کان من اختارہ اہل المحلۃ اولی من الذی اختارہ البانی فاختیار اہل المحلۃ اولی لان ضررہ و نفعہ عائد الیھم وان کان سواءً فاختیار البانی اولی۔ واللہ تعالی اعلم

(۳) اجرت پر تراویح میں ختم پڑھوانا جائز نہیں، اور جب ایک شخص بلا اجرت پڑھنے کو تیار ہے تو اب اجرت پر بدرجہ اولی ناجائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم

(۴) اجرت ناجائز، اور نذرانہ میں حرج نہیں، جبکہ المعروف کالمشروط کی حد کو نہ پہنچے، اور اگر پیشتر صراحۃً کہدیا تھا کہ کچھ نہ دینگے پھر بعد میں نذر دی تو اب حرج نہیں، کہ الصریح یفوق الدلالۃ مگر مال وقف سے اُسوقت دیا جا سکتا ہے جبکہ واقف نے یہ مصرف بھی وقف میں ذکر کیا ہو۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ (۱۷۴) مسئولہ شفیق احمد صاحب از محلہ ملوکپور بریلی ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں معشوق اللہ صاحب کی مسجد میں ایک مولانا جو مزار شریف کے متولی بھی ہیں امامت کرتے ہیں، اُن کی یہ حالت ہے، کہ گنڈہ تعویذ کثرت سے کرتے ہیں، اور جو عورتیں گنڈہ تعویذ کرانے کو آتی ہیں، ان سے مذاق کرتے ہیں، اور ہندوؤں کے منتر جس میں رامچندر، لچھمن، سیتا، گرونانک اور لونا چاری کے نام آتے ہیں، پڑھتے ہیں اور ناٹک وسوانگ بھی دیکھتے ہیں، اور ڈاڑھی مطابق شرع شریف کے نہیں رکھتے۔ جو شخص ان سے ڈاڑھی شرع کے مطابق رکھنے کو کہتا ہے تو وہ اسکو یہ جواب دیتے ہیں کہ ڈاڑھی ہی کے بڑھانے میں بزرگی ہے تو سکھوں کی ڈاڑھی لمبی ہوتی ہے اُن کو بھی بزرگ ماننا چاہئے اور یہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد اور مسجد کے متعلق جتنی چیزیں ہیں وہ میری ملکیت ہیں، باوجود اسکے کہ یہ صاحب ان ہی حرکات سے ایک دفعہ تائب ہو چکے ہیں، پھر وہی حرکات کرتے ہیں۔ اور یہ تمام مذکورہ باتیں اہل محلہ ثابت کرنے کو تیار ہیں۔

پس ایسی صورت میں اوّل ایسے افعال کے مرتکب پر کیا حکم شرعی ہے۔ دوّم ایسا شخص امامت کے قابل ہے یا نہیں۔ سوّم مسجد اور مالِ مسجد کس شخص مثلاً امام وغیرہ کی ملکیت ہوسکتا ہے یا نہیں، اور جو شخص مسجد اور مال مسجد کو مثل اپنی ملکیت کے تصرف میں لائے اس پر کیا حکم شرع شریف ہے۔ چہارم ایسے شخص کو مسجد میں رکھنا چاہئے یا نہیں۔ پنجم ایسے شخص کو حقہ و پانی پلانا، کھانا کھلانا، اس سے اتحاد و اتفاق وو داد رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ ششم اور جو شخص اسکی اعانت کرے اور اس سے دوستی رکھے اسپر کیا حکم شرعی ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب بحوالہ آیاتِ قرآنی اور احادیث سے تحریر فرمایا جائے۔

الجواب ۔ جن منتروں میں الفاظ کفر و شرک ہوں یا شیاطین سے استعانت پر مشتمل ہوں وہ کفر ہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے لا یجوز الاستعانة بالجن فقد ذم الله الكافرين على ذالك فقال وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ ایسے ہی تعویذات کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا ان الرقى والتمائم والتولة شرك۔ عورتوں سے مذاق کرنا حرام ہے۔ ناٹک دیکھنا بھی حرام ہے کہ اُس میں ناچ اور گانا بھی ہوتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ مرد عورتوں کی صورت بنتے ہیں اور حدیث میں اس پر لعنت فرمایا لعن الله المتشبهين بالنساء اور پوڈر وغیرہ لگا کر صورتوں کا مثلہ کرتے ہیں، اور یہ حرام، حدیث میں فرمایا ولا تمثلوا۔ کتب فقہ میں ہے المثلة حرام۔ اور یہ تماشائی اُن کی اعانت کرتا ہے کہ اگر یہ لوگ دیکھنے کو نہ جائیں تو یہ تماشے کیوں ہوں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یہ شخص تکثیر سواد کرتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا من كثر سواد قوم فهو منهم۔ یہ شخص ایسے ناجائز کام میں مال ضائع کرتا ہوگا کہ عموماً پیسے روپے دیکر لوگ ناٹک دیکھتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ اور فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ بالجملہ اس میں حُرمت کے چند وجوہ ہیں اور سوانگ تو ہندوؤں کی خالص مذہبی بات ہے جس میں وہ اپنے دیوتاؤں کی نقلیں بناتے ہیں اور گاتے بجاتے ہیں اس میں شریک ہونا بھی حرام ہے۔ ڈاڑھی حدِ شرع سے کم کرنا حرام ہے۔ درمختار میں ہے قطع اللحية مثلة في حق الرجال۔ اور فوائش پر اس کا سکھوں کی مثال دینا سخت جرأت ہے، اور اس میں پہلوئے کفر ہے۔ مسجد اسکی یا کسی کی ملک نہیں، قرآن مجید فرماتا ہے اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ یہ شخص غاصب اور مفتری ہے۔ یونہی اسباب مسجد وقف ہیں۔ وہ اس کی ملک کیونکر ہوسکتے ہیں۔ الوقف لا يملك۔ لہٰذا بربنائے وجوہ مذکورہ بالا اس پر توبہ فرض ہے اور حالت موجودہ میں اس کو امام بنانا گناہ اور اسکے پیچھے نماز ناجائز۔ مسجد اور مال مسجد کسی کی ملک نہیں ہوسکتے، جو شخص ان میں ناجائز تصرف کرے قابل سزا ہے۔

عـه تو یہ ایک اجمالی حکم ہے، اسکی تفصیل یہ ہے کہ یہ شخص جب ایسے منتر پڑھتا ہے جن میں دیوتاؤں سے استعانت ہے تو کافر ہے۔ اس تقدیر پر بدرجۂ اولیٰ

ایسے شخص کو مسجد سے فوراً علیحدہ کر دیا جائے کہ جب یہ اپنی ملک سمجھتا ہے تو اسباب مسجد کو ضائع کر دے گا۔ اس سے میل جول ناجائز اور جو جان کر اس کی اعانت کرے، وہ بھی گنہگار ہے کہ اعانت علی الاثم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز میں آہ کرتا ہے یا کبھی روتا ہے، کبھی ہنستا ہے اور کبھی اس کا ایک پیر اور کبھی دونوں پیر اٹھ جاتا ہے، اگر اس شخص سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو تو وہ شخص جواب دیتا ہے مجھے بے اختیاری سے ہوتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ ہنسی اگر آواز سے ہے تو مفسد نماز ہے پھر قہقہہ کی حد کو ہو تو ناقض وضو بھی، اور اگر آواز پیدا نہ ہو صرف تبسم ہو تو نہ مبطل نماز نہ ناقض وضو، اور پہلی صورت میں اُسکی خود بھی نماز نہ ہوگی، امامت کیا کر سکے۔ اور آہ اوہ کرنا یا آواز سے رونا نماز کو فاسد کرتا ہے مگر جبکہ اضطرار ہو تو مفسد نہیں۔ درمختار میں ہے والانین والتاوہ والتافیف والبکاء بصوت لوجع او مصیبۃ الا المریض لایملک نفسہ عن انین وتاوہ لانہ حینئذ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورۃ۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے ومحل الفساد بہ عند حصول الحروف اذا امکنہ الامتناع عنہ اما اذا لم یمکنہ الامتناع عنہ فلا تفسد بہ عند الکل کما فی الظہیریۃ کالمریض اذا لم یمکنہ منع نفسہ عن الانین والتاوہ لانہ حینئذ کالعطاس والجشاء اذا حصل بہما حروف۔ اور جب بلا اختیار ہے تو امامت بھی کر سکتا ہے اور پاؤں کا اٹھانا مکروہ ہے جب اختیار سے نہیں، مجبوری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۷۶) مسئولہ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب از صدر بازار بریلی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک مسجد میں ہر فرقہ کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور بحیثیت قومیت اعلیٰ۔ ادنیٰ مختلف ہیں۔ ایسی صورت میں کون امامت کے لائق ہے۔

(۲) قوم قصاب، بقر قصاب، بھٹیارہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں اُن کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب (۱)۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ سب نمازی سنی ہیں اور مختلف قوم کے ہیں، لہٰذا ان میں امام وہ بنایا جائے جو نماز وطہارت کے مسائل سب سے زیادہ جانتا اور قرآن مجید صحیح پڑھتا ہو، اور فاسق معلن نہ ہو اگرچہ یہ کسی قوم کا ہو اور اگر

(تقسیمات شیہ صفحہ ۱۲۷) اگی توبہ یہ ہے کہ اس سے برات ظاہر کرے تجدید ایمان کرے اگر بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے جب مکمل توبہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

چند شخص ایسے ہوں تو انھیں جو زیادہ اچھا پڑھتا ہو، پھر وہ جو زیادہ ورع والا ہو، یعنی حرام تو حرام، شبہات سے بھی بچتا ہو، پھر زیادہ عمر والا، پھر وہ جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں، پھر زیادہ وجیہ، پھر وہ جو شرف نسب ہونے میں بہتر ہو۔
تنویر الابصار میں ہے والاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوۃ ثم الاحسن تلاوۃ ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجہا ثم الاشرف نسباً ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر ان میں شرائط امامت پائے جائیں تو کر سکتے ہیں، بلکہ اگر تمام حاضرین میں انھیں کو زیادہ علم ہے تو انھیں کو امام معین کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۷۷) از کلکتہ معرفت عبدالعزیز خانصاحب زکریا اسٹریٹ ۱۱۶ مرسلہ شاہ محمد صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند شخص مسلمان ہیں کہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر در بارہ مذہب اسلام رخنہ اندازی کرتے ہیں حتی کہ امام معین کے ہوتے ہوئے عید الاضحی کی نماز غیر امام کو لیکر جماعت سے علٰحدہ پڑھی جو کہ کبھی اس طرف نہ آیا تھا اور اس کے عقیدے سے بھی کوئی واقف نہیں نہ اس امام کی زبان سے کوئی واقف اگرچہ وہ عربی کیوں نہ ہوں اور چند روپیہ کا معاہدہ بھی ہوا نماز پڑھا دینے کے لئے اور پنجوقتی نماز امام معین کے پیچھے برابر پڑھتے ہیں ابتک لیکن چونکہ نماز عید الاضحی کی شرعاً جائز ہوگی یا نہیں۔ اب امام نے جو مسئلہ بتلایا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا تو ہر نوع کا لیعنی بُرے بُرے الزام امام معین پر قائم کر جاتے ہیں حالانکہ امام معین کے ساتھ جماعت کثیرہ موجود ہے۔

الجواب ۔ ہندوؤں سے میل جول اور وہ بھی اس قسم کا کہ اسلام میں رخنہ ڈالا جائے، یہ مسلمان کا کام نہیں قال اللہ تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہ منھم تم میں کا جو کوئی اُن کی موالات کرے وہ انھیں میں سے ہے۔ بلا وجہ شرعی جماعت میں تفریق اور اجتماع مسلمین میں جو شان وشوکت تھی اُسے کم کرنا یہ بھی ناجائز، نماز عیدین کے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے ہیں، ان میں ایک شرط یہ ہے کہ امام بادشاہ اسلام ہو یا قاضی یا ان کا نائب، اور اگر یہ نہ ہو جیسا کہ یہاں بلاد ہندوستان میں تو عام لوگوں نے جسے امام مقرر کر لیا ہو وہ نماز پڑھائے اور عام لوگوں کا مقرر کرنا اس وقت جائز ہے جب ضرورت ہو، اور اگر ضرورت نہ ہو تو امام مقرر کرنے کا حق نہیں۔ درمختار میں ہے نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مستفسرہ میں کوئی ضرورت نصب امام کی نہ تھی تو یہ دوسری جماعت کہ بلا وجہ شرعی ہوئی ناجائز ہے امام معین پر کسی پر بہتان باندھنا حرام ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ (۱۶۸) از تانڈیر مرسلہ موسیٰ عبداللہ صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ۔

ٹوپی پہن کر امامت کرنی جائز ہے یا کیا اور فضیلت کس میں ہے؟

الجواب ۔ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا افضل ہے حدیث میں اسکی بہت فضیلت آئی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمامہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ٹوپی پہنکر بھی جائز ہے اس میں بھی کراہت نہیں اور ننگے سر نماز مکروہ ہے جب کہ بطور سستی و کسل ہو اور اگر بہ نیت عاجزی و تذلل برہنہ سر نماز پڑھی تو مستحب ہے اور اگر بہ نیت اہانت ہو تو کفر ہے، درمختار میں ہے کرہ صلاتہ حاسراً ای راسہ للتکاسل ولاباس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وتکرہ الصلوٰۃ حاسراً راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذالک تکاسلاً او تھاوناً بالصلوٰۃ ولاباس بہ اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً بل ھو حسن، کذا فی الذخیرۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۶۹) از کاٹھیاوار کتیانہ غوث الوریٰ ہوٹل مرسلہ محمد ضیاء حسین صاحب شاکر ۲۹ رجب ۱۳۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسے مقررہ مستقل تنخواہ دار امام کے متعلق جو حسب ذیل افعال کا دیدہ و دانستہ مرتکب ہوتا ہے۔

(۱) اپنے فرض منصبی کے کما حقہٗ ادائیگی میں غفلت برتتا ہو مصلیوں کی خوشنودی اور ناراضگی کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ اکثر مصلی اس کی نامشروع حرکات کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں۔

(۲) انگریزی تعلیم کی وجہ سے مسائل دینیہ کو اپنے سوء ظن کی وجہ سے خلاف شرع سمجھتا ہو مثلاً فوٹو کھچانا بریں خیال فاسد فوٹو کھچاتا ہو اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہو اور فوٹو سے مکان آراستہ کرتا ہو۔

(۳) سنت رسول کے بجائے سنت انگلینڈ کا پیرو ہو، یعنی سر میں انگلش فیشن بال رکھتا ہو، سوٹ کوٹ وغیرہ یعنی انگلش لباس پہنتا ہو، کرکٹ فٹ بال کھلاتا اور کھیلتا ہو، اور اس کا معاوضہ یعنی اس کا الاؤنس لیتا ہو، شیروانی وصافہ کے باوجود صرف قمیص اور ترکی ٹوپی سے نماز جماعت پڑھا دیتا ہو۔

(۴) سونے چاندی کے بٹن استعمال کرتا ہو۔

(۵) دونوں کان چھیدے ہوئے ہوں، اور اس میں زیور کی قسم سے چاندی کی کیل پہنتا ہو۔

(۶) وَلَا الضَّآلِّیْنَ کو وَلَا الظَّآلِّیْنَ پڑھتا ہو یعنی ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء یا بالدال پڑھتا ہو۔ یہ افعال جائز

ریں یا ناجائز۔ کیا اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بلاکسی نقصان و اکراہ کے ہو جاتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ امام مذکور کا معزول کر دینا واجب، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھی تو اعادہ واجب تصویر کھنچوانا حرام، اور اس کو بروجہ اعزاز رکھنا بھی حرام، اور لوگوں کو ترغیب دینا بھی حرام ہے۔ احادیث اس باب میں بہت ہیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا لایدخل الملئکۃ بیتاً فیہ صورۃ۔ نصاریٰ و فساق کی وضع اختیار کرنا ناجائز۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا، اور ان کی مشابہت سے منع فرمایا۔ کان میں زیور پہننا یا انہیں کیل ڈالنا مردوں کو ئے حرام۔ ضاد کو ظا پڑھنا ما انزل اللہ تعالیٰ کے خلاف پڑھنا ہے، اور قصداً ایسا کرنا حرام اور بہت جگہ نماز بھی فاسد، بلکہ اندیشۂ کفر۔ اس کی کامل تحقیق اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ میں ہے۔ ان تمام امور میں صرف چاندی سونے کے بٹن جبکہ بغیر زنجیر ہوں جائز ہیں۔ اور زنجیر حرام۔ درمختار میں ہے عن السیر الکبیر لاباس بازرار الدیباج و الذھب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۸۰) از بیکانیر ورکشاپ لال گڑھ مرسلہ خلیل احمد صاحب ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ۔

ذیل کے بارے میں اہل شریعت کا کیا حکم ہے کہ ورکشاپ کے قریب میں ایک مسجد ہے جس میں ملازمین نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں، جہاں کے پیش امام حروف کی ادائیگی نہیں کر پاتے تو کچھ لوگوں کے اعتراض پر امام مسجد نے ایک ملازم کو جن کی تجوید صحیح تھی اپنی جگہ متعین کر دیا تو کچھ ملازمین نے یہ اعتراض کیا کہ ملازمین کے پیچھے جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

عرض ہے کہ جو امام مقرر ہے اس میں اتنی قابلیت نہ ہو یعنی پورے مسائل سے واقف نہ ہو اور بعض ملازمین ان سے زیادہ واقفیت رکھتے ہوں اور امام اجازت دے تو وہ نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جب امام صحیح نہیں پڑھتا تو اُسے امام بنانا جائز نہیں، ضروری ہے کہ کسی دوسرے کو امام مقرر کیا جائے جو امامت کی اہلیت رکھتا ہو، ورکشاپ کی ملازمت کوئی ایسی چیز نہیں کہ اسکی امامت جائز نہ ہو، اُن کا یہ اعتراض کہ ملازمین کے پیچھے نماز جائز نہیں، غلط ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۱) از گورہٹی ورکس شاپ ڈاک خانہ زنگس ضلع ہوگلی مرسلہ تجمل حسین صاحب ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

کیا حکم ہے مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جو کہ جوان ہو لیکن اسکی داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو جس کی وجہ سے لوگ اسے بالغ نہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ بالغ ہے۔

الجواب ۔ اَمرد کے پیچھے جبکہ وہ خوبصورت بھی ہو، نماز مکروہ ہے، درمختار میں ہے کذا تکرہ خلف امرد صوالحتار میں ہے الظاہر انہا تنزیہیۃ ایضا والظاہر ایضا کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ مگر جبکہ مقتدی اس کے بالغ ہونے میں شک کرتا ہو اور اسکی صورت اور جثّہ سے مقتدی کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالغ نہیں، پھر اقتدا کرتا ہے یعنی اُسے ناقابلِ امامت جان کر اُس کے پیچھے پڑھتا ہے تو اُس کی نماز ہوگی ہی نہیں، کہ جس کے پیچھے اُس نے نماز پڑھی اُس کے زعم میں اسکی اقتدا نہیں ہوسکتی جیسے مقتدی نے اپنے دانست میں قبلہ کی جہت کے خلاف منھ کیا یا قبل از وقت شروع کردی اور واقع میں قبلہ ہی کی طرف منھ تھا اور وقت ہوچکا تھا تو نماز نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) (۱۸۲) از جگدل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ حافظ فتح محمد صاحب، ۲ محرم الحرام ۴۶؁ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص دنیاوی معاملات میں خصوصا روپیہ کے لین دین میں لوگوں کو مغالطہ دیکر ایک ہفتہ کے لئے روپیہ لیتا ہو اور وعدہ خلافی کرکے ایک یا دو ماہ کے بعد بمشکل روپیہ دیتا ہو اور امانت میں خیانت کرتا ہو، ظالموں اور شہدوں کی امداد کرتا ہو اور انکی صلاح و مشورہ میں رہتا ہو اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈال کر ذلیل کرتا ہو اور اکثر ظالموں کی صحبت میں رہ کر گلی کوچہ اور بازار و چائے خانہ وغیرہ کی سیر کرتا ہو خصوصا چائے خانہ میں بیٹھکر بے فروغ باتوں پر قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو تصدیق کراتا ہو اور جاہل و ظالم کی خوشامد کرتا ہو اور قرآن شریف غلط پڑھتا ہو، ذ، ظ، ض، ص، س، ث، ط، ت، ح، ہ، اخفار اظہار وغیرہ کا لحاظ نہ رکھتا ہو، اور نہ صحیح کرنیکی کوشش کرتا ہو اور دنیا کے کاموں میں نہایت چست و چالاک ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے اور ان کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں۔

(۲) زید بے تنخواہ نماز پڑھا دیا کرتا ہے لوگ عیال دار سمجھکر چرم قربانی و فطرہ عید سے دو، ایک ۔ ترر: دیدیا کرتے ہیں، اب چند دنوں سے غیر مقلدوں نے لوگوں کو ورغلانا شروع کیا کہ فطرہ عید و چرم قربانی کھانیوالوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے، صحیح حکم کیا ہے۔

الجواب (۱) ۔ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے حدیث میں اسے علامات منافق سے فرمایا، ارشاد ہوا أیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی طرح امانت میں خیانت کرنا بھی حرام و گناہ کبیرہ۔ آیات قرآنیہ اس کی حرمت پر ناطق، احادیث کثیرہ اس باب میں وارد ایک حدیث اوپر مذکور ہوئی، دوسری حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی قال

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر۔ ظالموں اور بدمذہبوں سے میل جول رکھنا اور اُن کی مدد کرنا اور اُن کے پاس اُٹھنا بیٹھنا بھی حرام قال اللہ تعالیٰ لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وقال تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وقال تعالیٰ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ یونہی مسلمانوں کو دھوکا دینا اور ذلیل کرنا بھی ناجائز، حدیث میں ہے من غشنا فلیس منا اور جھوٹ بولنا کسے نہیں معلوم کہ سخت گناہ کبیرہ ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں اس پر لعنت وارد ہوئی اور جھوٹی قسم قصداً کھانا اس سے سخت حکم رکھتا ہے قال اللہ تعالیٰ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ۔ حدیث میں فرمایا الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس رواہ البخاری عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

غرض شخص مذکور متعدد وجوہ سے فاسق و فاجر ہے اسکو امام بنانا گناہ اور اُسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، حاشیہ علائی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب اھانتہ شرعاً اور جبکہ قرآن مجید غلط پڑھتا ہو اور تصحیح حروف کی کوشش بھی نہیں کرتا تو خود اُسکی نماز بھی نہیں ہوگی اُس کے پیچھے دوسروں کی کہاں ہو۔ رد المحتار میں ہے فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کذا فی المحیط وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اگر زید مالک نصاب نہیں تو صدقہ فطر اس کو دینا اور اس کا لینا جائز ورنہ ناجائز اور چرم قربانی دینے لینے میں اصلاً قباحت نہیں جس صورت میں اُسے فطرہ لینا جائز ہے اُسپر کچھ الزام نہیں اور یہ کہنا کہ اس صورت میں اسکے پیچھے نماز جائز نہیں بالکل غلط ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۳) از کراچی گارڈن روڈ مرسلہ محمد دین صاحب معلم عربی کیمپ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں :—

(۱) ڈاڑھی کتروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جبکہ حد شرع سے چھوٹی ہو (۲) جو امام بوقت سجدہ اپنے دونوں پاؤں اٹھا لیتا ہو (۳) جو امام چار پانچ مرتبہ کھجلاتا ہو اور شملہ کے ساتھ کھیلتا ہو اور واسکٹ کے بٹن کھولتا ہو (۴) جو امام فرقہ نجدیہ کے ساتھ بیٹھتا ہو اور اس کی ناپاک حرکت پر خاموش رہتا ہو (۵) جو امام یا مؤذن سود خوار ولد کے گھر دن

کی روٹی کھاتا ہو اور اُن کی خوشامد کرتا ہو اور اگر مسجد میں آئے تو اُنکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہو (۶) جو امام بغیر کسی عذر کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتا ہو اور منع کرنے پر یہ جواب دیتا ہو کہ مکہ مکرمہ کی مسجد میں پڑھایا جاتا ہے (۷) جو امام کہ اس کو خونی بواسیر ہو تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، قرآن و حدیث و فقہ سے اس کا جواب دیا جائے۔

الجواب۔ سوال میں بعض وہ باتیں ہیں کہ اگر وہ نماز میں پائی جائیں تو نماز فاسد ہو جائے تو جب امام کی نماز جاتی رہی تو مقتدیوں کی کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے کہ مقتدیوں کی نماز کا صحیح ہونا امام کی نماز پر موقوف ہے مثلاً سجدہ کے وقت دونوں پاؤں کا زمین سے اُٹھا رہنا کہ اس صورت میں سجدہ نہ ہوا جب سجدہ نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی سجدہ میں پاؤں کی ایک انگلی لگنا فرض ہے۔ درمختار میں باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے ومنہا السجود بجبہتہ وقدمیہ ووضع اصبع واحدۃ منہما شرط۔ ردالمحتار میں ہے افاد انہ ان لم یضع شیئا من القدمین لم یصح السجود۔ بحرالرائق میں ہے حقیقۃ السجود وضع بعض الوجہ علی الارض مما لا سخریۃ فیہ فدخل الانف وخرج الخد والذقن واما اذا رفع قدمیہ فی السجود فانہ مع رفع قدمیہ بالتلاعب اشبہ منہ بالتعظیم والاجلال۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو سجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لا یجوز ولو وضع احدہما جاز مع الکراہۃ ان کان بغیر عذر کذا فی شرح المنیۃ لابن امیرالحاج ووضع القدم بوضع اصابعہ وان وضع اصبعاً واحدۃ۔ یونہی اگر ایک رکن کے اندر تین بار کھجلاتا ہے یا بٹن کھولتا ہے تو عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، تمام کتابوں میں عمل کثیر کو مفسد نماز لکھا ہے اور شلہ کے ساتھ اگر فعل عبث کرتا ہے ایک آدھ دفعہ ہے تو مکروہ تحریمی ورنہ وہی عمل کثیر اور مفسد نماز۔ درمختار میں ہے وکرہ عبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنہی۔ ردالمحتار میں ہے وہی کراہۃ تحریمیۃ کما فی البحر۔ اور ایسی نماز جو مکروہ ہو اس کا اعادہ واجب۔ درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تجب اعادتہا۔ اور اگر وہابیوں سے صرف میل جول وہ امام رکھتا ہے مگر خود اُسمیں وہ عقائد نہیں تو گنہگار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ اور اسمیں وہابیہ کے عقائد بھی ہیں تو وہابی ہے اس کو امام بنانا بالکل ناروا یونہی اسکی داڑھی حد شرع سے کم کرنا جب اس کی عادت ہو تو فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ حاشیہ طحاوی میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً۔ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ فرض ادا ہو جاتا ہے نہ یہ کہ اُس کو خواہ مخواہ امام بنایا جائے اسکے پیچھے نماز ضرور مکروہ ہوگی۔ غرض یہ امام ضرور امامت سے

معزول کیا جائے اور اُس کی جگہ کسی صالح سنّی مسلمان کو جو ارکان و واجبات کی مُراعات کرتا ہو مقرر کیا جائے۔ اور اگر بواسیر کی وجہ سے معذور ہو گیا کہ ہر وقت رطوبت یا خون بہتا رہا کہ نماز کے ایک وقتِ کامل کو گھیر لیا اور اب بھی کوئی پورا وقت نماز کا ایسا نہیں گذرتا کہ اُس میں ایک دفعہ بھی نہ بہے تو ایسا شخص ان لوگوں کی امامت نہیں کر سکتا جو اس مرض سے معذور نہیں۔ اور اگر یہ شخص معذور کی حد کو نہیں پہنچا تو امامت کر سکتا ہے جبکہ کوئی دوسری خرابی اُس میں نہ ہو۔ نمازِ جنازہ ہمارے نزدیک مسجد میں پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی کے سامنے ایک جگہ تھی جس میں نمازِ جنازہ پڑھی جاتی تھی اگر مسجد اس کام کے لئے ہوتی تو اُس کے پاس ایسی جگہ کیوں مہیا کی گئی۔ نیز دیگر احادیث میں وارد کہ جو شخص مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھے اس کے لئے کچھ ثواب نہیں یا اس کی نماز نہیں۔ درمختار میں ہے وکرہت تحریماً وقیل تنزیہاً فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض قوم والمختار الکراھۃ مطلقاً خلاصۃ بناءً علٰی ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ و توابعہا کنافلۃ وذکر وتدریس علم وھو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علٰی میت فی المسجد فلا صلوٰۃ له ردالمحتار میں ہے ھذہ روایۃ ابن ابی شیبۃ وروایۃ احمد وابی داؤد فلا شیٔ علیه وابن ماجۃ فلیس له شیٔ وروی فلا اجر له وقال ابن عبد البر ھی خطأ فاحش والصحیح فلا شیٔ له۔　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۳) مرسلہ شیخ محمد شفیع صاحب منصرم محکمہ مال ریاست اودے پور

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں باب کہ زید حافظ قرآن ہے اور اکثر تراویح میں قرآن شریف ختم کرتا ہے لیکن یہ شخص روزہ نہیں رکھتا جب چند لوگوں نے ترک صوم کے متعلق دریافت کیا تو کہتا ہے مجھے خاص مرض لاحق ہے حالانکہ ظاہراً اس پر کسی مرض کا اثر نمایاں نہیں۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ دن میں یاد کرکے رات میں سناتا ہوں جس میں کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے مجبور ہوں۔ اور جس وقت وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کے منہ میں پان تمباکو ہوتی ہے ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اور ایسا شخص قابل امامت ہے علاوہ ازیں غیبت وبہتان کی اسکی عادت ہے۔

نماز تراویح میں آخر قرآن کی سورتیں بعض جگہ پڑھی جاتی ہیں (الم ترکیف) سے الناس تک اور نعوذ بکلی سورہ الناس تک۔ اور بعض جگہ سورۂ رحمٰن سے نماز ختم کی جاتی ہے، تو سب سے زیادہ فضیلت کس میں ہے۔ بروئے فقہ وحدیث صحیحہ مشرح طور سے تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ اگر واقعی وہ ایسا مریض ہے کہ روزہ اس کے لئے مضر ہوتا ہے تو اُس کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اور اتنے دنوں کے روزے دوسرے دنوں میں رکھنا فرض ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ اور اگر ایسا مریض نہ ہو تو روزہ چھوڑنا حرام اور یہ شخص فاسق، مرتکب کبیرہ ہے۔ اور اگر قرآن مجید یاد کرنے کے لئے روزہ چھوڑتا ہے تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنا حرام و فسق ہے، روزے سے قبل یاد کرے سنت کے لئے فرض نہیں چھوڑا جاسکتا، جن صورتوں میں فاسق ہے اگر وہ ہوں تو اُس کو امام بنانا گناہ، اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اگر وہ غیبت و بہتان کا عادی ہے، جب بھی مرتکب کبیرہ ہے، اور علی الاعلان ہو تو اُس کو امام بنانا گناہ۔ اور تراویح تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ان میں افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۵) (۲) زید امامت کرتا ہے چند بدمعاش اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، اُنکی نیت ہوتی ہے کہ امام غلطی کریں اور ہم اُس کی برائی کریں بلکہ بعض بعض وقت مغالطہ دینے کی غرض سے لقمہ دیتے ہیں، اور بعد نماز وہ لوگ امام کا تمسخر کرتے ہیں، اور خود امام ہونا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اہل حرفت سے ہیں اور جاہل ہیں اور بعض قرآن کو پڑھے ہوئے نجیب الطرفین ہیں۔ نجیب الطرفین امام کے نسبت یہ اُن کا خیال ہے، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ یہ لوگ سخت بے باک اور گنہ گار ہیں، نماز اس لئے نہیں کہ اسمیں ایسی مہمل حرکات کی جائیں قال اللہ تعالیٰ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ اگر یہ لوگ ایسی حرکات شنیعہ کے عادی ہیں تو انھیں امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۶) از ٹیا گڈھ ۲۴ پرگنہ مرسلہ جناب رحمت حسین و پیر محمد صاحبان ۳۰ رجب ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ قرآن ہے نماز تراویح و اکثر نماز فرض بھی پڑھا دیا کرتا ہے زید نائب قاضی بھی ہے نکاح وغیرہ بھی پڑھا دیا کرتا ہے۔ زید نے اپنے بھائی کے سالے کی لڑکی سے ناجائز تعلق پیدا کیا بعدہٗ اپنے پاس لاکر رکھ لیا بغیر نکاح و طلاق کے، اس لڑکی سے ایک دو بچے بھی ہوئے، تو کیا ایسی صورت میں وہ امامت کر سکتا ہے، اور اُس سے نکاح پڑھوانا کیسا ہے۔

الجواب۔ صورت مستفسرہ میں زید فاسق معلن ہے اور اسکو امام بنانا ناجائز و گناہ اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی جس کا اعادہ واجب، حاشیہ شرح علائی در درالمختار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہ اھانتہ شرعاً اس کا پڑھایا ہوا نکاح اگرچہ منعقد کہ اُس کے لئے صالح و پرہیزگار ہونا شرط نہیں مگر جب اس سے بہتر دوسرے موجود ہوں

تو ایسے شخص سے یہ کام کیوں لیا جائے بلکہ اس سے میل جول بھی نہ کیا جائے قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۷) از بنارس کچی باغ مرسلہ جناب نور الحق صاحب پسر منشی محمد حسن حاجی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

جو شخص باراتوں میں مردوں سے دف بجوائے خواہ تال کے ساتھ ہو یا بغیر تال ہو گے، اس قسم کی باراتوں میں جو شخص شرکت کرے تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں، اور اگر نا جائز ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا نہیں، اور نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں اور اگر مکروہ تحریمی نہیں تو حکم شرعی کیا ہے۔

الجواب ۔ شادیوں میں دف بجانا جائز بلکہ مندوب، عید و شادی کے موقع پر دف بجانا احادیث سے ثابت ہے بلکہ ان مواقع کے غیر میں بھی اگر دف بجایا جائے تو نا جائز نہیں یہ کہا جاسکتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے سُئل ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ من الدف انکرهه فی غیر العرس بان تضرب المرأة فی غیر فسق للصبی قال لا اکرهه واما الذی یجئ منه اللعب الفاحش للغناء فانی اکرهه کذا فی محیط السرخسی ولا باس بضرب الدف یوم العید کذا فی خزانۃ المفتین اھ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۸) از بانس بریلی ڈاک خانہ امبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) ضرورت سے یا بے ضرورت چشمہ لگا کر نماز پڑھانا یا امامت کرنا کیسا ہے۔ (۲) مسئلہ ۔ ہاتھ میں گھڑی لگا کر نماز پڑھنا یا امامت کرنا کیسا ہے۔

الجواب (۱) چشمہ لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے ضرورت سے ہو یا بغیر ضرورت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو باندھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کسی دھات سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اُسے اُتار کر نماز پڑھنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ع کراہت کی علت یہ ہے کہ کسی دھات کی چین باندھنا اگرچہ گھڑی کے ساتھ ہو نا جائز ہے جیسا کہ احکام شریعت اور الملفوظ میں ہے۔ اور حرام شی پر جب ہو کر نماز مکروہ ہے شرح مقدمہ غزنویہ۔ پھر فتاویٰ القویہ میں ہے تکرہ الصلوٰۃ فی ثوب الحریر وعلیہ ایضا لانہ محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلوٰۃ ففیہا اولی قال فی الرضویۃ وقولہ وعلیہ ایضا مبنی علی قولہما من حرمۃ افتراش الحریر والا فہو جائز عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان المحرم لبسہ لا ساترہ دیوۃ الاستمتاع کما فی رد المحتار وغیرہ فتحریکہ الصلوٰۃ علیہ وان جاز افتراشہ لان الصلوٰۃ لیست بموضع الترفہ فالکراہۃ تنزیہۃ ۔ اقول وانی الی الآن فی تردد فی عدم جواز شد الساعۃ من حدید کان او نحاس او صفر وان کان من فضۃ لانہ قال فی الدر المختار ولا یتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقا الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہا ای الفضۃ اذا لم یرد بہ التزین ونحوہا ولا بکرا فی المنطقۃ حلقۃ حدید او نحاس وعظم سو قال الامام احمد رضا قدس سرہ فی الطیب الوجیز فی بیان الاشیاء التی یجوز من الفضۃ (۱) پٹی یا جائز نہیں (۲) واش مشرق (۳) تلوار کا پر کر طش

مسئلہ (۱۸۹) ازمقام کھرواڈاکخانہ ٹیلنا گڑھ ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ محمد طاہر حسین صاحب میاں باڑی ذال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو مولوی قاضی وحنفی ومسجد کا امام ہے اور مالی حیثیت سے اہل نصاب ہے، ایسی حالت میں مال صدقات زکوۃ صدقۃ الفطر چرم قربانی نذر وغیرہ خود جمع کرتا ہے اور کھاتا ہے اور جھوٹ بولنا اور گالی دینا، امانت میں خیانت کرنا، مسلمانوں کا مال دھوکا وفریب سے کھانا، اسلام کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنا، وعدہ خلافی کرنا، چغلی کرنا، یہ تمام علامات نفاق اسکی ذات میں موجود ہیں، ایسے شخص کو امام مقرر کرنا چاہئیے یا نہیں۔ اور اگر ایسا شخص امام مقرر شدہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ۔ جبکہ عمرو مالک نصاب ہے تو اسے زکوۃ وصدقات واجبہ مثلاً صدقۂ فطر ونذر اپنے لئے لینا ناجائز وحرام ہے اور انکو دینے سے زکوۃ وصدقۂ فطر وغیرہا ادا بھی نہ ہوں گے، دینے والوں پر شرعی مطالبہ بدستور باقی رہیگا قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الاٰیۃ۔ اور چرم قربانی غنی کو بھی دے سکتے ہیں، اس کے لئے مصرف زکوۃ ہونا شرط نہیں۔ اب وہ شخص اُن افعال کا مرتکب ہے جو سوال میں مذکور ہیں تو اُسے امام مقرر کرنا ناجائز ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو لوٹانی واجب، وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو امامت سے معزول کر دیں اور کسی لائق امامت کو امام بنائیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۰) ازمقام بیراٹھ یوسف غازی کا تھانہ ریاست الور راجپوتانہ مرسلہ نذیر خاں چھوٹے خاں

۳ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کسی مسجد میں پنجوقتہ امامت کرتا ہے اس کے دو لڑکے جوان وعاقل علانیہ زنا کرتے ہیں، وہ امام صاحب اپنے لڑکوں کے ساتھ شامل ہو کر کھانا کھاتے ہیں اور تعلقات روزمرہ ضروریات واختلاط وابستہ رکھتے ہیں اور شامل رہتے ہیں، آیا ایسے امام کے لئے صورت مذکورہ بالا میں شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب ۔ امام کو چاہیے کہ جب اُن کے لڑکے ایسے کبیرہ شدیدہ کے مرتکب ہیں تو اُن سے علٰحدگی اختیار کریں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ اور حدیث میں ارشاد فرمایا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔

حقق فی ہذہ المسئلۃ علی صفحہ ۱۳ فقال قوبتر اس سے احتراز ہے وہولا یمنعہ عدم الجواز۔ احکام شریعت والملفوظ فیساوی الحبیب الوجیز فی الضبط والحرز فہو عندہ مرجح علی احکام شریعت والملفوظ۔ فلیتأمل والعبد واللہ تعالیٰ اعلم ا بجلدی

مسئلہ (۱۹۱) از امام نگر ضلع بالیسر مرسلہ ملا محبیب الرحمن صاحب ۵ رصفر المظفر ۱۳۳۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص قرآن شریف غلط پڑھتا ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز جیسا کہ وَلَا الضَّالِّیْنَ ڈ کی مدنہ کھینچنا یا ض کو ظ پڑھنا، غرضیکہ قرآن شریف غلط پڑھتا ہو۔

الجواب ۔ غلطیاں بعض ایسی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض سے فاسد نہیں ہوتی، جو غلطی ایسی ہے کہ اُس سے معنی فاسد ہو جائیں اُس سے نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں، ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے اکثر جگہ معنی فاسد ہو جاتے ہیں اور نماز جاتی رہتی ہے اور بعض جگہ نہیں، مگر یہ اُس صورت میں ہے کہ بلا قصد ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا اور قصداً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا قرآن کو بدلنا اور تحریف کرنا ہے اور یہ یقیناً حرام ہے بلکہ اسمیں احتمال کفر ہے اور اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ اُس سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو خود اُس کی نماز ہو جائیگی بشرطیکہ کوشش کرتا رہے کہ صحت کے ساتھ ادا ہو اور کوشش نہ کرے تو خود اسکی نماز بھی نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے ولو زاد کلمۃ اونقص کلمۃ اونقص حرفا اوقدمہ اوبدلہ باخر نحو تفسد مالم یتغیر المعنی الا ما یشق تمیزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم یفسدھا اور جو بے پرواہی سے غلط پڑھتا ہے یا تصحیح حروف کی کوشش نہیں کرتا اُس کی اپنی نماز بھی نہ ہوگی وہ امامت کس طرح کرسکتا ہے۔

بالجملہ امام کے لئے بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ تصحیح ضروری ہے اور غلط پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف۔ یہ حکم حروف کی صحت اور غلطی کا ہے، ان کے علاوہ اگر مد وشد واظہار واخفاء وغیرہا ضروریات تجوید کی اگر مراعات نہ کی تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس کے پیچھے اقتداء صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۹۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے نماز فجر میں قبل جماعت اس خیال سے فرض پڑھ لی کہ جو صاحب فرض پڑھانے والے تھے وہ ڈاڑھی کترواتے تھے، نیز خیالات بھی ان کے کچھ وہابیوں کی جانب جھکے ہوئے تھے لیکن بعد کو عمرو نے زید ہی کو نماز پڑھانے کو کھڑا کر دیا، زید بوجہ شرم نہ کہہ سکا کہ میں فرض پڑھ چکا ہوں بلکہ فرض پڑھا دیئے، ایسی حالت میں شرع شریف میں زید کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب ۔ زید جبکہ فرض نماز پڑھ چکا تھا تو ہرگز اسے امام بننا جائز نہ تھا کہ اولاً وہ متنفل ہے اور متنفل کے پیچھے فرض

والوں کی اقتدا صحیح نہیں، اس نے لوگوں کی نمازیں خراب کیں، ثانیاً چونکہ وہ نماز فجر پڑھ چکا تھا، اب اُسے نفل نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی کہ یہ وقت نفل نماز کا نہیں، زید توبہ کرے اور تمام مقتدیوں کو جو اس نماز میں شریک تھے خبر کردے کہ مجھ سے ایسا ہوا تم اُس دن کی نماز فجر پڑھ لو ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۳) از ریاست پالن پور موضع ڈیسہ محلہ میران مرسلہ جناب مولوی محمد ظہور احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک محلہ کی مسجد کا پیش امام ہے محلے کے چند اشخاص اس سے خوش ہیں، بقیہ تمام ناراض ہیں، علاوہ ازیں دوسرے محلوں کے تمام مسلمان ناراض ہیں اور زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اور زید جھوٹ بولتا ہے اور لوگوں کو دھوکا بھی دیتا ہے، زید کے محلے کے ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اسکے بچے یتیم ہوگئے، زید نے ان یتیم بچوں کا مکان ایک رشتہ دار سے خرید لیا اور دوسرے کے نام رجسٹرڈ کرالیا، محلے میں جب یہ خبر ہوئی تو زید سے پوچھا گیا تو زید نے جواب دیا، میں نے نہیں لیا، حالانکہ فی الحال وہ اسی مکان میں رہتا ہے، مذکورہ پیش امام کی وجہ سے محلے میں ہر وقت فساد ہوتا ہے اور تمام محلہ مقدمہ بازی میں خراب ہو رہا ہے۔ چند اشخاص اس کے پشت پناہ بنے ہوئے ہیں، جو ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ بقیہ اپنے گھروں میں یا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے ازروئے شرع شریف نماز پڑھنا کیسا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد کی پیش امامت سے الگ کیا جائے یا نہیں۔

الجواب ۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ و فسق ہے اور جھوٹ کی برائی اور قباحت سے کون واقف نہیں۔ اور جھوٹ بولنے والا فاسق ہے اگر وہ علانیہ اس کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کو امام بنانا ناجائز اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ ردالمحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ لہٰذا اگر زید میں یہ بدخصلت ہو تو اسکو معزول کرکے دوسرے متقی صالح امامت کو امام بنائے اور ایسی حالت میں اس کی اعانت و طرفداری ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیکی اور پرہیزگاری پر باہم اعانت کرو، گناہ اور ظلم پر اعانت نہ کرو۔ اور جبکہ زید سے عموماً اہل محلہ متنفر ہیں اور یہ تنفر خود زید کی حرکات کے سبب سے ہے، تو ایسے امام کی نسبت حدیث میں یہ آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثلثۃ لاتجاوز صلاتھم اذانھم العبد الآبق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط وامام قوم وھم لہ کارھون تین شخص ہیں کہ ان کی نماز کانوں سے تجاوز نہیں ہوتی (قبول نہیں ہوتی)، غلام بھاگا ہوا جب تک واپس نہ آئے اور عورت جو اس حالت میں رات گذارے کر

اس کا شوہر ناراض ہے اور کسی قوم کا امام جبکہ وہ لوگ اس سے کراہت کرتے ہوں (رواہ الترمذی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دوسری حدیث یہ ہے کہ ارشاد فرمایا ثلثۃ لا تقبل منھم صلاتھم من تقدم قوما وھم لہ کارھون۔ الحدیث تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ انہیں ایک وہ شخص ہے جو کسی جماعت کا امام بن جائے اور وہ لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تیسری حدیث یہ ہے کہ ارشاد فرمایا ثلثۃ لا ترفع لھم صلاتھم فوق رؤسھم شبرا رجل ام قوما وھم لہ کارھون۔ الحدیث تین شخصوں کی نماز سر سے ایک بالشت بھی اونچی نہیں جاتی، ایک وہ مرد کہ کسی قوم کی امامت کرے اور وہ لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں (رواہ ابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بالجملہ اگر زید کی یہی حالت ہے جو سوال میں مذکور ہے تو اسکو امامت سے جُدا کر دیا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۴) از سورئی بے پورکشن پور بازار مرسلہ جناب حامد حسن صاحب ۲۳ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ ایک مشہور عالم ہے جو نماز کی تکبیرات انتقال میں بجائے اَللّٰہُ اَکبَر کے اَللّٰہُ اَکبَدْ کہتا ہے حالانکہ دوسری جگہ (ر) صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرتا ہے، دریافت کرنے پر کوئی بات نہیں بتلاتے۔

(۲) زید رکعت اولیٰ کے سورۂ فاتحہ میں مَغْضُوْبِ کے (ض) کو مشابہ ظاء، اور وَلَا الضَّآلِّیْن کے (ض) کو مشابہ دال پڑھتا ہے۔ اور دوسری رکعت میں جملہ اول کی (ض) کو دال اور جملہ ثانیہ کے (ض) کو ظاء پڑھتا ہے، باقی قرآت قرآن پاک میں اپنی حسب مرضی جہاں جو جی چاہے گا پڑھے گا۔

(۳) زید آیات سجدہ کی تلاوت پر سجدہ نہیں کرتا، اندرون نماز ہو یا بیرون نماز اور نماز میں قصداً آیت سجدہ پڑھی اور بعد اختتام آیت فوراً رکوع کر لیا۔ اور بیان کیا کہ رکوع کر دینے سے سجدہ باقی نہیں رہتا، اور بیرون نماز اس کی بھی ضرورت نہیں، ہر چند دریافت کیا گیا مگر کوئی عبارت فقہ و حدیث دکھانے سے عاجز رہا۔ ایسی صورت میں نماز کے متعلق کیا حکم ہے اور ایسے شخص کو امام بنانا چاہیے یا نہیں۔

الجواب (۱)۔ اکبَد کی (ر) کو دال پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ہر حرف کو صحیح طور پر ادا کرنا لازم ہے، اور ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھنے میں اگر معنیٰ فاسد ہوتے ہیں تو نماز نہ ہوگی اور قصداً پڑھنا بہر حال حرام و گناہ ہے کہ تحریف کلام اللہ ہے، غرض جب اسکی یہ حالت ہے تو امامت نہیں کرسکتا

واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سجدۂ تلاوت واجب ہے، در مختار میں ہے یجب بسبب تلاوۃ من اربع عشرۃ اٰیۃ۔ البتہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی اور فوراً رکوع کر دیا اور رکوع میں سجدہ کی نیت کرلی تو اس رکوع سے بھی سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور اگر رکوع میں نیت نہیں کی اور اسکے بعد سجدہ کر لیا تو اسی سجدۂ نماز سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوگیا۔ در مختار میں ہے و

تؤدی برکوع صلاۃ اذا کان الرکوع علی الفور من قراءۃ اٰیۃ او اٰیتین وکذا الثلث علی الظاہر کما فی البحر ان نواہ

ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح وتؤدی بسجودھا کذالک ای علی الفور وان لم ینو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں، (۱) کیا از روئے شرع بغیر اہلیت امامت مسجد میں توریث جائز ہے، اور باپ کے بعد پسر کو حق امامت بغیر شروط امامت حاصل ہوتا ہے۔

(۲) زید جو امامت کی اہلیت نہیں رکھتا اپنے باپ کی امامت کے زمانہ میں، ایک ریاست سے پانچسو روپیہ سالانہ حق امامت مقرر کرا دیا ہے، باپ کے مرجانے کے بعد محض اس روپیہ کے لالچ میں خود امام مقرر ہوگیا ہے، حالانکہ ایک روز بھی اپنی نااہلی کی وجہ سے امامت نہیں کرتا نہ اہل شہر اس کی اقتدا کرتے ہیں، بلکہ زید اس رقم مقررہ میں سے کچھ معاوضہ دے کر ایک اجیر مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ نماز پڑھائے، باقی کل روپیہ خود کھاتا ہے، جو کہ اصل امام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ پس اس کا اس روپیہ کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔ اور ایسے شخص کی معاونت کہ آئندہ بھی پاتا رہے جائز ہے یا نہیں۔

(۳) زید مذکور تارکِ صلوٰۃ و تارک جماعت، اور ایک پیر سے لنگڑا ہے کہ حالت قیام میں ایڑی زمین سے نہیں لگتی، اور ایک ہاتھ سے ٹُنڈا ہے کہ نیت کے وقت اس کے ہاتھ کانوں تک یا کمر تک نہیں پہونچتا، بائیں ہاتھ سے لکھتا اور کھاتا ہے۔ لہٰذا یہ مستحق امامت ہے یا نہیں اور اسکو اپنی طرف سے اجیر مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۴) جبکہ شہر و محلہ میں چند ایسے اشخاص بلا معاوضہ نماز پڑھانے کے لئے مل سکتے ہیں جو متقی و پرہیزگار اور امامت کے اہل ہوں، محض روپیہ کی وجہ سے گریز کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں کسی اجیر کو بطور ملازم رکھکر نماز پڑھوانا، اور بعض مسلمانوں کو اس امر میں ساعی رہنا کہ زید مذکور ہی فرضی امام رہے، عند الشرع کیا ہے۔

(۵) زید مذکور جو اپنی طرف سے نماز پڑھانے کے لئے اجیر رکھتا ہے ان کی مقررہ اجرت اس وقت تک نہیں دیتا جبتک کہ مطالبہ باہمی سے گذر کر معاملہ حکومت تک نہ پہونچ جائے۔ پس زید کا نماز پڑھانے پر بھی اجرت ادا نہ کرنا زید کو مفسد و غاصب نہیں قرار دیتا۔ ایسے شخص کو امامت سے علیحدہ کرنا چاہئے یا نہیں۔

(۹) زید نے لطیع نفسانی اپنے نابالغ لڑکے کو جسکی عمر پانچ سال ہے، امام بنادیا یعنی ایک دستاویز لکھدیا کہ میں جامع مسجد کا امام و خطیب ہوں میں اپنی طرف سے اپنے لڑکے فلاں کو امام و خطیب اور متولی مقرر کرتا ہوں اور اسپر اہل شرع کے دستخط ہیں، اور اسی کے ساتھ ایک درخواست بھیجتا ہے جسمیں یہ لکھا گیا ہے کہ امامت کی مقررہ رقم اسی کو نام منتقل کردی جائے جس پر شہر کے امراء و روساء کے دستخط ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کی دغابازی حد کو پہونچی یا نہیں، جبکہ کاغذ میں امام جدید کی عمر ظاہر نہیں کی گئی ہے۔ کیا ایسا نابالغ بعد بلوغ نا اہل ہوں تو امام بن سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب (۱) وراثت مال میں جاری ہوتی ہے، اور امامت مال نہیں جسمیں وراثت جاری ہو۔ اگر امام کی اولاد ہو جب بھی محض اس وجہ سے امام نہ ہوگی کہ اس کا باپ امام تھا، بلکہ باپ کے مرنے کے بعد اگر متولی و اہل مسجد نے اسکی اولاد کو امام مقرر کیا تو امام ہے اور دوسرے کو امام مقرر کیا تو دوسرا امام ہوگا۔ صرف امام کا بیٹا ہونا امامت کیلئے کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب زید کبھی نماز پڑھتا ہی نہیں تو امام بھی نہیں اور امامت کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں کہ اجرت کے لئے عمل ضروری ہے اور کام کیا ہی نہیں تو تنخواہ کس چیز کی لے گا ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جب وہ نہ امام ہے نہ نماز پڑھاتا ہے تو یہ سوال فضول ہے، ہاں اگر مطلب یہ ہے کہ اسکو امام مقرر کیا جائے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تارک نماز ہونیکی وجہ سے فاسق ہے، اور فاسق کو امام مقرر کرنا ناجائز ہے۔　واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) فرضی امام کوئی چیز نہیں، امام وہ ہے جو نماز پڑھائے، اور مسجد کا روپیہ بلا وجہ کسی کو دینا ناجائز ہے، اور اس کے لئے سعی کرنا بھی ناجائز ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) جب زید امام ہی نہیں تو امامت سے علیحدہ کرنے کے کیا معنیٰ، البتہ بلاوجہ اس کو مسجد کا روپیہ دینا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

(۶) جبکہ لڑکے کی عمر پانچ سال ہے تو وہ کس طرح امام ہوسکتا ہے اور اس کو امام و خطیب مقرر کرنا اور اس کی تنخواہ اسکو دلانا جائز نہیں ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۶) مرسلہ جناب محمد باب اللہ صاحب پیش امام مسجد از مقام حاجی نگر چنگل، ضلع چوبیس پرگنہ۔

ایسا شخص جو عام لوگوں سے نماز و طہارت کے مسائل زیادہ جانتا ہے اور علم بھی زیادہ ہے، علماء کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے۔ قرآن عظیم بھی صحیح پڑھتا ہے، ساٹھ ستر برس کی عمر ہے، دانت وغیرہ بھی درست ہے، جہانتک خیال کیا جاتا ہے متقی بھی ہے۔ ایسا شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

(۲) امام اگر صاحب نصاب نہ ہو یا ہو مگر دین میں مستغرق ہے، اس کو صدقہ فطر یا زکوٰۃ کی رقم یا صدقہ میت لینا جائز ہے، یا ناجائز، اور ان صدقات کے لینے سے اس کی امامت میں کوئی نقص واقع ہو گیا یا نہیں، جبکہ امامت کا معاوضہ سمجھ کر نہیں لیتا، اور دینے والوں کا بھی ایسا خیال نہیں۔ بینوا توجروا

(۳) ایسا شخص جنکی صفات اوپر مذکور ہوئیں، اسپر جھوٹا الزام لگا کر امامت سے علٰحدہ کرنا حتی کہ اسپر بیٹی کے ساتھ زنا کا اتہام لگانا کیا حکم رکھتا ہے۔ ان اتہام لگانے والوں کی کیا سزا ہے، جس کا ثبوت شرعی تو درکنار، رواج پنچائت کے طور پر بھی ثابت نہ کر سکے۔ نیز شخص مذکور کی بی بی خود موجود ہے اور اس کا داماد بھی، اور اس کی لڑکی سسرال میں رہتی ہے جہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جبکہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہے، اس کے مکان پر شکایت کا کوئی ذکر نہیں۔ اسپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ لڑکا امام کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، گواہوں سے زبردستی کہلایا جاتا ہے، گواہ بھی صرف ایک آدمی ہے وہ بھی صاف انکار کرتا ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے سب جھوٹ ہے۔ اور جو مولوی صاحبان اتہام لگانے والوں کی تائید و مغا اور پیروی کرتے اور خود بھی اس اتہام کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے، عندالشرع و عنداللہ دونوں کی کیا سزا ہے۔ بینوا توجروا

(۴) ایسے الزام کے ثبوت کے لئے ایک شخص کو گواہی دینے پر آمادہ کرنا اور اگر وہ گواہی دینے سے انکار کرے تو اس کو دھمکی دینا کیسا ہے۔ اور اگر گواہی دے اور وہ بھی سماعت کی نہ چشم دید کی، تو کیا ایسی گواہی کی بنا پر ثبوت ہو جائیگا۔

الجواب (۱) امام کے لئے یہی چاہئے کہ مسائل نماز و طہارت سے واقف ہو اور اسپر عامل ہو اور فاسق معلن نہ ہو، فواحش سے بچتا ہو، ایسا ہے تو اسکی امامت میں حرج نہیں، اور جب سب لوگوں سے یہی شخص بہتر ہے تو یہی مستحق ہے۔ واللہ اعلم

(۲) ایسا شخص صدقہ فطر اور زکوٰۃ لے سکتا ہے جبکہ لینا اور دینا اجرت امامت میں نہ ہو۔ امامت میں اس کی وجہ سے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) زنا کی تہمت لگانے والا جبکہ چار مردوں کو گواہ نہ پیش کر سکے جو چشم دید زنا کرتے دیکھنا بیان کریں، تو اسی درے کا شرعی مستحق ہے اور فاسق ہے اور اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے نامقبول، اور گواہ بھی اسی سزا کا مستحق جبکہ چار سے کم ہوں۔ اب کہ حکم شرعی جاری نہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص سے مقاطعہ کریں، اس کے ساتھ کھانا پینا، ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

(۴) جھوٹی گواہی پر آمادہ کرنا حرام اور گواہی دے تو یہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۷) از کوہ مری مرسلہ باشندگان کوہ مری بذریعہ حکیم عبدالخالق صاحب ۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مورخہ ۷ر اکتوبر کو ۸ بجے شام کوہ مری آریہ سماج مندر میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ کوہ مری کی بستی بس ممبران پنچایت کا انتخاب کیا جائے جہاں تقریباً ایک سو آدمی کا مجمع تھا۔ کام کے شروع میں مغرب کی اذان ہوئی تو مولوی محمد سعید صاحب امام جامع مسجد اس مجمع میں موجود تھے جنھوں نے اذان کا کوئی خیال نہ کیا، یہاں تک کہ نماز کا وقت ضائع ہوگیا۔ پھر تو مسلمان اذان سن کر نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ امام مسجد موصوف کی بے توجہی کی وجہ سے بھی باقی مسلمان جو وہاں موجود تھے ان کی نماز بھی قضا ہوگئی۔ سب مسلمان اسی خیال میں تھے کہ امام مسجد اٹھیں تو ان کے ساتھ ہم بھی نماز ادا کریں، حالانکہ مولوی سعید صاحب کا اس اجلاس میں رہنا غیر ضروری تھا ان کا کوئی ذاتی کام نہ تھا، بلکہ لاپرواہی سے انھوں نے اپنی نماز بھی ضائع کردی اور ساتھ ہی باقی مسلمانوں کی قضا کرادی، ایا ایسا مولوی امامت کے لائق ہے یا نہیں، از روئے شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ۔ نماز کا قضا کر دینا بلا عذر شرعی سخت گناہ کبیرہ ہے، قرآن و حدیث میں اسکی سخت مذمت آئی خصوصاً ایسے کا قضا کرنا کہ اسکی وجہ سے دوسروں کو بھی قضا کر دینے کا حیلہ مل گیا، سب لوگوں پر توبہ لازم ہے اور امام اگر توبہ نہ کرے تو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۴۸) از دار الافتاء قادریہ بیکر بنگلور ۱۰۲ دھرم راج اسٹریٹ مرسلہ سید حیدر شاہ ۳۰ شوال ۱۳۷۱ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ قضاۃ یا امامت موروثی ہے یا شرطی اگر قاضی کا لڑکا محض بے علم ہو تو پھر بھی قاضی شہر ہو سکتا ہے یا نہیں اور امام مسجد یا عیدین کا لڑکا بے علم ہو نماز کے صحت و فساد سے واقف نہ ہو قرآن مجید بھی غلط پڑھتا ہو اور مذہب سے بھی واقفیت نہ ہو تو ایسے شخص کو امام مسجد یا امام عیدین بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی جگہ امام عیدین بے علم ہو اور نماز میں کراہت کے درجے سے فساد تک کی نوبت پہونچتی ہو اور ہزاروں لوگوں کی نماز خراب ہوتی ہو تو ایسے امام کو قائم رکھنا چاہئے یا بدل دینا چاہئے۔ اگر کوئی صاحب علم ان خرابیوں کی وجہ سے اس بے علم امام کی اقتدا نہ کر کے علٰحدہ کسی جگہ شہر کی کسی مسجد اعظم میں نماز عید ادا کرے تو شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ان وجوہات سے بھی نماز عید مسجد میں مطلقاً ناجائز ہے تو یہ کہنا صحیح ہے یا غلط۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ہندوستان میں عام طور پر جس کو قاضی کہتے ہیں یعنی نکاح پڑھانے والے کو یہ کوئی قاضی نہیں،

عرف شرع میں اس کو قاضی نہیں کہہ سکتے جس سے چاہیں نکاح پڑھوادیں اور اس رسمی قاضی کو اس پر دعویٰ کا کوئی حق نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ باپ نکاح پڑھواتے تھے تو بیٹے سے بھی پڑھوائیں خصوصاً جبکہ وہ بے علم ہے، بہت ممکن ہے کہ ایجاب و قبول کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کرے اور نکاح منعقد نہ ہو۔ اور اگر سوال میں قاضی سے مراد قاضی شرعی ہو تو یہ ایک عہدہ ہے کہ بادشاہ اسلام کی جانب سے دیا جاتا ہے اور اس کے بہت کچھ اختیارات ہوتے ہیں، اس کے لئے قاضی سابق کا بیٹا ہونا کافی نہیں، بلکہ نیابت و تقلید ضرور ہے۔ جس طرح جج کا بیٹا جج نہیں ہے جب تک کہ بادشاہ جج نہ بنائے یونہی قاضی کا بیٹا خود بخود قاضی نہیں ہے۔ اور جاہل کو قاضی نہ بنانا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ اپنی بے علمی کی وجہ سے کیا کچھ کر گذرے خصوصاً جب عالم موجود ہو۔ حدیث میں ہے من قلد انسانا عملا وفی رعیته من هو اولی منه فقد خان الله ورسوله وجماعة المسلمین۔ اور امامت بھی ایک عہدہ ہے جس شخص کو اہل مسجد یا متولی مسجد نے اس کے لئے منتخب کیا۔ اور امام بنایا وہ امام ہوگا یہ کوئی پدری ترکہ نہیں ہے کہ باپ مرگیا تو بیٹا وارث ہوگیا اور ایسے کو امام بنانا ہرگز جائز نہیں جو نماز کی صحت و فساد کو بھی نہ جانتا ہو اور قرآن مجید بھی صحیح نہ پڑھتا ہو اور اس نے غلط قرآن مجید پڑھا تو نماز ہوگی ہی نہیں جبکہ فساد معنیٰ لازم آئے۔ اور جب امام کی نہ ہوئی تو مقتدیوں کی بھی نہ ہوگی، درمختار میں شرائط امامت میں فرمایا وصحة صلاة امامه یعنی امام کی نماز صحیح ہو اسی وقت مقتدی کی بھی نماز صحیح ہوسکتی ہے ورنہ نہیں، ردالمحتار میں شرائط امامت میں شمار کیا کہ والقراءة والسلامة من الاعذار كالرعاف والفافاة والتمتمة واللثغ و فقد شرط كطهارة وستر عورة۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام صحیح نہیں پڑھتا ہے تو صحیح خواں کے موجود ہوتے ہوئے وہ امام ہو ہی نہیں سکتا۔ درمختار میں ہے والاحق بالامامة تقديما بل نصبا الاعلم باحكام صحة وفسادا۔ لہٰذا بے علم کو امام بنانا نہیں چاہئے۔

پس سوال میں جس امام کا ذکر ہے اسکو معزول کرکے کسی لائق امامت کو امام بنانا ضروری ہے اور اگر با اختیار لوگ ایسا نہ کریں تو گنہ گار رہیں گے اور لوگوں کی نماز خراب ہونے کا وبال ان کے ذمہ بھی ہوگا۔ اور اس صورت میں عالم دین کو چاہئے کہ اپنی جماعت علیحدہ قائم کرے اور جمعہ و عیدین کی نماز مطابق شرع ادا کرے، اور یہ کہنا کہ مسجد میں عید کی نماز ناجائز ہے غلط ہے خصوصاً جبکہ ان وجوہ سے ہو تو اصلاً حرج نہیں بلکہ یہی کرنا چاہئے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۸۹) از کلکتہ مچھوا بازار اسٹریٹ نمبر ۲ بارٹی عبدالواحد سردار مرسلہ جناب حافظ بشیر الدین صاحب ۲ شعبان ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کھجڑہ کے سات متولی ہیں۔ ان میں سے ایک متولی عبدالحمید کے مقدمہ

کی بابت ایک مدعی مولوی راحت حسین بہاری نے مجھ خاکسار پر جرم عائد کیا کہ امام مسجد کنجڑہ کو میٹنگ میں میں نے یہ کہتے سنا کہ ہم قرآن حدیث کے فیصلوں کو نہیں مانتے۔ اور طرفہ برآں کہ مولوی راحت حسین نے حلف بھی اٹھایا، حالانکہ اس میٹنگ میں حضرات علمائے کرام و متولیان ذوالاحترام و معززین محلہ و مصلیان مسجد بھی موجود تھے۔ ان حضرات نے کہا، اور اب بھی بیان دینے کے لئے تیار ہیں کہ امام نے ہرگز ہرگز ایسا الفاظ نہیں کہا۔ اور خاکسار بھی حلف اٹھانے کے لئے تیار ہے۔ بلکہ خاکسار کی عقیدت تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں ایک شرابی یا جواری وغیرہ بھی اپنی زبان سے ایسے الفاظ نہیں نکال سکتے چہ جائیکہ یہ خاکسار۔ مگر مولوی راحت حسین اور عبدالحمید کے جگری دوست بضد تھے کہ کسی نے سنا یا نہ سنا ہم نے تو سنا۔ لاؤ قرآن کے تیسوں پارے میں اٹھاؤں، بعدہٗ عبدالحمید دو گواہ اور تیار کر کے لائے، جنھیں کا ایک خاکسار کا قدیمی دشمن تھا۔ ان دونوں نے بھی میرے متعلق مولوی راحت حسین جیسے کلمات کہتے ہوئے حلف اٹھائے۔ حضرت مولٰنا محمد مشتاق احمد صاحب کانپوری نے مجھ خاکسار کو ان تینوں شخصوں کے حلف اٹھانے پر امامت سے معزول کر دیا۔ اور مدعی اور گواہوں سے کسی قسم کی جرح تک نہ کی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا شریعت میں دو گواہوں کی گواہی اور ایک مدعی جو پہلے اس مسئلہ میں حکم بنا تھا۔ آج مدعی بنکر حلف اٹھا رہا ہے۔ خواہ اپنے پاس دیانت نہ رکھتے ہوں اور مدعیٰ علیہ کے دشمن ہوں، ہر حال میں معتبر ہیں یا نہیں۔ بالفرض مدعی اور گواہوں کا قول کسی وجہ سے معتبر بھی ہوجائے، تو کیا میں ہر حال میں مسجد مذکور اور دنیا کی کسی مسجد کا امام نہیں بن سکتا۔ اور گواہوں اور مدعی کے حلف اٹھا لینے سے کسی مسجد کی امامت کر سکتا ہوں نہ مسلمان ہو سکتا ہوں؟

الجواب ۔ مدعی یا گواہوں سے حلف لینا ان سے قسمیں کھلانا شرع سے ثابت نہیں حلف منکر پر ہوا کرتا ہے نہ کہ مثبت پر حدیث مشہور البینۃ علی المدّعی والیمین علی من انکر۔ اس پر شاہد عدل ہے بلکہ یمین میں جس چیز کی نفی کرتا ہے اس کے ضد کے اثبات کو ذکر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ ہدایہ میں ہے والاصح الاقتصار علی النفی لان الایمان علی ذالک وضعت دل علیہ حدیث القسامۃ باللّٰہ ماقتلتم ولاعلمتم لہ قاتلا۔ بیشک کسی دعویٰ کے اثبات کے لئے گواہوں کی ضرورت ہے ورنہ ہر شخص جو چاہے دعویٰ کر بیٹھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ قابل اعتماد ہوں ورنہ جھوٹے گواہ ہر معاملہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں اور ان سے حقوق الناس کا اتلاف ہو سکتا ہے، لہٰذا گواہوں کا معتبر ہونا ضروری۔ اور اس کا لحاظ بھی کیا جائیگا کہ گواہوں اور مدعی یا مدعیٰ علیہ میں کیسے تعلقات ہیں، اسی وجہ سے باپ کی بیٹے کے حق میں یا بالعکس شہادت نامقبول ہے۔ صورت مستفسرہ میں گواہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان چونکہ ایک زمانہ دراز سے عداوت چلی آتی ہے، ایسی حالت میں مدعیٰ علیہ

کے خلاف اُس کی گواہی نامقبول ہے جبکہ عداوت دنیوی ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوا لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ[1]۔

بالجملہ اگر بینہ عادلہ سے امام مذکور سے ایسے کلمات ثابت ہوں تو اس پر عدم جواز امامت کا حکم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور جبکہ امام ان کلمات سے برارت ظاہر کرتا ہے اور ان کلمات کو کفری بتاتے ہوئے تبری کرتا ہے تو اسکی امامت میں کوئی حرج نہیں وہ اس مسجد کا بھی امام ہو سکتا ہے اور دیگر مساجد کا بھی ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۰) (۱) زانی کی امامت کیسی ہے۔ (۲) منجم کی امامت کیسی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ۱، ۲ ۔ ان کی امامت مکروہ تحریمی ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۱) عشار کی نماز پڑھنے سے قبل سو جائے تو کیا ثواب کم ہو جاتا ہے، عشار کی نماز پڑھنے سے قبل امام سو جائے تو امام عشار کی نماز پڑھائے گا یا وہ مقتدی جو سویا نہ ہو۔ بینوا توجروا ———

الجواب ۔ قبل نماز عشار قصداً سونا منع ہے مگر جو امام ہے وہ سو گیا تو امامت کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۲) مسلمان کو بھنگ یا دیگر نشہ والی چیز کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں یا جو مسلمان علم دین جانتا ہے اور اپنے آپ کو مولوی کہلاتا ہے وہ بھنگ کی تجارت کرے اسکو مولوی کہنا درست ہے، یا اسکے پیچھے نماز پڑھنا یا دیگر اس کی بات تسلیم کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا ———

الجواب ۔ بھنگ کی تجارت بایں معنی کہ دوا کے لئے بیچتا ہے یہ جائز ہے اور پینے والوں کے ہاتھ بیچنا ناجائز و حرام ہے۔ شق ثانی میں اس کو امام نہ بنایا جائے اور مولوی بھی نہ کہا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۳) از قصبہ بھوجپور ڈاکخانہ تکسانہ ضلع مراد آباد محلہ رنگریزان مرسلہ اللہ بخش صاحب مومن زادہ۔

ایک شخص حافظ قرآن ہے اس نے اپنی زوجہ کو کسی رنج کی وجہ سے طلاق دے دی وہ عورت حاملہ بھی تھی۔ شوہر نے یہ کہا کہ میرا حمل نہیں ہے، لہذا وہ عورت اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، اسی اثنا میں دو تین سال تک رہی لوگوں نے حافظ مذکور سے چند بار بطور پنچائت کے کہا، اپنی عورت کو کیوں نہیں بلاتے ہو، اس نے جواب دیا کہ میرے کام کی نہیں ہے، میں نے اسکو طلاق دیدی ہے، میں نہیں لاؤں گا۔ اس کا جو مزاج چاہے کرے۔ اب بعد گذرنے دو برس کے وہ اپنی اسی بیوی کو اپنے مکان پر لے آیا مع ایک لڑکے کے۔ اب وہ بغیر نکاح کے اپنے گھر رکھتا ہے۔ از روئے شرع ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

[1] ترمذی مشکوٰۃ ج ۲ یا دلی تفسیر ۱۲ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اجملی

الجواب ۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ، ایسا شخص فاسق ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۱۹۴) مرسلہ مسلمانان فتحپور ہنسوہ۔

فتح پور کے فرقہ وہابیہ میں سے چند لوگوں نے شہر میں یہ خبر شائع کر رکھی ہے کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا مولوی حاجی قاری احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاوٰی رضویہ شریف میں لکھا ہے کہ جولاہوں اور منہاروں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے، ان لوگوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہئے، لہٰذا ہم مسلمانان فتحپور کی عرض ہے کہ اس قسم کا مضمون اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کسی کتاب میں تحریر فرمایا ہے یا نہیں۔ امید کہ جواب باصواب سے ہم مسلمانوں کی تسلی وتشفی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب ۔ امامت نماز کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اسی قوم کا آدمی نماز پڑھائے بلکہ اس کے لئے علم وتقویٰ اور کچھ دیگر شرائط ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں، وہ امامت کر سکتا ہے، اگرچہ وہ کسی قوم کا ہو۔ اور وہ شرائط نہ پائے جائیں تو امام نہ بنایا جائے خواہ وہ کوئی ہو۔ صحیح مسلم شریف ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "یؤم القوم اقرأهم لکتاب اللہ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا" یعنی حاضرین میں مستحق امامت وہ ہے جس کو کتاب اللہ کا زیادہ علم ہو۔ اور اگر اس میں برابر ہوں تو وہ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اس میں برابر ہوں تو وہ جس نے ہجرت پہلے کی ہو، اور اسمیں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ دوسری روایت مسلم کی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا احقھم بالامامۃ اقرأھم زیادہ حقدار وہ ہے جو زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لیؤذن لکم خیارکم ولیؤمکم اقرأکم اچھے لوگ اذان کہیں اور کتاب اللہ کے عالم امامت کریں۔ صحیح بخاری شریف میں عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فاذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن احدکم ولیؤمکم اکثرکم قرآنا۔ جب نماز کا وقت آجائے تو کوئی اذان کہدے اور جس کے پاس قرآن کا علم زیادہ ہو وہ امامت کرے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہتے ہیں لما قدم المھاجرون الاولون المدینۃ کان یؤمھم سالم مولیٰ ابی حذیفۃ وفیھم عمر وابوسلمۃ بن عبد الاسد یعنی جب مہاجرین اولین مدینہ میں تشریف لائے تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

کے غلام آزاد کردہ سالم ان کی امامت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ اور ابوسلمہ جیسے بزرگ بھی انہیں موجود تھے۔

ان چند احادیث سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ امامت کسی قوم کا خاص حق نہیں ہے نہ اس سے کوئی قوم محروم رکھی جاسکتی ہے بلکہ عہد نبوت میں یہ عہدہ غلاموں کو بھی دیا گیا ہے۔ اب ہم بعض کتب فقہ حنفی کی طرف توجہ کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہوسکے کہ ہمارے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس باب میں کیا ارشاد ہے، فقہ کی نہایت معتبر ومستند کتاب ہدایہ میں ہے اولی الناس بالامامۃ اعلمہم بالسنۃ فان تساووا فاقرأھم لقولہ علیہ السلام یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان کانوا سواء فاعلمھم بالسنۃ واقرأھم کان اعلمھم لانھم کانوا یتلقونہ باحکامہ فقدم فی الحدیث ولا کذالک فی زماننا فقدمنا الاعلم فان تساووا فاورعھم لقولہ علیہ السلام من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی فان تساووا فاسنھم لقولہ علیہ السلام لابن ابی ملیکہ ولیؤمکما اکبرکما سنا ولان فی تقدیمہ تکثیر الجماعۃ سب سے زیادہ امامت کے لئے بہتر وہ شخص ہے جس کو سنت کا علم زیادہ ہو اور اگر اس میں کئی آدمی برابر ہوں تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو اور حدیث میں اقرار کو اس لئے مقدم فرمایا کہ اس زمانۂ پاک میں قرآن کو احکام کے ساتھ سیکھنے کا طریقہ تھا، لہٰذا جس کو قرآن زیادہ یاد تھا وہی اعلم بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے، لہٰذا ہم نے اعلم کو مقدم کیا اور اگر علم میں چند اشخاص برابر ہوں تو وہ امامت کا سزاوار ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے پھر وہ جس کی عمر زیادہ ہو۔ درمختار میں ہے والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا مجمع الانہر الاعلم باحکام الصلوٰۃ فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ وحفظہ قدر فرض وقیل واجب وقیل سنۃ ثم الاحسن تلاوۃ وتجویدا للقراءۃ ثم الاورع ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوی اتقاء المحرمات ثم الاسن ای الاقدم اسلاما فیقدم شاب علی شیخ اسلم ثم الاحسن وجہا ای اکثرھم تہجدا زاد فی الزاد ثم اصبحھم ای اسمحھم وجہا ثم اکثرھم حسبا ثم الاشرف نسبا

خلاصہ یہ ہے کہ حقدار امامت وہ ہے جو نماز کے احکام کو زیادہ جانتا ہو کہ کس صورت سے صحیح ہوتی ہے اور کب فاسد ہوجاتی ہے بشرطیکہ فواحش ظاہرہ سے اجتناب رکھتا ہو اور بقدر فرض بلکہ واجب بلکہ سنت قرآن یاد ہو (اسی کو صاحب فتح نے اختیار کیا ہے اور یہی اظہر ہے کذا فی الشامی) پھر وہ کہ قرآن کی تلاوت اچھی طرح موافق قواعد تجوید کرتا ہو پھر زیادہ ورع والا یعنی حرام تو حرام شبہات سے بھی بچتا ہو پھر وہ جس کی عمر اسلام میں زیادہ گذری ہو پھر وہ جس کے

اخلاق زیادہ پاکیزہ ہوں پھر وہ جو تہجد زیادہ پڑھتا ہو پھر وہ جو زیادہ خوبصورت ہو پھر وہ جو باعتبار حسب زیادہ ہو پھر وہ جو باعتبار نسب زیادہ شریف ہو یہ مسئلہ عموماً تمام کتب فقہ متون و شروح و فتاویٰ میں مصرح ہے کہ احق بالامامۃ اعلم پھر اقرأ پھر اورع ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم و ورع کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں جو اس فضیلت کو حاصل کرے اُس کے لئے یہ امتیاز و خصوصیت ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ وکما قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا وقال تعالیٰ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرم وہ ہیں جو پرہیزگار و متقی ہو اور عالم کے برابر غیر عالم نہیں تو جو شخص اس فضیلت کا حامل ہے بلاشبہ اُسی کو تقدم حاصل ہے، اس لئے فقہاء کرام نے جن لوگوں کی امامت کو مکروہ بتایا اُس کی علت فقدان علم و تقویٰ کو قرار دیا۔ ہدایہ میں ہے ویکرہ تقدیم العبد لانہ لا یتفرغ للتعلم والاعرابی لان الغالب فیھم الجھل والفاسق لانہ لا یھتم لامر دینہ والاعمیٰ لانہ لا یتوقی النجاسۃ و ولد الزنا لانہ لیس لہ اب یثقفہ فیغلب علیہ الجھل اسی کے مثل الانہر وغیرہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مدار کار علم و تقویٰ ہے نہ کہ اس قسم کی باتیں جن کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ فقہاء کے اقوال میں۔ جب قرآن و حدیث و فقہاء کے ارشادات سے ثابت ہوگیا کہ امامت نماز کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں نہ یہ کہ فلاں شخص چونکہ فلاں قوم کا لهٰذا اُس کے پیچھے نماز ناجائز و مکروہ کہ یہ کہنا قرآن و حدیث و فقہ سب کے خلاف ہے۔ جو شخص اعلیحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی طرف ایسی نسبت کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ انھوں نے ایسا فرمایا، نہایت درجہ کا کذاب دروغ باف مفتری بیباک ہے، معاذ اعلیحضرت نے یہ بیہودہ بات کبھی نہ وہ کہہ سکتے تھے، وہ قرآن و حدیث کے عامل اور ان کے تمام مسائل کا مدار فقہ حنفی پر تھا معاذ اللہ وہ ایسی بات کیونکر فرما سکتے ہیں اگر کہنے والا ذرہ برابر دین و دیانت رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ فتاویٰ رضویہ میں کہیں بھی لکھا دکھا دے کہ انھوں نے جولاہوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو منع کیا ہے، بلکہ فتاویٰ رضویہ جلد اول میں تو وہ صاف لفظوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ فتویٰ ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر دیا جائیگا اور اس کو روشن دلائل سے ثابت کیا ہے جس کا یہ قول موجود ہو اس کی طرف ایسی بدبات کی نسبت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے، یہ بہتان وہابیہ خذلھم اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے کیونکہ ان دشمنان خدا و رسول کی خباثت و شقاوت کا چونکہ اعلیحضرت نے پورے طور پر رد فرمایا اور ان کی عبارات سے مسلمانوں پر ظاہر کر دیا کہ یہ فرقہ اللہ و رسول کی جناب میں نہایت بیباک و گستاخ ہے اور مسلمانوں پر ان کی شقاوت قلبی کا اظہار ہوگیا اور تمام مسلمان ان سے نفرت و بیزاری کرنے لگے تو ان سے

یہ تو ہوا نہیں کہ اپنی گستاخیوں سے توبہ کرتے ناصح کا شکر ادا کرتے افترا و بہتان پر اُتر آئے اور ایسی بیہودہ باتیں تراشنے لگے تاکہ لوگ اعلیٰحضرت سے متنفر ہو کر ان کی بات نہ سنیں اور ان لوگوں کی وہابیت پر پردہ پڑ جائے مگر یاد رکھیں کہ مسلمان اتنے غافل نہیں کہ وہابیہ کے ان کوتکوں سے وہ ایک عالم ربانی اللہ و رسول سے محبت رکھنے والے سے بیزار ہو جائیں کیونکہ بحمدہ تعالیٰ مسلمان جانتے ہیں کہ اہل حق کا کام افترا کرنا نہیں بلکہ اس قسم کا افترا کرنا بے ایمان لوگوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ جھوٹا افترا وہی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔ مسلمان ایسے لوگوں کی بیہودہ اور لغو باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور اسلام کے صحیح راستہ پر چلیں اور ایسے گمراہوں سے بچیں انہیں کے لئے حدیث میں فرمایا اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ تم اپنے کو اُن سے دور رکھو اور اُن کو اپنے سے دور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ھٰؤُلَاءِ الضَّالِّیْنَ الٰہی تو ہمیں ان گمراہوں سے بچا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۵) مرسلہ ظہور بخش صاحب ممبر مسجد بچپاتھ پارہ رائے پور سی پی ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ مسجد بچپاتھ پارہ رائے پور سی پی میں مقررہ پیش امام باتنخواہ حافظ سید رحمت علی صاحب تھے ۱۳۵۳ھ میں ایک فارم انڈین نیشنل پالیسی کمپنی کلکتہ سے نکلا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک فارم ایک روپیہ چودہ آنہ میں خریدا جاتا تھا جس میں ڈاک خرچ وغیرہ شامل ہے ایک فارم خریدنے والے کو چار فارم کمپنی سے آتے تھے ایک فارم کے پیچھے اس شخص کو جس کا نام فارم میں پہلے نمبر پر ہوتا تھا ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاتا تھا، اسی طرح دور مسلسل جاری رہنے سے ایک فارم خریدنے والے کو ایک ہزار چوبیس روپیہ ملتا تھا۔

معترض کہتا ہے کہ یہ جوا اور سود ہے جو کہ شریعت میں حرام ہے مگر خریدار مذکور یہ کہتا ہے کہ یہ فارم کی تجارت ہے اور ایک روپیہ چودہ آنہ کا ایک ہزار چوبیس روپیہ ملنا محنت شاقہ کا نتیجہ ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ میں اس مسئلہ کیلئے کیا حکم ہے اور یہ فعل از قسم جوا اور سود ہے یا نہیں اور اس کے فاعل کی کیا سزا ہونی چاہیے۔

(۲) حافظ صاحب موصوف ملازم مسجد ہونے کے قبل ہی سے لاٹری کا بھی کام کرتے تھے وہ اس طرح کہ لاٹری کے ٹکٹ فروخت کیا کرتے تھے اور فی ٹکٹ کمیشن فروختگی ملتا تھا، اس کمیشن کی قیمت سے لاٹری کمپنی کے قاعدے کے موافق (یعنی ایک کاپی میں چند ٹکٹ ہوتے ہیں، اتنے ٹکٹ اگر فروخت کریگا تو ایک ٹکٹ فروخت کرنے والے کا ہوتا ہے، اب اس ٹکٹ

کو وہ یا تو اپنے نام پر کلٹے یا فروخت کرکے اسکی قیمت رکھ لے) خرید لیتے تھے اس کے بعد ایک تاریخ معینہ تک وہ تمام کاپیاں کمپنی کو چلی جایا کرتی ہیں اور تاریخ مقررہ پر کمپنی لاٹری کھولتی ہے جبیں کسی کو پہلا انعام اور کسی کو دوسرا انعام ملتا ہے جس کے نام سے لاٹری کھلتی ہے اور ہزاروں اور کروڑوں خریداروں کو نام نہ نکلنے پر کچھ بھی نہیں ملتا، مندرجہ بالا صورت کو علمائے کرام جوا بتلاتے ہیں مگر حافظ صاحب موصوف اس کو امداد باہمی فرماتے ہیں، لہٰذا مندرجہ بالا صورت جوا کی ہے یا امداد باہمی کی اور فاعل کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

(۳) امام صاحب یعنی حافظ صاحب موصوف نے سوال نمبر ایک میں اتنی شرکت کی کہ اوقات نماز جماعت وغیرہا کے بھی پابند نہ رہے اور جب جماعت شاکی ہوئی تو حافظ صاحب نے جمعہ میں اعلان کیا کہ میرے اوپر ایک جنون سوار ہے جس سے میں برابر نماز میں شریک نہیں ہوتا اور جماعت کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے میں مستعفی ہوتا ہوں تاکہ جماعت کی شکایت دور ہو، مسجد کمیٹی دوسرا انتظام کرے، لہٰذا کمیٹی نے اُن کو علٰحدہ کرکے ایک سُنّی مولوی صاحب کو مقرر کیا اور بعد چند ماہ ان کو مستقل کر دیا کہ جب تک کوئی حافظ نہ مل جائے یا تعمیر مسجد مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک مولوی صاحب مستقل طور پر امامت کریں گے۔ اب اگر مولوی صاحب کو بلا عذر شرعی کمیٹی یا جماعت علٰحدہ کرکے امام سابق کو مقرر کرے تو وہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں اور شریعت کس کی امامت کو ترجیح دیتی ہے۔

(۴) فارم کی کثرت ہونے کے سبب امام سابق کے فارم بکنے میں کمی ہوئی اور خریداروں نے ایک ایک ہزار چوبیس روپیہ طلب کرنا شروع کیا تو حافظ نے اس کام کو چھوڑ کر پھر امامت کی طرف رجوع کیا اور مسجد کمیٹی کو درخواست دی کہ میں اپنے افعال سے تائب ہوتا ہوں کہ مجھے امامت کی جگہ دی جائے مگر مسجد کمیٹی نے انکی درخواست مسترد کر دی کہ ہم کو آپ کی امامت کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ نے بہت خراب کام کیا ہے اور بہت سے لوگوں کا روپیہ یہ کہکر لیا ہے کہ تم کو اس فارم کے خریدنے سے ایک ہزار چوبیس روپیہ ملے گا، جنمیں ہندو مسلمان بیوہ وغیرہ سبھی شامل ہیں، نہ تو آپ نے اُن کا روپیہ واپس کیا نہ روپیہ دلوایا۔ لہٰذا درخواست نامنظور کی جاتی ہے۔ کمیٹی کی یہ کارروائی مطابق شریعت ہے یا نہیں۔

(۵) بعد نامنظوری درخواست امام صاحب نے بصورت اپیل جمعہ میں ایک مختصر سی تقریر کی اور آیت قرآنیہ پڑھ کر ترجمہ کیا کہ اللہ عزوجل اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے توبہ کر لینے پر معاف ہو جاتا ہے اور اس بندہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے لہٰذا میں اپنی جماعت کے سامنے توبہ کرتا ہوں، جماعت گواہ رہے کہ میں علی الاعلان آپ حضرات کے سامنے

اللہ پاک اور اسکے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار پاک میں توبہ کرتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں اور جماعت سے بھی معافی چاہتا ہوں، امید ہے کہ جماعت میری اس توبہ اور معافی کو قبول فرما کر مجھے امامت کی جگہ عنایت فرمائیگی، میں آئندہ ایسا فعل نہ کروں گا جس پر جماعت نے متاثر ہو کر اکثریت کے ساتھ یہ فیصلہ کی کہ حافظ صاحب کو امامت کے لئے رکھ لیا جائے مگر دو چار آدمیوں کو جو باجماعت نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں، اختلاف تھا اور ہے، لہٰذا معترضین کو کس طرح خاموش کیا جائے اور جماعت کی یہ کارروائی جائز ہے یا نہیں، حافظ صاحب کا صرف توبہ کرنا اور معافی مانگنا کافی ہے یا شریعت کوئی سزا بھی دے گی۔

(۶) حافظ صاحب کی تقرری درخواست کو جماعت کی اکثریت نے منظور فرما کر کمیٹی کے پاس اپنی تجویز پیش کی جس پر مسجد کے سکریٹری نے کمیٹی کو طلب کیا اور حافظ صاحب کے تقرری کا معاملہ پیش کیا۔ درمیان بحث جناب ظہور بخش صاحب نے فرمایا کہ یہ عبادت کا معاملہ ہے، لہٰذا بہتر ہوگا کہ باہر کے کسی سُنی عالم سے فتویٰ طلب کر لیا جائے اور جو حکم شریعت کا ہو اس پر کمیٹی اور جماعت عمل کرے کیونکہ حافظ صاحب نے دو گناہ عنداللہ و عندالناس کیا ہے، ایک کے لئے توبہ ہے دوسرے کیلئے جبتک خریداروں کو روپیہ واپس نہ کر دیا جائے میرے نزدیک اُن کی اقتدا افضل نہیں ہے، لہٰذا میں اُن کی اقتدا نہ کروں گا مگر ان کے علاوہ تمام ممبران نے متفق ہو کر شریعت کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے حافظ صاحب کا تقرر کر لیا، لہٰذا دریافت طلب امر یہ کہ کمیٹی اور جماعت نے جائز کارروائی کی یا ممبر ظہور بخش صاحب کا کہنا درست ہے۔

امید کہ حضور براہ کرم نفاق بین المسلمین کا خیال فرماتے ہوئے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مع حوالجات کتب جلد از جلد مرحمت فرمائیں تاکہ جمعہ کو ممبری سے استفتا مع جوابات سُنا دیا جائے کیونکہ حافظ صاحب کا تقرر کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۳۰ء سے ہوگا اور وہ نماز باجماعت پڑھائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب (۱) ۔ ظاہر ہے کہ فارم کی خریداری سے اس کاغذ کی خریداری مقصود نہیں کہ اس کاغذ کی بیع نہیں کی جاتی، بلکہ یہ فارم یادداشت کا پرچہ ہے، اور ایک روپیہ چودہ آنے میں جو چیز خریدی جاتی ہے وہ ایک ہزار چوبیس روپے ہیں کیونکہ اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ ان داموں کے مقابل میں محض یہ کاغذ کا پرچہ ہے، تو ہرگز خریدنے کا قصد نہ کریگا جس طرح دستاویز کی خریداری میں مقصود اس دین کی خریداری ہے جو اس دستاویز میں درج ہے، نہ کہ اس کاغذ کی، اسی طرح عرف میں ٹکٹ خریدنا بولتے ہیں، حالانکہ وہ بیع نہیں، بلکہ ریلوے کا پیشگی کرایہ ادا کرنے کی رسید ہے، اس وجہ سے جتنا کرایہ ہوتا ہے

اتنا ہی ٹکٹ کی قیمت میں دینا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے سفر نہ کرنے کی صورت میں رقم واپس ملتی ہے۔ اور سفر ختم ہونے پر ٹکٹ واپس دینا ہوتا ہے۔ پس صورت مستفسرہ میں اگر اس عقد کو بیع شمار کریں تو یقیناً سود ہے کہ اوّلاً جو کچھ دیا جاتا ہے مبیع اس سے بہت زائد ہے، اور روپے کی روپے سے بیع میں مساوات شرط ہے۔ حدیث صحیح مشہور ہے الفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربا۔ یعنی چاندی کی چاندی سے بیع ہو تو برابر برابر ہوں، اور دست بدست ہوں، اور زیادتی سود ہے۔

دوسری وجہ سود کی یہاں یہ بھی ہے کہ یہاں تقابض بدلین مجلس عقد میں ضروری ہے جیسا کہ حدیث مذکور کا لفظ یداً بید اس امر کو ظاہر کر رہا ہے، اور جس مجلس میں روپیہ دیا جاتا ہے اسی مجلس میں اس کے عوض کا روپیہ نہ لیا جائے، تو اگرچہ دونوں جانب سے مساوات ہے، یہ بھی سود ہے جبکہ چاندی کی چاندی سے بیع ہو، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے الربا فی النسیئۃ۔ اور اگر اس کو بیع قرار نہ دیں تو یہ جُوا ہے، اور یہ بھی حرام ہے۔　والله تعالیٰ اعلم

(۲) لاٹری ایک قسم کا جُوا ہے اس کے ٹکٹ بیچنا بھی حرام کہ ٹکٹ بیچنے کا مطلب جُوے کے شر کا فراہم کرنا ہے، جس کا صاف مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جُوے کی ترغیب دی جائے اور اس حرام کام پر آمادہ کیا جائے، اور یہ بحکم قرآن حرام۔ قال الله تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ــــــــــــــ والله تعالیٰ اعلم

(۳) جب امام موصوف بالاعلان یہ کرتا تھا تو کمیٹی پر لازم تھا کہ ایسے امام کو فوراً امامت سے معزول کر دیتی، یہ انتظار ہرگز جائز نہ تھا کہ وہ استعفا پیش کرے تو معزول کیا جائے کہ ایسے کو امام بنانا ناجائز و گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ ردالمحتار میں ہے فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ اس امام کو معزول کر کے کمیٹی نے سُنّی عالم کو امام مقرر کیا بہت خوب کیا اور اس جدید امام کو بلا وجہ شرعی امامت سے معزول کرنا درست نہیں۔ اوّلاً تو پہلا امام جب بوجہ شرعی معزول کیا گیا تو اس کا استحقاق ہی نہ رہا۔ دوم عالم کو امامت میں حافظ پر ترجیح ہے۔ تمام کتب فقہ میں تصریح ہے کہ عالم احق بالامامت ہے۔ سوم مقرر کر دینے کے بعد اسے کس جرم میں علیحدہ کیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے بحرالرائق سے ہے۔ واستفید من عدم عزل الناظر بلا جنحۃ عدمہا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ و عدم اھلیۃ۔ کمیٹی نے ایسا کیا تو یہ کمیٹی کا صریح ظلم ہے، اس دوسرے امام کو ہی برقرار رکھنا چاہیے۔　والله تعالیٰ اعلم

(۴) کمیٹی کا یہ جواب اور یہ کارروائی بالکل درست ہے، کہ اوّلاً وہ جگہ خالی ہی نہیں جس کی امام سابق نے درخواست

کی کیونکہ بلا وجہ شرعی امام مقررہ کو علیحدہ کرنا جائز نہیں، کمیٹی نے جو وجہ بیان کی وہ صحیح و معقول ہے کہ امام کے ذمہ لوگوں کے مطالبات باقی ہیں، بغیر دیئے یا معاف کرنے ان سے کیونکر سبکدوشی ہوسکتی ہے، اور توبہ کی صحت کے لئے گناہ سے باز آنا اور صاحب حق کا حق ادا کرنا یا معاف کرانا ضروری ہے ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) بیشک توبہ سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ مگر حقوق العباد تلف کرنے کی صورت میں صرف زبانی توبہ کافی نہیں، بلکہ جن کے حقوق ان کے ذمہ ہیں ادا کریں یا معاف کرائیں، جماعت کا معاف کردینا کوئی چیز نہیں، بلکہ جن کے روپے لئے ہیں وہ معاف کریں، مگر اس معافی کے بعد ان کو اس وقت جگہ ملیگی جب امامت کی جگہ خالی ہو، کہ بلا وجہ ایک امام کو معزول کرکے امام بنایا جائے ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) کمیٹی اور جماعت کی یہ کارروائی غلط ہے، ظہور بخش نے جو کچھ کہا ہے صحیح ہے کہ امام سابق نے دو گناہ کئے ہیں، جن لوگوں نے ان کو روپے دیئے ہیں، وہ امام سابق سے مطالبہ کرسکتے ہیں، اپنے روپئے واپس لینے کا حق رکھتے ہیں کہ عقد کا تعلق عاقدے ہوتا ہے ـــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۶) مرسلہ جناب ابو البرکات صاحب کانپور محلہ گوالٹولی بر دکان شیخ کلو تمباکو فروش ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق اپنے علم میں بالکل درست تلاوت کرتا ہے، اکثر حفاظ نے سُنا ہے اور اقتدا بھی کی ہے، اکثر و بیشتر اقتدا کرنے آتے ہیں، مگر کوئی شخص معترض نہیں ہوا اگر تم تلاوت غلط کرتے ہو، بکر کا قول ہے کہ تم مخارج ادا نہیں کرتے ہو، اس لئے کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی ہے، کیونکہ کلام پاک سورہ مزمل میں آیا ہے آیت وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا جس کے معنی مجدد یہ بتاتے ہیں کہ ترتیل واجب ہے، ترتیل کے لغوی و اصطلاحی کیا معنی ہوتے ہیں، مفصل طریقہ پر تحریر فرمائیں، اور ایسے امام کی اقتدا میں نماز ہوتی ہے یا نہیں، اکثر لوگ وہ حفاظ جلد تلاوت کرتے ہیں، خصوصاً تراویح کی حالت میں۔ ایسے حفاظ کی اقتدا میں نماز تراویح ہوگی یا نہیں، اسکو مشرح طور پر تحریر کریں، شرط امامت کیا ہے۔؟

الجواب ۔ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جو عربی زبان میں نازل ہوا۔ قال صدر الشریعۃ فی التوضیح القرآن ھو النظم الدال علی المعنی اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۔ پس قرآن پڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس عبارت کو اس طرح پڑھی جائے کہ اس میں تبدیل و تغیر نہ ہونے پائے؛ ورنہ اکثر جگہ وہ الفاظ بے معنی ہوجائینگے

یا معنی فاسد ہو کر کچھ کا کچھ ہو جائے گا، لہٰذا اس کو اسی طور پر ادا کرنا لازم ہے، جس کو قرآن کہا جائے اور اسکے لئے یہ ضرور ہے کہ ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے، مثلاً ث ۔ س ۔ ص ۔ ذ ۔ ظ ۔ ح ۔ ھ ۔ ء ۔ ع کہ ان حروف میں اگر امتیاز نہ ہو تو وہ لفظ ہی نہ رہا جو جبرئیل علیہ السلام نے پڑھا، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی جس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ حفاظ کا بیشتر اقتدا کرنا یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس نے صحیح پڑھا، کہ آج کل اکثر حفاظ خود غلط پڑھتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں تصور کرتے ہیں کہ ہم نے صحیح پڑھا یعنی حروف غلط ادا کرنے کو وہ غلطی ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اگر غور سے سُنا جائے تو حروف کھا جاتے ہیں۔ اول و آخر کے حروف پڑھتے اور بیچ کے حروف ایک دم حذف کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا اقتدا کرنا اور خاموش رہنا صحت کی کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔ اگر واقعی اس نے صحیح پڑھا تھا اس وجہ سے حفاظ نے اعتراض نہیں کیا ممکن ہے اس وقت صحیح پڑھا ہو، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح پڑھنے پر قادر ہوتا ہے مگر دوسرے وقت بوجہ بے توجہی صحیح ادا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان آیات میں وہ حروف نہ تھے جن کو صحیح ادا نہیں کرتا — بہر حال بکر کا اعتراض اگر صحیح ہے یعنی زید صحیح نہیں پڑھتا ہے۔ حروف کو مخارج سے نہیں ادا کرتا، تو زید کی امامت درست نہیں، زید پر لازم ہے کہ قرآن مجید صحیح پڑھے اور احکام اللہ میں تغیر نہ کرے۔ امام جزری فرماتے ہیں والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے ولا غیر الالثغ به ای الالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبی۔ ردالمحتار میں ہے فی المغرب هو الذی یتحول لسانه من السین الی الثاء۔ وقیل من الراء الی الغین او اللام او الیاء۔ زاد فی القاموس او من حرف الی حرف۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ الثغ کے پیچھے غیر الثغ نہیں پڑھ سکتا، الثغ وہ ہے جو سین کی جگہ ثا پڑھے یا رار کی جگہ غین یا لام یا ی پڑھے — قاموس میں کہا کہ جو شخص ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھے وہ بھی الثغ ہے، ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی ساری کوشش تصحیح حروف میں صرف کرے، اس کے بعد وہ امّی کے مثل ہے کہ اب وہ اپنے مثل کی امامت کر سکتا ہے اور اس کی خود نماز صحیح ہے، جبکہ کوئی صحیح خواں ایسا دستیاب نہ ہو جس کے پیچھے نماز پڑھتا، اور نہ ایسی آیتیں اُسے یاد ہیں جن کو صحیح ادا کر سکے۔ اور اگر صحیح خواں امام ملتا ہے یا بقدر فرض صحیح پڑھ سکتا ہے اور اس نے بغیر تصحیح حروف خود پڑھی تو اسکی اپنی نماز بھی نہ ہوگی، امامت کرنا درکنار۔ درمختار میں ہے حرر الحلبی وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثله ولا تصح صلاته اذا امکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه

هٰذا هو الصحيح المختار في حكم الالثغ وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف او لا يقدر على اخراج الفاء الا بتكرار. لہٰذا جو شخص رحمٰن کو رہمان۔ رحیم کو رہیم۔ صراط کو سراط۔ انعمت کو انأمت پڑھے اس کا یہی حکم ہے جو ذکر کیا گیا، کذا فی ردالمحتار۔

ترتیل کے چند معانی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا یعنی پڑھنے میں جلدی نہ کرنا، اور تمام حروف و حرکات کو واضح کر کے پڑھنا۔ تفسیر جمل حاشیہ جلالین میں خطیب سے نقل کیا ہے ای اقرأہ بترتیل تؤدۃ وتبیین حروف واشباع حرکات بحیث یتمکن السامع من عدها۔ صاوی میں ہے والمعنی اقرأہ بترتیل وتؤدۃ وسکینۃ ووقار۔ جلدی پڑھنا اگر اس طرح ہے کہ حروف و الفاظ کھا جاتا ہو۔ جب تو اسکے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، کہ اسکی خود نماز صحیح نہیں امام کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اگر حروف کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کو امام بنا سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قال الامام اذا کان امامه لحانا لا باس بان یترک مسجدہ ویطوف۔ وکذلک اذا کان غیرہ اخف قرأۃ واحسن صوتا۔ نیز اسی میں ہے لا ینبغی للقوم ان یقدموا فی التراویح الخوشخوان ولکن یقدموا الدرستخوان۔ نیز اسی میں ہے ویکرہ الاسراع فی القرأۃ وفی اداء الارکان کذا فی السراجیۃ وکلما رتل فهو حسن کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ امامت کے شرائط اور دیگر مسائل کی تفصیل بہار شریعت میں دیکھ کر معلوم کی جائے ــــــــــــــــــــــــ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۹۷) از محلہ ناگوری سلاٹان جودھپور مرسلہ سید ریاض الحسن صاحب ۱۳ / شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ

کیا ارشاد ہے علمائے اہلسنت کا مسائل ذیل کے متعلق:۔

(۱) ایک لڑکا حافظ قرآن جو ختم شعبان المعظم تک ۱۳۵۸ھ گیارہ سال نو ماہ چھبیس دن کا ہو جائے گا، اس کے پیچھے نماز فرض و تراویح جائز ہے یا نہیں۔ نیز لڑکا و لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا

(۲) مراہق کے پیچھے نماز فرض و تراویح کا کیا حکم ہے۔ نیز لڑکا لڑکی کس عمر میں مراہق ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب (۱) لڑکے کا بلوغ کم سے کم بارہ سال کے عمر میں ہوتا ہے اور لڑکی کا بلوغ کم سے کم نو سال کی عمر میں۔ اس کے پیچھے نہ نماز فرض جائز ہے نہ تراویح نہ نوافل کیونکہ یہ لڑکا یقیناً نابالغ ہے ــــــــــــــــــــ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) مراہق وہ لڑکا ہے جو اقل عمر بلوغ کو پہنچ گیا، مراہق میں دونوں احتمال ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بالغ ہو اور یہ بھی کہ نابالغ ہو۔ اگر مراہق اپنے کو بالغ کہتا ہو اور ظاہر حال اسکی تکذیب نہ کرتا ہو تو اسکے قول کو مان کر بلوغ کا حکم دیا جائیگا

یعنی اس صورت میں کہ اس عمر کے دوسرے لڑکے بالغ ہوگئے ہوں۔ درمختار میں ہے وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر۔ ردالمحتار میں ہے فان کان مراھقا ویعلم ان مثلہ لا یحتلم لا تجوز تسمیہ ولا یقبل قولہ لانہ یکذب ظاھراً وتبین بھذا ان بعد اثنتی عشرۃ سنۃ اذا کان بحال لا یحتلم مثلہ اذا اقر بالبلوغ لا یقبل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ[1] (۱۹۸) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مقام مالیگاؤں ضلع ناسک مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

جمعہ کی نماز جن پر واجب نہیں، مثلاً مسافر یا نابینا، امام مسجد کی موجودگی اور امام کی مرضی و اجازت سے نماز جمعہ پڑھا دیا تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں، اور امام کو کوئی عذر نہیں ہے۔

(۲) مسجد کا امام ہے وہ کلام پاک اس طرح پڑھتا ہے کہ کہیں مد ادا کرتا ہے کہیں نہیں، اور جہاں مد نہیں ہے وہاں مد کی طرح پڑھتا ہے۔ ایسے امام کی نماز ہوئی یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز کیسے ہوتی ہے، ہم نے سُنا ہے ایک عالم فاضل اور بزرگ سے کہ قرآن شریف سے جان کر ایک حرف کا گھٹا دینا کفر ہے۔ اور فتاویٰ مجموعہ مولانا عبدالحی لکھنوی میں یہی بات لکھی ہوئی میں نے دیکھا، جو آپ کی تحقیق میں ہو، خلاصہ تحریر فرمائیں۔

(۳) مسجد میں ایک اجنبی آیا وہ امامت کر رہا ہے یا کرنے جا رہا ہے، اس کا عقیدہ سُنی ہے یا نہیں، اسکے سُنی یا وہابی معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے، لاعلمی کی وجہ سے اسکی اقتدا درست ہے یا نہیں۔

الجواب[1]۔ اگر امام کی اجازت سے اس نے نماز جمعہ پڑھائی، نماز ہوگئی۔ درمختار میں ہے ولا یصلح للامامۃ فیھا من صلح لغیرھا فجازت لمسافر وعبد ومریض وتنعقد الجمعۃ بھم ای بحضورھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) قرآن مجید میں کسی حرف کو بڑھانا یا کم کرنا اگر بالقصد ہو تو تحریف و کفر ہے۔ مگر مد کرنے یا نہ کرنے میں نہ حرف کی کی زیادتی ہے نہ کمی ہے، بلکہ حرف کی ادا میں آواز کا کم یا زیادہ ہونا ہے یعنی جو آواز جلد ختم کرنا تھا دیر میں ختم کی، یا دیر تک چاہئے تھی جلدی ختم کر دی۔ اس طرح پڑھنا اگرچہ غلطی میں شمار ہے مگر اس سے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ نماز فاسد ہونیکا بھی حکم نہیں دیا جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما ترک المد ان کان لا یغیر المعنی بان قرأ اولٰئک بلا مد وانا اعطینٰک بدون المد، لا تفسد وان کان یغیر بان قرأ سواء علیھم بترک المد۔ وکذا فی قولہ دعاء وندا او۔ المختار انہ

لا تفسد کما فی ترک التشدید ھکذا فی الخلاصہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) جب اس کا بدمذہب ہونا معلوم نہیں ہے تو اقتدا کر سکتے ہیں۔ کسی شخص کا بدمذہب ہونا جب ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے عقیدہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) (۱۹۹) آمدہ از طعوالہ ضلع گورداس پور براستہ قادیان مغلان مرسلہ سید عبدالعزیز بخاری و سید عبدالغفور نقوی صاحبان

جس طعام پر اللہ تعالیٰ کا کلام پاک پڑھا گیا ہے۔ اگر اس کو کوئی حرام سمجھے اور خنزیر کے برابر کہے تو کیا ایسا شخص مسلمانوں کا امام ہو سکتا ہے۔

(۲) کیا ایسے شخص کے ساتھ یا پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

الجواب (۱)۔ ہرگز نہیں اسکے پیچھے نماز ناجائز بلکہ باطل محض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲)۔ اس کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے حدیث میں ہے ولا تصلوا معھم اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اپنی نماز کو باطل و برباد کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۰) از شیش گڈھ ضلع بریلی مرسلہ عبداللطیف صاحب۔

جو شخص پیچھے جنا لسٹر نیا کوٹ پہن کر نماز پڑھے یا پڑھائے تو اسکی نماز ناجائز ہے یا امام ہونا جائز ہے یا سیاہ خضاب کرکے امامت کرے تو امامت اسکی ناجائز ہے۔؟

الجواب۔ اگر وہ کوٹ اس قسم کا ہے جو کفار اور فجار کی خاص وضع میں شمار کیا جاتا ہو تو اس کو پہننے کر احتراز چاہیے خصوصاً نماز میں وہ بھی حالت امامت میں، سیاہ خضاب کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، فرمایا غیروا الشیب واجتنبوا السواد۔ اگر سیاہ خضاب کا عادی ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۱) مرسلہ محمد یعقوب صاحب بنارس محلہ کمن گڑھا ۲۱ رذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

عہ یہ حکم اس بنا پر ہے کہ اصل اسلام اور سنی ہونا ہے۔ اسلئے جبتک بدعقیدگی کی کوئی بات ظاہر نہ ہو سنی مسلمان ہی سمجھیں گے۔ تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ کسی اجنبی کو امام نہ بنایا جائے۔ اسلئے کہ اگر یہ واقعی بدمذہب ہے اور بعد میں پتہ چلا تو نمازوں کو پھر پڑھنا پڑے گا۔ نیز یہ بھی کہ امام بنا کیا ضرور اگر کوئی سنی ہی مگر قرآن مجید صحیح نہیں پڑھتا یا ارکان صحیح نہیں ادا کرتا یا وضو صحیح نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اسلئے امام اسی کو بنایا جائے جس کا عقیدہ معلوم ہو، یہ بھی معلوم ہو کہ نہ عقیدے میں خرابی ہے اور نہ اور کوئی ایسی خرابی ہے جس کی وجہ سے اسکی اقتدا میں خلل پڑ سکتا ہے۔ یہ بنظر احتیاط ہے ورنہ اصل حکم وہی ہے جو فتویٰ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

زید ولد الزنا ہے اور بعد بلوغ زنا بالجبر میں مبتلا بھی ہوا مگر اب زید مولوی کی صورت میں ہے اور کچھ علم دین بھی حاصل کر لیا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں زید امامت کے لائق ہے یا نہیں۔ اور اگر نماز پڑھا دے تو نماز درست ہے یا نہیں، دلیل قوی کے ساتھ مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ولد الزنا کی امامت کے متعلق فقہائے کرام نے فرمایا کہ اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کو علم سیکھنے کا موقع نہیں ملتا، کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں، جو اس کو تعلیم میں مشغول کرے اور جبکہ وہ شخص باوجود ولد الزنا ہونے کے علم حاصل کر چکا تو اسکی امامت میں کراہت نہیں مگر وہ زنا کے ساتھ متہم ہے تو جب تک تائب نہ ہو اسے امام نہ بنانا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۲) مسئولہ عبد الغفور سکریٹری صاحب انجمن اشاعت الحق بازار سدھانند بنارس ۸ ربیع الاول

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو شخص افیون کا عادی ہو اسکو امام بنانا کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہے اور اس نے نماز پڑھا دی تو اس کا مسجد میں اعلان کر دینا کہ ان کے پیچھے نماز نہ ہوئی دہرائی جائے تاکہ افیون کھانے سے بچے کیسا ہے۔

(۲) تمباکو پان وغیرہ کھانے والے کو امام بنانا کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی۔

(۳) ایک شخص عالم دین امامت کرتا ہے اگر کسی وقت ان کو پانچ منٹ وضو کرنے میں یا رفع حاجت کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت سے دیر ہوگئی اور وقت میں کافی گنجائش ہو تو ان کا انتظار کیا جائے یا نہیں۔

(۴) جو لوگ نماز کے وقت میں وسعت ہوتے ہوئے عالم دین کی موجودگی میں صرف پانچ منٹ کی تاخیر کی وجہ سے ایسے شخص کو امام بناتے ہیں جو نماز کے مسائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، قرآن پاک صحیح نہ پڑھتا ہو، اسکو نماز پڑھانا اور پڑھوانا کیسا ہے۔

(۵) افیون کھانے والا یہ عذر کرے کہ ہم دوا کھاتے ہیں تو اس کا یہ عذر مقبول ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ افیون کھانا ناجائز و گناہ ہے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن كل مسكر و ۔ مگر کسی دوا میں اتنی قلیل کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو اور حد تفتیر تک نہ پہونچے جبکہ کھانے والا اس کے کھانے کی عادت کرنے تو یہ فسق و کبیرہ ہے اور اعلان کے ساتھ ہو تو وہ فاسق معلن۔ اسکو امام بنانا ناجائز اور

اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، ایسی صورت میں اگر اعلان کر دیا گیا تاکہ لوگ اپنی نماز کو لوٹالیں، اور اس کو امام نہ بنائیں تو یہ اعلان جائز ہے، بلکہ اچھا اور مستحسن کہ مقصود اصلاح نماز ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ج تمباکو کو کھانا یا پینا جائز ہے جبکہ اتنی زیادہ مقدار میں نہ کھائے جو حد تفتیر کو پہنچے یا ایسا حقہ نہ پیئے جس سے غشی آجائے یا حواس میں فتور پیدا ہو اس کو امام بنانے میں کوئی حرج نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ج امام معین کا انتظار کیا جائے گا بلکہ اگر اسکے بغیر آئے ہوئے کسی دوسرے نے جماعت قائم کر دی اور وہ آکر اس جماعت میں شریک نہ ہوا تو یہ جماعت، جماعت اولیٰ نہیں۔ جماعت اولیٰ وہی ہوگی جسکو امام معین قائم کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ج جو مسائل نماز سے واقف نہیں، اور قرآن مجید صحیح نہیں پڑھتا ہے اسکو امام بنانا درست ہی نہیں، بلکہ اسکے پیچھے نماز نہ ہوگی جبکہ اس نے حروف کی ادا میں ایسی غلطی کی ہو جس سے معنیٰ فاسد ہوتے ہوں۔ وقت کی قلت اور کثرت کا سوال اس وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کی نماز جائز و درست ہو عالم دین جب وہاں کا امام معین ہو تو کسی دوسرے کو اگرچہ یہ دوسرا اعلم و افضل ہی نہ ہو بغیر اس امام معین کی اجازت کے اس افضل کو بھی امام بنانا منع ہے، نہ کہ ایسے کو جو مسائل نماز سے واقف نہیں اور قرآن مجید بھی صحیح نہ پڑھتا ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوا لا یؤمن الرجل فی سلطانہ ولا یقعد فی بیتہ علی تکرمۃ الا باذنہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) ج جب کسی معجون یا گولیوں میں افیون کی ایک قلیل مقدار شامل کی گئی کہ ایک خوراک میں اتنی قلیل ہوگی جس سے افیون کے یہ ظاہری اثرات مترتب نہ ہوں تو اس دوا کا کھانا جائز ہے، مگر اس کو افیون کھانا نہیں کہا جاتا، اور جب منفرد ہی کھائی جائے تو ناجائز ہے[عہ]، اگرچہ دوا کے طور پر ہو ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۳) مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ر جمادی الاولیٰ سنہ ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :-

(۱) طاق واندر محراب کے مقتدی کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے جگہ اور ہو یا نہیں، فی زمانہ دو یا تین ٹکڑے ہوں، اور پیچھے مکمل صف ہو، جائز ہے یا نہیں، عیدین وغیرہ میں ۔

(۲) دو آدمی ایک ساتھ نماز پڑھتے ہوں، اگر اُنہی کے ساتھ تیسرا مل جائے تو بعدہٗ پھر چوتھا مل جائے تو ان دونوں صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں، اگر آگے امام کے بڑھ جانے کی جگہ نہ ہو، اور مقتدی اس قابل نہ ہو کہ پیچھے لے آئے، تو

عہ جب کہ اتنی ہو کہ اس سے حواس میں فتور پیدا ہو جائے ۔ تنہا افیون کھانے والے حواس میں فتور پیدا کرنے کیلئے ہی کھاتے ہیں اور اتنی مقدار میں عمدًا کھاتے ہیں کہ فتور حواس پیدا ہو اسلئے یہ حکم تحریر فرمایا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

اس چوتھے کو پیچھے تنہا کھڑا ہونا چاہئے یا نہیں۔

الجواب(۱)۔ اگر محراب اتنی وسیع ہو کہ اس میں امام کے پیچھے ایک صف ہو سکتی ہے، اور امام محراب میں کھڑا ہوا تو مقتدی بھی محراب میں کھڑے ہوں گے ورنہ امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا بے ضرورت مکروہ ہے۔ اور ضرورت ہو کہ آدمیوں کی کثرت ہے، اور محراب کے اندر امام کھڑا ہوگا تو گنجائش نکل آئیگی، ایسی صورت میں امام کے تنہا کھڑے ہونے میں بھی کراہت نہیں، درمختار میں ہے فلو قاموا على الرفوف والامام على الارض او فى المحراب لضيق المكان لم يكره كما لو كان معه بعض القوم فى الاصح وبه جرت العادة فى جوامع المسلمين۔ ردالمحتار میں ہے قوله فلو قاموا الخ تفريع على عدم الكراهة عند العذر، كجمعة وعيد. قال فى المعراج وذكر شيخ الاسلام انما يكره هذا اذا لم يكن عذر اما اذا كان فلا يكره كما فى الجمعة اذا كان القوم على الرف وبعضهم على الارض لضيق المكان. وحكى الحلوانى عن ابى الليث لا يكره قيام الامام فى الطاق عند الضرورة بان ضاق المسجد على القوم اھ قوله كما لو كان" الخ محترز قوله وانفراد الامام على الدكان۔ قال فى البحر قيد بالانفراد لانه لو كان بعض القوم مع الامام فقيل يكره. والاصح لا. وبه جرت العادة فى جوامع المسلمين فى اغلب الامصار. كذا فى المحيط اھ والظاهر انه لا يكره ولو بلا عذر والاكان داخل فيما قبله تامل. اور بلا ضرورت مقتدیوں کو دروں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ قطع صف ہے، اور قطع صف ممنوع، حدیث میں ارشاد فرمایا، من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله

(۲) جب ایک مقتدی ہے تو امام کے برابر داہنی جانب کھڑا ہو، پھر جب دوسرا شامل ہوا تو امام آگے بڑھ جائے، یا مقتدی پیچھے ہٹ جائے، اور اگر یہ بھی امام کے برابر کھڑا ہو گیا، تو نماز مکروہ تنزیہی ہوئی، اور اگر قعدہ اخیرہ میں یہ دوسرا مقتدی شامل ہونا چاہتا ہے، تو بائیں جانب بیٹھ جائے، کہ نہ امام آگے بڑھ سکتا ہے، نہ مقتدی پیچھے ہٹ سکتا ہے، اور اگر تیسرا مقتدی اور شامل ہونا چاہتا ہے، اور امام کے داہنے بائیں دو مقتدی ہیں، اور یہ بھی برابر میں کھڑا ہوا، تو مکروہ تحریمی ہے بلکہ اگر امام نہ آگے بڑھے نہ مقتدی پیچھے ہٹیں، تو یہ تنہا پیچھے کھڑا ہو جائے، کہ مجبوری ہے۔ درمختار میں ہے ويقف الواحد محاذيا ليمين امامه على المذهب فلو وقف عن يساره كره اتفاقا والزائد يقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو اكثر۔ طحطاوی علی الدر میں ہے كره تحريما لو اكثر لترك الواجب دل على ذالك قوله فى الهداية فى وجه كراهة امامة النساء لانها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الامام وسط الصف۔ ردالمحتار میں ہے اذا اقتدى بامام فجاء آخر

ء تنزیہی کما فی البہار۔ امجدی

بتقدم الامام موضع سجوده. كذا فی مختارات النوازل. وفی القهستانی عن الجلالی ان المقتدی یتأخر عن الیمین الی خلف اذا جاء آخر اهـ۔ وفی الفتح ولو اقتدی واحد بآخر فجاء ثالث یجذب المقتدی بعد التکبیر ولو جذبه قبل التكبير لا يضره وقيل يتقدم الامام اهـ ومقتضاه ان الثالث یقتدی متأخرا ومقتضی القول بتقدم الامام انه يقوم بجنب المقتدى الاول والذى يظهر انه ينبغى للمقتدى التأخر اذا جاء ثالث فان تأخر والا جذبه الثالث ان لم يخش افساد صلاته فان اقتدى عن يسار الامام يشير اليه بالتأخر وهو اولى من تقدمه لانه متبوع ولان الاصطفاف خلف الامام من فعل المقتدين لا الامام فالاولى ثباته فى مكانه وتأخر المقتدى ويؤيده ما فى الفتح عن صحيح مسلم قال جابر رضى الله تعالى عنه سرت مع النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى غزوة فقام يصلى فجئت حتى قمت عن يساره فاخذ بيدى فادارنى عن يمينه فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فاخذ بيديه جميعا فدفعنا حتى اقامنا خلفه اهـ. وهذا كله عند الامكان والا تعين الممكن. والظاهر ايضا ان هذا اذا لم يكن فى القعدة الاخيرة والا اقتدى الثالث عن يسار الامام لا تقدم ولا تأخر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۴) مسئولہ مولوی امام بخش طالب علم درجہ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز فجر کا وقت موجود ہے، اور لوگ جماعت کے منتظر ہیں ایک شخص نے اس خیال سے کہ جماعت ہونے تک نماز کا وقت نہ رہیگا، تنہا فرض پڑھ لیا، اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی، وہ شخص جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) مسجد میں دوڑ کر جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے۔

الجواب (۱) جب اس نے فرض پڑھ لئے، تو اب جماعت میں شامل ہونا جائز نہیں، کہ اب جو پڑھے گا نفل ہے اور نماز فجر کے بعد نفل ناجائز۔ درمختار میں ہے وكذا الحكم من كراهة نفل بعد طلوع فجر سوى سنته۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ یہ شخص مسجد سے چلا جائے، اگرچہ اقامت ہو چکی ہو، کہ جماعت میں شریک ہونا بھی ناجائز ہے، اور مسجد میں ایسے وقت ٹھہرنا بھی ناجائز۔ درمختار میں ہے من صلى الفجر والعصر والمغرب فيخرج مطلقا وان اقيمت لكراهة النفل بعد

الاوليين وفى المغرب احد المحظورين، البتيراء او مخالفة الامام بالاتمام وفى النهر ينبغى ان يجب خروجه

لان کراہۃ مکثہ بلا صلوٰۃ اشد ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) دوڑ کر نہ چلے، اگرچہ رکعت جاتی رہنے کا خیال ہو، اب جتنے پڑھ لے اور جتنی رکعتیں فوت ہوگئیں انھیں بعد میں پڑھ کے پوری کرلے، حدیث میں ارشاد فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تأتوہا تسعون وأتوہا تمشون وعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وفی روایۃ المسلم، فان احدکم اذا یعمد الی الصلوٰۃ فھو فی صلاۃ جب نماز قائم ہوجائے تو دوڑ کر نہ آؤ، بلکہ چل کر آؤ اور اطمینان اپنے اوپر لازم رکھو، جو امام کے ساتھ مل جائے پڑھ لو اور جو جاتی رہے اُسے پوری کرلو کہ جب کوئی شخص نماز کا قصد کرتا ہے تو وہ نماز میں ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۵) مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از چتور گڑھ علاقہ اودے پور میواڑ ۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ

اگلی صف میں تین چار مرد کھڑے ہیں، اور لڑکے پوری صف کے ہیں، اور جماعت ختم ہونے تک اور مرد آکر ملنے والے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے، اگر لڑکے صف اول کو پورا کرتے ہیں تو پیچھے مردوں کو آکر کھڑا ہونا پڑتا ہے، اور جگہ خالی چھوڑتے ہیں تو لڑکوں کے آگے باصف چیر کر مردوں کو آنا پڑتا ہے، ورنہ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر مردوں کو لڑکوں کے پیچھے صف لگانا پڑتا ہے، کیا کرے۔

الجواب:- لڑکے اپنی دوسری صف لگائیں اور بعد میں آنے والے مرد صف چیر کر یا کنارے کچھ جگہ ہو تو اُدھر سے آکر صف اول میں شامل ہوں، اگرچہ بچوں کے آگے سے گذرنا پڑے، لان الصف الاول لاحق فیہ للصبیان مستحق الامام ساترۃ لمن خلفہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۶) مسئولہ جناب ثابت علی صاحب از ٹانڈہ (فیض آباد) ۸ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسائل بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ بعد الحساب

(۱)۔ محراب کی کیا تعریف ہے۔

(۲)۔ امام جماعت اولیٰ مسجد کے صحن میں محراب کے سامنے نماز پڑھاتا ہے، نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں۔

(۳)۔ بعد جماعت امام کو کس طرف ہٹ کر سنت ادا کرنی چاہئے۔

(۴)۔ ایک مسجد میں تین شخص آئے ایک امام بنا، دو مقتدی، اور محراب کے نزدیک نماز ادا کئے بعدہ تیس آدمی

مع امام راتب آئے اب اس امام کو محراب کے نزدیک یا محراب کے سامنے دور ہو کر نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب (۱) حقیقۃً محراب وسطِ مسجد کا نام ہے، اور یہ طاق معروف چونکہ وسط میں بنایا جاتا ہے اس لئے اس کو محراب کہتے ہیں، مبسوط پھر معراج پھر رد المحتار میں ہے السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان۔ اور حدیث میں ارشاد ہوا توسطوا الامام وسدوا الخلل۔ امام کو بیچ میں رکھو اور کشادگی کو بند کرو! اس ارشاد کی تعمیل اصل مقصود ہے۔ درمختار میں ہے ویقف وسطاً لہٰذا مسجد کے جس حصہ میں اندر یا باہر نماز ہو امام ایسی جگہ کھڑا ہو کہ وسط صف کے محاذی ہو کہ ارشاد حدیث پر عمل ہو۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صحن مسجد مسجد ہی ہے، اگر جماعت صحن میں قائم ہو تو اُسی ارشاد حدیث وفقہ پر عمل کرے۔ کہ وسط صف کے محاذی کھڑا ہو، عالمگیری میں ہے وینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنۃ الوسط او فی میسرتہ فقد اساء لمخالفۃ السنۃ، ھکذا فی التبیین۔ اگر وسط صف محراب معروف کے محاذی ہو، تو وہی جگہ ہے ورنہ اندرونی محراب کی محاذات نہیں لی جائیگی، کہ وسط میں قیام نہ ہوگا، اور وسط میں قیام نہ ہوگا تو کراہت ہے ورنہ نہیں، اور کراہت بھی اسی صورت میں ہے، کہ امام راتب جماعت کثیرہ کے ساتھ نماز پڑھاتا ہو، کہ وسط مسجد میں اگر کھڑا نہ ہو تو صف کے وسط میں نہیں ہوگا کہ اسی صورت میں ترک سنت ہے، ورنہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں! رد المحتار میں ہے والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامہ فی الوسط فلو لم یلزم ذالک لایکرہ تامل اھ اقول ولعلہ اشارۃ الی ان الامام لو لم یقف فی الوسط لقلۃ الجماعۃ ثم بعد الشروع اجتمع الناس وکمل الصف یلزم عدم توسط الامام وھو مکروہ وخلاف السنۃ ففی ھٰذہ الصورۃ وان لم یکن الکراھۃ فی الحال لکن یلزم فی المآل۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سلام کے بعد امام کو چاہیے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر سنت یا نفل پڑھے داہنے بائیں آگے پیچھے جو چاہے اختیار کرے، درمختار میں ہے ویکرہ للامام التنفل فی مکانہ۔ عالمگیری میں ہے ولا یتطوع فی مکان الفریضۃ ولکن ینحرف یمنۃ ویسرۃ او یتاخر وان شاء رجع الی بیتہ یتطوع فیہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) مسجد محلہ میں اگر کچھ لوگ امام راتب سے پہلے جماعت کر کے پڑھ گئے، تو اُن کی جماعت جماعت اولیٰ نہیں، جماعت اولیٰ یہ ہے جو امام راتب پڑھائیگا۔ اور اس صورت میں محراب سے ہٹ کر امام کو کھڑے ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ محراب

میں کھڑا ہو یعنی وسط میں کما ہو مفہوم کلام العلامۃ الشامی الماز ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۷) مسئولہ سید فرزند علی صاحب محلہ ملوکپور بریلی ۱۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو کوئی صف پوری ہونے کے بعد آئے تو وہ کسی دوسرے کو کیسے اپنا شریک کرے گا نیت باندھ کر یا بغیر نیت باندھے ہوئے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ جب صف پوری ہونے کے بعد کوئی شخص آیا تو انتظار کرے، اگر کوئی دوسرا آجائے، تو دونوں صف کے پیچھے کھڑے ہو جائیں، اور اگر کوئی دوسرا نہ آیا، یہاں تک کہ رکوع کا وقت آگیا، تو جماعت میں سے اس شخص کو کھینچنے کا اشارہ کرے جسے اس مسئلہ کا علم اسکے خیال میں ہو، وہ پیچھے ہٹ جائے تو اس کے ساتھ کھڑا ہو، ورنہ تنہا کھڑا ہو جائے، ناواقف کو نہ کھینچے کہ وہ اپنی نماز کھو بیٹھے گا، ردالمحتار میں ہے ان وجد فی الصف فرجۃ سدھا والا انتظر حتی یجیئ آخر فیقفان خلفہ وان لم یجیئ حتی رکع الامام یختار اعلم الناس بھذہ المسئلۃ فیجذبہ ویقفان خلفہ ولو لم یجد عالما لما یقف خلف الصف بحذاء الامام للضرورۃ اور اگر کسی کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تو تکبیر تحریمہ سے قبل اور بعد دونوں صورتیں جائز ہیں، فتاویٰ عالمگیری ص۸۸ج۱ میں ہے تام عن یمین الامام بحذاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسہ قبل ان یکبر للافتتاح حکی عن الشیخ الامام ابی بکر طرخان انہ لا تفسد صلاۃ المؤتم جذبہ الثالث الی نفسہ قبل التکبیر او بعد لکن فی المحیط وفی الفتاوی العتابیۃ ھو الصحیح کذا فی التاتارخانیۃ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۸) مسئولہ مولوی آفتاب الدین متعلم مدرسہ اہلسنت والجماعت بریلی شریف ۲۵ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سجدۂ سہو کے تشہد میں اقتدا صحیح ہے یا نہیں، مع دلائل ارشاد فرمائیں

الجواب۔ اقتدا صحیح ہے کہ ابھی تک وہ اسی نماز میں ہے خارج نہیں ہوا، بلکہ وہ مصلی جس پر سجدۂ سہو واجب ہوا، اگر بقصد خروج من الصلوٰۃ سلام پھیر دے جب بھی بالکل نماز سے خارج نہ ہوا، بلکہ اس کا خروج موقوف ہے اگر سجدہ سہو کر لیا، نماز میں آگیا ورنہ باہر ہو گیا جبکہ کوئی منافی صادر ہوا ہو، اور پہلی صورت میں اگر کسی نے اس کی اقتدا کی تو صحیح ہے، درمختار میں ہے سلام من علیہ سجود سہو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا وعلی ھذا فیصح الاقتداء بہ، نیز اسی میں ہے ویسجد للسھو ولو مع سلامہ ناویا للقطع لان نیۃ تغییر المشروع لغو ما لم یتحول عن القبلۃ او یتکلم ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۹) مرسلہ رضا حسن صاحب از موضع چھپیا ڈاکخانہ ادترلہ ضلع گونڈہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

حنفیوں کی جماعت میں اگر وہابی غیر مقلد شریک ہو کر نماز پڑھیں تو کیا حنفیوں کی نماز میں کوئی نقصان تو نہیں آئے گا۔

الجواب۔ غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، اس کا بیان کوکبۂ شہابیہ و رسالہ النہی الاکید میں دیکھئے۔ لہٰذا ان کا جماعت اہلسنت میں شامل ہونا قطع صف ہوگا اور یہ مکروہ۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۰) مرسلہ مولوی عبد العزیز خاں صاحب از ذکریا اسٹریٹ کلکتہ ۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید میں پچاس قدم آگے اور پچاس قدم پیچھے ایک ہی وقت میں دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ ایک امام معین ہو دوسرا غیر معین۔ بینوا توجروا

الجواب۔ نماز عید کے لئے بھی امام شرط ہے جس طرح جمعہ کیلئے اور امام سلطان اسلام ہوگا یا اس کا نائب یا قاضی اور جہاں یہ نہ ہوں تو عام لوگوں نے جس کو امام مقرر کر لیا ہو، وہ نماز پڑھائیگا۔ صورت مسئولہ میں جبکہ امام معین موجود ہے پھر دوسرے امام کو قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا امام معین نے جو پڑھایا ہے وہی صحیح ہے اور دوسری جماعت ناجائز[عہ]

مسئلہ (۲۱۱) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب بریلی محلہ جسولی ۷ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ

نماز مغرب کے علاوہ اور وقتوں کی نماز میں مقتدی وضو کرتے رہ جاتے ہیں، روزمرہ کے نمازی، اس حالت میں امام کو دس پانچ منٹ تک توقف کرنا کہ وضو کرنے والے بھی شریک جماعت ہو جائیں، اور تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائیں جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس انتظار میں کچھ حرج نہیں کہ اعانت علی البر ہے قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقویٰ. غنیہ میں ہے وینبغی للمؤذن ان ینتظر الناس وان علم بضعیف مستعجل اقام له، ہاں رئیس کا اسکی ریاست کیوجہ سے انتظار نہ کرے، اسی میں ہے ولا ینتظر رئیس المحلة لان فیه ریاء وایذاء لغیرہ۔ مگر لوگوں کو چاہئے کہ خواہ مخواہ دیر نہ کریں جس کی وجہ سے اور نمازیوں پر گرانی ہو، اگر اتفاقاً دیر ہو جائے تو اور بات ہے، مگر بعض لوگ قصداً آنے میں دیر کرتے ہیں، ان کا مقصود تکبیر اولیٰ ملنا ہوتا تو دیر نہ کرتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے جائیں گے تو دیر تک رہنا پڑیگا ایسوں کے لئے دیر کرنا کچھ مفید نہیں، بلکہ جتنی تاخیر کیجائے، یہ دیر میں آنا زیادہ کر دیں گے، کہ جلد نماز سے فارغ ہو کر چلدیں

عہ اس معنی کر کہ وہ سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ ان لوگوں کے سر نماز عید کے چھوڑنے کا وبال ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

ایسوں کے لئے تاخیر کچھ مفید نہیں کہ یہ جلد آنا اختیار نہ کریں گے، اور مقتدیوں پر انتظار گراں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۲) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ۔
نماز کا اعادہ کرنے والے کے پیچھے اقتدا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اعادہ نماز بربنائے ترک واجب ہے یعنی نماز مکروہ تحریمی ہوئی ہے، تو نیا مقتدی فرض پڑھنے والا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا، کہ امام کا فرض ادا ہوچکا ہے، مگر چونکہ ناقص طور پر ادا ہوا اس لئے اس نقصان کو دفع کرنے کے لئے اعادہ کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۳) از کلکتہ ذکریا اسٹریٹ ۲۲ مرسلہ مولوی عبدالعزیز خاں صاحب۔
(۱) فرض کے نماز کے بعد تجارتی ضرورت سے بغیر امام کے ہمراہ دعا مانگے چلا آنا کیسا ہے، کیونکہ دعا میں شامل ہونے سے لوگ سنتیں شروع کردیتے ہیں اور نکلنے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔

الجواب۔ امام کے ساتھ دعا میں شریک ہونا کچھ ضرور نہیں مگر بہتر ہے کہ جماعت کے ساتھ دعا کی جائے، کہ نسبت تنہائی کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے اگر ضرورت ہو تو مختصر دعا کے بعد چلا جائے ختم دعا تک انتظار کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۴) از مارواڑ کچامن سیٹی مرسلہ محمد عبدالشکور صاحب ۲۹ رجادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد۔ ما تقولون ایہا العلماء الکرام فی ان المولوی امیر علی صاحب المرحوم المغفور مترجم الہدایۃ والفتاوی العالمگیریۃ کتب فی ترجمۃ الہدایۃ التی سماہا بعین الہدایۃ فی ص ۳۰۳ ان اعادۃ الصلوٰۃ مکملۃ للصلوٰۃ التی ادیت مع الکراھیۃ التحریمیۃ ولا یجوز اقتداء الذی لم یکن مع الامام ابتداً ایضا الوجہ لعدم صحۃ الصلوٰۃ للمقتدی الجدید بینوا لأنّہ ربراھینہ من کتب الحدیث والفقہ الحنفی بیانا شافیا جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ۔

الجواب۔ اعلم ان الاقتداء ہو ربط صلوتہ بصلوٰۃ الامام فلابد لہ من ان تکون صلوٰۃ الامام متحدۃ بصلوٰۃ المقتدی بان تکون صلاتہما واحدۃ او تکون صلوٰۃ الامام متضمنۃ لصلوٰۃ المقتدی کاقتداء المتنفل بالمفترض فان الفرض مقید والنفل مطلق داخل فی المقید والمطلق واذا عرفت ھذا فاعلم ان الذی صلی الفرض مع ترک الواجب

فقد ادّیٰ فرضہ لکن بترک الواجب صارت صلوٰتہ ناقصۃ ووجب علیہ الاعادۃ لجبر النقصان فلما اشتغل بالاعادۃ فھو لیس بمفترض لان الفرض سقط من ذمتہ بل ھو یتم ویکمّل الفرض ومن لم یصل الفرض یؤدی فرضہ فلو اقتدیٰ بہ یلزم التغایر بین صلاتیھما ولم یوجد معنی الاقتدیٰ ای الربط ایضا یلزم بناء الاقوی علی الاضعف وھو لا یجوز۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۵) از قصبہ فتح گڑھ ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ ربیع ۱۳۵۸ھ

ایک ہی مسجد میں ایک منبر پر جمعہ وعید کی دوسری جماعت ایک ہی امام یا کسی دوسرے سے ہو سکتی ہے یا نہیں

الجواب ۔ ایک مسجد میں جمعہ یا عید کی متعدد جماعتیں نہیں ہو سکتیں ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۶) از کچامن بستی ارواڑ مرسلہ جناب محمد عبدالشکور صاحب ۱۴ ربیع المرجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہٰذا میں ہیجڑا مرد ہے یا عورت، اگر مرد ہے تو اسکو نماز میں مردوں کی پہلی یا دوسری یا تیسری صف میں کھڑے ہونے میں کیا قباحت ہے اور اس کے مرنے پر مرد کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا عورت کی حالانکہ درمختار کی عبارت سے یہ مرد ثابت ہوتا ہے، کتاب الحظر کے اخیر میں والخصی والمجبوب والمخنث الی الاجنبیۃ کالفحل الخ اس کو واضح طور پر حدیث اور فقہ کی کتابوں سے بیان فرمائیں ۔ بینوا توجروا الی یوم الحساب ۔

الجواب ۔ جب ہیجڑا مرد ہے اس کو عورت کیوں کر کہہ سکتے ہیں، جماعت میں یہ مردوں ہی کی صف میں کھڑا ہوگا، صف میں کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا جاسکتا، رہا جنازہ اس میں مرد عورت کا کچھ فرق نہیں نہ یہ ضرور ہے کہ مرد یا عورت اور اگر کوئی تخصیص کرنا ہی چاہے، تو اسے مرد تصور کرے کہ وہ مرد ہے، نیز جنازہ کی جو مشہور و معروف متداول دعا ہے، وہ مرد عورت دونوں کے لئے یکساں ہے، پھر اس کے لئے بھی تخصیص کی حاجت نہیں ہاں اگر وہ دعائیں پڑھنا چاہے جن میں مذکر و مؤنث کے ضمائر کا اختلاف ہے، یا ہیجڑا بچہ ہے تو ان صورتوں میں ان کے لئے مذکر کے صیغے پڑھے جائیں، درمختار کی صحیح عبارت یہ ہے والخصی والمجبوب والمخنث فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل یعنی عورت اجنبیہ کے جن مواضع کی طرف دیگر مردوں کو نظر کرنا حرام ہے انھیں بھی حرام کیونکہ ان میں بھی شہوت موجود ہوتی ہے جماع پر یہ قادر ہوتے ہیں لہذا ان کو غیر اولی الاربہ میں داخل کر کے معاملہ نظر میں عورت کے حکم میں نہیں شمار کر سکتے، یہ مسئلہ عامہ کتب فقہ میں یونہی ہے اور یہی صحیح ہے اور جن علماء نے فحل کے حکم میں نہیں لیا ہے وہ صرف مسئلہ نظر الی الاجنبیۃ کے بارے میں لیتے ہیں باقی صف میں قیام کے

۲ [illegible]

متعلق کسی نے بھی مردسے انھیں خارج نہیں کیا مخنث کے بارے میں ایک حدیث صحیح جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے، یہ ہے عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان عندھا وفی البیت مخنث فقال المخنث لاخی ام سلمۃ عبد اللہ بن ابی امیۃ ان فتح اللہ لکما الطائف غدًا ادلک علی ابنۃ غیلان فانہا تقبل باربع وتدبر بثمان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایدخلن ھٰذا علیکم۔ ہیجڑے یا خصی کے متعلق مجھے اس وقت کوئی حدیث یاد نہیں اور ان کا حکم بھی وہی ہے جو مخنث کا ہے۔[عــہ] واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۷) از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ نور الحق ولد منشی حاجی محمد حسن صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں

کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۱۹ میں بحوالہ شرح نقایہ لکھا ہے کہ درجہ بدلا ہوا ہونا خلاف سنت ہے مگر اس میں یہ عبارت نہیں ملتی لہٰذا اگر یہ مسئلہ کسی اور کتاب میں یا اسی کتاب میں لکھا ہو تو عبارت سے مطلع فرمایئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ کل مسجد ایک درجہ ہے، یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب ۔ امام ومقتدی کا مکان واحد ہونا شرط صحت اقتدا ہے یعنی اگر امام ایک مکان میں ہو اور مقتدی دوسرے میں تو اقتدا ہی صحیح نہیں، مسجد مکان واحد ہے اگر اسکے ایک حصہ میں امام ہو اور دوسرے میں مقتدی تو اسکو حقیقۃً اختلاف نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ مانع صحت اقتدا ہے مگر یہ کلام جواز وعدم جواز کے متعلق ہے، رہا یہ کہ ایسا کرنے میں کراہت بھی ہے یا نہیں اس سے اس کو تعلق نہیں کہ حکم صحت اقتدا سے یہ لازم نہیں کہ کراہت بھی نہ ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کل مسجد ایک درجہ ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مکان واحد ہے اس کے ہر حصہ میں اقتدا ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ مطلب ہو کہ اگر امام ایک درجہ میں ہو اور تمام مقتدی دوسرے درجہ میں تو اس میں کراہت بھی نہیں کہ یہ درجات کا اختلاف اصلاً معتبر نہیں، تو غلط ہے کہ اگرچہ یہ حقیقۃً اختلاف مکان نہیں کہ مانع اقتدا ہو مگر اختلاف مکان سے اس کو مشابہت ہے اور یہ سبب کراہت ہے ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان محراب مسجد اگرچہ اسی حصۂ مسجد میں ہے پھر اسکو تخصیص مکان قرار دیکر مکروہ فرمایا تو اگر بالکل درجہ ہی بدلا ہو تو بدرجۂ اولیٰ تخصیص مکان ہوگی اور یہ صورت بھی مکروہ ہوگی، کفایہ شرح ہدایہ میں قال شمس الائمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وفیہ طریقان احدھما انہ

[عــہ] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور کے تحت ہے، ھٰذا یدل علی منع المخنث والخصی والمجبوب من الدخول علی النساء۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی

اذا دخل الطاق صار ممتازا عن القوم فی المکان لانه فی معنی بیت اٰخر وذالك صنیع اھل الکتاب والتشبه بھم مکروہ والوجه الثانی ماحکی عن الفقیه ابی جعفر رحمه الله تعالٰی لانه یشتبه علی من عن یمینه وعن یسارہ حال وقال شمس الائمة السرخسی رحمه الله تعالٰی من اختار الطریقة الاخیرۃ لم یکرہ عند عدم الاشتباہ وان کان بمقام الامام فی الطاق بان کان علی جانبی الطاق فرجة ومن اختار الطریقة الاولی قال یکرہ فی الوجھین جمیعا وقال ھذا ھو الوجه۔ عنایہ میں ہے وانما اختار المصنف الوجه الاول لانه مطرد بخلاف الثانی اور امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالٰی مجرد محراب میں کھڑا ہونا سبب کراہت نہیں کہتے بلکہ اسوقت مکروہ کہتے ہیں جب وہ جگہ بلند ہو، مگر صاحب بحر نے اس پر اعتراض کر دیا کہ ظاہر الروایہ میں مطلقا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور جو وجہ صاحب فتح نے بیان کی تھی، اس پر صاحب بحر نے وارد کر دیا اور ظاہر یہی ہے کہ محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی جب اسکو مطلقا ذکر فرماتے ہیں تو اسکی ایسی وجہ قرار دینا کہ بعض صورت میں کراہت ہو اور بعض صورت میں نہیں، صحیح نہیں۔ نیز انھوں نے یہاں جامع صغیر میں دو مسئلے بیان فرمائے ایک محراب میں کھڑا ہونا دوسرا بلند جگہ کھڑا ہونا، تو اگر صاحب فتح کی توجیہ صحیح مانی جائے تو لازم ہے کہ مسئلہ محراب کا ذکر بے فائدہ ہو کہ وجہ کراہت محراب نہ ہوئی بلکہ بلندی اور بلندی کا مسئلہ جب خود مذکور ہے تو محراب کے ذکر کی کیا حاجت، لہٰذا محراب میں کھڑے ہونے کی علت کچھ بھی ہو وہی امتیاز و تخصیص من حیث المکان ہے صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراھة ولم یفصل واختلف المشائخ فی سببھا فقیل کونه یصیر ممتازا عنھم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت اٰخر وذالك صنیع اھل الکتاب واقتصر علیه فی الھدایه واختارہ الامام السرخسی وقال انه الاوجه وقیل اشتباہ حاله علی من فی یمینه ویسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقا وعلی الثانی لایکرہ عند عدم الاشتباہ وایّد الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام مطلوب وتقدمه واجب وغایته اتفاق الملتین فی ذالك وارتضاہ فی الحلیة وایدہ لکن نازعه فی البحر بان مقتضی ظاھر الروایة الکراھة مطلقا وبان امتیاز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مکان اٰخر ولھذا قال فی الولوالجیة وغیرھا اذا لم یضق المسجد عن خلف الامام لاینبغی له ذالك لانه یشبه تباین المکانین انتھی یعنی وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز فشبھة الاختلاف توجب الکراھة والمحراب وان کان من المسجد فصورته وھیئته اقتضت شبھة الاختلاف اھ ملخصا قلت ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کما ھو السنة لا لان یقوم فی داخله فھو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبه مکانا اٰخر

فادرث الکراھۃ ۔ تبیین الحقائق میں ہے وانما کرہ لمافیہ من التشبہ باھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان وحدہ وھذا لان المحراب یشبہ اختلاف المکانین خلاصہ یہ کہ قیام امام اندرون محراب مکروہ ہے اور وجہ کراہت بنا بر قول منصور یہ ہے کہ محراب اگرچہ مسجد ہے مگر اختلاف مکان سے اسے مشابہت ہے لہٰذا اسمیں کھڑا ہونا مشابہ اہل کتاب ہوا اور یہ مکروہ اور اگر درجہ بدلا ہو تو اس میں بھی یہی علت موجود تو خلاف سنت ہونا ظاہر یہاں شرح نقایہ موجود نہیں[عـه] مگر فہم مسئلہ کے لئے یہ عبارات کافی ہیں ۔ واللہ الموفق سواء السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۸) از جوڑہ بابو تالاب مرسلہ جناب غلام نبی و محمد خدا دین ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جذامی یا سفید داغ کو جماعت میں شامل ہونے سے کوئی حرج تو نہیں حکم کیا ہے ۔

الجواب ۔ جذامی یا سفید داغ والے کو مسجد میں آنا مکروہ ہے اور اگر آجائیں اور جماعت میں شامل ہوں ، تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ، ردالمحتار احکام مسجد میں ہے والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۱۹) کھانسی یعنی دمہ والا جو منٹ منٹ پر آتی ہے جس کی وجہ سے قرارت سننا مقتدیوں کیلئے دشوار ہو ایسے شخص کو جماعت میں شامل کیا جا سکتا ہے ۔

الجواب ۔ کھانسی یا دمہ والے کو جماعت میں شامل ہونے سے روکنا ، اس کا کوئی جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گذرا

مسئلہ (۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دروازے پر مسجد ہے اور وہ بلا وجہ جماعت ترک کرتا ہے اور مکان میں نماز پڑھ لیتا ہے ، اسکی نماز ہوتی ہے یا نہیں ، شرع شریف کا کیا حکم ہے ۔

الجواب ۔ جماعت واجب ہے اور اس کا ترک بلا وجہ شرعی گناہ خصوصاً ایسے شخص کے لئے کہ مسجد دروازہ پر ہے اسے مسجد ترک کرنا بہت معیوب ہے ایک حدیث میں آیا ہے لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد کہ ایسے کی نماز کامل نہیں ، مکان میں نماز ہوجاتی ہے باطل نہیں ہوتی ، مگر ترک جماعت کا گناہ ہوتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[عـه] فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۴۹۹ پر یہ ہے : ۔ امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہو خلاف سنت ہے کما فی شرح النقایہ ۔ شرح نقایہ دو ہیں ، ایک برجندی کی دوسرے ملا علی قاری کی ۔ برجندی یہاں بھی نہیں ، ملا علی قاری کی شرح ہے ۔ اسمیں یہ ہے کہ (ذکر تخصیص الامام بمکان) بان یکون الامام علی مکان مرتفع والقوم تحت موقفہ وقدرالارتفاع قدر قامۃ الرجل وقیل بذراع وقیل بما یقع بہ الامتیاز وذکرنا کرہ ان یکون الامام وحدہ قائما فی المحراب لان ذالک یشبہ فعل اہل الکتاب حیث یخصون امامھم بمکان علی حدۃ ۔ اس سے یہ تو صاف واضح ہے کہ امام تنہا بلندی پر ہو ایک جمیع میں ہو اور کل مقتدی دوسرے درجہ میں ہوں تو کراہت ہے ۔ مگر غالباً اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے شرح نقایہ سے برجندی مراد لیا ہے واسلئے کہ عند الاطلاق وہی متبادر ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ المجدی

مسئلہ (۲۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں اس قدر آدمی ہیں کہ گنجائش باقی نہیں ایسی حالت میں در میں جماعت کھڑی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ در جب خارج مسجد سمجھا جاتا ہے تو جب تک مسجد بھر نہ جائے در میں نہیں کھڑے ہو سکتے اور بلا وجہ امام در میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو نماز ہو گی یا نہیں۔

الجواب ۔ دروں میں کھڑے نہ ہوں کہ مکروہ ہے ہاں اگر مصلیوں کی کثرت ہے کہ مسجد بھر گئی اور آدمی باقی ہیں تو دروں میں کھڑے ہوں کہ یہ کھڑا ہونا بضرورت ہے اور مواضع ضرورت مستثنیٰ ہیں در خارج مسجد نہیں ہے اسمیں کھڑا ہونا اس وجہ سے مکروہ و ممنوع ہے کہ صف قطع ہوتی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ امام کو در میں کھڑا ہونا خلاف سنت ہے اور نماز ہو جائیگی ۔ ــــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۲) از جے پور بیرون اجمیری دروازہ متصل مکتب تعلیم الاسلام مرسلہ حکیم عبدالناصر صاحب قادری

۸ رجمادی الثانی ۱۳۴۹ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باوجود عالم ہونے کے قصداً اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں (ص) کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیتا ہے اور صراط الذین میں (ص) کے کسرہ کو ضمہ سے تبدیل کر دیتا ہے اور اسکو مضموم پڑھتا ہے، دریافت کرنے پر جواب دیتا ہے کہ میں (ص) اصل مخرج سے نکالنا چاہتا ہوں اور جو لوگ (ص) کو اصل مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہیں، بالکسر پڑھتے ہیں، حالانکہ شخص مذکور تجوید سے ناواقف ہے۔ اسی طرح وہ عالم دین ہونے کے باوجود جماعت ثانیہ کو ناجائز بتاتا ہے حالانکہ مسجد شارع عام پر ہے اور دلیل میں علمائے دیوبند کا فتویٰ پیش کرتا ہے۔ کیا جماعت ثانیہ قطعاً منع ہے، اور ایسی مسجد میں جو شارع پر واقع ہو اور لوگ ہر وقت آتے جاتے رہتے ہوں

الجواب ۔ بالقصد قرآن مجید کو غلط پڑھنا تبدیل کلمات اللہ ہے اور یہ حرام و سخت حرام بلکہ کفر ہے اور اس کا یہ کہنا کہ جو لوگ اصلی مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہیں بالکسر پڑھتے ہیں بالکل غلط ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ (ص) کو کسرہ پڑھا جا سکتا نہیں۔ لہٰذا یہ کسرہ غلط ہے تو قراءت متواترہ کو غلط بتاتا ہے اور یہ نرا جہل اور بددینی ہے مسجد محلہ میں اذان و اقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے اور راستہ کی مسجدیں یا جس مسجد میں امام و مؤذن مقرر نہ ہوں انہیں کراہت نہیں۔ درمختار میں ہے ویکرہ تکرار الجماعة باذان و اقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام له ولا مؤذن۔ شارع عام

عہ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق اور کامل توضیح اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ "القطوف الدانیۃ عن احسن الجماعۃ الثانیۃ" میں ملاحظہ کریں۔ امجدی

کی مسجد جہاں لوگ ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اسمیں جماعت ثانیہ ہرگز مکروہ نہیں، بلکہ اس مسجد میں جماعت ثانیہ اذان و اقامت کے ساتھ جائز بلکہ افضل ہے، بلکہ مسجد محلہ میں بھی اگر بغیر اذان و اقامت جماعت ثانیہ محراب اولیٰ بدل کر قائم کیجائے تو کراہت نہیں، ردالمحتار میں ہے، ویکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ الا اذا صلی بہا فیہ اولا غیر اہلہ و اہلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اہلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامۃ علی حدۃ کما فی امالی قاضیخان نحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلۃ ما لہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرہا قال فی المنبع التقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا اھ۔ دیوبندیوں کا فتویٰ قابل اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۳) زید مسجد کے نزدیک رہتا ہے اور پنجوقتہ بلاناغہ اذان سنتا ہے مگر مسجد میں آکر فرضوں کو جماعت سے ادا نہیں کرتا بلکہ گھر میں پڑھتا ہے اور نہ کوئی شرعی عذر رکھتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب - مسجد میں فرض پڑھنا سنت اور جماعت واجب بلا وجہ شرعی ان کو ترک کرنے والا گنہگار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۴) فجر ہی کی سنتوں کا یہ حکم ہے کہ اس صف پر نہ پڑھی جائے جس پر جماعت پڑھی جاتی ہو یا ہر سنت کا۔

الجواب - یہ حکم نہ فجر کی سنت کا ہے نہ دوسری سنتوں کا صف پر سنت پڑھ سکتے ہیں، ہاں جب جماعت کھڑی ہو جائے، اور گمان غالب ہو کہ سنت پڑھکر جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، تو فجر کی سنت دوسری جگہ علٰحدہ پڑھکر جماعت میں شامل ہو اور دوسری نمازوں میں سنت پڑھنے کی اجازت نہیں نہ اس جگہ نہ علٰحدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۵) مقتدی امام کے پیچھے نیت کر کے کھڑا ہوا جب مقتدی بیٹھنے لگا امام نے سلام پھیر دیا۔ مقتدی شامل جماعت ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب - بیٹھنے سے قبل سلام پھیر دیا تو شامل جماعت نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - (۲۲۶) محمد حبیب حسین صاحب و محفوظ الکریم بانکی پور دریا پور ۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ
مقتدی اور امام کے لئے حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر کھڑا ہو جانا اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ پر تحریمہ باندھ لینا ہر وقت

مستحب اور ضروری ہے یا کسی تعذر مثلاً صف بندی کی درستگی کی بنا پر ضروری اور مستحب نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ فقہائے کرام نے یہ حکم امام و مقتدی کے لئے مطلقاً بیان کیا ہے، اس قسم کی کوئی تقیید نہیں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اور تسویہ صف میں کوئی منافات نہیں ہے اور بڑے بڑے شہروں اور بڑی مسجدوں[1] میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم پر عمل کرنا تسویہ صف کے لئے مانع نہیں ہے۔ میں نے خود کلکتہ کی بڑی مسجد میں بارہا دیکھا ہے مقتدیوں کو چاہیے کہ پہلے سے درست ہو کر بیٹھیں، کہ دونوں حکموں پر عمل ہو۔ ہاں اگر تسویہ صف نہ ہوا ہو تو اسکی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے تسویہ صف کیا جائے[2] اور اسکو ہرگز ترک نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۷) مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب چتورگڑھی امداد دپور میرپور مدرسہ اسلامیہ ۱۱ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق جو قعدہ اخیرہ میں شامل ہوا، اور تشہد پورا کرنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا، تو تشہد پورا کرکے اٹھے یا فوراً اور تشہد پورا کرنے کی کیا دلیل ہے، کتاب سے جزئیہ کی تصریح چاہیے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ پورا تشہد پڑھ کے اٹھے کہ ہر قعدہ بقدر تشہد اور قعدہ میں پورا تشہد واجب، تو اب واجب ہونے کے بعد کونسا مسقط پایا گیا کہ ساقط ہو، قعدۂ اولیٰ میں باوجود اس کے کہ متابعت امام واجب تھی، مگر چونکہ دوسرے واجب کے معارض ہوئی، ساقط ہوئی، حالانکہ قعدہ اولیٰ کا وجوب خود مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ اصح وجوب ہے، پھر بھی تشہد پورا کرنیکا حکم ہے، تو قعدۂ اخیرہ کہ فرض ہے اور فرائض میں امام کی متابعت واجب، لہٰذا یہ قعدہ اگرچہ بذاتہ اس پر نہ تھا، مگر متابعت امام سے واجب ہوگیا، اور ہر قعدہ میں تشہد واجب جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر، تو بغیر تشہد پورا کئے اٹھنا ترک واجب ہوگا کما ہو الظاہر۔ اور قعدہ اخیرہ میں تو فوراً اٹھنا سنت بھی نہیں، اگرچہ تشہد پڑھ چکا ہو، بلکہ مستحب یہ ہے کہ تاخیر کرے کہ ممکن ہے کہ امام کو سہو ہوا ہو، اور سجدہ سہو کرے، اور جب یہ ہے تو بغیر تشہد پورا کئے کیونکر اٹھنا جائز ہوگا۔ مسئلہ بہت واضح ہے، مگر آپ جزئیہ چاہتے ہیں، لہٰذا جزئیہ نقل کرتا ہوں:۔

شلبیہ علی الزیلعی میں ہے قال الفقیہ ابو اللیث فی النوازل اذا ترک الامام التشہد و قام او سلم فی اخر الصلوٰۃ المختار عندی انہ یتم التشہد و ان لم یفعل اجزاہ۔ و رأیت فی موضع اٰخر المسبوق اذا فرغ الامام من قراۃ التشہد و لم یفرغ ھو قبل یتم التشہد و قیل لا یتم لانہ انما یاتی بالتشہد ھھنا متابعۃ للامام وقد انقطعت المتابعۃ بسلام

---

[1] یعنی اقامت کے بعد، یہ مطلب نہیں کہ اثنار اقامت میں کھڑے ہو کر صف درست کریں۔ امام کو چاہیے کہ صف سیدھی ہونے کا انتظار کرے۔ قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کرنے کا حکم استحبابی ہے، یہ اجازت جواز کے درجے میں ہے۔ مستحب یہی ہے کہ اقامت پوری ہو لینے کے بعد نماز شروع کی جائے ۱۲ ش

[2] ش مولانا امام محمد ہے۔

الامام وتد قیل یتم لانہ بمنزلۃ ذکر واحد فلو قطعہ تبطل بخلاف تسبیحات الرکوع والسجود لان کل تسبیحۃ ذکر علی حدۃ اھ درمختار میں ہے بخلاف سلامہ قبل تمام المؤتم التشہد فانہ لایتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز۔ ردالمحتار میں ہے وشمل باطلاقہ مالو اقتدی بہ فی اثناء التشہد الاول او الاخیر فحین قعد قام امامہ او سلم و مقتضاہ انہ یتم التشہد ثم یقوم ولم ارہ صریحا ثم رأیتہ فی الذخیرۃ ناقلا عن ابی اللیث المختار عندی انہ یتم التشہد وان لم یفعل اجزأہ اھ وللہ الحمد۔ رہا یہ امر کہ جائز اور اجزأ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ پڑھ لینا اولی بہتر ہے، نہیں، نہیں، بلکہ یہ جواز مع کراہۃ التحریم ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے، کہ تشہد واجب ہے تو اس کا ترک مفسد نماز نہیں، بلکہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور جواز بایں معنی محاورہ فقہا میں شائع ہے، کما لایخفی علی من تتبع کلماتہم۔ ردالمحتار میں اسی کی شرح میں فرمایا جاز ای صح مع کراہۃ التحریم کما افادہ ح یعنی علامہ طحطاوی وغیرہ نے جو اس پر اعتراض کیا تھا، اس کا جواب دیا، اور آخر میں فرمایا قولہم لایتابعہ یدل علی بقاء وجوب الاتمام وسقوط المتابعۃ تاکد ماشرح فیہ علی ما لم یعرض بعدہ وکذا ماقدمناہ عن الظہیریۃ وحینئذ فقولہم ولو لم یتم جاز معناہ صح مع الکراہۃ التحریمیۃ ویدل علیہ ایضا تعلیلہم لوجوب التشہد اذ لو کانت المتابعۃ واجبۃ ایضا لم یصح التعلیل کما قدمناہ فتدبر وانا اقول وباللہ التوفیق وان لم یکن الجواز مع کراہۃ التحریم فلا یکون الجواز لان فی القعدۃ الاولی متابعۃ الامام واجبۃ وقد حکم الفقیہ ابو اللیث باتمام التشہد وترک المتابعۃ فبای وجہ تسقط المتابعۃ ان لم یکن الاتمام واجبا ومعلوم ان السنن تترک وتسقط اذا عارضت المتابعۃ فکیف یعم الاتمام اذا لم یکن واجبا ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۸) مسئولہ آفتاب الدین طالب علم مدرسہ اہلسنت ۲۳ رجادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام تشہد پڑھ رہا تھا اس صورت میں ایک شخص آکر حالت قیام میں اقتدا کرکے بیٹھنے کے لئے دونوں زانو زمین پر رکھا ہی تھا، کہ امام نے سلام پھیر دیا، اس شخص کی اقتداء درست ہوئی یا نہیں۔

الجواب : اگر فوراً بلاتوقف امام نے سلام پھیر دیا تو اقتدا صحیح نہ ہوئی، کہ اقتدا کے لئے کسی جزو نماز میں مشارکت ضرور ہے۔ ردالمحتار میں ہے انما اتباع الامام فی جزء من صلاتہ ——————— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۲۹) از قصبہ فتح گڈھ ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ رجب ۱۳۳۶ھ

تنہا آدمی یا مسبوق اپنی باقی نماز جہر سے پڑھے یا آہستہ۔

الجواب ۔ منفرد آدمی جہر سے پڑھ سکتا ہے بلکہ اولیٰ ہے کہ اگر دوسرا شخص آگیا تو اس کے ساتھ شریک ہو جائیگا اور دونوں کو جماعت کا ثواب ملے گا، مسبوق جہر سے نہ پڑھے کہ دوسروں کو دھوکا ہوگا اور اسے منفرد سمجھ کر شریک ہو جائینگے۔

مسئلہ (۲۲۹) از چوری پٹی دیناج پور مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب کیراف شیخ فصیح اللہ عاشق علی انصاری ۵ صفر المظفر ۱۳۵۳ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسبوق نے چار رکعت والی فریضہ نماز کی آخری رکعت میں شرکت کی دریں صورت امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو تین رکعت نماز اسے ادا کرنی ہے ان میں کے رکعتوں میں بعد سورہ فاتحہ سورہ ضم کریگا، موافق حکم خدا و رسول واضح طریق پر بیان فرمائیں۔

الجواب ۔ ان تین میں سے دو پہلی میں ضم سورہ واجب ہے اور ان میں کی پہلی کے بعد قعدہ کرے کہ قعدہ دو رکعت پر ہوتا ہے اور اسکی دو رکعتیں ہو چکیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے انه یقضی اول صلاته فی حق القراءة واٰخرها فی حق التشهد حتی لو ادرك ركعة من المغرب قضی ركعتين وفصل بقعدة فیكون بثلث قعدات وقرء فی كل فاتحة وسورة ولو ترك القراءة فی احدهما تفسد ولو ادرك ركعة من الرباعية فعليه ان يقضی ركعة يقرء فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضی ركعة اخری كذالك ولا يتشهد۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۰) اگر مسبوق امام کو رکوع میں پائے تو کس طرح تکبیر تحریمہ کہکر رکوع ادا کرے اور اگر رکوع فوت ہونے کا خوف ہو تو کس طرح امام کی متابعت کی جائے۔

الجواب ۔ اگر امام کو رکوع میں پایا تو سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے پھر دوسری مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اگر تکبیر تحریمہ کہتا ہوا رکوع میں چلا گیا یعنی تکبیر اس وقت ختم ہوئی کہ حد رکوع تک پہنچ گیا ہے کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنوں تک پہنچ جائیں تو نماز جاتی رہی پھر سے ادا کرے کذا فی الدر المختار وغیرہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۱) مرسلہ عزیزی مولوی غلام یزدانی سلمہ از جود هپور مارواڑ ۵ صفر ۱۳۵۹ھ۔

فرض نماز میں نقصان آیا اور نماز اعادہ کی گئی اس نماز میں وہ شخص شریک ہو سکتا ہے یا نہیں جس نے فرض نہیں پڑھا یعنی نیا مقتدی شامل ہو سکتا ہے یا نہیں اور یہ نماز خالی پڑھی جائیگی یا اسکی سب رکعتیں بھری پڑھی جائیں، اور جہری

نماز ہو اور جماعت کے ساتھ اعادہ کیا جائے تو جہر کیا جائے یا نہیں۔

(۲) ۔ نماز عیدین میں جس مسبوق کی ایک رکعت چھوٹ گئی وہ جب اپنی پڑھے گا تو پہلے تکبیر کہے گا یا قرأت کرے گا، علامہ شامی کی عبارت سے اس امر کی ترجیح ہو رہی ہے کہ پہلے قرأت کرے گا۔ کلیہ مشہورہ اس امر کا مقتضی ہے کہ پہلے تکبیرات کہی جائیں اگرچہ صحابہ سے اس کی تائید ثابت نہیں لیکن تائیداً در قول کا نہ ہونے سے نفی کا ثبوت نہیں ہوتا اور توالی تکبیرات میں مجھے کوئی قباحت متصور نہیں ہوتی، البتہ علامہ شامی نے نفی کی تائید میں حضرت مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش فرمایا ہے جس سے یہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے، مگر حضور نے بہار شریعت میں اس مسئلے کو مجمل ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ اپنی پڑھنے کو کھڑا ہو کہے، جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ قرأت کے بعد کہے بلکہ اس امر کا ترشح ہوتا ہے کہ پہلے کہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ حضور کے خیال مبارک میں کون صورت راجح ہے۔

الجواب (۱) ۔ مفترض اس شخص کی اقتدا نہیں کر سکتا جو بوجہ نقصان نماز کا اعادہ کر رہا ہے خواہ یہ اعادہ واجب ہو یا مندوب۔ شق دوم میں وجہ ظاہر ہے کہ امام متنفل ہے اور مقتدی مفترض۔ مفترض متنفل کا اقتدا نہیں کر سکتا۔ صورت اولیٰ کہ اعادہ واجب ہے، یہ بھی اسوقت ہے کہ جب اصل فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکا ہو، ترک واجب یا فعل کراہت تحریم کی وجہ سے اسے اعادہ کا حکم ہوا۔ تو یہ شخص مفترض نہیں کہ فرض پڑھ چکا کہ یہ اعادہ جبر نقصان کے لئے ہے نہ کہ ادائے فرض کے لئے ورنہ اُسے اعادہ نہ کہتے بلکہ ادا کرنا کہا جاتا۔ تو جب یہ شخص فرض نہیں ادا کرتا ہے بلکہ فرض کی تکمیل کر رہا ہے تو مفترض اقتدا نہیں کر سکتا کہ اقتدا کے لئے اتحادِ نماز شرط ہے، درمختار میں ہے واتحادمکانہما وصلاتہما۔ ردالمحتار میں ہے قال فی البحر والاتحاد ان یمکنہ الدخول فی صلاتہ بنیۃ صلاۃ الامام فتکون الامام متضمنۃ لصلاۃ المقتدی اھ فدخل اقتداء المتنفل بالمفترض لان ما صلاۃ فرض علیہ لو نوی صلاۃ الامام المفترض صحت نفلا و لان النفل مطلق والفرض ... والمطلق جزء المقید فلا یغایرہ کما فی شرح المنیہ۔ اعادہ میں نماز اسی طرح پڑھی جائیگی جس طرح فرض پڑھتے ہیں یعنی دو خالی دو بھری اور جہری ہو تو جہر کے ساتھ، سری ہو تو سراً کہ یہ نماز نفل نہیں بلکہ اسی فرض کی تکمیل ہے　　واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) ۔ نماز عیدین میں جسکی پہلی رکعت جاتی رہی وہ جب اسکو ادا کرے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے قرأت کرے بعد میں تکبیرات کہے، کلیہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے تکبیر کہی جائے۔ پہلی رکعت میں تکبیرات کا تقدم اس وجہ سے تھا کہ تکبیر تحریمہ سے اسکا الحاق

بہ نسبت تکبیر رکوع کے اولیٰ تھا، بحر الرائق میں ہے فی الرکعۃ الاولیٰ تخللت الزوائد بین تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرۃ الرکوع فوجب الضم الی احدھما والضم الی تکبیرۃ الافتتاح اولیٰ لانھا سابقۃ وفی الرکعۃ الثانیۃ الاصل فیہ تکبیرۃ الرکوع لاغیرہ فوجب الضم الیھا ضرورۃ کذا فی المحیط۔ اس عبارت سے بھی یہی ثابت کہ بعد میں کہے کیونکہ مسبوق کی اس رکعت میں تکبیر افتتاح ہی نہیں دراصل اس رکعت میں تکبیر رکوع ہے لہٰذا اسی کے ساتھ ضم کیجائے۔ جب قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ قراءت کے بعد کہی جائیں تو اس کے ترک کے لئے صحابہ کرام کا قول یا فعل درکار تھا اور جب یہ موجود نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول قیاس ہی کا مؤید ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور علامہ شامی اور ائمہ کی عبارت کا مطلب واضح ہو گیا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں رکعتوں کی قراءت میں موالات مندوب ہے، عامۂ متون میں ہے ویوالی بین القرأتین اور موالات بین التکبیرات خلافِ اجماع ہے۔ غنیہ ذوی الاحکام میں ہے ان البدائۃ بالتکبیرات تؤدی الی الموالات بین التکبیرات وھو خلاف الاجماع اسی وجہ سے صاحب درمختار نے قراءت کو مقدم کرنے کی یہی وجہ لکھی ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر۔ اور بحر الرائق میں بھی یہی کہا کہ یصیر موالیا بین التکبیرات اور علامہ شرنبلالی نے تکبیرات کو مؤخر کرنے کو ظاہر الروایۃ کہا اور مقدم کرنے کو نوادر کی روایت بتایا اور ظاہر ہے کہ ظاہر الروایۃ کو نوادر پر مقدم و ترجیح ہے ان کی عبارت غنیہ میں یہ ہے ویوالی بین القرأتین اقول الا ان یکون مسبوقا برکعۃ ویری رأی ابن مسعود فیقرأ اولا ثم یکبر تکبیرات العید وفی النوادر یکبر اولا (الی ان قال) وجہ الظاہر الخ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۲) مسئولہ یاد علی صاحب دارثی مہنداول ضلع بستی ۷ محرم ۱۳۴۶ھ۔

زید ظہر کے وقت جماعت میں اسوقت شامل ہوا جبکہ امام پہلی رکعت پڑھ چکا تھا، یعنی دوسری رکعت میں شامل ہوا اب امام قعدہ اخیرہ میں تشہد و درود و دعاء ماثورہ پڑھ کر سلام پھیرے تو زید اسوقت صرف تشہد پڑھکر بیٹھا رہے یا امام کی اقتدا کرے یعنی درود شریف و دعاء ماثورہ یہ بھی پڑھے اور جب امام دوسری جانب سلام پھیرے اسوقت اٹھکر اپنی پہلی رکعت جو چھوٹ گئی تھی پوری کرے، جواب بحوالہ کتب ہو۔

الجواب - مسبوق یعنی جسکی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے وہ امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود و دعا نہ پڑھے کہ وہ خود جب اپنی پڑھے گا تو قعدہ اخیرہ میں یہ چیزیں ادا کرے گا، اور یہ قعدہ اسکی نماز کا اخیر قعدہ نہیں۔ عالمگیری میں ہے وان المسبوق ببعض الرکعات یتابع الامام فی التشھد الاخیر واذا اتم التشھد لا یشتغل بما بعد من الدعوات

یعنی مسبوق تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تشہد کے بعد کی چیزوں میں مشغول نہ ہو۔ رہا یہ کہ امام کے قعدہ اخیرہ میں مسبوق کیا کرے۔ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ ٹھہر ٹھہر کر تشہد کے الفاظ ادا کرے کہ امام کے درود و دعا سے فارغ ہونے تک یہ اپنا تشہد ختم کرے۔ اور بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد کلمۂ شہادت یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کی تکرار کرے یہانتک کہ امام سلام پھیر دے۔ اور بعض فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ سکوت کرے، درمختار میں ہے واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے عن ابن شجاع انه یکرر التشهد ای قوله اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وهو المختار کذا فی الغیاثیة والصحیح ان المسبوق یترسل فی التشهد حتی یفرغ عند سلام الامام کذا فی الوجیز للکردری وفتاوی قاضیخان وهکذا فی الخلاصة وفتح القدیر اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر مسبوق تشہد پڑھے اور باوجود اس کے امام کے فارغ ہونے سے پہلے اگر تشہد سے فارغ ہوگیا تو کلمۂ شہادت کی تکرار کرے کہ ترسل سے مقصد یہی تھا کہ یہ بیکار نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۳) از جودھپور مارواڑ مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد ۱۱ر شعبان ۱۳۵۰ھ۔

اگر امام مقیم درمیان نماز میں بے وضو ہوجائے اور کسی مسافر کو خلیفہ کردے تو وہ مسافر امام قصر کریگا یا نہیں۔

الجواب ۔ مسافر نے جب مقیم کی اقتدا کرلی تو اب اسے چار رکعت پڑھنا فرض ہے، امام اگر اُسے خلیفہ بنائے جب بھی چار ہی پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۴) مسئولہ محمد اسد اللہ طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ

اگر نماز میں جنت کی یاد سے یا نار کی یاد سے بآواز بلند کوئی آہ کرے، تو فقہاء کے نزدیک نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس صورت میں نماز کی جگہ سے ہٹ جائے تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ ذکر جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہوا اور آہ اُف وغیرہا الفاظ زبان سے نکل گئے، تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا، جب بھی حرج نہیں، درمختار میں ہے لا لذکر جنة او نار، ردالمحتار میں ہے لان الانین ونحوه اذا کان بذکرهما صار کانه قال اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّار ولو صرح به لا تفسد صلاته۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۵) ۱۲؍ شعبان ۱۳۴۳ھ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ امام کو نماز فرض بالجہر میں سہو ہونے کی حالت میں مقتدی کو قرأت میں صحیح اصلاح دینا جائز ہے یا نہیں؛ و نیز لقمہ دینے کی صورت میں کس کی نماز باطل ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب۔ مقتدی نے امام کو صحیح لقمہ دیا، اور امام نے لے لیا تو نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی، نہ امام کی، درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح و آخذ بکل حال ہاں اگر امام نے قرأت میں غلطی کی تو فوراً لقمہ نہ دے انتظار کرے کہ امام خود ہی صحیح کرلے یا دوسری جگہ کی آیت پڑھکر نماز کی تکمیل کرلے، جبکہ اُس آیت کو اس کے ساتھ ملانے میں معنیٰ فاسد نہ ہوں، یا تین آیت کی قدر پڑھ چکا ہے تو لقمہ کی حاجت نہیں امام رکوع کردے ہاں اگر غلطی اس قسم کی ہے جس سے معنیٰ فاسد ہوتے ہیں، اور نماز فاسد ہوتی ہے، تو لقمہ دیدے اگرچہ تین یا زیادہ پڑھ چکا ہو، ردالمحتار میں ہے یکرہ ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینتقل الی اٰیۃ اخریٰ لا یلزم من وصلہا ما یفسد الصلاۃ او الی سورۃ اخریٰ او یرکع اذا قرء قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی وغیرہ وفی روایۃ قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاہر من الدلیل و اقرہ فی البحر والنہر، ونازعہ فی شرح المنیۃ و رجح قدر الواجب بشدۃ تاکدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۶) مسئولہ حافظ بنے صاحب از نینی تال یکم ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ کلام اللہ ہے، رمضان المبارک میں عشاء مع تراویح پڑھکر فارغ ہوگیا، ایک دوسری جگہ نماز تراویح ہورہی ہے، زید نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوگیا جماعت کے حافظ کو متشابہ لگا زید نے بتایا کیا ایسی صورت میں نماز میں قصور آگیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جبکہ زید نے نماز میں شرکت کرلی تو لقمہ بھی دے سکتا ہے، لقمہ دینے کے لئے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہونا شرط ہے، یہ شرط نہیں کہ جس قسم کی امام کی نماز ہو اسی قسم کی مقتدی کی بھی ہو، درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح و آخذ بکل حال۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۷) از مقام کوسال پورہ مارواڑ مرسلہ مولا بخش صاحب امام مسجد ڈاکخانہ گوڑیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ عورت لہنگا پہنکر نماز پڑھے یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ لہنگے سے بھی نماز ہوجائیگی جبکہ ستر ہوجاتا ہو مگر یہ ہندوؤں کا لباس ہے مسلمان عورتیں اس سے

اجتناب کریں نماز و بیرون نماز پائجامہ پہننے کی عادت رکھیں۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۳۸) از کوسال پورہ ملک مارواڑ ڈاکخانہ گوڑیہ مرسلہ پیرزادہ سید مولا بخش صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

۱۔ فتویٰ جناب کا ملا کل حالات مندرجہ بالا سے مطلع ہوا مگر آپ نے ہم کو ایک شک میں ڈال دیا وہ یہ کہ لہنگا پہن کر سے نماز ہو جاتی ہے ہم کو شک ہے کہ لہنگا سے نماز کیونکر ہو جاتی ہے کیا لہنگا سنت ہے یا فرض یا واجب ہے اگر اس خیال سے کہ آدمی تہبند سے نماز پڑھتے ہیں ویسا ہی لہنگا ہوتا ہے تو تہبند کو سنا گیا ہے کہ سنت ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند باندھا تھا تو کیا بھلا لہنگا بھی بی بی صاحبہ نے پہنا تھا اگر شاید پہنا ہی ہوگا تو نیچے پائجامہ ہوگا اگر لہنگا جائز ہے تو علمائے دین کیوں منع فرماتے ہیں جب عورت لہنگا پہنے تو مرد دھوتی پہن کر نماز پڑھے تو کیا حرج ہے۔

۲۔ اول تو لباس ہندو کا ہے، دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں جس لباس سے ہوگا وہ شخص قیامت کے دن بھی اسی لباس سے اٹھے گا جب لہنگے اور دھوتی میں کوئی حرج نہیں ہے تو پھر کیوں علمائے دین منع کرتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ علمائے دین خود اپنی بیویوں کو لہنگا نہیں پہناتے اور نہ خود بھی دھوتی کیوں نہیں باندھتے اس کا خلاصہ تشریح سے فرمادیں مختصر سے کم سمجھ میں آئے گا اور حوالہ کتاب کا بھی فرمادیں کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ لہنگا سے نماز ہو جاتی ہے۔

۳۔ نماز تو ہر حالت میں جائز ہے لہنگا بھی نہیں ہو اور دھوتی بھی نہیں ہو تو لنگوٹی لگا کر نماز پڑھیں تو بھی نماز ہو جائے گی میرا خاص مطلب یہ ہے کہ لہنگا پہننے سے ثواب یا عذاب کچھ ہے یا نہیں۔ اس کی ضرورت ہے۔

الجواب۔ آپ نے مسئلہ کو غور سے نہ دیکھا ورنہ یہ سوالات پیدا نہ ہوتے نماز کے لئے ستر عورت فرض ہے جب ستر عورت ہو جائے، نماز ہو جائے گی مگر چونکہ یہ کفار کا لباس ہے اس لئے ممنوع ہے اور حکم ہے کہ اس سے اجتناب و پرہیز کریں اور جب اجتناب کا حکم دیا گیا تو خود ہی معلوم ہو گیا کہ اس کا پہننا گناہ ہے[1]۔　　　واللہ تعالیٰ اعلم

[1] یہ تشبہ بالکفار ہوا۔ حدیث شریف میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ اور جب لہنگا پہننا گناہ ہوا تو اگرچہ اسے پہن کر نماز ہو جاتی ہے یعنی فرض ساقط ہو جاتا مگر نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہونا چاہئے جیسا کہ دیگر کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ [illegible] میں ہے — فی الواقع [illegible] پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے کہ اعادہ اگر کر سکے تو ضرور واجب۔ کما ھو معلوم من الفقہ فی غیر ما موضع۔ شرح مقدمہ غزنویہ پھر فتاویٰ الفرویہ میں ہے۔ تکرہ الصلوٰۃ فی ثوب الحریر والعلیہ لانہ حرام علیہ لبسہ فی غیر الصلوٰۃ ففیھا اولیٰ فان صلی فیھا صحت صلاتہ لان النھی لا یختص بالصلوٰۃ انتہیٰ اقول وقولہ وعلیہ ایضاً یبتنی علی قولھما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان المحرم لبسہ لا الاستناد [illegible]

مسئلہ (۲۳۹) از بڑودہ مرسلہ حاجی عثمان ابن ابوبکر ۱۳۳۳ھ ۱۱ ربیع الاول شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر آدمی فرض نماز میں ہو اور حضور اسے یاد فرمائیں فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا یہ بات صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب - نماز میں اگر کوئی شخص مشغول ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یاد فرمائیں تو جواب دینا واجب ہے، صحیح بخاری شریف میں ابوسعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کنت اصلی فمر بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعانی فلم آتہ حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعک ان تاتی الم یقل اللہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ (الحدیث) یعنی میں نماز پڑھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے بلایا اور میں حاضر نہیں ہوا جب پڑھ چکا تو حاضر ہوا ارشاد فرمایا کیوں نہ آیا کیا اللہ ﷻ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ اور رسول کو جواب دو جب وہ تمہیں بلائیں یعنی اس حکم میں کوئی قید نہیں لہٰذا نماز و بیرون نماز ہر حالت میں اجابت واجب ہے، رہا نماز کا فاسد نہ ہونا اس کے متعلق امام بدرالدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں قال صاحب التوضیح وصرح اصحابنا فقالوا من خصائصہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لو دعی انسانا وھو فی الصلوٰۃ وجب علیہ الاجابۃ ولا یبطل صلوٰتہ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۰) از بریلی بہاری پور مرسلہ سید ایوب علی صاحب یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ۔

جس مکان میں آئینے قد آدم چار طرف لگے ہوں اُس مکان میں نماز ہو جائے گی یا نہیں۔

الجواب - آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی مثل تصویر ناجائز ہو جائے حالانکہ بالاجماع جائز ہے، اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کر چہرہ پر آتے ہیں گویا یہ شخص خود اپنے کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اسکی صورت چھپتی ہو۔ ــــــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۱) از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۸ ربیع جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ۔

(بقیہ ص ۱۸۳) الامتناع کما فی رد المحتار وغیرہ فعدم تکرہ الصلوٰۃ علیہ وان جاز انقراضہ لان الصلوٰۃ لیست موضع القربۃ وھذا الکل حقیقتہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

نماز میں قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا عبادت علی العبادت ہونے کے سبب مفسد نماز ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ اگرچہ مصحف شریف کی طرف نظر کرنا عبادت ہے مگر اسمیں دیکھ کر پڑھنا خارج سے تعلم ہے، اور یہ منافی نماز، جیسے زبان سے حالت نماز میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے سے نماز فاسد ہوجائیگی، اگرچہ یہ دونوں عبادت ہیں مگر چونکہ منافی نماز ہیں، لہذا نماز فاسد، یونہی کسی کو سلام کرنا، یا سلام کا جواب دینا وغیرہ وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۲) از ضیاگڈھ ۲۴ پرگنہ مرسلہ جناب شیخ رحمت حسین د پیر محمد صاحبان، ۳۰ رجب ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہوں اور ایک شخص آگے امام ہوکر نماز پڑھاتا ہو اتفاق سے امام کے سامنے سے ایک کتا یا ایک عورت چلی گئی، مقتدیوں میں سے ایک نے بآواز بلند نیت توڑ کر کہا کہ امام صاحب نیت توڑ دیجئے سامنے سے کتا یا عورت چلی گئی اور وہ شخص علٰحدہ جاکر نماز پڑھنے لگا لیکن امام اور بقیہ مقتدیوں نے نماز پوری کی، لہذا ان میں سے کن کن کی نماز ہوئی اور جس نے علٰحدہ جاکر نماز پڑھی اس پر کفارہ ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ مصلی کے آگے سے گذرنا گناہ ہے، حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہوتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو چالیس برس تک کھڑا رہنے کو گذرنے سے بہتر جانتا رواہ البخاری و مسلم عن ابی جہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کعب احبار کہتے ہیں لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یخسف بہ خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہوتا کہ اسپر کیا گناہ ہے تو زمین میں دھنسا دیئے جانے کو گذرنے سے بہتر جانتا مگر آگے سے کوئی چیز گذر جائے تو مصلی کی نماز باطل نہیں ہوتی نہ عورت یا کتے کے آنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے لایقطع الصلوٰۃ شیئ وادرؤا ما استطعتم فانما ھو شیطان کسی چیز کے گذرنے سے نماز نہیں جاتی اور جہاں تک ہوسکے اسے دفع کرو کہ وہ شیطان کا کام کرتا ہے رواہ ابو داؤد عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو داؤد و النسائی نے فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی وہ کہتے ہیں اتانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن فی بادیۃ لنا ومعہ عباس فصلی بالصحراء لیس بین یدیہ سترۃ وحمارۃ وکلبۃ تعبثان بین یدیہ فما بالی بذالک ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم اپنے گاؤں میں تھے اور حضور کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے حضور نے صحرا میں نماز پڑھی اور سامنے کوئی

سترہ بھی نہ تھا اور ہماری گدھی اور کتیاں حضور کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر حضور نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہتے ہیں اقبلت راکبا علی اتان وانا یومئذ قد ناھزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس بمنی الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف فنزلت وارسلت الاتان ترتع ودخلت الصف فلم ینکر ذالک علی احد میں گدھی پر سوار ہوکر آیا اور اسوقت میں قریب بلوغ تھا اور صف کے بعض حصہ سے گذر گیا پھر میں اترا اور گدھی کو چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہوگیا کسی نے مجھ پر انکار نہ کیا۔ نیز صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، کہتی ہیں کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی واذا قام بسطتھما قالت والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور میں حضور کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں حضور کے قبلہ میں ہوتے سجدہ کرنا چاہتے اشارہ فرماتے میں سمیٹ لیتی اور جب سجدہ سے اٹھتے میں پاؤں پھیلا دیتی اور اس وقت مکانوں میں چراغ نہیں ہوتے تھے نیز انھیں سے بخاری شریف میں مروی کہتی ہیں۔ فقد رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی وانی علی السریر بینہ وبین القبلۃ مضطجعۃ فتبدو لی الحاجۃ فاکرہ ان اجلس فاوذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانسل من عند رجلیہ نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم، نماز پڑھتے ہوتے اور حضور اور قبلہ کے درمیان میں لیٹی ہوتی تھی پھر اگر کوئی حاجت پیش آتی میں بیٹھنا پسند نہ کرتی تھی کہ حضور کو تکلیف ہوگی حضور کے پاؤں اقدس کی جانب سے سرک جاتی تھی، ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت یا کتے کا گذرنا قاطع نماز نہیں ہے، درمختار میں ہے لا یفسد ھا مرور مار بین یدیہ مطلقا ولو امرأۃ او کلبا۔ تو جب نماز نہیں باطل ہوتی تو اس کو قصداً نماز توڑنا اور جماعت کے خلاف اپنی الگ پڑھنا ناجائز تھا لاعلمی میں اس نے ایسا کیا۔ ممکن ہے اسکو کسی نے ایسا ہی بتادیا ہو، صحیح مسئلہ بتادیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) (۲۴۳) از ہردہ ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۴۶ھ۔

امام کو علاوہ قرارت کے کسی رکن میں سہو مثلاً کھڑا ہونا چاہئے تھا بیٹھ گیا، بیٹھنا تھا کھڑا ہوگیا تو مقتدی تسبیح یا تکبیر کہکر متنبہ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کرنے پر مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

مسئلہ (۲) جو مقتدی سجدے میں بلا عذر کسی پاؤں کی ایک انگلی کا بھی پیٹ زمین سے نہ لگاتا ہو تو اسکی نماز باطل ہوگی یا نہیں

عـــہ اس شخص کی بھی نماز ہوگئی، اس پر کوئی گناہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

اگر ہوگی تو ایسا مقتدی امام کو لقمہ دے اور امام لقمہ لے تو خارج نماز کا لقمہ لینا ہوا تو اس صورت میں تمام کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔

الجواب[۱] ۔ مقتدی کو ایسے موقع پر جبکہ امام کو متوجہ کرنا ہو سبحٰن اللہ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا جائز ہے جس سے امام کو خیال ہو جائے اور نماز کو درست کرنے صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ہے مالی رأیتکم اکثرتم التصفیق من نابہ شیئ فی صلاتہ فلیسبح فانہ اذا سبح التفت الیہ وانما التصفیق للنساء اس صورت میں نماز فاسد ہونا درکنار مکروہ بھی نہیں۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

جـ (۲) سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگانا ضروری ہے ورنہ سجدہ نہ ہوگا، درمختار میں ہے وضع اصبع واحدۃ منھما شرط نیز اسی میں ہے دیفترض وضع اصابع القدمین ولو واحدۃ نحو القبلۃ والا لم یجز والناس عنہ غافلون اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی مگر یہ شخص نماز سے باہر نہیں ہوا ہے جب تک سلام کلام منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہ کرے اُس وقت تک نماز ہی میں ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کے بعد سجدہ کرے نماز ہو جائیگی یعنی فرض ادا ہو جائے گا لہٰذا اگر ایسا شخص امام کو لقمہ دے اور امام لے لے تو یہ خارج نماز کا لقمہ دینا نہیں اور لقمہ لینے سے امام کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۲۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ہمشیرہ یا ماں یا بیوی کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب ۔ اگر نماز میں تحریمۃً واداءً اشتراک ہو اور تمام وہ شرائط جو اس صورت میں نماز فاسد ہونے کے لئے ہیں پائے جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، عورت کا زوجہ ہونا یا محارم سے ہونا اس باب میں کوئی اثر نہیں رکھتا درمختار میں ہے اذا حاذتہ امرأۃ ولو امۃ اس کے تحت میں ردالمحتار میں فرمایا ولا وجہ[عہ] للمبالغۃ بالامۃ ولعلھا ولو امۃ بھا والضمیر وعبارتہ فی الخزائن ولو محرمہ او زوجتہ وخرج بہ الامرد اھ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر فرض نماز میں تین آیت صحیح ہو، اور باقی آیتوں میں زیر وزبر کی غلطی ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

الجواب ۔ جس غلطی سے فساد معنی ہو اس سے نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور جس سے معنی فاسد نہ ہوں، نماز فاسد

عہ اقول الوجہ وجیہ فان الاختلاط بالامۃ اکثر من غیرھا فلعل متوھما یتوھم ان لا یفسد الصلاۃ محاذاتھا ازالۃ لھذا التوھم قال ولو بالامۃ　واللہ تعالیٰ اعلم ۔ امجدی

نہ ہوگی دونوں صورتیں تین آیت سے قبل ہوں یا بعد اسمیں فرق نہیں۔ دونوں کا ایک حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۶) از پالی ارداڑ علاقہ جودھپور مرسلہ جناب عبدالرحمٰن صاحب ۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرارت کو راگنی کے ساتھ پڑھنا اور قرارت میں بہت ٹھہرنا کیا حکم رکھتا ہے۔ اور غلط پڑھتا ہے۔ امام ہے۔

الجواب۔ راگنی سے پڑھنے کے یہ معنی کہ راگ بنانے میں حروف کم وبیش کرتا ہے یہ حرام ہے اور معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز بھی فاسد ہے اور اگر راگنی کا یہ مطلب ہے کہ آواز بنا کر پڑھتا ہے کہ پڑھنے سننے میں اچھا معلوم ہو تو حرج نہیں بلکہ بہتر ہے غلط پڑھنے میں معنیٰ فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی ورنہ ہو جائے گی جبکہ قصداً نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۷) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب از الہ آباد ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر نیچے دھوتی کھونسی ہو مگر ڈھیلی ہو نماز ہوگی یا نہیں۔ اور ایسی حالت میں جب کوئی مسلمان دھوتی پہنے ہو بلا دھوتی کے کچھ کھولے ہوئے جبکہ کچھ تنگ ہو، نماز پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ اگر دھوتی ایسی بندھی ہے کہ ایک ران کی چوتھائی کھلی ہوئی ہے، یا دونوں میں اتنی کھلی ہے کہ مجموعہ چوتھائی کی قدر ہے اور اسی حالت میں نماز شروع کر دی یا اثنائے نماز میں بقدر تین تسبیح یہ مقدار کھلی رہی جب تو نماز ہی بالکل نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا نہیں بلکہ اس طرح بندھی کہ ستر ڈھکا ہوا ہے۔ تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی کہ کفِ ثوب ہے حدیث میں ہے ولا اکف ثوبا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۴۸) از پورنیہ سید باڑہ مرسلہ جناب مولوی شمس العالم صاحب ۱۳ رجب ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مقتدی نے مسافر کی اقتدا کی امام نے چار رکعت پڑھی مقتدی نے بھی ساتھ دیا۔ مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ مقتدی مقیم نے اگر چار رکعتی فرض میں امام مسافر کی متابعت کی تو مقتدی کی فرض نماز جاتی رہی، کہ امام ان رکعتوں میں متنفل ہے۔ اور وہ مقتدی مفترض اور مفترض متنفل کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ولا یصح اقتداء مفترض بمتنفل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) (۲۴۹) فرض نماز میں امام بھولا اور مقتدی نے لقمہ دیا۔ فرض ہوا یا نہیں۔ اور اگر لقمہ نہ دیا اور امام غلط پڑھتا چلا گیا تو فرض ہوا یا نہیں۔

مسئلہ (۲) (۲۵۰) فرض میں امام نے مقتدی کا لقمہ نہ لیا اور رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب (۱) ۔ فرض میں بھی لقمہ دینا جائز ہے لقمہ دینے والے اور سننے والے دونوں کی نماز درست ہے۔ اور اگر امام نے لقمہ نہ لیا اور غلطی ایسی ہے جس سے معنی فاسد ہوتے ہیں تو کسی کی نماز نہ ہوئی اور اگر ایسی غلطی نہیں ہے کہ معنی فاسد ہوں تو نماز ہوگئی وہو تعالیٰ اعلم

جـ۲ امام غلط پڑھکر رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کا لقمہ نہیں لیا جب بھی وہی حکم ہے عـہ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۱) انگریزی بوٹ جوتے پر اگر مسح جائز ہے تو اس کے واسطے نماز کا کیا حکم ہے کہ وہ اتار کر پڑھ سکتے ہیں یا پہنے ہوئے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اور خاص ضرورت کے وقت یا عام حالت میں پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب ۔ انگریزی بوٹ جوتے پر مسح جائز ہے جبکہ وہ ایسے ہوں کہ ان سے ٹخنے چھپے ہوں کہ ان پر موزہ کی تعریف صادق آتی ہے رہا یہ امر کہ ان کو پہنکر نماز جائز ہے یا نہیں اگر ان کے پنجے اتنے نرم ہوں کہ سجدہ میں انگلیاں قبلہ رو ہو سکتی ہوں اور دبتی ہوں تو نماز ہو جائیگی اور اگر انگلیاں بالکل کھڑی رہتی ہوں تو سجدہ نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی کہ سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط و فرض ہے اور اگر بعد مسح وہ جوتا اتار لیا تو مسح جاتا رہا پاؤں دھونا فرض ہوگا یہ حکم نفس نماز کا ہے مگر جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہرحال مکروہ ہے کذا فی العالمگیریہ۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۲) پاخانہ پھرنے کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کر لیا اور پانی سے استنجا کرنا بھول گیا اور نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا ۔۔۔ اگر ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پاخانہ کے مقام کو ہاتھ سے نہ دیکھا کہ تر ہے یا نہیں اس صورت میں بغیر پانی سے استنجا کئے نماز پڑھ لی، ہوئی یا نہیں۔ یونہی پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کر لیا اور پانی سے نہیں کیا اور نماز پڑھ لی، تو نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب ۔ اگر مخرج سے نجاست متجاوز نہ ہو تو پانی سے استنجا مستحب ہے اور درہم سے کم متجاوز ہو تو سنت اور بقدر درہم متجاوز ہو تو واجب. پہلی صورت میں نماز میں بالکل حرج نہیں۔ دوسری میں خلاف سنت، تیسری میں واجب الاعادہ اور درہم سے زیادہ ہو تو ہوگی ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۳) مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۰ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ
تاڑ کے پتے کی بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

عـہ لقمہ دینے والے کی بھی ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم
عـہ اسی تفصیل کے ساتھ کہ غلطی اگر ایسی ہے کہ معنی فاسد ہوگئے تو سب کی نماز گئی۔ اور اگر ایسی غلطی نہیں تو سب کی ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

الجواب - تاڑی بھنگ حرام ہے، کہ اسمیں نشہ ہوتا ہے، اس کے پتے کی چٹائی میں کچھ مضائقہ نہیں جس طرح انگور جائز اور شراب حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۴) مرسلہ سید غلام جیلانی صاحب سلمہ، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

آلہ مکبر الصوت امام کے سامنے رکھا جائے، تاکہ جملہ مقتدیوں کو امام کی قرات وغیرہ تکبیرات کا حال معلوم ہو جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے۔

الجواب - اس کے ناجوازی کی وجہ ابتک ذہن میں نہیں آئی ہے۔ بعضوں نے اسے تعلیم من الخارج قرار دیا ہے، مگر فقیر کے نزدیک یہ غلط ہے، اسکو تعلیم من الخارج اسوقت کہہ سکتے ہیں کہ یہ آلہ خود بخود بولتا، اور وہ آواز اسی کی آواز ہوتی، مگر ایسا نہیں، بلکہ یہ آواز حقیقۃً اس قاری کی آواز ہے کہ اگر آلہ نہ ہوتا تو تھوڑی دور پہونچ کر اسمیں منتشر ہو جاتی، اس آلہ نے اُسے دور تک پہونچایا جس طرح ٹیلیفون پر بات کرنیوالے کی آواز سیکڑوں کوس پہونچتی ہے جو حقیقۃً اسی کی آواز ہوتی ہے ٹیلیفون کی آواز نہیں ہوتی، ٹیلیفون وہاں تک پہونچانے کے لئے واسطہ ہے، اسی طرح یہ آلہ مکبر الصوت امام کی آواز پہونچانے کا ذریعہ ہے۔ اور آواز وہی ہے جو امام کے منہ سے نکلی۔ لہٰذا تعلیم من الخارج قرار دیکر نماز کو فاسد قرار دینا غلط ہے، مگر نماز میں یہ بدعت ابھی نہیں معلوم ہوتی جو طریقہ سلف صالحین کا ہے اس سے عدول اچھا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۵) مسئولہ محمد اسمٰعیل ولد الغفور دوٹانکی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۲۷

بمبئی کے اندر مسجدوں میں ریڈیو سے خطبہ سنایا جاتا ہے جماعت بھی ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں۔

الجواب - آلہ مکبر الصوت سے خطبہ سننے میں حرج نہیں مگر اسکی آواز پر رکوع سجود کرنا مفسد نماز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۶) مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الغفور بیاجو والا دوٹانکی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۲۷

لوگ کہتے ہیں کہ ریڈیو سے خطبہ سننا آپ کے مولانا نے کونسی دلیل سے ثابت کیا ہے بیان فرمادیں۔

ئہ یہ پہلا فتویٰ خود بتا رہا ہے کہ اس وقت تک لاؤڈ اسپیکر کی حقیقت اچھی طرح منکشف نہ تھی۔ اور جب اسکی حقیقت واضح ہوگئی تو یہ فتویٰ دیا فساد صلاۃ کی وجہ تعلیم من الخارج ہے۔ اسلئے کہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر متکلم کی آواز کے مثل دوسری آواز پیدا کرتا ہے۔ تو نمازیوں کو جو آواز سنائی دے رہی ہے وہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہے۔ اور اگر اسے صحیح نہ مانا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ ادھم اتنا ضرور ہے کہ اس سے نکلنے والی آواز میں خارج کا مکمل عمل دخل ہے فقہاء نے صدی (آواز بازگشت) کو ذکر کر کے لا نماز کا [illegible] رد المحتار علی الدر [illegible] صرف اس بنا پر کہ صدی میں اگرچہ بعینہ آواز متکلم سنائی دیتی ہے مگر اس میں خارج کا عمل دخل ہے اگرچہ اضطراری اور بہت قلیل۔ خارج کے اس اضطراری و قلیل دخل نے بعینہ متکلم کی آواز کو ماکان کی حکم میں کر دیا۔ تو لاؤڈ اسپیکر میں بالقصد والاختیار خارج کا اثر ہے۔ اور وہ بھی بہت زائد تو اب سے جو تکبیر سنائی دے رہی ہے وہ تکبیر نہیں کہا جاتا ہے اسلئے اس پر اتفاق کرنا تعلیم من الخارج اور بلاشبہ مفسد صلاۃ ہے۔ من شاء التفصیل فلیرجع الی فتاوینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم الامجدی

مخدومی مقتدمی مکرمی جناب مولٰنا صاحب دیوبندی[عہ] یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مولٰنا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے نماز اور خطبہ سب ریڈیو سے سننا پڑھنا ناجائز ہے۔ آپ کے مولٰنا صاحب امجد علی کونسی دلیل سے ریڈیو سے خطبہ سننا جائز کیا کچھ خلاصہ جواب نہ دیا۔ حضور اسی واسطے میں نے دوبارہ سوال لکھا ہے ان لوگوں نے مجھے بہت حیران کر رکھا ہے۔

الجواب۔ جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ تمام حاضرین جمعہ خطبہ سنیں۔ اگر جماعت کثیر ہے اور امام کا خطبہ دور والوں نے نہیں سنا جب بھی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہ جنھوں نے خطبہ نہ سنا اور ان تک آواز نہ پہونچی ان کی نماز نہ ہو[عہ] لہٰذا اگر آلہ مکبر الصوت لگایا گیا اور دور والوں کو اس آلہ کے ذریعہ سے آواز آئی تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے امام سے خطبہ نہیں سنا اور ہم نے بیان کر دیا کہ جس نے خطبہ نہیں سنا اسکی بھی نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ ناجائز بتاتے ہیں ان کو ناجائز ہونے کی دلیل بیان کرنی چاہئے۔ اسے ہم سے دلیل مانگنے کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ ان سے پوچھئے کہ جس نے امام کی آواز نہ سنی اور آلہ کے ذریعہ سے اس کے کان میں آواز آئی اس کا جمعہ کیوں نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۷) از شہر کہنہ بریلی محلہ ربڑی ٹولہ مرسلہ احمد یار خاں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید کہتا ہے کہ ایک شخص نے عمر بھر نماز پڑھی اور پڑھیگا۔ اور اس نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کر دی تو اسکی عمر بھر کی نمازیں اکارت ہو جائیں گی اور کوئی نماز قبول نہ ہوگی۔ اسکی تشریح فرمادیجائے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ ایک وقت کی قصداً نماز ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے مگر میری نظر میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس کا یہ مضمون ہو کہ اسکی ساری نمازیں اکارت اور برباد ہوگئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۸) مرسلہ مولوی غلام رشید صاحب از ناگپور مومن پورہ ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۶۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سورہ زلزال کی دو آخری آیتیں یعنی فَمَنْ یَّعْمَلْ الآیہ اور وَمَنْ یَّعْمَلْ الآیۃ کو کسی نے ترتیب بدلکر نماز میں پڑھا یعنی ہر دو میں سے مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا تو ایسی شکل میں

عہ صرف تھانوی صاحب ہی نہیں۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی اور مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ کریں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد پنجم ملحقہ فتاویٰ صفحہ ۳۰۔ امجدی

عہ اور وہ خطبہ سننے کے ثواب سے محروم ہوں گے۔ حصول ثواب کے لئے حضور کافی ہے اگرچہ دوری کی وجہ سے خطیب کی آواز نہ سنائی دیتی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

نماز ہوئی یا نہیں، اور ترتیب میں اس قسم کی غلطی موجب فساد ہے یا نہیں، جواب میں ہر دو آیتوں کا بالاختصار تعین کر دیا جائے تاکہ معاند مجادل کے لئے کسی قسم کا سہارا لینے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

الجواب ۔ سورہ زلزال کی پچھلی دونوں آیتیں اگر سہواً خلاف ترتیب پڑھ دی گئیں یعنی پہلی جگہ شراً یرہ پڑھا اور بعد میں خیراً یرہ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کہ اس صورت میں معنی کا فساد نہیں لازم آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۴) مرسلہ جناب عبد اللطیف خاں صاحب دوکاندار روبرو ٹال رحیم خانصاحب محلہ چرا پٹی ٹولہ اٹاوہ یوپی ۷ شوال ۶۷ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں نماز یا خطبہ عید کے لئے محراب میں یا منبر پر مائیکروفون آلہ مکبر الصوت لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز ہے یا نہیں لگانے والا شرعی مجرم ہے یا مستحق ثواب۔ امام عید کا آلہ مذکور پر نماز پڑھنا یا منبر پر اپنے منہ کے سامنے لگا کر خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو ایسا کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے

الجواب ۔ خطبہ کی حالت میں آلہ مکبر الصوت لگانے میں کوئی حرج نہیں مگر نماز کی حالت میں امام کا اس آلہ کو استعمال کرنا درست نہیں اس آلہ کے ذریعہ سے جن لوگوں نے تکبیرات کی آواز سنکر رکوع و سجود کیا ان کی نمازیں نہیں ہوئیں واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۵) مرسلہ عبد اللطیف خاں دوکاندار روبرو ٹال رحیم خانصاحب محلہ چرا پٹی اٹاوہ یوپی ۲ شوال ۶۷ھ

عیدگاہ میں بدنظمی کی وجہ سے صدہا اشخاص کی نمازیں امام کی نماز سے اختلاف ہوا، وہ یوں کہ جب امام نے سلام پھیرا تو مقتدیان رکوع و سجود میں تھے کوئی قیام میں تھا ان حضرات نے تکبیرات زدائدہ و انتقال کی آواز میں بوجہ بدنظمی نہ سنی تھیں تو ایسی صورت میں ان حضرات کی نماز ہوئی یا نہیں اس بدنظمی کا متولی ہی سبب واحد ہے جس نے مکبر مقرر نہ کئے۔

الجواب ۔ امام کے سلام پھیرنے کے وقت جو لوگ رکوع و سجود میں تھے اگر انھوں نے بعد کے ارکان و واجبات نماز پورے کر کے سلام پھیر دیا تو ان کی نمازیں ہوگئیں اور اگر امام کے سلام پھیرتے ہی ان لوگوں نے اپنی نمازیں قطع کر دیں تو ان کی نمازیں نہیں ہوئیں، مکبر مقرر کرنا متولی کے فرائض میں نہیں، اگر متولی نے نہیں مقرر کیا تھا تو مقتدیوں میں خود ہی لوگوں کو چاہئے تھا کہ جب امام کی آواز نہیں پہنچتی ہے تو متعدد لوگ تکبیرات کہتے کہ سب لوگوں کو امام کا حال معلوم ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۶) مرسلہ حافظ عبد المجید خانصاحب از ضلع اعظم گڑھ ڈاکخانہ ندوہ سرائے موضع مسنہ ۹ محرم ۱۳۶۸ھ

عہ اور نماز میں کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

اگر بوقت فجر یا ظہر یا عصر یا نیز کسی وقت اگر امام سنت نہ پڑھے بغیر سنت پڑھے نماز پڑھادے جبکہ وقت تنگ ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب ۔ اگر وقت تنگ ہے کہ سنت میں مشغول ہوگا تو وقت جاتا رہے گا اور نماز قضا ہو جائیگی تو اس حالت میں لازم ہے، سنت ترک کر کے فرض نماز ادا کرے، اور اگر اتنا وقت ہے کہ سنت پڑھکر فرض وقت کے اندر پڑھ لیگا تو سنت مؤکدہ کو ترک نہ کرے، ردالمحتار میں ہے السنۃ المؤکدۃ قریبۃ من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر ویستوجب تارکھا التضلیل واللوم کما فی التحریر ای علی سبیل الاصرار بلا عذر کما فی شرحہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۷) مسئولہ علی بخش صاحب ۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ

ہرن کے چرڑے پر نماز پڑھتے ہیں، سجدہ اُس چرڑے کے دم کی حصہ کے طرف کرنا چاہئے یا سر کے حصہ کی طرف۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ اختیار ہے سر کے حصہ کی طرف سجدہ ہو، یا اس کا عکس ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۸) مرسلہ عبدالعزیز صاحب از ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ۔

شریعت کا کیا ارشاد ہے کہ تہبند کے نیچے لنگوٹ باندھکر نماز پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب ۔ لنگوٹ باندھکر نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے[ع] ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۵۹) مسئولہ حافظ علی احمد صاحب از جسولی بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کل کپڑے موجود ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں نیم آستین کی بنڈی یا بنیائن پہنکر نماز پڑھنا کیسا ہے، جبکہ کہنیاں کھلی ہوں۔

الجواب ۔ جس کے پاس کپڑے موجود ہوں اور صرف نیم آستین یا بنیائن پہنکر نماز پڑھتا ہے، تو کراہت تنزیہی ہے اور کپڑے موجود نہیں تو کراہت بھی نہیں، معاف ہے، اور اگر کرتے یا چکن کی آستین چڑھا کر نماز پڑھتا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہے، درمختار میں ہے وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وصلاتہ فی ثیاب بذلۃ یلبسھا فی بیتہ ومھنتہ ای خدمتہ ان لہ غیرھا والا لا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

ع لنگوٹ میں اگرچہ کپڑا موڑا جاتا ہے اور گھرڑ لیا جاتا ہے، مگر یہ کف ثوب نہیں، کف ثوب غیر معتاد طریقہ پر کپڑے کے گھرٹنے اور موڑنے کو کہتے ہیں۔ کما فی الرضویہ صفحہ ۴۳۲ ج ۳۔ واللہ تعالیٰ اعلم الامجدی

مسئلہ (۲۶۰) مرسلہ حافظ سید محمد اکرام الدین صاحب امام مسجد از محلہ ڈھوری محال بنارس ۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں امام مسجد کے دالان کے دَر میں کھڑا ہو اور مقتدی برآمدہ میں، اور وہ دالان برآمدہ سے آٹھ انگل اونچائی پر ہے تو کیا ایسی صورت میں امام کی اقتدا درست ہے۔

(۲) امام کے پاس مصلیٰ ہے اور مقتدی کے پاس کچھ نہیں، تو کیا اس حال میں امام کی اقتدا صحیح ہے۔

(۳) امام مسجد کے دالان کے در میں ہو اور مقتدی باہر ہوں تو کیا حکم ہے۔

(۴) جو کوئی موزے پر پائتابہ پہنے ہوئے مثل نعلین کے ہو وہ نماز کے وقت کیا کرے اور اسکی اقتدا کیسی ہے۔

الجواب (۱) ۔ امام کا در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، ردالمحتار میں ہے والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اور امام کا بلند جگہ کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، جبکہ بلندی حد امتیاز کو پہونچے اور ہاتھ انگل یا چھ انگل کی مقدار ضرور اتنی ہے کہ دور سے امتیاز ہو جائے گا۔ تنویر الابصار بیان مکروہات میں ہے وانفراد الامام علی الدکان۔ درمختار میں بحوالہ فتح اسکی مقدار بقدر امتیاز فرمائی اور اسی کو اوجہ کہا، اور بدائع میں اسی کو ظاہر الروایۃ فرمایا، اور حلیہ میں اسی کو ترجیح دی۔ درمختار میں ہے وقیل ما یقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ ردالمحتار میں ہے وھو ظاہر الروایۃ کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولیٰ العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث اھ وکذا رجحہ فی الحلیۃ　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر امام جانماز وغیرہ پر ہو تو یہ ضروری نہیں کہ مقتدی کے پاس جانماز ہو اسمیں اصلاً عدم جواز بلکہ کراہت بھی نہیں۔ واللہ اعلم

(۳) اقتدا صحیح ہے مگر کراہت ہے جیسا کہ جواب سوال اول میں مذکور ہوا۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) موزہ پہنکر نماز پڑھنے میں اصلاً کوئی حرج نہیں، اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اور ایک دن رات مقیم اور تین دن تین راتیں مسافر ان پر مسح کر سکتا ہے تو اگر نماز کے وقت اُتارنا ضروری ہو تو مسح کیونکر کر سکتا ہے کہ موزہ اُتارنے سے مسح جاتا رہتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۱) مسئولہ　از　شہر بریلی　۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نماز کے وقت عمامہ نہیں باندھتے عذر فرماتے ہیں کہ میرا سر گھومتا ہے، اور مقتدیوں میں ایک صاحب باندھتے ہیں۔ ایسی حالت میں نماز صحیح ہے یا مکروہ۔

الجواب: اگر مقتدی کے سر پر عمامہ ہے امام کے نہیں تو اسکی وجہ سے نماز میں کوئی کراہت نہیں، اور مقتدی کو نماز باعمامہ کا ثواب ملے گا ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۲) مسئولہ حافظ علی احمد صاحب　　از بریلی محلہ جسولی ۷ ربیع الآخر ۴۳ھ

مقتدیوں کو امام کی تابعداری سے جماعت میں امام سے پہلے سجدہ یا رکوع میں جانا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جانا ناجائز و گناہ ہے اور نماز مکروہ پھر جبکہ یہ رکوع و سجود میں تھا اور امام بھی آگیا کہ شرکت امام کے ساتھ ہوگئی تو نماز بکراہت ادا ہوگئی، اور اگر امام کے آنے سے پہلے اُس نے سر اٹھایا تو وہ رکوع یا سجدہ جاتا رہا، بعد سلام امام یہ مقتدی ایک رکعت اور پڑھے، ورنہ نماز نہ ہوگی کما ھو مذکور فی کتب الفقہ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی رواہ مسلم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی یرفع راسہ ویخفضہ قبل الامام فانما ناصیتہ بید الشیطان۔ جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا یا جھکاتا ہے۔ اسکی چوٹی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۳) از بنارس کچی باغ مرسلہ نور الحق ولد منشی حاجی محمد حسن صاحب ۹ محرم الحرام ۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ بہار شریعت جلد سوم صـ۱۷ میں ہے کہ امام کا تنہا بلند جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے، بلندی کی مقدار یہ ہے کہ دیکھنے میں جسکی اونچائی ظاہر امتیاز ہو پھر یہ بلندی اگر قلیل ہو تو کراہت تنزیہی ورنہ کراہت بظاہر تحریم۔ سوال یہ ہے کہ قلیل و کثیر کی مقدار معتبر و مفتیٰ بہ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ بلند مقام پر امام کو تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، یہ امر کہ کس حد کی بلندی سے کراہت ہوتی ہے اسمیں تین قول ہیں، ایک یہ کہ قامت انسان سے متجاوز ہو تو کراہت ہے۔ دوم بقدر ذراع، سوم بقدر امتیاز۔ قول اول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی بلکہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ قامت سے کم میں کراہت نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قامت کی قدر ہو تو مکروہ۔ لہذا اسکو قول رابع قرار دے سکتے ہیں، قول دوم کو اکثر نے اختیار کیا اور اسپر اعتماد کیا اور قول سوم اطلاق حدیث کے مطابق ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں تصحیحات مختلف ہیں لہذا ظاہر الروایۃ کو ترجیح دیجائیگی۔ ابوداؤد میں یہ حدیث

ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن میں نماز پڑھانے کے لئے بلند جگہ کھڑے ہوگئے اور تمام مقتدی نیچے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتار لائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا الم تسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا ام الرجل القوم فلا یقم فی مکان ارفع من مقامہم او نحو ذالک فقال عمار لذلک اتبعتک حین اخذت علی یدی کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا کہ جب قوم کا امام ہو تو اُن سے اونچی جگہ نہ کھڑا ہو عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اسی وجہ سے میں نے اتباع کیا جب تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ فتح القدیر میں ہے واختلف فی مقدار الارتفاع الذی تتعلق بہ الکراھۃ فقیل تقدر القامۃ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وقیل ذراع کالسترۃ وھو المختار والوجہ اوجھیۃ الثانی لان الموجب وھو شبھۃ الازدراء متحقق فیہ غیر مقتصر علی قدر الذراع۔ درمختار میں ہے وقدر الارتفاع بذراع ولا باس بما دونہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ وقیل الخ وھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولی العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث اھ وکذا رجحہ فی الحلیۃ جب یہی ظاہر الروایۃ ہے اور یہی اطلاق حدیث کا مقتضیٰ اور پھر اسی میں احتیاط بھی ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اس روایت میں صرف امتیاز کو مقدار کراہت بتایا گیا ہے تو اسکی تحدید پیمانہ کے ساتھ نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ مقدار قلیل بھی کہ بظاہر ممتاز ہو کراہت کے لئے کافی ہے مثلاً تین چار انگل کی بلندی بھی قابل امتیاز ہے یہ بھی مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قالین یا دری جو اکثر ہنددؤں کے یہاں سے منگنی آتی ہے، اگرچہ خشک ہو اور اس کا نجس ہونا بھی ثابت نہ ہو تو بھی اسپر نماز نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ بھی اگر اور کوئی کپڑا ہو یا تخت و زمین ہو اور بالکل خشک ہو جماعت قائم ہے امام آگے نہیں بڑھ سکتا ہے، مقتدی پیچھے ہٹ سکتے ہیں، اور پیچھے کپڑا یا قالین جو بچھا ہے وہ خشک ہے اس کا نجس ہونا معلوم نہیں ہے۔ اور اگر مقتدی پیچھے نہ ہٹے تو امام کے داہنے بائیں پانچ چھ آدمی ہوجاتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں محض اسی خیال سے کہ قالین نجس ہوگا مقتدی نہ ہٹے اور امام کے برابر تین آدمی داہنی طرف اور دو آدمی بائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں۔ اور بتانے پر نماز نہ دُہرائی گئی تو نماز اور نمازیوں کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ مکرر یہ کہ کسی چیز پر شبہہ کرنا کہ یہ نجس ہوگی، جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ اشیائے طاہرہ میں نجاست چونکہ عارضی ہے لہٰذا جبتک کسی چیز کا نجس ہونا معلوم نہ ہو نجس نہیں قرار دے سکتے۔ کافر یا مشرک کے یہاں کی کوئی چیز ہونا اُس کے نجاست کے لئے مستلزم نہیں، ہاں اگر معلوم ہے کہ یہ چیز نجس ہے کہ اُس نے خود دیکھا ہے یا معتبر خبر سے نجس ہونا ثابت ہوا تو بیشک نجس ہے مگر خواہ مخواہ یہ سمجھ لینا کہ نجس ہوگی عند الشرع معتبر نہیں، اور اگر اسکی نجاست میں شک ہے تو بھی نجس نہیں کہہ سکتے، ایسی چیز کا دھونا بہتر ہوگا اور اُسکے بغیر نماز پڑھی جب بھی ہو جائیگی۔ درمختار میں ہے مایخرج من دارالحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر اوبنجس فنجس وان شك فغسله افضل، ردالمحتار میں ہے لان الاخذ بما هو الوثيقة فی موضع الشك افضل اذالم يؤد الى الحرج و من ههُنا قالوا لاباس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوة فيها الا الازار والسراويل فانه يكره الصلوة فيها لقربهما من موضع الحدث وتجوز لان الاصل الطهارة وللتوارث بين المسلمين فی الصلوة بثياب الغنائم قبل الغسل وتمامه فی الحلية زمین اگر نجس ہو خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے مگر کپڑا یا تخت یا قالین نجس ہو جائیں تو خشک ہونے سے پاک نہ ہوں گے بلکہ پاک کرنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ اُسوقت ہے جب نجس ہو ورنہ صرف یہ وہم کہ ناپاک ہوگا قابل اعتبار نہیں نہ اس بنا پر نجاست کا حکم دیں گے۔

دو مقتدی ہو تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں اُن کو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، اور دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے امام کے پیچھے کھڑا ہونا واجب ہے اور امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی، اگر آگے جگہ ہو تو امام بڑھ جائے، ورنہ مقتدی پیچھے ہٹ جائیں، درمختار میں ہے والزائد يقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيهاً وتحريماً لو اكثر۔ ردالمحتار میں ہے افادان تقدم الامام امام الصف واجب كما افاده فی الهداية والفتح۔ اور جب نماز مکروہ تحریمی ہوئی تو اعادہ واجب۔ درمختار میں ہے كل صلوٰة اديت مع كراهية التحريم تجب اعادتها ۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۵) از بانس بریلی شریف ڈاکخانہ ابن بریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ ہاتھ میں گھڑی لگا کر نماز پڑھنا یا امامت کرنا کیسا ہے۔

الجواب ۔ اگر گھڑی چمڑے کے تسمہ یا فیتہ سے بندھی ہو تو باندھکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کسی دھات سونے چاندی پیتل وغیرہ سے بندھی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اُسے اُتار کر نماز پڑھنی چاہیئے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۶) از موضع برمھولی ڈاکخانہ مانگ ضلع سلطان پور مرسلہ جناب خدا بخش صاحب۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منبر شریف پر ٹوپی رومال شیروانی چادر وغیرہ رکھ کے الگ نماز پڑھنا خلاف ادب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا!

الجواب - منبر پر ٹوپی وغیرہ رکھنے میں حرج نہیں مگر برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز وانکسار نہ ہو تو مکروہ ہے یونہی ہر وقت کے پہننے کے کپڑوں میں جس کو ثیاب بذلہ کہتے ہیں نماز پڑھنا جبکہ دوسرے اچھے کپڑے موجود ہوں مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۲۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بوڑھا ہے ایک سجدہ کرنے کے بعد اچھے طریقہ پر بیٹھ نہیں سکتا جب تک پالتی مار کر نہ بیٹھے لہٰذا وہ پہلے سجدہ ہی کے بعد جھکا رہتا ہے دوسرے سجدے میں بیٹھ سیدھی کرتا ہے، ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں۔ لیکن اگر چاہے تو کر سکتا ہے البتہ امام کا ساتھ دینا مشکل ہوگا نیز تنہا بھی اگر اسطرح سے پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب - پہلے سجدہ سے اٹھنے کے بعد جبتک سیدھا بیٹھ نہ لے دوسرے سجدے میں نہ جائے حدیث ہے کہ جبتک اطمینان سے بیٹھ نہ جائے دوسرا سجدہ نہ کرے بغیر اطمینان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد جو نماز پڑھتا ہے گنہگار ہوتا ہے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے اور امام کا ساتھ نہ دے سکے تو نہ دے مگر سیدھا ضرور بیٹھے کہ امام کی معیت کے لئے واجبات نہیں ترک کئے جائیں گے ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۸) از ڈلیسہ ریاست پالن پور مرسلہ جناب محمد عمر صاحب پیش امام مسجد صدر بازار [illegible]
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیش امام کو ٹوپی پہنکر امامت کرنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی۔ اور امام کے لئے کسی مخصوص ٹوپی کی ضرورت ہے یا ہر ٹوپی کا ایک ہی حکم ہے۔

الجواب - صرف ٹوپی پہن کر امامت کرنا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی نہ مکروہ تنزیہی البتہ ٹوپی پر عمامہ باندھنا زیادہ ثواب ہے۔ اور جو نماز عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے وہ اس نماز سے افضل ہے جو بغیر عمامہ پڑھی گئی۔ اور اس حکم میں امام ومقتدی دونوں کا ایک حکم ہے۔ امام کے لئے عمامہ کی خصوصیت نہیں نہ یہ کہ امام کے لئے زیادہ تاکید ہو مقتدیوں کے لئے کم ہر قسم کی ٹوپی جائز ہے مگر جو ٹوپی کفار وفساق کی علامت ہو اسکو نہ پہننا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۶۹) صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں نماز ادا کی، نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب - صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ممنوع ہے، حدیث میں فرمایا ولا تعد۔ درمختار میں ہے کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ۔ ردالمحتار میں ہے ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ او تحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن قطعہ قطعہ اللہ ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۰) از کھنڈوہ امام باڑہ قصبان کا ملاں محلہ الی پورہ مرسلہ ولد امیر علی صاحب ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ :-

نماز میں امامت کی حالت میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی پر ایک چھوٹا سا کپڑا لپیٹ لیا جاتا ہے، اسکی کیا اصلیت ہے۔

الجواب - تین پیچ اگر اس کپڑے سے لپیٹے جائیں تو عمامہ کے حکم میں ہے ورنہ کچھ نہیں[1]۔　　وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۱) عام رواج ہے کہ لوگ جس وقت مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، تو پہلے صف میں بیٹھ جاتے ہیں، بعد کو نیت باندھتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں، یا واجبات سے ہے۔ بینوا توجروا

الجواب - آتے کے ساتھ اگر وقت مکروہ نہ ہو تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، اگر بیٹھ جانا پھر کھڑا ہونا اگر کسی وجہ سے نہ ہو تو محض لغو ہے[2] ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۲) از رانی کھیت مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب الہ آبادی ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

امام کو کسی غلطی پر سبحان اللہ کے بجائے اللہ اکبر کہکر آگاہ کیا تو مقتدی کا یہ فعل کیسا ہے مقتدی کے نماز میں کوئی قصور تو نہیں واقع ہوتا۔

الجواب - کوئی حرج نہیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۳) از بہار پور معماران مرسلہ محمد رضا ۸ صفر ———— ۶۶ سنہ ہجری۔

شروانی کے بٹن کھول کر امام کو نماز جماعت پڑھانا درست ہے یا نہیں اور مقتدیوں کی نماز میں کوئی حرج

---

[1] عہ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی کے کنارے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں اور پوری ٹوپی کھلی رہتی ہے۔ یہ اعتجار ہے۔ اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے۔ ویکرہ الاعتجار وھو شد الراس بالمندیل او تکویر عمامتہ علی راسہ وترک وسطہا مکشوفا۔ اس کے تحت طحطاوی میں ہے ای لف العمامۃ حول الراس وابداء الھامۃ۔ فقولہ وترک وسطہا راجع الی تفسیر الشرح ایضا۔ المراد انہ مکشوف من العمامۃ لا المکشوف اصلا لانہ فعل ما لا یفعل واللہ تعالیٰ اعلم

[2] عہ لغو ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ایک نقص بھی ہے، اگر بغیر بیٹھے سنت پڑھ لیگا تو یہ سنت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیگی۔ اور بیٹھ گیا تو محروم رہا واللہ تعالیٰ اعلم　امجدی

تو واقع نہیں ہوا۔

مسئلہ (۲) ۔ امام کو کندھے پر چادر اوڑھکر نماز پڑھانا کیسا ہے اور سر سے اوڑھکر پڑھنا کیسا ہے اور مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی یا نہیں۔

الجواب (۱) ۔ شروانی کے اگر تمام بٹن کھول کر نماز پڑھی تو نماز میں کراہت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) چادر اوڑھنے میں بہتر یہ ہے کہ سر سے اوڑھے اس طرح سے اوڑھنا مطابق سنت ہے اور کندھے سے اگر اوڑھی جب بھی نماز ہو جائے گی، نماز میں کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۴) بنارس ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ امام سائبان کے اندر ہو اور مقتدی باہر ہو اس حالت میں نماز کیسی ہوگی۔

الجواب ۔ اگر صرف تنہا امام ہی سائبان کے اندر ہو اور سب مقتدی باہر ہوں تو اس صورت میں کراہت لازم آئیگی۔ [عہ]

مسئلہ (۲۷۵) بنارس ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ ہجری

فجر و ظہر میں کوئی بلا سنت پڑھے نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھائے تو ایسی حالت میں نماز کیسی ہوگی۔

الجواب ۔ اگر اتنا وقت باقی ہے کہ سنت پڑھ لینے کے بعد فرض ادا کر لیگا تو سنتوں کے پڑھنے کے بعد نماز پڑھائے۔ فجر کی سنت کا تاکد بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ قریب بوجوب ہے بلکہ بعض فقہاء اسکے وجوب کے قائل ہیں اگر سنت فجر بغیر پڑھے ہوئے امامت کرے تو اس کا ترک لازم آئیگا کہ اب اسکی قضا بھی نہیں۔ اور بلا شبہ بغیر عذر سنت فجر کا ترک اساءت ہے اور ظہر کی سنتیں اگرچہ بعد فرض پڑھ لیگا مگر بلا عذر اُسکو اسکی جگہ سے ہٹانا بھی بُرا ہے کہ سنت قبلیہ میں اصل سنت یہی ہے کہ وہ فرض سے قبل پڑھی جائے جماعت قائم ہو چکنے کے بعد مقتدی کا جماعت میں مشغول ہونا اور سنت کا مؤخر کرنا عذر شرعی کی وجہ سے ہے مگر بلا وجہ امام کا مؤخر کرنا سنت کے خلاف ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۶) مسئولہ عبد المجید صاحب از آگرہ ضلع شاہ آباد ۱۲ر شوال ۱۳۶۱ھ

عہ نقایہ کے باب کروہات الصلوٰۃ میں ہے و تخصیص الامام بمکان۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں امام کی ایک مکان کے ساتھ تخصیص ہوگی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۱۶ میں ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکان کی کراہت میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ تنہا وہ مکان مسقف میں ہو اور مقتدی صحن میں۔ شرح نقایہ میں ہے وما یات بکون فی صفۃ وصحن وسط الدار مثلا کما فی الجواہر ولما یات بقوم فی المسجد والامام فی طاق یحتذی المحراب واللہ تعالیٰ اعلم — اجملی

اگر کوئی شخص رمضان میں عشاء کی نماز مکان میں اکیلا پڑھے تو وہ شخص وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ جو شخص نماز عشاء رمضان میں تنہا پڑھے، وہ جماعت میں شریک نہ ہو، اُسے چاہیے کہ وتر بھی تنہا پڑھے، ردالمحتار میں ہے اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۷) مرسلہ سید حسن اشرف صاحب از پرانی بستی ضلع بستی ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ۔

اگر کوئی شخص خواندہ دعائے قنوت کے بجائے تین بار سورہ اخلاص شریف پڑھے تو کیا حکم ہے، اسکی نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب ۔ دعائے قنوت وتر میں واجب ہے، اور قنوت صرف وہی نہیں جو اس نام سے مشہور ہے، اس دعا کا پڑھنا سنت ہے، اور اگر کوئی دوسری دعا پڑھی جب بھی ادا ہوگیا۔ درمختار بیان واجبات نماز میں ہے وقرأۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء۔ ردالمحتار میں ہے القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان فی النھر واما خصوص اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ فسنۃ فقط حتی لو اتی بغیرہ جاز اجماعاً۔ نیز ردالمحتار باب الوتر میں ہے ذکر فی البحر عن الکرخی ان القنوت لیس فیہ دعاء موقت لانہ روی عن الصحابۃ ادعیۃ مختلفۃ ولان الموقت من الدعاء یذھب برقۃ القلب وذکر الاسبیجابی انہ ظاھر الروایۃ ۔ اور اگر کوئی دعا یاد نہ ہو تو تین بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کہے قالہ الامام ابو اللیث ذکرہ فی ردالمحتار اور سورۂ اخلاص ذکر خالص ہے، اسکے پڑھنے سے واجب ادا نہ ہوگا کہ واجب دعا ہے، اور چونکہ قصداً ترک واجب ہوا لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۸) مسئولہ مستری نبی بخش از بریلی محلہ نیگران ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ بعد وتر کہنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس ترکیب سے۔ اور فضیلت کیا ہے اور اگر زور سے کہنے کا حکم ہے تو نمازی کی نماز میں خلل تو نہیں پڑتا ہے۔

الجواب ۔ بعد سلام وتر سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ تین بار کہنا سنت ہے، دو بار آہستہ اور تیسری بار جہر کے ساتھ مگر نہ اس قدر جہر سے کہ لوگوں کی نماز میں خلل آئے، اور قدوس کے داو کو تیسری بار میں دراز کرے یعنی مد پڑھے۔ حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم فی الوتر قال سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ثلث مرات یطیل وفی روایۃ للنسائی عن عبد الرحمن بن ابزی عن ابیہ کان یقول اذا سلم سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ثلثاً ویرفع صوتہ فی الثالثۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۹) از نانڈیر مرسلہ مولٰی عبد اللہ صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

تہجد گذار رمضان شریف میں بعد تراویح کے وتر واجب جماعت سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جس کو یہ بھروسہ ہو کہ آخر شب میں اُٹھ جائے گا اُسے وتر آخر شب میں تہجد کے بعد پڑھنا بہتر ہے ورنہ اول شب ہی میں سونے سے پہلے پڑھ لے رمضان و غیر رمضان کا کچھ فرق نہیں، رمضان میں بھی آخر شب میں پڑھنا بہتر ہے اور تراویح کے بعد ہی پڑھ لیا جب بھی جائز ہے، درمختار میں ہے یستحب تاخیر الوتر الی آخر اللیل لواثق بالانتباہ والا فقبل النوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔(۲۸۰) وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بعد سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھنے کے دونوں ہاتھ بالکل نیچے زانو تک چھوڑ کر بعد اٹھا کر کانوں تک لیجا کر باندھے یا نقطہ ناف کے اوپر ہی سے اٹھا کر کانوں تک پہنچا کر پھر ناف پر باندھے۔

الجواب۔ ہاتھ لٹکانا ثابت نہیں بلکہ ہاتھ کھول کر کانوں تک لیجائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔(۲۸۱) مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاران جودھپور خاص ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا مستقل ہیں یا ایک پڑھنا بھی جائز اور پڑھنا بھی درست، اس مسئلہ کی کیا صورت ہے صحیح طور سے کس طرح سمجھا جائے۔

الجواب۔ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں احادیث اس باب میں کثیر ہیں۔ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثا قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوا کرتی تھی، ام المومنین نے فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی۔ چار رکعت پڑھتے یہ نہ پوچھو کہ وہ کتنی اچھی ہوتیں اور کتنی لمبی ہوتیں پھر چار پڑھتے نہ پوچھو کہ وہ کیسی اچھی ہوتیں اور کتنی لمبی ہوتیں پھر ان کے بعد تین رکعت پڑھتے ام المومنین کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور وتر سے پہلے سو جاتے ہیں ارشاد فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، غیر مقلدین اس حدیث سے تراویح کی آٹھ رکعتیں ہونے پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ وہ نماز ہے جو رمضان و غیر رمضان دونوں

میں پڑھی جاتی ہے یعنی نماز تہجد تراویح کو رمضان کے ساتھ خصوصیت ہے تراویح غیر رمضان میں کہاں پڑھی جاتی ہے تراویح کی آٹھ رکعات پر حدیث دلالت بھی نہیں کرتی مگر اس باب میں تراویح کے آٹھ رکعت ہونے میں یہ حدیث غیر مقلدین کے نزدیک قابل اعتبار و حجت ہے اور آٹھ کے بعد تین رکعتوں کا وتر ہونا اس حدیث سے صاف اور واضح طور پر سمجھا جاتا ہے اس امر میں حدیث صحیح بخاری قابل اعتبار نہیں (یعنی غیر مقلدین کے نزدیک) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۸۲) مرسلہ ملا محمد اسمٰعیل سنجان ضلع تھانہ ۱۸ ربیع الاول ۶۱ھ۔

وتر واجب تین رکعت ہے دو رکعت مع سورت اور تیسری رکعت میں الحمد اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ شریف پڑھ کر کان تک ہاتھ اُٹھانے کی کیا وجہ ہے۔

الجواب۔ تکبیر قنوت میں ہاتھ اٹھانے کی یہ وجہ ہے کہ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسالہ

التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل

مسئلہ (۲۸۳) مسئولہ مولوی محمد صدیق صاحب مدرس مدرسہ غریبیہ مالیگاؤں ضلع ناسک ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بلا و مصیبت کے زمانہ میں علماء حنفیہ نے جو نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت تحریر فرمائی ہے یہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بعد الرکوع ہونے کو اظہر بتایا مگر بہار شریعت میں اس قنوت کا قبل الرکوع پڑھنا تحریر فرمایا ہے۔ نیز اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز نے بھی ملفوظ جلد دوم ص۹۳ میں فرمایا۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ دوسری رکعت میں الحمد سورت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت

؎ عبادات توقیفیہ ہیں۔ شرع سے جیسے ثابت ہو ویسے ہی ادا کرنا لازم ہے، عقل کو اس میں دخل نہیں، ویسے بیان کہا جا سکتا ہے کہ وتر کی اخیر رکعت میں ابتداءً قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور بعد میں دعائے قنوت، ان دونوں کے اپنے مابین فصل کو ظاہر کرنے کے لئے تکبیر و رفع یدین کا حکم ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ دعا مانگے یا آمین کہیں اس مسئلہ کو بالتفصیل بیان کیا جائے تاکہ اطمینان ہو۔
(۲) یہ دعا نماز فجر میں ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا دعا کے وقت ہاتھ چھوڑ دے۔
(۳) یہ دعائے قنوت جہر کے ساتھ پڑھی جائے یا آہستہ۔
(۴) امام جہر سے پڑھے یا آہستہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب ـ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ دعائے قنوت میں ہم حنفیہ و شافعیہ کے مابین چند اختلافات ہیں۔ اول یہ کہ یہ دعا قبل رکوع ہے یا بعد رکوع۔ دوسرے یہ کہ وتر میں قنوت آیا پورے سال میں ہے یا صرف ماہ رمضان کے نصف اخیر میں۔ سوم یہ کہ وتر کے غیر میں دعائے قنوت پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ وتر میں عاقنوت کا قبل رکوع ہونا ظاہر ہے۔ ابن ماجہ نے ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر و یقنت قبل الرکوع۔ اور نسائی کی روایت انھیں سے یہ ہے کان یوتر بثلث یقرأ فی الاولی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وفی الثانیۃ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وفی الثالثۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ویقنت قبل الرکوع۔ نیز خطیب نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع۔ اور ابونعیم نے حلیہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اوتر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بثلث وقنت فیھا قبل الرکوع اور طبرانی نے اوسط میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ کان یوتر بثلث رکعات ویجعل القنوت قبل الرکوع۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعائے قنوت کا محل قبل رکوع ہے۔ مگر یہ سب احادیث نماز وتر کے بارے میں ہیں کہ نماز وتر میں دعائے قنوت کا محل قبل رکوع ہے۔ بعض شافعیہ۔ قنوت بعد الرکوع پر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا جس کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت بعد الرکوع مگر ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ خود انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری شریف میں عاصم احول نے روایت کی سألت انسا عن القنوت فی الصلاۃ قال نعم فقلت اکان قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ قلت فان فلانا اخبرنی عنک انک قلت بعدہ قال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شھرا۔ بعد رکوع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا صرف ایک مہینہ تک تھا اس کے بعد ترک فرما دیا جیسا کہ کلمہ حصر انما اس پر دلالت کرتا ہے بلکہ خود انھیں سے یہ بھی مروی ہوا ثم ترکہ۔ اس حدیث کو نسائی نے قتادہ سے اور ابوداؤد نے انس ابن سیرین سے یہ دونوں انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں

یہ روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ساکت ہے کہ یہ قنوت (جو بعد رکوع تھا) نماز فجر میں تھا یا نماز وتر میں، اگر نماز وتر میں تھا جب تو یہ امر صاف ظاہر ہوگیا کہ نماز وتر میں قنوت بعد الرکوع صرف ایک ہی مہینہ حضور نے پڑھا دبس۔ اور اگر یہ قنوت نماز فجر میں تھا اور روایتوں سے ایسا ہی ظاہر ہوتا بھی ہے تو اس سے وتر میں قنوت بعد الرکوع پر استدلال ساقط۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ در مختار میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح بعد الرکوع یدعو علی احیاء من العرب رعل وذکوان وعصیۃ حین قتلوا القراء وھم سبعون او ثمانون رجلا ثم ترکہ لظہر علیھم۔ بلکہ خود صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن سیرین نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جسمیں نماز فجر کی تصریح ہے سئل انس بن مالک اقنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح قال نعم فقیل اوقنت قبل الرکوع قال بعدہ یسیرا۔ قنوت فجر کے متعلق ائمہ حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے[عہ] جیسا کہ بدائع الصنائع میں مذکور ہے روی ابن مسعود وجماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنت فی صلوۃ الفجر شھرا کان یدعو فی قنوتہ علی رعل وذکوان وکان یقول اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف ثم ترکہ فکان منسوخا دل علیہ انہ اسی روی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقنت فی صلوۃ المغرب کما فی صلوۃ الفجر وذالک منسوخ بالاجماع وقال عثمان النہدی صلیت خلف ابی بکر وخلف عمر کذالک فلم ار احدا منھم یقنت فی صلوۃ الفجر۔ اور فتاویٰ قاضیخاں میں فرمایا ولو صلی خلف من یقنت فی صلوۃ الفجر لا یقنت لان القنوت فی صلوۃ الفجر منسوخ۔ اور ہدایہ میں بھی امام اعظم و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل عدم متابعت فی القنوت میں ذکر فرمایا انہ منسوخ۔ تنویر الابصار میں ہے ویاتی الماموم بقنوت الوتر لا الفجر۔ اس کے تحت میں در مختار میں فرمایا لانہ منسوخ اسی طرح کتب کثیرہ متداولہ مشہورہ میں اس کی منسوخیت کی تصریح پائی جاتی ہے، بلکہ اسی وجہ سے اکثر متون میں یہی فرمایا ولا یقنت فی غیرہ اسمیں نازلہ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں کیگئی۔ اور دوسرا قول جو اکثر شراح کی عبارات سے ظاہر ہے، وہ یہ ہے کہ قنوت فجر نازلہ کے لئے تھا اور اس کا ترک فرمانا بر بنائے رفع علت تھا لہٰذا جب کبھی پھر نازلہ ہو تو قنوت پڑھا جائے گا، چنانچہ ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ اما لو وقعت بلیۃ فلا باس بہ بلکہ خلفاء راشدین اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی فجر میں نازلہ کی صورت میں قنوت ثابت ہے لہٰذا حضرت انس

[عہ] اور اس کے نسخ پر حدیث کے اس ارشاد "ثم ترکھا" پر استدلال کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ حضور نے ترک کر دیا، یا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترک فرمانے کی تصریح سے مراد قنوت فجر کا منسوخ ہونا نہیں، بلکہ مصیبت شدیدہ کی صورت میں پڑھا اور جب وہ مصیبت جاتی رہی پڑھنے کی علت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ حنفیہ کے دونوں قولوں میں یہ تطبیق دی جاتی ہے کہ جو فجر میں قنوت کا انکار کرتے ہیں انکی مراد مداومت سے انکار ہے۔ اور اگر صورت نازلہ میں پڑھا جائے اس کی ممانعت نہیں اور اس کے منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نازلہ نہ ہونے کی صورت میں منسوخ ہے نہ یہ کہ عدم نازلہ کی صورت میں بھی یعنی عموم حکم منسوخ ہے، نہ کہ نفس حکم منسوخ ہے اور بعض ائمہ نے یہ بھی فرمایا کہ جن روایتوں میں نماز فجر میں قنوت کا ذکر آیا ہے وہاں قنوت سے مراد طول قیام ہے کہ اس لفظ کے یہ معنی بھی ہیں بلکہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القنوت۔ اور چونکہ نماز فجر تمام نمازوں سے لمبی ہوتی ہے، اسی وجہ سے اسمیں قنوت کا ذکر آیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقنت الا اذا دعا لقوم او علی قوم۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں حضور نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا، مگر اس قنوت کا بعد الرکوع ہونا صرف ایک مہینہ تک رہا، کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی روایتوں سے نماز فجر میں قنوت پڑھنا جہاں ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے بعد الرکوع صرف ایک مہینہ تک تھا، اس کے بعد ترک فرما دیا اور جب کہ حنفیہ اس قنوت کو قنوت نازلہ پر حمل کرتے ہیں۔ تو حدیث قنوت نوازل کر بھی ثابت کی کہ نازلہ کی صورت میں بھی قنوت قبل الرکوع پڑھا جائے گا اس وجہ سے امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں قنوت کا قبل الرکوع ہونا ثابت فرمایا اور نماز فجر میں قنوت سے انکار کیا۔ حدیث قنوت نوازل پر محمول فرمایا جس کا ظاہر یہی ہے کہ نماز فجر میں بھی قنوت قبل الرکوع ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ درمختار میں بعد ذکر قول امام طحاوی فرماتے ہیں وظاھرہ انہ لوقنت فی الفجر لبلیۃ انہ یقنت قبل الرکوع ابوالسعود عن الحموی۔ اور یہی قنوت قبل الرکوع من حیث الدلیل ظاہر اور یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تخییر کو اختیار فرمایا اور حاشیہ درمختار میں یہ ذکر کیا قلت وقد ورد فعلہ قبلہ وبہ قال الامام مالک وبعدہ وبہ قال الامام الشافعی فمقتضی النظر التخییر۔

اقول بلاشبہہ بعد الرکوع بھی قنوت وارد ہوا مگر وہ ایک مہینہ سے زیادہ متجاوز نہ ہوا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم کے ارشادات سے ثابت۔ اور باوجود اس تصریح کے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت فجر کا بیان فرمانا اور اس کا قبل الرکوع ہونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں بھی قنوت بعد الرکوع نہیں۔

رہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد الرکوع قنوت کا قول کرنا وہ مطلقاً ہے نازلہ ہو یا غیر نازلہ فجر ہو یا وتر سب میں وہ بعد الرکوع کے قائل ہیں۔ اگر ان کا یہ قول موجب تخییر ہو تو وتر میں بھی حنفیہ کو قنوت میں تخییر چاہئے اور اگر یہ اختلاف ائمہ تخییر کا سبب بن جایا کرے تو صرف قنوت نازلہ ہی کی کیا تخصیص بکثرت مسائل وہ ہیں جن میں مابین مجتہدین اختلاف پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں یہ کہدینا صحیح ہو جایا کرے تو چاہئے کہ سب ہی میں تخییر کا قول کر دیا جائے۔ اور اس کا مقتضٰی نظر بنا کر ترجیح کا دروازہ بند کر دیا جائے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار و حاشیہ بحر الرائق میں قنوت بعد الرکوع ہونے کو ظاہر تر تحریر فرمایا اور ردالمحتار کی عبارت یہ ہے هل القنوت هذا قبل الركوع او بعده لم اره والذي يظهر لي ان المقتدي يتابع امامه الا اذا جهر فيؤمن وانه يقنت بعد الركوع لا قبله بدليل ان ما استدل به الشافعي على قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علماؤنا على القنوت النازلة ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بانه بعده واستظهر الحموي انه قبله والاظهر ما قلناه [عہ] علامہ شامی کا یہ فرمانا کہ شافعیہ نے جن حدیثوں سے استدلال کیا ان کو ہمارے علماء نے نازلہ پر حمل کیا اس سے قنوت نازلہ کا بعد الرکوع ہونا ظاہر تر معلوم ہوتا ہے یہ قول قابل نظر ہے کہ ہمارے علماء نے قنوت کے قبل الرکوع ہونے پر احادیث سے استدلال فرمایا اور شافعیہ کے استدلال کی جو حدیثیں تھیں ان کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ صرف ایک مہینے تک کے لئے ہوا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترک فرمایا۔ جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعود وانس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات سے ظاہر ہے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور امام ملک العلماء ابو مسعود کاشانی نے بدائع الصنائع میں قنوت بعد الرکوع کا انکار فرمایا اور قبل الرکوع ہونے کو ثابت کیا اور اس کو نازلہ کے ساتھ خاص نہیں رکھا۔ ہاں ہمارے علماء نے قنوت فجر کی اجازت کو ضرور نازلہ پر محمول کیا ہے جس کا یہ مقصد ہے کہ احادیث میں جو قنوت فجر کا ذکر آیا ہے اس سے مراد قنوت نازلہ فی الفجر ہے نہ یہ کہ بعد الرکوع ہونا بھی درصورت نازلہ ہے۔ بلکہ ہمارے علماء کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد قنوت کا محل ہی نہیں، اسی وجہ سے اس صورت میں کہ کوئی شخص بغیر قنوت پڑھے ہوئے رکوع میں چلا جائے تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اس نے قنوت پڑھ لیا جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے غیر روایۃ الاصول میں مروی ہے تو ان کے نزدیک وہ رکوع منتقض

عہ فقیر نے بہار شریعت میں بصورت نازلہ نماز فجر میں قنوت کا قبل رکوع ہونا تحریر کیا مگر اس میں حوالہ شرنبلالی کا دیا اس مسئلہ کی تحریر کے وقت معلوم ہوا کہ شرنبلالی بعد الرکوع کے قائل ہیں۔ اصل مسودہ بہار شریعت کا نکلوا کر دیکھا گیا اس میں پہلے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہے اور شرنبلالی کا حوالہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے بعد الرکوع قلمزد کرا دیا اور بجائے اس کے قبل رکوع بنا مگر غلطی سے شرنبلالی کا جو حوالہ تحریر تھا وہ قلمزد نہیں ہوا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ بہار شریعت میں شرنبلالی کو قلمزد کر کے اس کی جگہ پر حموی لکھ لیں ۱۲ منہ مدظلہ

ہوگیا قنوت پڑھنے کے بعد پھر رکوع کرے، بدائع الصنائع جلد اول ص۲۷۴ میں ہے واما حکم القنوت اذا فات عن محلہ فنقول اذا نسی القنوت حتی رکع ثم تذکر بعد ما رفع راسہ من الرکوع لا یعود ویسقط عنہ القنوت وان کان فی الرکوع فکذلک فی ظاہر الروایۃ وروی عن ابی یوسف فی غیر روایۃ الاصول انہ یعود الی القنوت لان لہ شبہا بالقرأۃ فیعود کما لو ترک الفاتحۃ او السورۃ ولو تذکر فی الرکوع او بعد ما رفع راسہ منہ انہ ترک الفاتحۃ او السورۃ یعود وینتقض رکوعہ کذا ھھنا اور بحر الرائق جلد دوم ص۴۳ میں بھی اسی بدائع الصنائع کا حوالہ دیتے ہوئے اس مسئلہ کا ذکر فرمایا بلکہ اس پر اتنا اور اضافہ کیا وجہہ فی الخانیۃ یعنی اس ظاہر الروایۃ کو کہ اب اس پر سے قنوت ساقط ہوگیا امام قاضیخاں نے صحیح بتایا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر فرمایا ولو نسی القنوت فتذکر فی الرکوع فالصحیح انہ لا یقنت فی الرکوع ولا یعود الی القیام ھکذا فی التتارخانیۃ فان عاد الی القیام وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ کذا فی البحر الرائق واما اذا رفع راسہ من الرکوع ثم تذکر فانہ لا یعود الی قرأۃ ما نسی بالاتفاق کذا فی المضمرات۔ اور درمختار میں ہے ولو نسیہ ای القنوت ثم تذکرہ فی الرکوع لا یقنت فیہ لفوات محلہ ولا یعود الی القیام فی الاصح لان فیہ رفض الفرض للواجب فان عاد الیہ وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ لکون رکوعہ بعد قرأۃ تامۃ وسجد للسھو قنت اولا لزوالہ عن محلہ۔ یہ چند عبارتیں نہایت کافی و وافی ہیں۔ دوسری عبارتیں لکھنے کی ضرورت نہیں درمختار کا یہ لفظ لفوات محلہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ محل قنوت، قیام ہے نہ کہ قومہ کہ اگر قومہ بھی محل قنوت ہوتا تو رکوع میں چلے جانے سے محل کا فوت ہونا لازم نہیں آتا اور قیام ہی محل قنوت ہے اس کو امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں نہایت واضح دلائل سے ثابت فرمایا[١]۔ نیز یہ کہ اگر حنفی نے شافعی کے پیچھے نماز فجر میں اقتدا کی اور امام نے رکوع کے بعد اپنے مذہب کے مطابق قنوت پڑھا تو اس حنفی کے لئے اس صورت میں امام کی متابعت میں قنوت پڑھنا نہیں رہا یہ کہ مقتدی حنفی چپکا کھڑا رہے یا بیٹھ جائے، اسمیں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر خاموش کھڑا رہے، بکثرت کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور اس موقعہ پر کسی کتاب میں نہیں فرمایا کہ اگر نازلہ کا زمانہ ہو تو یہ مقتدی حنفی بھی امام کے پیچھے قنوت نازلہ پڑھے، لہذا معلوم ہوا کہ اگر یہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہوتا جس کو علامہ شامی نے اظہر بتایا تخیر ہوئی جس کو علامہ سید احمد طحطاوی نے ذکر فرمایا تو ضرور اس موقعہ پر علماء تصریح فرماتے اور

[١] امام ابن ہمام نے طرز مبہم نہایت واضح الفاظ میں تصریح فرمائی۔ وھذا ترجیح لذلک خرج ما بعد الرکوع من کونہ محلا للقنوت۔ چند سطر بعد پھر فرمایا یتحقق خروج القومۃ عن المحلیۃ بالکلیۃ۔ جب قنوت کا قبل رکوع ہونا راجح ہوچکا تو بعد الرکوع قنوت کا محل نہ رہا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ قیام قنوت کا قطعاً محل نہیں ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۰۰ پر ہے اقول بل الحق بالقبول ما قال السید الحموی تقول الفتح ولا نزم الخ ص۴۰۵ پر ہے اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت کا محل ہی نہیں۔ قبل رکوع چاہئے ص۴۰۵ پر ہے تحقیق یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں بعد قراءت قبل رکوع ہو ——— علاوہ ازیں اور جگہوں پر بھی ہے۔

اس محل پر اس مسئلہ کو علی الاطلاق نہ بیان کرتے بلکہ خود علامہ سید احمد طحطاوی و علامہ سید ابن عابدین شامی بھی جو تخییر یا بعد الرکوع کو اظہر کہتے ہیں وہ بھی اس موقع پر خاموش گذر جاتے ہیں نازلہ کی تخصیص نہیں فرماتے۔ ہدایہ میں ہے فان قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر یسکت من خلفہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ یتابعہ لانہ تبع لامامہ والقنوت مجتہد فیہ ولہما انہ منسوخ لامتابعۃ فیہ ثم قیل یقف قائما لیتابعہ فیما تجب متابعتہ وقیل یقعد تحقیقا للمخالفۃ لان الساکت شریک الداعی والاول اظہر۔ فتاویٰ خانیہ برحاشیہ عالمگیری ص۲۲۵ میں ہے ولو صلی خلف من یقنت فی صلوٰۃ الفجر لا یقنت لان القنوت فی صلوٰۃ الفجر منسوخ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یقنت ــــ بحر الرائق جلد دوم ص۴۵ میں ہے قولہ لا الفجر ای لا یتبع المؤتم الامام القانت فی صلوٰۃ الفجر وھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد وقال ابو یوسف یتابعہ لانہ تبع لامامہ والقنوت مجتہد فیہ ولہما انہ منسوخ فصار کما لو کبر خمسا فی الجنازۃ حیث لا یتابعہ فی الخامسۃ اذا لم یتابعہ قیل یقعد تحقیقا للمخالفۃ لان الساکت شریک الداعی بدلیل مشارکۃ الامام فی القرأۃ واذا قعد فقدت المشارکۃ (الی ان قال فی الہدایہ) علامہ شامی کا یہ فرمانا کہ قنوت فجر میں جو حدیثیں وارد ہوئیں، ان کو ہمارے علماء نے نوازل پر محمول کیا ہے۔ اور نوازل کی حدیثوں میں قنوت بعد الرکوع آیا ہے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں، قنوت نازلہ کی بعض حدیثیں وہ ہیں جن میں قنوت کا قبل رکوع ہونا مذکور ہے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قنوت فجر کی حدیث کے راوی ہیں، اور وہ رکوع کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک ماہ قنوت پڑھنا بیان کرتے ہیں، پھر اس کا ترک فرمانا ذکر کرتے ہیں۔ اور بعض حدیثوں میں اس ایک ماہ کے سوا قبل الرکوع قنوت کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ اس قنوت کو بھی ہمارے علماء نے نازلہ ہی پر محمول کیا ہے۔

اور امام ابو جعفر طحاوی عبد الرحمن ابن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ان عمر قنت فی صلوٰۃ الغداۃ قبل الرکوع بالسورتین۔ نیز وہی طارق بن شہاب سے راوی قال صلیت خلف عمر صلوٰۃ الصبح فلما فرغ من القرأۃ فی الرکعۃ الثانیۃ کبر ثم قنت ثم کبر فرکع اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قنوت نازلہ ہی کی صورت میں تھا جس کو امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ نے شرح معانی الآثار میں بیان کیا ہے، نیز امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبد الرحمن سے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہ کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح قبل الرکوع یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز صبح میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہ قنوت نازلہ و جنگ ہی کی وجہ سے تھا۔ پس جب کہ ہمارا مذہب قنوت قبل الرکوع کا جز

تو درصورت نازلہ نماز صبح میں بھی اگر یہ قنوت پڑھا جائے تو اس کو قبل الرکوع ہی ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب - دعائے قنوت نازلہ کی صورت میں بھی ہاتھ باندھے ہوئے پڑھی جائے جس طرح قنوت وتر ہاتھ باندھکر پڑھتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے کے متعلق کتب فقہ میں یہ قاعدہ کلیہ ذکر فرمایا ہے کہ جس قیام میں ذکر طویل مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھ لیا جائے اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں ارسال کرے۔ اسی وجہ سے نماز عید میں پہلی تکبیر کے بعد چونکہ ثنا پڑھی جاتی ہے لہذا ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد کی تکبیروں میں نیز رکعت ثانیہ کی تمام تکبیرات زوائد میں ہاتھ چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا ثم الاعتماد سنة القيام عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالیٰ حتی لا يرسل حالة الثناء والاصل ان كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح فيعتمد فی حالة القنوت وصلوٰة الجنازة ويرسل فی القومة وبين تكبيرات الاعياد۔ درمختار میں ہے وهو سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفی القنوت وتكبيرات الجنازة لا فی قيام بين ركوع وسجود لعدم القرار ولا بين تكبيرات العيد لعدم الذكر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب - دعائے قنوت[1] کو جہر کے ساتھ یا آہستہ پڑھنے میں علمائے حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔ مختار یہی ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کہ آداب دعا میں اخفا مناسب تر ہے۔ ہدایہ میں اخفاہی کو مختار فرمایا۔ اور محیط میں اس کو اصح بتایا۔ بدائع الصنائع جلد اول ص۲۷۴ میں ہے واما صفة القنوت من الجهر والمخافتة (الی ان قال) والاختيار مشائخنا بما وراء النهر الاخفاء فی دعاء القنوت فی حق الامام والقوم جميعا لقوله تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وقول النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم خير الدعاء الخفی۔ بحرالرائق جلد دوم ص۴۲ میں ہے ولم يبين المصنف القنوت بالمخافتة للاختلاف فيه قال فی الذخيرة واستحسنوا الجهر فی بلاد العجم للامام ليتعلموا كما جهر عمر رضی الله تعالیٰ عنه بالثناء حين قدم عليه وفد العراق۔ ونص فی الهداية علی ان المختار المخافتة وفی المحيط علی انه الاصح وفی البدائع والاختيار مشائخنا۔ درمختار میں ہے ويخفت فيه عندنا علی الاصح مطلقا ولو اماما لحديث خير الدعاء الخفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ اس کا جواب ص۲۰۳ میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۰۴) مسئولہ متعلمین مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڈھ۔

---

[1] اگرچہ یہ تفصیل وتر کے قنوت کے بارے میں ہے، مگر یہی حکم قنوت نازلہ کے لئے بھی ہے اسلئے کہ جیسے وہ دعا ہے یہ بھی دعا ہے۔ وتر کے قنوت کے اخفا کی علت، دعا ہی تاہے۔ اور یہ بھی دعا ہے لہذا اسے بھی سرا ہی پڑھیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوازل کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرض نمازوں میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ قنوت صرف جہری نمازوں میں ہے یا جہری اور سری دونوں میں اور سب جہری نمازوں میں جائز ہے یا صرف فجر ہی میں حدیث و فقہ سے جو محقق قول ہو تحریر کیا جائے۔ کتابوں کے صفحات اور عربی عبارتوں کے ترجمے بھی ضرور تحریر کر دیئے جائیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ الحمد للہ علی الذات عظیم الصفات والصلوٰۃ والسلام علی سید الکائنات محمد المصطفیٰ صاحب الآیات البینات وعلی آلہ واصحابہ المختصین بالخصائص والکرامات۔

اما بعد! حضرت امام اعظم اور ان کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے کتب میں نازلہ و حادثہ کی صورت میں قنوت پڑھنے کی کوئی روایت نظر فقیر سے نہیں گذری عامہ متون میں یہ تصریح ہے کہ ولا یقنت فی غیرہ یعنی نماز وتر کے غیر میں قنوت نہ پڑھا جائے مگر بکثرت احادیث سے نماز فجر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے بلکہ بعض حدیثوں میں نماز مغرب یا عشاء میں بھی قنوت پڑھنا آیا ہے لہذا پہلے ہم ان حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں جن میں وتر کے سوا فرض نمازوں میں قنوت کا ذکر ہے اس کے بعد ائمہ حنفیہ کے اس بارے میں جو کچھ ارشادات ہیں بیان کئے جائیں گے۔ فرائض میں قنوت پڑھنے کے متعلق حضرت انس اور ابوہریرہ و عبد اللہ بن عمر و عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن مسعود و براء بن عازب و خفاف بن ایماء و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں مروی ہیں۔

حدیث (۱)، صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۳۶ میں ایوب نے محمد ابن سیرین سے روایت کی قال سئل انس بن مالک اقنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح قال نعم فقیل او قنت قبل الرکوع قال بعد الرکوع یسیرا یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح میں قنوت پڑھا ہے فرمایا ہاں کہ پوچھا گیا کیا قبل الرکوع قنوت پڑھا فرمایا رکوع کے بعد چند روز تک۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنے صحیح میں اور نسائی نے سنن میں بھی روایت کیا۔ بعض شراح نے یسیرا کے یہ معنی بیان کئے کہ رکوع سے تھوڑے زمانے کے بعد یعنی اعتدال تام کے بعد اور بعض نے یہ معنی بیان کیا کہ چند دنوں تک قنوت پڑھا ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف جلد سوم ص ۱۲ میں ہے قال الکرمانی ای زمانا یسیرا ای قلیلا وھو بعد الاعتدال التام وقال الطرقی اراد یسیرا من الزمان لا یسیرا من القنوت لان ادنی القیام یسمی قنوتا فاستحال ان یوصف بالحقارۃ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یسیرا سے مراد یہ ہے کہ یہ قنوت پڑھنا بعد الرکوع

صرف چند دنوں تھا جیسا کہ عبدالواحد نے عاصم سے اور وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اسمیں اِس لفظ کی جگہ شہرا کا لفظ واقع ہوا ہے یعنی قنوت بعد الرکوع صرف ایک مہینہ تک تھا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی صفحہ۱۳۶ پر عاصم کی روایت ان لفظوں کے ساتھ ذکر کی ہے قال سئلت انس بن مالك عن القنوت فقال قدكان القنوت قلت قبل الركوع او بعده قال قبله قال فان فلانا اخبرني عنك انك قلت بعد الركوع قال كذب انما قنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعد الركوع شهرا اراه كان بعث قوما يقال لهم القراء زهاء سبعين رجلا الى قوم من المشركين دون اولئك و كان بينهم وبين رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عهد فقنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم شهرا يدعو عليهم میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے متعلق سوال کیا انھوں نے فرمایا قنوت پڑھا ہوا ہے میں نے پوچھا کہ رکوع سے قبل یا بعد انھوں نے فرمایا کہ رکوع سے قبل، میں نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ ہی سے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھنا بتایا ہے، فرمایا اس نے غلط کہا، حضور نے رکوع کے بعد صرف ایک ہی مہینہ قنوت پڑھا ہے، راوی حدیث نے بیان کیا کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو جن کو قراء کہا جاتا تھا جو قریب ستر آدمی کے تھے مشرکین کی ایک قوم کی طرف بھیجا تھا یہ قوم ان کے سوا تھی جن کی ہلاکت کی حضور نے دعا فرمائی ان کے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین معاہدہ ہو چکا تھا حضور نے قنوت پڑھا اور اس میں ان کی ہلاکت کی دعا کی، نیز امام بخاری نے ثابت بن یزید سے وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جو صحیح بخاری جلد اول صفحہ۱۳۶ میں ہے کہ اس میں بھی قنت شہرا بعد الرکوع واقع ہوا۔ نیز ابو مجلز کی انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بایں لفظ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ عن انس بن مالك قال قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم شهرا يدعو على رعل وذكوان یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا اس میں رعل وذکوان کی ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دونوں روایتوں میں یسیرا کی جگہ شہرا کا لفظ واقع ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں یسیرا کا یہی مطلب ہے کہ کچھ دنوں نماز صبح میں بعد الرکوع قنوت پڑھا ہوا ہے نہ کہ رکوع کے کچھ بعد یا تھوڑی دیر تک قنوت پڑھنا تھا۔ الاحادیث یفسر بعضها بعضا ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوا کرتی ہے جب اس معنی کی دوسری روایتوں میں یہیں یہ تصریح مل رہی ہے تو دوسرے معنوں کی طرف عدول کرنے کی کچھ حاجت نہیں بلکہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا ہے رہا یہ کہ عاصم اور ابو مجلز کی روایت میں صبح کا ذکر نہیں تو اسکی

نسبت یہ کہا جائے گا کہ محمد بن سیرین کی زیادت ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوا کرتی ہے بلکہ ابوداؤد نے محمد بن سیرین سے اسی حدیث انس کو بایں لفظ روایت کیا عن انس بن مالك ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شهرا ثم ترکه. ایک احتمال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں بھی لفظ شہرًا ہی تھا مگر نساخ کی تصحیف سے بجائے شہرًا کے بسیرًا ہو گیا اور کتابت میں اس قسم کی تصحیفات کا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں مگر تصحیف کا قول کرنے کی ہمیں کچھ حاجت نہیں روایت بالمعنی کا دروازہ بہت وسیع ہے کسی نے شہرًا کہا اور کسی نے یسیرًا کہا بلکہ بعض روایتوں میں عشرین یومًا اور بعض میں ثلاثین صباحًا واقع ہوا، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۲۱ میں فرمایا (ان هذا الحديث روی عن انس من وجوه خلاف ذلك فروی اسحق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عنه انه قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثين صباحا يدعو علی رعل وذكوان وعصية وروی قتادة عنه نحوا من ذلك وروی عنه حميد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما قنت عشرين يوما وروی عنه عاصم انه قنت شهرا وانه قبل الركوع) اور اسی حدیث انس رضی اللہ عنہ کو امام بخاری نے اپنی صحیح جلد اول صفحہ ۱۷۵ میں محمد بن فضیل سے وہ عاصم احول سے روایت کرتے ہیں (عن انس قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شهرا حين قتل القراء فما رأيت رسول اللہ علیہ وسلم حزن حزنا قط منه) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرّا شہید کئے گئے ایک مہینہ تک قنوت پڑھا میں نے حضور کو اس سے زیادہ غمگین کبھی نہیں دیکھا اس روایت میں بھی بجائے یسیرًا کے لفظ شہرًا واقع ہوا، نیز امام بخاری نے صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۸۶ میں حدیث انس کو بروایت عبد الواحد عاصم احول سے ذکر کیا (قال سألت انس ابن مالك عن القنوت فی الصلوة فقال نعم فقلت كان قبل الركوع او بعده قال قبله قلت فان فلانا اخبرنی عنك انك قلت بعده قال كذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الركوع شهرا انه كان بعث قوما يقال لهم القراء وهم سبعون رجلا الی ناس من المشركين وبينهم وبين رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عهد قبلهم فظهر هؤلاء الذين كان بينهم وبين رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عهد فقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الركوع شهرا يدعو عليهم) میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز میں قنوت سے متعلق سوال کیا انھوں نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے ہوا یا بعد میں فرمایا رکوع سے قبل میں نے کہا فلاں نے آپ ہی سے روایت کرتے ہوئے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت کا ہونا بیان فرمایا ہے، حضرت انس نے فرمایا اس نے غلط کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جن کو قرّاء کہا جاتا تھا اور

وہ ستر اشخاص تھے مشرکین کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا تھا اور ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین معاہدہ تھا یہ کفار جن سے معاہدہ تھا قراء پر غالب آئے تو حضور نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا جس میں ان کفار کی ہلاکت کی دعا کرتے تھے اور بھی مغازی میں حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ کو کئی طریقوں سے ذکر فرمایا۔ عبد العزیز نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی (قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبعین رجلا لحاجۃ یقال لھم القراء فعرض لھم حیان من بنی سلیم رعل وذکوان عند بئر یقال لھا بئر معونۃ فقال القوم واللہ ما ایاکم اردنا انما نحن مجتازون فی حاجۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقتلوھم فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ الغداۃ وذالک بدؤ القنوت وما کنا نقنت قال عبد العزیز وسال رجل انسا عن القنوت ابعد الرکوع او عند فراغ من القراءۃ قال لا بل عند فراغ من القراءۃ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اصحاب کو جنہیں قراء کہا جاتا تھا ایک کام کے لئے بھیجا تھا دو قبیلے بنی سلیم کے جن کو رعل و ذکوان کہا جاتا تھا وہ ان قراء کے مقابلے کے لئے ایک کنویں کے پاس جس کو بئر معونہ کہا جاتا تھا پیش آئے تو قوم یعنی قراء نے ان سے یہ کہا ہم نے تم سے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا ہے ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے لئے یہاں سے گزر رہے ہیں ان لوگوں نے ان قراء کو شہید کر ڈالا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک نماز فجر میں انکی ہلاکت کی دعا کی اور یہیں سے قنوت کی ابتدا ہوئی اس سے پہلے ہم بھی قنوت نہیں پڑھتے تھے، عبد العزیز کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قراءت سے فارغ ہونے کے وقت۔ انس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد نہیں بلکہ قراءت سے فارغ ہونے کے وقت، ان دونوں روایتوں میں بھی لفظ شہرًا واقع ہوا بلکہ عبد العزیز کی روایت میں یہ لفظ دو جگہ واقع ہوا ہے اور عبد العزیز کی روایت میں قنوت بعد الرکوع ہونے کا مطلقًا ذکر نہیں، امام بخاری نے ہشام سے اور وہ قتادہ سے حدیث انس رضی اللہ تعالی عنہ کو روایت کیا (قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرا بعد الرکوع یدعو علی احیاء من العرب) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھا جس میں عرب کے چند قبائل کی ہلاکت کی دعا کرتے، اس روایت میں نماز فجر کا ذکر نہیں اور لفظ شہرًا واقع ہوا ہے پھر دوسری روایت سعید کی قتادہ سے وہ انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ذکر کی (ان رعلا وذکوان وعصیۃ وبنی لحیان استمدوا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی عدو فامدھم بسبعین رجلا من الانصار کنا نسمیھم القراء فی زمانھم کانوا یحتطبون بالنھار ویصلون باللیل حتی کانوا ببئر معونۃ قتلوھم وغدروا بھم فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقنت شھرا یدعو فی الصبح علی احیاء من احیاء العرب علی رعل وذکوان وعصیۃ وبنی لحیان

بل و ذکوان اور عصیۃ اور بنی لحیان نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد کے لئے ستر انصاریوں کو بھیجا تھا جن کو ہم لوگ اپنے زمانہ کے قراء کہتے تھے وہ لوگ دن میں جنگل سے لکڑیاں لاتے تھے اور رات میں نماز پڑھتے تھے، جب وہ بئر معونہ میں پہونچے تو ان کفار نے انھیں قتل کر ڈالا اور عہد شکنی کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہونچی تو ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھا جس میں عرب کے قبائل میں سے چند قبائل کی ہلاکت کی دعا فرماتے رعل اور ذکوان اور عصیۃ اور بنی لحیان کی۔ اس روایت میں نماز صبح کا ذکر ہے اور لفظ شہر ابھی واقع ہوا ہے اس کے بعد ایک دوسری روایت اسحق ابن عبد اللہ ابن ابی طلحہ سے حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکر کی جس میں ثلثین صباحاً کا لفظ واقع ہوا۔

بالجملہ صحیح بخاری میں یہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرق کثیرہ سے مروی ہے جن میں کچھ چند طریقے ذکر کر دیئے گئے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت فجر بعد الرکوع صرف چند دنوں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا جس کی مقدار زیادہ سے زیادہ تیس دن ہے لہٰذا جس روایت میں یسیراً واقع ہوا ہے یا تو وہ تصحیف نساخ ہے یا روایت بالمعنیٰ ہے۔ بہرحال کرمانی کا یہ قول کہ رکوع کے کچھ بعد یعنی اعتدال تام کے بعد قنوت پڑھا جس سے شاید وہ اپنے اس مذہب کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قنوت بعد الرکوع منسوخ نہیں بلکہ اب بھی پڑھا جائے گا۔ ان روایتوں سے یہ قول کرمانی رد اور ساقط ہوتا ہے یسیراً کے یہی معنی ہیں کہ یہ قنوت صرف چند دنوں کے لئے تھا جیسا بعض روایتوں میں کھلے الفاظ دلالت کرتا ہے۔

تنبیہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں تمام کتب صحاح میں اور شرح معانی الآثار وغیرہا میں مذکور ہیں مگر ہم نے ان روایتوں کے ذکر میں صرف صحیح بخاری شریف پر اکتفا کیا اور اسی کو کافی سمجھا۔ یہاں تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے بارے میں جتنی روایتیں مذکور ہوئیں ان میں بہت سی وہ ہیں جن میں نماز فجر کا ذکر ہے اور بعض میں نماز فجر کا ذکر نہیں مگر قتادہ کی ایک روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی ہے (قال کان القنوت فی الفجر والمغرب) یعنی قنوت کا پڑھنا فجر اور مغرب میں ہوا ہے اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح جلد اول صفحہ ۱۰۳ میں اور امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۱۴۳ میں ذکر فرمایا۔

حدیث (۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۱۰ میں ابو سلمہ کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے (قال لاقربن صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ابوھریرۃ یقنت فی الرکعۃ الاخرۃ من صلوۃ الظھر وصلوۃ العشاء وصلوۃ الصبح

بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ فیدعو للمؤمنین ویلعن الکفار) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز قریب کرتا ہوں یعنی پڑھ کر تمہیں دکھاتا ہوں تو وہ نماز ظہر اور نماز عشاء اور نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنے کے بعد اس قنوت میں مومنین کے لئے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے بعض شراح نے بیان کیا کہ اس حدیث میں مرفوع صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھا رہا یہ کہ سب نمازوں میں قنوت پڑھنا یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے یعنی انہیں کا فعل ہے نہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سب نمازوں میں قنوت پڑھنا ثابت ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ موقوف نہیں بلکہ کل مرفوع ہے علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد سوم ص۳۳ میں فرمایا (قیل المرفوع من ھذا الحدیث وجود القنوت لا وقوعہ فی الصلوۃ المذکورۃ فانہ موقوف علی ابی ھریرۃ والظاھر ان جمیعہ مرفوع یدل علیہ لاقربن صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ مسلم لاقربن لکم صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور نسائی نے اپنی سنن میں اور امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا مگر امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی روایت میں ظہر کا ذکر نہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بخاری نے کتاب التفسیر ص۶۵۶ میں ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعو علی احد او یدعو لاحد قنت بعد الرکوع فربما قال سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف یجھر بذلک وکان یقول فی بعض صلوتہ فی صلوۃ الفجر اللھم العن فلانا وفلانا لاحیاء من العرب حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیئ) الآیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کی ہلاکت کی یا کسی قوم کے فائدہ کیلئے دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے بسا اوقات سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد یہ فرماتے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ مضر پر سخت گرفت کر اور ان پر ایسی قحط سالیاں کر جیسی یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی اس کو جہر کے ساتھ کہتے اور کبھی اپنی نماز فجر میں یہ کہتے اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت کر عرب کے چند قبائل کے لئے یہاں تک کہ آیۂ کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ نازل ہوئی صحیح مسلم شریف جلد اول ص۲۳۷ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بروایت یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمہ اس طرح ہے (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت بعد الرکعۃ فی صلوۃ شھرا اذا قال سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ یقول فی قنوتہ اَللّٰھُمَّ انج الولید بن الولید اَللّٰھُمَّ انج سلمۃ بن ھشام اللھم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اَللّٰھُمَّ انج المستضعفین من المؤمنین اَللّٰھُمَّ اشدد وطأتک علی مضر اَللّٰھُمَّ اجعلھا علیھم سنین کسنی

یوسف قال ابوھریرۃ ثم رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الدعاء بعد فقلت اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ترک دعاء لھم قال فقیل وما تراھم قد قدموا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد اپنے قنوت میں یہ کہتے رہے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر اور ان پر قحط سالیاں کر جیسی یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالیاں ہوئیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بعد میں دعا فرمانا ترک کر دیا میں نے یہ کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ ان کے لئے دعا ترک کر دی اس کے جواب میں کسی نے کہا تم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ لوگ (جن کے لئے دعا فرماتے تھے) آ گئے شرح معانی الآثار میں اس طرح ہے (قال ابوھریرۃ فاصبح ذات یوم فلم یدع لھم فذکرت ذالک فقال اوما تراھم قد قدموا) یعنی ایک دن صبح کو حضور نے دعا نہیں کی میں نے اس کو ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وہ لوگ آ گئے یعنی جس کام کے لئے دعا تھی وہ پورا ہو گیا اب حاجت باقی نہ رہی، نیز صحیح مسلم شریف جلد اول میں اسی صفحہ پر ہے کہ سعید بن المسیب و ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی (کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول حین یفرغ من صلوۃ الفجر من القراءۃ ویکبر ویرفع راسہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ ثم یقول وھو قائم اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ربیعۃ والمستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم کسنی یوسف اللھم العن لحیان ورعلا وذکوان وعصیۃ عصت اللہ ورسولہ ثم بلغنا انہ ترک ذالک لما انزل لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی قرارت سے جب فارغ ہوتے اور تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد حالت قیام میں یہ کہتے اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مومنین کو نجات دے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر اور ان پر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے جیسی قحط سالیاں کر لحیان اور رعل اور ذکوان اور عصیہ پر لعنت کر جنھوں نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی (زہری کہتے ہیں) کہ پھر ہم کو یہ خبر پہونچی کہ جب آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیۃ نازل ہوئی تو حضور نے اس کو ترک فرما دیا بلغنا سے آخر تک زہری کا قول ہے جیسا کہ امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۳ پر زہری تک سند ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے (ثم قال فیہ ثم قد بلغنا انہ ترک ذالک حین انزل علیہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیۃ فصار ذکر نزول ھذہ الآیۃ الذی کان بہ النسخ من کلام الزھری لا مما رواہ عن سعید وابی سلمۃ عن

ابی هریرة. حدیث۔ (۳) امام بخاری نے اپنی صحیح جلد دوم صفحہ میں سالم سے وہ اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی (انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع راسه من الرکوع من الرکعة الاخرة من الفجر یقول اللّٰھم العن فلانا وفلانا وفلانا بعد ما یقول سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد فانزل الله لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" الی قوله فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سُنا جبکہ حضور فجر کی پچھلی رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہنے کے بعد یہ کہتے اے اللہ فلاں اور فلاں اور فلاں پر لعنت کر تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" کو فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ تک نازل فرمایا یہ روایت زہری کی ہے اور اسی کے مثل امام بخاری نے کتاب التفسیر صفحہ میں بھی زہری کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کتاب الاعتصام صفحہ ۱۰۹۱ میں اور نسائی جلد ۱ صفحہ میں جو روایت مذکور ہے اس میں فلانا وفلانا کے بعد من المنٰفقین کا لفظ زیادہ کیا ایسا ہی امام ابو جعفر طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۱۴۲ پر ذکر کیا اور حنظلہ ابن ابی سفین کی روایت سالم عن ابیہ سے یہ ہے (کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یدعو علی صفوان بن امیة وسهیل بن عمرو والحارث بن هشام فنزلت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" الی قوله فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کی ہلاکت کی دعا کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" الی قوله فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ)

حدیث (۴) صحیح مسلم شریف جلد اول صفحہ ۲۳۷ وسنن ترمذی ونسائی وابو داؤد وبیہقی ومسند امام احمد وشرح معانی الآثار میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی واللفظ لمسلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقنت فی الصبح والمغرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے، ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد یہ کہا (حدیث البراء حدیث حسن صحیح واختلف اهل العلم فی القنوت فی صلوٰة الفجر فرای بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم القنوت فی صلوٰة الفجر وهو قول الشافعی وقال احمد واسحاق لا یقنت فی الفجر الا عند نازلة تنزل بالمسلمین فاذا نزلت نازلة فللامام ان یدعو لجیوش المسلمین) یہ حدیث حسن صحیح ہے نماز فجر میں قنوت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا بعض اہل علم صحابہ وغیرہم نماز فجر میں قنوت کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے اور احمد اور اسحاق یہ فرماتے ہیں جب تک نازلہ ہو فجر میں قنوت نہ پڑھے جب کوئی نازلہ پیدا ہو تو امام (امیر المومنین) کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے لئے دعا کرے۔ ابن جوزی نے کہا کہ امام احمد نے یہ فرمایا لا یروی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قنت فی المغرب الا فی هذا الحدیث. یعنی نماز مغرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے قنوت پڑھنا صرف اسی حدیث میں مروی ہوا، مگر ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ مغرب میں قنوت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے جس کو امام بخاری اور امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر کیا۔

حدیث (۵) صحیح مسلم شریف جلد اول ص۲۳۷ میں خفاف ابن ایماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ اللھم العن بنی لحیان ورعلا وذکوان وعصیۃ عصوا اللہ ورسولہ غفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں یہ کہا اے اللہ لعنت کر بنی لحیان اور رعل و ذکوان وعصیہ پر جنھوں نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی غفار کی اللہ مغفرت فرمائے اور اسلم کو اللہ سلامت رکھے اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضور نے رکوع سے سر اٹھا کر یہ فرمایا خفاف بن ایماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متعدد طریقوں سے شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۲ میں ذکر فرمایا ہے۔

حدیث (۶) امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۳ میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثین یوما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس دن تک قنوت پڑھا اس حدیث کو بزار نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم میں اور عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں بھی روایت کیا ہے۔

حدیث (۷) امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۲ میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکعۃ الاٰخرۃ قال اللھم انج ثم ذکر مثل حدیث ابی ھریرۃ۔ اور ان کی روایت میں اتنا زیادہ ہے فانزل اللہ عزوجل لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ قال فما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد علی احد یعنی اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کسی کی ہلاکت کی دعا نہیں کی۔

حدیث (۸) ابوداؤد نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قال قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شھرا متتابعا فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاٰخرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمن من خلفہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر و مغرب و عشاء و نماز صبح میں ایک ماہ تک پے در پے قنوت پڑھا اس میں بنی سلیم کے چند قبائل رعل و ذکوان و عصبہ کی ہلاکت کی دعا کرتے اور مقتدی آمین کہتے، نماز میں قنوت سے متعلق یہ احادیث ذکر کی گئیں ان میں بعض حدیثوں میں یہ تصریح بھی مذکور ہے کہ آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کے نزول کے بعد پھر حضور نے دعا نہیں کی اور بعض حدیثیں اس سے ساکت ہیں۔

ائمہ مجتہدین قنوت کے بارے میں مختلف ہیں، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھا جائیگا یہاں تک کہ شافعیہ اس کے ترک پر سجدۂ سہو کے قائل ہیں جیسا کہ نووی شرح صحیح مسلم ص۲۳۷ میں فرماتے ہیں لو ترک القنوت فی الصبح سجد السہو علامہ عینی نے قنوت فجر کے بارے میں صحابہ وائمہ مجتہدین کے مذاہب کے بیان میں یہ تحریر فرمایا وھو مذھب ابن سیرین وابن ابی لیلی والشافعی واحمد واسحق یقولون القنوت فی الفجر بعد الرکوع وحکاہ ابن المنذر عن ابی بکر الصدیق وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالی عنھم فی قول فجر میں قنوت پڑھنا ابن سیرین وابن ابی لیلی وامام شافعی وامام احمد واسحاق کا مذہب ہے یہ لوگ رکوع کے بعد قنوت کے قائل ہیں اور ابن منذر اس کو ابوبکر صدیق وعثمان وعلی رضی اللہ تعالی عنہم سے حکایت کرتے ہیں کہ ان کا بھی ایک قول یہ ہے بہت سے صحابہ کرام وائمہ مجتہدین قنوت فجر کے قائل نہیں ہیں امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا بھی مذہب ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں عند ابی حنیفۃ القنوت فی الوتر خاصۃ قبل الرکوع وحکی ابن المنذر عن عمر وعلی وابن مسعود وابی موسی الاشعری وبراء بن عازب وابن عمر وابن عباس وانس وعمر بن عبد العزیز وعبیدۃ السلمانی وحمید الطویل وعبد اللہ بن المبارک امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قنوت خاصکر وتر میں ہے اور رکوع سے پہلے ہے ابن منذر نے حضرت عمر وحضرت علی وابن مسعود وابوموسی اشعری وبراء بن عازب وابن عمر وابن عباس وانس وعمر بن عبد العزیز وعبیدۃ السلمانی وحمید الطویل وعبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت کرتے ہیں قال لم یقنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا شھرا ولم یقنت قبلہ ولا بعدہ۔ دوسری روایت یہ ہے قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرا یدعو علی عصیۃ وذکوان فلما ظھر علیھم ترک القنوت یعنی حضور نے صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھا نہ اس کے قبل پڑھا نہ اس کے بعد پڑھا اور ان کفار پر غالب آنے کے بعد قنوت پڑھنا ترک فرمادیا اور خود عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بھی قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

نیز عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے بھی فرمایا ما رأیت احدا یفعلہ۔ میں نے کسی کو قنوت پڑھتے نہیں دیکھا یعنی ہمیشہ اور حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں قلت لابی یا ابت انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر وخلف عثمان وخلف علی ھھنا بالکوفۃ قریبا من خمس سنین اکانوا یقنتون فی الفجر فقال ای بنی محدث میں نے اپنے والد سے دریافت کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان کے پیچھے اور حضرت علی کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ برس کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے اور انھوں نے کہا اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

اس حدیث کو امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور ابوداؤد کے سوا اصحاب سنن نے اور بیہقی و ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ راویان حدیث قنوت میں صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو قنوت فجر کے قائل ہیں جیسا کہ اسی طرح سے مروی ہے کہ کان ابو ھریرۃ یقنت فی الصبح۔ لہٰذا ان کو قنوت کے منسوخ ہونے کا یا تو علم ہی نہیں ہوا اس لئے وہ اسپر مداومت کرتے تھے جیسا کہ شرح معانی الآثار میں ہے یحتمل ان یکون نزول ھذہ الاٰیۃ لم یعلمہ ابو ھریرۃ فکان یعمل علی ماکان علمہ من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقنوتہ الی ان مات لان الحجۃ لم تثبت عندہ بخلاف ذالک یعنی قنوت پر ابوہریرہ کے مداومت کرنے میں احتمال ہے کہ ان کو اس آیت کے نزول کی خبر ہی نہ ہوئی، لہٰذا جو کچھ بھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا اپنے انتقال تک اسی پر عمل کیا کیونکہ اس کے خلاف کی ان کے نزدیک دلیل ثابت نہیں ہوئی یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابوہریرہ کا قنوت یہ قنوت معروف نہ تھا جو بعد الرکوع کیا جاتا ہے بلکہ وہ کسی قوم کے لئے دعا یا بددعا کرنا تھا جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الصبح الا ان یدعو لقوم او علی قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے مگر جب کہ کسی قوم کے لئے دعا کرنا ہوتا۔

چنانچہ ان کی ایک حدیث جو اوپر مذکور ہو چکی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا نہیں کی یعنی اس کو حضور نے ذکر کیا تو ارشاد فرمایا اوما تراھم قد قدموا کہ جن کے لئے دعا کی جاتی تھی وہ تو آگئے اب قنوت کی حاجت باقی نہیں رہی اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے حدیث قنوت بطرق کثیرہ مروی ہے (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)

ان کی حدیثوں سے بھی صرف اتنا ثابت کہ بیشک روزیا ایک مہینہ یا چند دنوں یہ قنوت تھا بلکہ ان کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ (ثم ترکہ) اس کو نسائی نے قتادہ سے اور ابوداؤد نے انس ابن سیرین سے روایت کیا جس کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مہینہ کے بعد حضور نے قنوت پڑھنا ترک فرمادیا اور کسی کام کو کرنے کے بعد ترک کر دینا بظاہر دلیل نسخ ہے پھر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایتوں سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعد الرکوع اگرچہ قنوت نہیں ہے مگر نماز فجر میں قنوت ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ یا تو قنوت سے مراد طول قیام ہے یا مطلق دعا کہ قنوت کا استعمال ان معانی میں بھی ہوتا ہے یا بصورت نازلہ قبل رکوع قنوت پڑھنا ہے جس کو ہم نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ قنوت نازلہ بھی قبل رکوع ہے نہ کہ بعد رکوع ہاں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے جس کو امام ابوجعفر نے شرح معانی الآثار میں اور دارقطنی نے سنن میں اور اسحاق ابن راہویہ نے مسند میں اور عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کیا۔

ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوٰۃ الغداۃ حتی فارق الدنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

اول تو یہ روایت تمام ان روایتوں کے مخالف ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسانید صحیحہ مروی ہیں، پھر یہ کہ اس روایت کو ابو جعفر رازی نے ربیع ابن انس سے روایت کیا ہے اور ناقدین نے ان کی روایتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے، لہٰذا یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس کو حجت بنایا جاسکے۔ قال ابن المدینی کان یخلط وقال ابن معین کان یخطی وقال احمد لیس بالقوی وقال ابو زرعۃ کان یھم کثیرا وقال ابن حبان کان ینفرد بالمناکیر عن المشاھیر وقال الفلاس سیئ الحفظ ابن مدینی نے کہا کہ ان کی روایتوں میں خلط ہوتا ہے اور یحییٰ ابن معین کہتے ہیں یہ غلطیاں کیا کرتے تھے امام احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے اور ابو زرعہ نے کہا ان کو وہم بہت ہوتا تھا اور ابن حبان نے کہا یہ مشاہیر سے منکر روایتیں تنہا روایت کیا کرتے تھے اور فلاس نے کہا ان کا حافظہ کمزور تھا۔

اتنی شدید جرحوں کے بعد ان کی روایت کیونکر قابل اعتماد ہوسکتی ہے اور اس میں تمام وہ تاویلیں ہوں گی جو اوپر ہم حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں بیان کر آئے ہیں تاکہ خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں میں باہم مناقضہ نہ رہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قنوت کے متعلق صاف فرماتے ہیں لم یقنت قبلہ ولا بعدہ اور خود وہ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ علقمہ نے جو ان کے ایک شاگرد جلیل ہیں فرمایا وکان ابن مسعود لا یقنت فی صلوٰۃ الغداۃ۔ اور اسود کہ یہ بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد جلیل ہیں فرماتے ہیں کان ابن مسعود لا یقنت فی شیئ من الصلوٰۃ الا الوتر فانہ کان یقنت قبل الرکوع۔ یعنی عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاں وہ قنوت فجر کی روایت کرتے ہیں اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی روایت کرتے ہیں فانزل اللہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیۃ جس سے قنوت فجر کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ عبد الرحمن ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں فما دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد علی احد اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی ہلاکت کی دعا نہیں کی۔

اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنوت پڑھنے والے پر انکار فرمایا کرتے تھے اور یہ فرمایا ما احفظہ عن احد من اصحابی۔ اور خفاف بن ایماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اسی قنوت کا ذکر ہے جس کو عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذکر کیا ہے اور ان دونوں حضرات نے اس کا نسخ بیان کیا ہے لہٰذا ان کی روایت میں اگرچہ ذکر نسخ نہیں ہے مگر یہ بھی منسوخ ہی ہے اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فجر کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے اور مغرب میں قنوت بالاجماع منسوخ ہے جیساکہ امام طحاوی فرماتے ہیں ففی اجماع مخالفنا لنا علی ان ماکان یفعلہ فی المغرب من ذالک منسوخ لیس لاحد بعدہ ان یفعلہ دلیل علی ان ماکان یفعلہ فی الفجر ایضا کذالک ۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح قنوت مغرب منسوخ ہے قنوت فجر بھی منسوخ ہے۔

یہاں تک کلام احادیث قنوت کے متعلق تھا۔ اب ہم بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال واعمال جو قنوت کے بارے میں وارد ہیں ذکر کرتے ہیں، اوپر ہم ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کی حدیث ذکر کر چکے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضور نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا اور انھوں نے اس کو محدث اور بدعت بتایا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ قال ماقنت ابوبکر ولا عمر ولا عثمان ولا قنت علی حتی حارب اھل الشام فکان یقنت علقمہ کہتے ہیں کہ نہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا اور نہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھا یہاں تک کہ جب ان کا اہل شام سے محاربہ ہوا تو قنوت پڑھنے لگے۔

امام ابن ہمام نے فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۱۰ میں نقل کیا وقد روی عن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قنت عند محاربۃ الصحابۃ مسیلمۃ وعند محاربۃ اھل الکتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ انھوں نے مسیلمہ کذاب اور اہل کتاب کی جنگ کے وقت قنوت پڑھا ہے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت پڑھنے کے متعلق مختلف آثار مروی ہیں۔

عبید بن عمیر کہتے ہیں صلیت خلف عمر صلوٰۃ الغداۃ فقنت فیھا بعد الرکوع ۔ ایسا ہی عبد الرحمٰن ابن ابزی نے بھی بیان کیا مگر ان کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے ان عمر قنت فی صلوٰۃ الغداۃ قبل الرکوع کہ نماز صبح میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبل رکوع قنوت پڑھا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی نماز صبح میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت پڑھنا بیان کیا ان کی روایت

میں قبل رکوع یا بعد رکوع کا ذکر نہیں۔ ابورافع کہتے ہیں صلیت خلف عمر بن الخطاب صلوۃ الصبح فقرأ بالاحزاب فسمعت قنوتہ وانا فی اٰخر الصفوف میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز صبح پڑھی انھوں نے اس میں سورۂ احزاب پڑھی پھر میں نے ان کا قنوت سُنا اور میں پچھلی صف میں تھا طارق بن شہاب کہتے ہیں صلیت خلف عمر صلوۃ الصبح فلما فرغ من القراٰۃ فی الرکعۃ الثانیۃ کبر ثم قنت ثم کبر فرکع یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے میں نے صبح کی نماز پڑھی دوسری رکعت میں جب قراءت سے فارغ ہوئے تکبیر کہی پھر قنوت پڑھا پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔

سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت پڑھنا بیان کیا۔ اسود کہتے ہیں ان عمر کان لا یقنت فی صلوۃ الصبح عمر رضی اللہ تعالیٰ نماز صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ نیز اسود و عمرو بن میمون کہتے ہیں صلینا خلف عمر الفجر فلم یقنت ہم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی انھوں نے قنوت نہیں پڑھا، علقمہ و مسروق کہتے ہیں کنا نصلی خلف عمر الفجر فلم یقنت ہم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھا کرتے تھے انھوں نے قنوت نہیں پڑھا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی عن حماد عن ابراھیم عن الاسود قال صحبت ابن الخطاب سنتین فلم ارہ قانتا فی صلوۃ الفجر یعنی اسود فرماتے ہیں کہ میں برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہا ان کو نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور ابن جریر طبری نے تہذیب میں اسود سے روایت کی قال صلیت مع عمر فی السفر والحضر مالا احصی فکان لا یقنت فی الصبح میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر و حضر میں بیشمار مرتبہ نمازیں پڑھیں وہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

ان روایتوں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت کے بارے میں مختلف عمل ثابت ہوتا ہے قنوت پڑھنا بھی اور نہ پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پڑھتے تھے اور کبھی نہیں، اس اختلاف عمل کی کیا وجہ ہے اس کو اسود نے بیان کیا کان عمر اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جہاد کرتے قنوت پڑھتے اور جس زمانے میں جہاد نہ ہوتا قنوت نہ پڑھتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک آیت کریمہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ عدم محاربہ کی صورت میں قنوت فجر کی ناسخ ہے اور محاربہ کی صورت میں قنوت فجر منسوخ نہیں، ابوعبدالرحمٰن نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت کی کہ وہ نماز فجر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اور عبداللہ ابن معقل نے یہ کہا کہ حضرت علی و ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور ابراہیم نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے مگر سب سے پہلے اس نماز میں قنوت حضرت علی نے پڑھا، نیز ابراہیم نے کہا انما کان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقنت فیھا لانہ

کان عمار یا فکان یدعو علی اعدائہ فی القنوت فی الفجر والمغرب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر میں یہاں اس لئے قنوت پڑھتے تھے کہ وہ محارب تھے فجر اور مغرب میں قنوت کے اندر اپنے دشمنوں کی ہلاکت کی دعا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قنوت پڑھنا جنگ کی وجہ سے تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہم اوپر ذکر کر آئے کہ وہ فجر میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے اور ابو رجاء نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی قال صلیت معہ الفجر فقنت قبل الرکعۃ میں نے ابن عباس کے ساتھ نماز فجر پڑھی انھوں نے رکوع سے قبل قنوت پڑھا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں صلیت خلف ابن عمر و ابن عباس فکانا لا یقنتان فی صلوٰۃ الصبح میں نے ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز صبح پڑھی وہ دونوں حضرات نماز صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، نیز انھیں سے مروی ان ابن عباس کان لا یقنت فی صلوٰۃ الفجر کہ ابن عباس نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ عمران بن حارث کہتے ہیں صلیت خلف ابن عباس فی دارہ الصبح فلم یقنت قبل الرکوع ولا بعدہٗ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے ان کے گھر میں صبح کی نماز پڑھی انھوں نے نہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا نہ بعد میں۔ ابو رجاء نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قنوت پڑھنا بیان کیا یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں حضرت علی کی طرف سے والی تھے اور سعید بن جبیر نے جو ان کا قنوت نہ پڑھنا بیان کیا یہ بعد کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابن عباس مکہ میں تھے جس کا حاصل یہ ہوا کہ محاربہ کی صورت میں انھوں نے قنوت پڑھا اور عدم محاربہ کی صورت میں نہیں اور علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ لقیت ابا الدرداء بالشام فسألتہ عن القنوت فلم یعرفہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام میں ملاقات کی ان سے قنوت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اُس کو نہیں پہچانا یعنی اُن کے نزدیک قنوت پڑھنا ثابت نہیں تھا۔

نافع نے ابن عمر سے روایت کی کان لا یقنت فی شیئ من الصلوات کہ وہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ عمرو بن دینار فرماتے ہیں کان عبداللہ بن الزبیر یصلی بنا الصبح بمکۃ فلا یقنت عبداللہ بن زبیر مکہ میں ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے اور قنوت نہیں پڑھتے تھے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ خلیفہ ہوئے تھے اور اُن کے زمانے میں مخالفین سے لڑائیاں بھی ہوئی تھیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہ آثار جو ذکر کئے گئے، ان میں سے اکثر آثار وہ ہیں جن کو امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار جلد اول باب القنوت میں ذکر کیا ہے اور بعض کو امام مالک نے مؤطا میں اور بیہقی نے سُنن میں اور عبدالرزاق نے مصنّف میں روایت کیا ہے۔

پس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں سے بعض حضرات تو وہ ہیں جو اس قنوت کے بالکل قائل نہیں نازلہ اور غیر نازلہ کسی حالت میں بھی وہ قنوت پڑھنے کے قائل نہیں، اور بعض حضرات وہ ہیں کہ نازلہ کی حالت میں اس کا پڑھنا روا رکھتے ہیں۔ قدمار حنفیہ کے اقوال سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قنوت مطلقاً منسوخ ہے خواہ نازلہ میں ہو یا غیر نازلہ میں غیر نازلہ کی وہ تخصیص نہیں کرتے، متون کی عبارت ہم اوپر لکھ چکے کہ وتر کے غیر میں قنوت نہیں، صاحب ہدایہ امام اعظم و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل میں ایک مقام پر فرماتے ہیں لهما انه منسوخ۔ اور بحر الرائق میں ہے لهما انه منسوخ۔ اور فتاوٰی خانیہ میں ہے لان القنوت فی صلوۃ الفجر منسوخ۔

اسی طرح اس کا نسخ بکثرت کتابوں میں مذکور ہے امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں قنوت سے متعلق تمام حدیثوں پر کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں ثبت بما ذکرنا انه لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا فی غیرہ قیاسا و نظرا علی ما ذکرنا من ذالك وهذا قول ابی حنیفة ومحمد وابی یوسف رحمهم الله تعالٰی جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہوا کہ فجر میں قنوت لڑائی کے وقت میں پڑھنا چاہئے اور نہ اس کے غیر میں یہی مقتضائے قیاس و نظر ہے اور ابو حنیفہ و محمد و ابو یوسف کا یہی قول ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ حرب و غیر حرب کسی حالت میں قنوت نہ پڑھنا چاہئے مگر جب ہم شراح کے کلام کی طرف نظر کرتے ہیں تو ان کے کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک صرف وہی قنوت منسوخ ہے جو علی الدوام نماز فجر میں بعض مجتہدین پڑھنے کے قائل ہیں خواہ وہ بعد رکوع پڑھتے ہوں جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے یا قبل رکوع جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے بلکہ خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کلام جو آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نازلہ کی صورت میں نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابن ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ فتح القدیر جلد اول ص۳۰۹ میں بعض صحابہ کرام کے حالت جنگ میں قنوت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں الا ان هذا ینشیٔ لنا ان القنوت للنازلة مستمر لم ینسخ وبه قال جماعة من اهل الحدیث وحملوا علیه حدیث ابی جعفر عن انس ما زال یقنت حتی فارق الدنیا ای عند النوازل وما ذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلهم ذالك بعدہ صلی الله علیه وسلم وما ذکرناہ من حدیث ابی مالك وابی هریرة وانس وباقی اخبار الصحابة لا یعارضه بل انما تفید نفی سنیته راتبا فی الفجر سوی حادثة الحسن حیث قال لم یقنت قبله ولا بعدہ وکذا حدیث ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ویجب کون بقاء القنوت مجتهدا وذالك ان هذا الحدیث لم یؤثر عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قوله ان لا قنوت فی نازلة بعد هذه بل مجرد العدم

بعدھا فیتجہ الاجتہاد بان یظن ان ذالک انما ھو لعدم وقوع نازلۃ، بعدھا یستدعی القنوت فتکون شرعیۃ مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبان یظن رفع الشرعیۃ نظرا الی سبب ترکہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو انہ لما نزل قولہ تعالیٰ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ترک واللہ سبحانہ واعلم۔

یہاں سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نازلہ کے لئے قنوت مستمر ہے منسوخ نہیں ہوا اسی کو محدثین کی ایک جماعت نے کہا اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث کہ حضور ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے یعنی نوازل کے وقت میں اور ہم نے جو خلفائے راشدین کی حدیثیں ذکر کی ہیں وہ بھی اس قنوت کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں کہ انھوں نے حضور کے بعد اس کو کیا ہے اور وہ جو ہم نے ابو مالک اور ابو ہریرہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور باقی صحابہ کی حدیثیں ذکر کیں وہ اس کے معارض نہیں بلکہ اس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فجر میں ہمیشہ یہ چیز سنت نہیں سوا حدیث ابی حمزہ کے کہ انھوں نے کہا کہ اس کے پہلے بھی قنوت نہیں پڑھا اور بعد میں بھی نہیں پڑھا اور ایسا ہی ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، لہٰذا ضرور ہے کہ قنوت کا نوازل میں پڑھنا ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور یہ یوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ اس کے بعد نازلہ میں قنوت نہیں بلکہ اس کے بعد محض قنوت نہ پڑھنا مروی ہے۔

لہٰذا اب یہ اجتہاد ہو سکتا ہے کہ گمان کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد کوئی نازلہ نہ پایا گیا جس کی وجہ سے قنوت پڑھا جاتا، لہٰذا اس کی مشروعیت مستمر ہوئی اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت پڑھا ان کے قنوت کا یہی محل ہے اور یہ بھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کی مشروعیت ہی اٹھ گئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک کا سبب یہ قرار دیا جائے کہ جب آیت کریمہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ نازل ہوئی حضور نے ترک فرما دیا۔

بحر الرائق جلد دوم صفحہ میں ہے وفی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجہر یعنی اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو جہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے۔ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں ابراہیم حلبی کا قول نقل کیا کہ وہ فتح القدیر کی عبارت کا خلاصہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں فتکون شرعیۃ مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مذھبنا وعلیہ الجمہور قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر من غیر بلیۃ فاذا وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نازلہ کے وقت میں قنوت پڑھنے کی مشروعیت باقی ہے یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے امام حافظ ابو جعفر طحاوی نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک

نماز فجر میں بغیر مصیبت کے قنوت پڑھنا نہیں اور جب فتنہ یا بلا واقع ہو تو اس میں حرج نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو کیا ہے۔ اس کے بعد علامہ شامی فرماتے ہیں ومقتضی هذا ان القنوت لنازلة خاص بالفجر عنانه ماذکره المؤلف معزیا الی الغایة من قوله فی صلوٰة الجهر ولعله محرّف عن الفجر وقد درد بهذا اللفظ فی حاشی مسکین وکذا فی الاشباه وکذا فی شرح الشیخ اسمٰعیل لکنه عزاه الی غایة البیان ولم اجد المسئلة فیها فلعله اشتبه علیه غایة السروجی بغایة البیان ولکن نقل عن البنایة من نصه اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلوٰة الجهریة وقال الطحاوی لا یقنت عندنا فی صلوٰة الفجر فی غیر بلیة واما اذا وقعت فلا باس به اھ

امام حلبی کے اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ فجر کے ساتھ خاص ہے اور صاحب بحر نے غایہ کی طرف نسبت کرکے فی صلوٰۃ الجہر جو فرمایا شاید یہ لفظ فجر کی تحریف ہے اور میں نے حواشی مسکین میں اسی لفظ کو پایا یعنی فی صلوٰۃ الفجر ایسا ہی اشباہ میں ہے اور شیخ اسمٰعیل نے شرح میں بھی ایسا ہی کہا لیکن انھوں نے اس کو غایۃ البیان کی طرف منسوب کیا اور میں نے غایۃ البیان میں اس مسئلہ کو نہیں پایا شاید شیخ اسمٰعیل کو غایۃ البیان اور غایۃ السروجی میں اشتباہ واقع ہوگیا لیکن بنایہ سے انھوں نے یہ نقل کیا کہ جب کوئی نازلہ واقع ہو تو جہری نماز میں امام قنوت پڑھے اور امام طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک نماز فجر میں بغیر مصیبت کے قنوت نہیں اور جب مصیبت ہو تو حرج نہیں۔

امام طحاوی کی عبارت سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ نماز فجر کے غیر میں قنوت نہیں۔ علامہ شلبی حاشیہ تبیین میں فرماتے ہیں ان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلوٰة الفجر وبه قال الثوری واحمد وقال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوٰة الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة او بلیة فلا باس به فعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر السید الشریف ضیاء الدین النافع فی مجموعه اگر مسلمان پر کوئی حادثہ پیش آئے تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اسی کو سفیان ثوری اور امام احمد نے فرمایا حافظ ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے نزدیک نماز فجر میں قنوت پڑھنا بغیر مصیبت نہیں ہے اگر فتنہ یا بلا ہو تو قنوت پڑھنے میں حرج نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے اور سید شریف صاحب نافع نے اس کو اپنے مجموعہ میں ذکر فرمایا اسی طرح علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار جلد اول ص۲۸۲ میں امام ابوجعفر طحاوی کا قول نقل فرما کر یہ کہا وظاهره انه یقنت فی الفجر لبلیة انه یقنت قبل الرکوع ابو السعود عن الحموی قلت قد ورد فعله قبله وبعده الامام مالک وبعده وبه قال الامام الشافعی فتقتضی النظر التخییر وذکر الشرنبلالی انه یقنت بعد الرکوع اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر فجر میں بلا کی وجہ سے

قنوت پڑھے تو رکوع سے پہلے پڑھے اس کو ابوالسعود نے حموی سے نقل کیا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا بھی وارد ہوا اس کو امام مالک نے کہا اور رکوع کے بعد بھی وارد ہوا اس کو امام شافعی نے کہا لہٰذا مقتضائے نظر یہ ہے کہ پہلے یا پیچھے پڑھنے میں اختیار ہے، اور شرنبلالی نے یہ ذکر کیا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے ہم نے ایک فتویٰ میں اس قنوت کو قبل رکوع ہونے کو ثابت کیا۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔

درمختار میں فرمایا لایقنت لغیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل۔ وتر کے سوا کسی نماز میں بے قنوت نہ پڑھے مگر کسی حادثہ کی وجہ سے امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھ سکتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ سب نمازوں میں۔

علامہ سید احمد طحطاوی اس کی شرح میں صـ۲۸۲ پر فرماتے ہیں قولہ فیقنت الامام فی الجہریۃ نقلہ فی البحر عن شرح النقایۃ بالعزو الی الغایۃ وکذا نقلہ الشرنبلالی عن الغایۃ بلفظ الجہر کما فی البحر والذی فی ابی السعود عن الشرح المذکور ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وہو المتبادر من قول الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلوٰۃ الفجر فی غیر بلیۃ اما اذا وقعت بلیۃ فلاباس ویدل لذالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت لبلیۃ فی صلوٰۃ الفجر فقط والذی یظہر لی ان قولہ فی البحر وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجہر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔ اس کو بحر میں شرح نقایہ سے غایہ کی طرف نسبت کرکے نقل کیا اور ایسا ہی شرنبلالی نے لفظ جہر جیسا کہ بحر میں ہے غایہ سے نقل کیا اور ابوالسعود نے شرح مذکور سے یہ نقل کیا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اور امام طحاوی کے قول سے بھی یہی متبادر ہے کہ ہمارے نزدیک بغیر بلا نماز فجر میں قنوت پڑھنا نہیں ہے لیکن اگر کوئی بلا ہو تو حرج نہیں، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کی وجہ سے صرف نماز فجر میں قنوت پڑھا۔

جو کچھ مجھے ظاہر ہو رہا ہے یہ ہے کہ بحر میں جو لفظ جہر واقع ہوا ہے وہ تحریف کاتبین ہے صحیح یہ کہ بجائے لفظ جہر کے فجر ہو، بلکہ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں بحر کی یہ عبارت نقل کی ہے الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر وہو قول الثوری واحمد۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر کے اس نسخے میں جو ان کے پاس اس وقت تھا لفظ فجر واقع ہے۔ پھر اس کے بعد علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا قال العلامۃ نوح بعد کلام تقدمہ فعلی ہذا لایکون القنوت فی صلوٰۃ الفجر عند وقوع النوازل منسوخا بل یکون امرا مستمرا ثابتا ویدل علیہ قنوت من قنت من الصحابۃ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون المراد بالنسخ نسخ عموم الحکم لانسخ نفس الحکم علامہ نوح نے

کہا ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے نماز فجر میں نازلہ واقع ہونے کے وقت قنوت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر مستمر ثابت ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں سے بہت سے لوگ وہ ہیں جنھوں نے قنوت پڑھا لہٰذا نسخ سے مراد حکم کے عام ہونے کا نسخ ہے یعنی ہمیشہ قنوت پڑھنا نہ یہ کہ نفس قنوت ہی منسوخ ہے۔

اس کے بعد پھر فرمایا قال فی الملتقط قال الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر فی غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ وقال بعض الفضلاء وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور ۔ ملتقط میں امام ابوجعفر طحاوی کا قول نقل کر کے فرمایا بعض فضلاء نے فرمایا یہ ہمارا مذہب ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔

ان سب عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک قول محقق یہ ہے کہ نازلہ کی صورت میں صرف نماز فجر میں قنوت پڑھا جائے فجر کے سوا کسی دوسری نماز میں قنوت پڑھنا اگرچہ وہ جہری نماز ہو اہل تحقیق کے نزدیک نہیں اور بحر میں جو لفظ فی صلوۃ الجہر آیا ہے وہ لکھنے والوں کی تحریف ہے جس کو علامہ سید ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ در مختار میں فرمایا بلکہ علامہ شامی نے رد المحتار حاشیہ در مختار جلد اول ص۳۳۳ میں یہی عبارتیں جن کو علامہ سید احمد طحطاوی نے نقل فرمایا ہے نقل فرمانے کے بعد یہ کہا ویؤید ما فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیتہ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلوۃ والسلام وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلوۃ الفجر من غیر بلیۃ فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا باس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما القنوت فی الصلوات کلھا للنوازل فلم یقل بہ الا الشافعی وکانھم حملوا ماروی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ قنت فی الظھر والعشاء کما فی مسلم وانہ قنت فی المغرب ایضا کما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبۃ والتکرار الواردین فی الفجر عنہ علیہ الصلوۃ والسلام اھ وھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوات الجھریۃ او السریۃ ومفادہ ان قولھم بان القنوت فی الفجر منسوخ نسخ عموم الحکم لا نسخ اصلہ کما نبہ علیہ نوح افندی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شرح منیہ میں ہے انھوں نے ایک کلام کے بعد یہ فرمایا کہ نوازل میں قنوت کی مشروعیت مستمر ہے اور جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت پڑھا اس کا محمل یہی ہے اور یہ ہمارا مذہب ہے اور اسی پر جمہور ہیں اور تمام نمازوں میں نوازل کے لئے قنوت کا قول صرف امام شافعی نے کیا ہے ہمارے علماء نے ظہر و مغرب و عشاء میں قنوت پڑھنا جو بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے اس کو نسخ پر محمول کیا کیونکہ مداومت اور تکرار جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر

میں وارد ہیں ان نمازوں میں وارد نہیں اور یہ کلام صریح ہے کہ قنوت نوازل نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کے سوا جہری یا سری نمازوں میں نہیں اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہمارے فقہاء کا یہ قول کہ نماز فجر میں قنوت منسوخ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حکم کا عموم منسوخ ہے نہ یہ کہ نفس حکم منسوخ ہے۔

نیز علامہ شامی قول در مختار وقیل فی الکل کے تحت فرماتے ہیں قد علمت ان ھذا القیل بہ الا الشافعی وعزاہ فی البحر الی جمہور اھل الحدیث فکان ینبغی عزوہ الیھم لئلا یوھم انہ قول فی المذھب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ سب نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے، اور بحر میں اس کو جمہور محدثین کی طرف منسوب کیا تو اس کو انھیں کی طرف نسبت کرنا چاہئے کہ کہیں یہ وہم نہ پیدا ہو کہ یہ بھی ہمارے مذہب کا ایک قول ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۰۶ میں فرماتے ہیں واما القنوت فی الصلوات کلھا عند النوازل لم یقل بہ الا الشافعی ولیس مذھبنا کما صرح بہ العلامۃ نوح نوازل کی وجہ سے تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا مذہب ہے، اور ہمارا مذہب نہیں جیسا کہ علامہ نوح نے اس کی تصریح کی۔

فقہائے کرام وعلمائے اعلام کی ان عبارات مرقومہ بالا سے بہت واضح طور پر یہ واضح ہو گیا کہ نازلہ کے وقت نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے اور اس زمانہ میں جب ہندوستان میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر مصائب وآلام کی بارش ہو رہی ہے اگر ائمہ مساجد نماز فجر میں رکوع سے پہلے اور قرارت کے بعد دعائے قنوت پڑھیں تو کوئی حرج نہیں اور اس قنوت میں وہ دعا جو قنوت وتر میں پڑھی جاتی ہے پڑھی جایا کرے جیسا کہ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرح معانی الآثار میں روایت کیا عن عبید بن عمر قال صلیت خلف عمر صلوۃ الغداۃ فقنت فیھا بعد الرکوع وقال فی قنوتہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر میں قنوت میں اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ آخر تک پڑھا اور اس دعائے قنوت مشہور وماثور کے بعد یہ دعا بھی پڑھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الْکَفَرَۃَ وَالْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَاَنْزِلْ عَلَیْھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا یُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "اے اللہ میری اور تمام مومنین اور مومنات و مسلمین اور مسلمات کی مغفرت فرما اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرما اور ان کے آپس کی حالت درست کر دے اور ان کی

اپنے اور اُن کے دشمنوں پر مدد کر، اے اللہ کفار و مشرکین پر لعنت کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں، اے اللہ ان کی بات میں مخالفت ڈال دے اور اُن کے قدموں کو متزلزل کر دے اور اُن پر اپنا وہ عذاب بھیج جو قوم مجرمین سے واپس نہیں ہوتا"۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعائے منقول میں لفظ کفرۃ اھل الکتاب ہے مگر مناسبت حال کی وجہ سے ہم نے لفظ الکفرۃ والمشرکین لکھا، ھٰذا ما تبیّن لی　　واللہ تعالیٰ اعلم

بحمدہ تعالیٰ قنوت نازلہ کا یہ مسئلہ اور اس کے پہلے قنوت کا بصورت نازلہ قبل رکوع ہونے کا مسئلہ یہ دونوں مل کر ایک رسالہ کی قدر ہو گئے اس کا نام "التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل" رکھا گیا فقیر اپنی جسمانی کمزوریوں اور خصوصیت کے ساتھ ضعف بصر کی مجبوریوں سے اس قابل نہیں کہ وہ محقق اور مُدلّل فتویٰ تحریر کر سکے مگر محض اللہ عزوجل کا فضل و کرم تھا جو ایسا فتویٰ ایسی حالت میں اس نے تحریر کرا دیا اس فتویٰ کی تحریر میں عزیزی مولوی محمد شریف الحق[عــہ] سلمہ سے بہت مدد ملی اور حاشیہ شرح معانی الآثار[عــہ] جو پہلے کسی زمانہ میں فقیر نے تحریر کیا ہے اگرچہ وہ صرف نصف جلد اول تک لکھا گیا مگر قنوت کی بحث اس میں موجود ہے اس وجہ سے اُس حاشیہ سے بھی اس فتویٰ میں بہت کچھ مدد ملی۔

اللہ تعالیٰ اس عاجز کی سعی کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ و نفع پہنچائے، آمین ۔۔۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَاَفْضَلِ رُسُلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

عــہ طحاوی شریف کا یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے جو دادوں ضلع علی گڑھ کے زمانہ قیام میں لکھا گیا جو فقہ و حدیث میں مصنف علیہ الرحمۃ کی اہم ترین علمی یادگار ہے بعنقریب دائرۃ المعارف الامجدیہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ہے۔
کلیمی۔

عــہ موصوف کی ولادت باسعادت مدینۃ العلماء گھوسی میں ہوئی خانوادہ امجدیہ سے آپ کا تعلق ہے۔ محدث اعظم پاکستان وحضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان ودیگر اساتذۂ وقت سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ حضرت فقیہ اعظم ہند سے بھی آپ کو فقہ وافتاء میں شرف تلمذ حاصل ہے۔ رسائل رضویہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ابتک سینکڑوں ہزار فتاویٰ تحریر فرما چکے ہیں۔ اکابر علماء نے نائب مفتی اعظم ہند و شارح المحققین کے خطابات سے نوازا ہے۔ ان دنوں مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں صدر مفتی کی حیثیت سے فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ زیر نظر فتاویٰ پر آپ ہی کی علمی و تحقیقی تعلیق ہے۔　کلیمی

مسئلہ (۲۸۹) مرسلہ حکیم ابومحمد عبدالرزاق صاحب آروی امام مسجد از ہوڑہ محلہ کرسان باڑہ، ۱۰ صفر ۱۳۴۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جن نماز پنجگانہ کے بعد نفلیں پڑھی جاتی ہیں آیا اُن کو التزاماً بیٹھ کر پڑھنا چاہئے یا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے زید بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا افضل بتاتا ہے، عمر کہتا ہے اگر کوئی عذر کھڑے ہونے سے مانع ہو تو مضائقہ نہیں، مگر زید اپنے قول بلادلیل شرعی پر اصرار کرتا ہے کیا کوئی حدیث سوائے بعد وتر کے ہے اگر ہو تو ارقام فرمائیے، اور بلادلیل شرعی پر اصرار کرنا کیسا ہے۔

۲۔ یہاں علی العموم لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جب نماز کے لئے مسجد میں جائے تو وضو کر کے بیٹھ جائے، اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرے، اور اس اعتقاد میں لوگ ایسے پختہ ہیں کہ واجب اور فرض کی طرح اس کے ترک کو گناہ سمجھتے ہیں، بلکہ منع کرنے والوں کو بُرا کہتے ہیں، تو کیا کہیں اس کا ثبوت ہے۔

الجواب (۱) - بغیر عذر نماز نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، اور بیٹھکر پڑھنا جائز، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملے گا۔ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا صلوۃ الرجل قاعداً نصف الصلوۃ یہ حکم تمام نوافل مطلقہ کا ہے، بعد وتر جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اُنکا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر پڑھنا حضور کے خصائص سے ہے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں خود حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور کے لئے ہے، دوسرے کے لئے نہیں، صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، حدثت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال صلوۃ الرجل قاعداً نصف الصلوۃ قال فاتیتہ فوجدتہ یصلی جالساً فوضعت یدی علی راسہ فقال مالک یا عبداللہ بن عمر قلت حدثت یا رسول اللہ انک قلت صلوۃ الرجل قاعداً علی نصف الصلوۃ وانت تصلی قاعداً قال اجل ولکنی لست کاحد منکم۔ حدیث کا پچھلا جملہ کہ میں تم جیسا نہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں حضور داخل نہیں، اور یہ حضور کے خصائص سے ہے اسی لئے شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

"یعنی ھذا الذی ذکرت ان صلوۃ الرجل قاعداً علی نصف صلوتہ حکم غیری من الامۃ واما انا فخارج عن ھذا الحکم ویقبل ربی منی قاعداً مقدار صلاتی قائماً او ذالک من خصائصی لما اختص بہ من غایۃ التوجہ والحضور والمعرفۃ والقرب فلا تقیسونی علی احد ولا تقیسوا احداً علیّ"۔

درمختار میں ہے ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعداً اجمعو غیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم

علی النصف الا بعذر ۔ ردالمحتار میں ہے اما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمن خصائصہ ان نافلتہ قاعدا مع القدرۃ علی القیام کنافلتہ قائماً ۔

بالجملہ زید کا بیٹھکر پڑھنا قابل الزام نہیں کہ اس میں کچھ گناہ نہیں صرف ترک افضل ہے مگر اس کا یہ کہنا کہ افضل بیٹھکر پڑھنا ہے، غلط وجہالت ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) بیٹھنے کی کچھ ضرورت نہیں مسجد میں پہنچکر اگر فوراً نماز پڑھنا چاہیں پڑھیں، اور وقت مکروہ نہ ہو، تو تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد پڑھیں، بلکہ تحیۃ المسجد میں بہتر یہ ہے کہ قبل جلوس ہو اگرچہ جلوس سے ساقط نہ ہوگی ۔ حدیث میں ہے اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین ۔ ردالمحتار میں ہے والظاھر ان دخولہ بنیۃ صلوۃ الفرض لامام او منفرد او بنیۃ الاقتداء ینوب عنہا اذا صلی عقیب دخولہ والا لزم فعلہا بعد الجلوس وھو خلاف الاولی کما یاتی فلو کان دخولہ بنیۃ الفرض مثلاً لکن بعد زمان یؤمر بہا قبل جلوسہ ۔ مراقی الفلاح میں ہے سن تحیۃ المسجد برکعتین قبل الجلوس ۔ نیز تحیت کی شان ہی یہ ہے کہ ابتداءً ہو نہ یہ کہ بیٹھنے کے بعد ادا کی جائے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۰) محمد حبیب حسین صاحب محفوظ الکریم بانکی پور دریاپور ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

نوافل کا کھڑے ہوکر پڑھنا تو یقیناً بیٹھکر پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے ۔ لیکن کسی وقت کے نفل کو بیٹھکر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے جیسا ثواب ملتا ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ بلا عذر نفل بیٹھکر پڑھنے میں وہ ثواب نہیں جو کھڑے ہوکر پڑھنے کا ہے ۔ اور اس حکم میں تمام نوافل کا اشتراک ہے ۔ بعض لوگوں نے وتر کے بعد کے نفل کا اس حکم سے استثنار کیا ہے ۔ مگر یہ صحیح نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے فرض عشار کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کی نیت کی بجائے سلام پھیرنے کے کھڑا ہوگیا یہ خیال کرکے کہ دو رکعت نفل اور پڑھنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہوجائیگی ایسی حالت میں نماز سنت ونفل دونوں ہوئیں یا نہیں ۔

الجواب ۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر سلام نہ پھیرا اور دو رکعتیں اور ملالیں جب بھی نماز ہوگئی۔[۵] واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۲) مرسلہ مولوی سرفراز احمد صاحب از مرزاپور یکم ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

---

[۵] یعنی سنت مؤکدہ اور نفل دونوں ادا ہوگئی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح دو دو رکعت بیک سلام مسنون و مفتیٰ بہ ہے یا کہ چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت بیک سلام باجماعت، احمد نماز تراویح کو دو دو رکعت بیک سلام ادا کرنا مسنون و مفتیٰ بہ قرار دیتا ہے اور اپنے قول کی تائید میں عبارت فتاویٰ عالمگیری ھی خمس ترویحات کل ترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین اور فتاویٰ قاضیخان یصلی اھل کل مسجد فی مسجدھم کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعۃ خمس ترویحات بعشر تسلیمات یسلم فی کل رکعتین۔ اور علامہ طحطاوی کی عبارت جو شرح میں ہے ھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات وھو المتوارث پیش کرتا ہے مگر اس کے برخلاف زید چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت بیک سلام ادا کرنا مسنون بتلاتا ہے اور اسی پر عمل کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے فعل کی تائید میں منیۃ المصلی کی یہ عبارت فصل فی النوافل ھی جمع نافلۃ وھی فی اللغۃ الزیادۃ وفی الشرع العبادۃ التی لیست بفرض ولا واجب فھی العبادۃ الزائدۃ علی ما ھو لازم فتعم السنن المؤکدۃ والمستحبۃ والتطوعات غیر الموقتۃ اور عبارت والزیادۃ علی ثمان رکعات لیلا وعلی اربع رکعات نہارا مکروھۃ بالاجماع وصاحبہ ثم الافضل فی صلوۃ اللیل والنہار اربع رکعات بتحریمۃ واحدۃ عندہ وقالا فی اللیل رکعتان والزیادۃ الخ پیش کرتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا استدلال قابل تسلیم ہے یا احمد کا۔ جواب مشرح بحوالہ کتب مرحمت ہو۔ بینوا توجروا

الجواب۔ تراویح میں سنت یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے، کتب معتبرہ مذہب میں اسی کی تصریح ہے اور اسی پر عمل امت ہے۔ ہدایہ میں ہے یستحب ان یجتمع الناس فی شہر رمضان بعد العشاء فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات کل ترویحۃ بتسلیمتین ذکر لفظ الاستحباب والاصح انھا سنۃ۔ تنویر الابصار میں ہے وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات۔ درر وغرر میں ہے وھی خمس ترویحات لکل تسلیمتان فتکون التسلیمات عشرا۔ حاشیہ شرنبلالی میں ہے کذا فی الھدایۃ والکافی ان السنۃ فیھا عشر تسلیمات وقال فی البحر انہ المتوارث۔ جب کافی امام شہید میں کہ یہ جامع کتب ظاہر الروایۃ ہے، اس کی سنیت کی تصریح ہے اور بحر میں اس کو متوارث فرمایا پھر اب زیادہ تصریحات کی کیا حاجت۔

خیر بعض عبارت اور سنئے:۔ بحر الرائق کی عبارت یہ ہے والمراد بالعشرین ان تکون بعشر تسلیمات کما ھو المتوارث یسلم علی راس کل رکعتین۔ امام ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں سنن تراویح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ومنھا ان یصلی کل رکعتین بتسلیمۃ علیحدۃ۔ امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ مبسوط میں فرماتے ہیں الفصل الثامن فی الزیادۃ علی قدر السنۃ وھو رکعتان بتسلیمۃ۔

ان ائمہ مذہب کی تصریحات جلیلہ وجلیہ کے بعد اب مسئلہ بالکل واضح وروشن ہوگیا کہ قول احمد صحیح و درست ہے، اور زید کی مؤید ایک روایت بھی نہیں، بلکہ چار رکعت پر اگر کسی نے سلام پھیرا تو یہ البتہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو ہی رکعتیں ہیں اور بعض نے فرمایا چار ہوئیں، اگرچہ صحیح قول ثانی ہے، مگر زید نے جو صورت سنت قرار دی اس کا سنت ہونا درکنار، بعض فرماتے ہیں کہ دو ہی رکعتیں ہوئیں، اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس نے سنت متوارثہ کے خلاف کیا، بدائع میں فرمایا ولو صلی ترویحة بتسلیمة واحدة وقعد فی الثانیة قدر التشهد لاشك انه یجوز علی اصل اصحابنا ان صلوات كثيرة تتأدى بتحريمة واحدة بناء على ان التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافا للشافعي لكن اختلف المشائخ انه هل يجوز عن تسليمتين اولا يجوز الا عن تسليمة واحدة قال بعضهم لا يجوز الا عن تسليمة واحدة لانه خالف السنة المتوارثة بترك التسليمة والتحريمة والثناء والتعوذ والتسمية فلا يجوز الا عن تسليمة واحدة وقال عامتهم انه يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح۔

مبسوط میں ہے لا یخلو اما یقعد علی راس الشفع الاول او لا یقعد فان قعد ففیه خلاف والاصح انه یجوز عن التسلیمتین اور زید نے تو چار چار پر بھی اقتصار نہ کیا بلکہ آٹھ آٹھ پڑھنا سنت بتاتا ہے، حالانکہ اس میں امام و صاحبین کا خلاف ہے صاحبین کے نزدیک چار ہی ہوں گی۔ مبسوط میں ہے فان صلی ست رکعات او ثمان رکعات وقعد علی راس کل شفع اختلف فیه المتقدمون والمتأخرون فالمتقدمون اختلفوا فیما بینهم قال بعضهم المسألة علی الخلاف عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ یقع عن العدد المستحب هو اربع رکعات لان الزیادة علی الاربع غیر مستحب فی التطوع۔

اور لطف یہ ہے کہ جس عبارت سے سند لایا اس میں آٹھ کا افضل ہونا بھی نہیں نہ کہ سنت ہونا، زید کا عبارت منیہ سے استدلال یہ صحیح نہیں۔ یہ حکم کہ صاحب منیہ نے بیان فرمایا نوافل مطلقہ کا ہے سنن اس میں داخل نہیں اگرچہ سنن پر بھی نفل کا اطلاق آتا ہے مگر بعض احکام میں نفل مطلق سے جدا ہیں سنت فجر و بعد ظہر و مغرب عشاء کیا چار چار اور آٹھ آٹھ رکعت پڑھی جائیں گی معلوم ہوا کہ وہ حکم ہر نفل کا نہیں۔

دیکھئے خود صاحب منیہ تراویح کی نیت میں احتیاط یہ بتاتے ہیں کہ تراویح وصلاۃ اللیل وغیرہا کی نیت کرے مطلق نفل یا نماز کی نیت سے بعض مشائخ کے نزدیک تراویح ادا نہ ہوگی۔ والاحتیاط فی النیة فیها ان ینوی التراویح او قیام اللیل او سنة الوقت لان المشائخ قد اختلفوا فی اداء السنة بنیة مطلق النفل قال بعض المتقدمین لا یجوز ذالك وان نوی التراویح

صلوٰۃ مطلقۃ قالوا الاصح انہ لایجوز۔ اور اگر کتب کی طرف مراجعت کیجئے تو بہت سے احکام میں سنت و نفل مطلق کے درمیان فرق معلوم ہوگا۔

اب خاص اسی استدلال کی طرف توجہ کیجئے علما کیا فرماتے ہیں، غنیہ شرح منیہ میں اس قول کی شرح یوں فرماتے ہیں الافضل فی صلوٰۃ اللیل والنہار من التطوع المطلق من حیث الکیفیۃ کصلوٰۃ الضحیٰ والتہجد ونحوھما اربع رکعات بتحریمۃ واحدۃ وسلام واحد۔ بلکہ خود منیہ ہی کو اگر دیکھا ہوتا تو نفل مطلق کا یہ حکم تراویح میں جاری نہ کرتا۔

اسی میں ہے وان استراح علی خمس تسلیمات قال بعضہم لاباس بہ وقال اکثر المشائخ لا یستحب۔ کہئے یہ اکثر مشائخ غیر مستحب کس کو کہتے ہیں اگر چار چار رکعت پر سلام پھیرا تو بیس ہو گئیں۔ اب استراحت کیوں غیر مستحب ہے، اور آٹھ آٹھ پر سلام پھیرا تو چالیس ہوئیں، یہ کیونکر۔ پھر اسی منیہ میں ہے واذا شکوا انہم صلوا تسع تسلیمات او عشر تسلیمات ففیہ اختلاف والصحیح انہم یصلون بتسلیمۃ اخری فرادیٰ۔ پھر نو اور دس تسلیم میں کب شک ہوگا جب دو دو پر سلام پھیریں گے یا چار چار اور آٹھ آٹھ پر۔ بات وہی ہے کہ تراویح کے احکام خاصہ تراویح میں دیکھئے نوافل مطلقہ کے تمام احکام اس میں جاری نہ ہوں گے۔ بدائع میں ہے فاما التراویح فانما تودی مثنیٰ مثنیٰ لانہا تودی بجماعۃ فتؤدیٰ علیٰ وجہ السہولۃ والیسر لما فیہم من المریض وذی الحاجۃ والکلام فیہ وانما الکلام فیما اذا کان وحدہ۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق تحت قول متن والافضل فیہما رباع مذکور ہے ولا یمکن الاعتبار بالتراویح لانہ یؤدی بجماعۃ فیراعی فیہ جہۃ التخفیف تبیان۔ بحر الرائق میں محیط سے ہے وانما اخترنا فی التراویح مثنیٰ مثنیٰ لانہا تودی بالجماعۃ واداؤہا علی الناس مثنیٰ مثنیٰ اخف وایسر۔ صاحبین کے نزدیک صلوٰۃ اللیل دو دو رکعت افضل ہے اور اس کی دلیل میں تراویح کو پیش کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے امام اعظم کی طرف سے یہ جواب دیا والتراویح تؤدی بجماعۃ فیراعی فیہا جہۃ التیسیر۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فان الاجماع علی الفصل فیہا۔ تو ظاہر کہ قول زید اجماع کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۳) از نانذیر مرسلہ مومنی عبد اللہ صاحب　　۲۸ ذی قعدہ　　۱۳۴۲ھ

تراویح کی نماز میں بعد چار رکعت تسبیح کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں یا اس کی ممانعت ہے۔

الجواب تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت کی قدر وقفہ کرے اور اس میں اسے اختیار ہے کہ تلاوت کرے یا تسبیح پڑھے یا تنہا نماز پڑھے یا چپکے رہے اور ظاہر ہے کہ چپکے رہنے سے تسبیح وغیرہ پڑھنا بہتر ہے۔ درمختار میں ہے یجلس ندبا بین کل اربعۃ بقدرھا

ویجوزون بین تسبیح وقرأۃ وسکوت وصلاۃ فرادیٰ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں صرف پہلی مرتبہ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھے بقیہ انیس ۱۹ رکعتوں میں نہ پڑھے۔

الجواب ۔ ہر دو رکعت پر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ بھی پڑھے اور تعوذ و تسمیہ بھی پڑھے البتہ اگر مقتدیوں پر گراں ہو تو قعدۂ اخیرہ میں دعا ترک کردے اور درود میں اختصار کرکے صرف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ کہے گر ثنا و تعوذ و تسمیہ ترک نہ کرے۔

درمختار میں ہے ویاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشہد الا ان یمل القوم فیاتی بالصلوٰۃ ویکتفی باللّٰھم صل علی محمد لانہ فرض عند الشافعی ویترک الدعوات ویجتنب المنکرات ھذرمۃ القرأۃ وترک تعوذ و تسمیۃ وطمانینۃ وتسبیح واستراحۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۵) نماز تراویح میں ہر ترویحہ کے دعا وغیرہ سے فارغ ہوکر کھڑے ہوتے وقت صلوٰۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند کہنا کیسا ہے۔

الجواب ۔ ترویحہ میں ذکر و دعا و درود شریف و قراءت قرآن و سکوت سب جائز ہے۔ اٹھتے وقت بھی درود شریف کی ممانعت نہیں، اور غالباً بلند آواز سے کہنا بغرض تذکیر ہوگا کہ دوسرے لوگ اسے سنکر درود شریف پڑھیں اور اگر یہ مقصود نہ بھی ہو تو اگر جہر سے پڑھنا باعث تشویش نمازیاں نہ ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) (۲۹۶) ناچیز اپنے یہاں سہ روزہ شبینہ کرتا ہے یعنی نماز تراویح کے تین یوم میں پورا کلام پاک ختم کیا جاتا ہے قرآن پڑھنے والے تیس حفاظ ہوتے ہیں، ہر ایک حافظ کو ایک ایک پارہ پڑھنا پڑتا ہے جو دو رکعت پر مکمل ہوتا ہے۔ عرصہ تین سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ شبینہ ہوتا چلا آرہا ہے۔

اس سال یہ معلوم ہوا کہ اکثر حفاظ صاحبان دیگر مساجد کے امام ہیں، جو تراویح مع وتر ختم کرکے آتے ہیں، اور یہاں دو رکعت نفل کی نیت کرکے تراویح پڑھاتے ہیں۔ تو کیا یہ تراویح صحیح ہوگی، اور علم ہوجانے پر مقتدیوں کو نماز تراویح لوٹانا ہوگی یا انکی نماز صحیح ہوگی۔

(۲) جو امام برائے شبینہ دو رکعت صحیح تراویح پڑھائے، تو کیا یہ صورت جائز ہے، یا ۱۸ رکعت تراویح پڑھاکر وتر پڑھے نہ پڑھائے بلکہ شبینہ میں شریک ہوکر بقیہ نماز مکمل کرے۔

(۳) جو حافظ یا عالم کسی جامع مسجد کا امام ہو اور لوگوں پر یہ خیالات ظاہر کرے کہ نماز تراویح صحیح معنوں میں نفل ہے، بلکہ ہر سنت

مجموعۂ فتاویٰ درمختار و رکعت تراویح اور وتر با جماعت پڑھا کر شبینہ میں دو رکعت

بھی نفل ہے اس لئے بیائے بیس رکعت تراویح کے بائیس یا چوبیس رکعت بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ تو ایسا شخص کس عقیدہ کا سمجھا جائے گا۔ اور کیا تراویح کو نفل مان کر کمی بیشی کرنے کا کسی حدیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ (۲) نماز تراویح میں کس عمر کا لڑکا قرآن سُنا سکتا ہے اور امامت کر سکتا ہے۔

مسئلہ (۳) ایک اعتراض ہے کہ شبینہ سہ روزہ دراصل شبینہ نہیں ہے کیونکہ اس کو ایک شب میں ہونا چاہئے یہ بعد کا ایجاد کیا ہوا ہے اس لئے یہ بدعت ہے۔ بینوا توجروا

الجواب (۱) - جب امام نے نماز تراویح پڑھ لی ہے، تو اب اس کو بہ نیت امامت دوسری جگہ تراویح پڑھانا مکروہ ہے مگر مقتدیوں کی نماز بلاکراہت درست ہے، اُن کو اپنی نماز لوٹانے کی کچھ حاجت نہیں۔ محیط پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے ذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ لہ ذلک لا للمامومین ولو لم ینو الامامۃ وشرع فی الصلاۃ فاقتدی الناس بہ لم یکرہ لواحد منہما اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) تراویح کے متعلق کہ اس کا وقت کب ہے تین قول ہیں، ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا وقت مابین نماز عشاء و وتر ہے۔ اس قول کی بناء پر وتر کے بعد تراویح نہیں پڑھی جا سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے الثانی انہ مابین العشاء والوتر وصححہ فی الخلاصۃ ورجحہ فی غایۃ البیان بانہ الماثور المتوارث مگر قول جمہور یہ ہے کہ اس کا وقت بعد نماز عشاء ہے خواہ وتر کے پہلے پڑھے یا بعد یعنی مثلاً اگر مقتدی کی کچھ رکعتیں باقی ہیں اور امام نے تراویح ختم کر کے وتر شروع کر دیا تو وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے اور تراویح کی باقی رکعتیں بعد میں پڑھے۔ درمختار میں ہے ووقتہا بعد صلاۃ العشاء قبل الوتر وبعدہ فی الاصح فلو فاتہ بعضہا وقام الامام الی الوتر اوتر معہ ثم صلی مافاتہ۔ اس قول کی بناء پر وتر کے بعد تراویح پڑھی جا سکتی ہے مگر یہ حکم کہ وتر کی جماعت میں شریک ہو جانا بہتر ہے مقتدی کے لئے تھا کہ اگر وہ تراویح پڑھتا ہے تو وتر کی جماعت ہو جاتی ہے اور صورت سوال اس سے علیحدہ ہے کہ امام بلاوجہ تراویح کی دو رکعت چھوڑ کر وتر پڑھتا ہے حالانکہ وتر کا آخر میں ہونا بہتر تھا۔

لہٰذا صورت مستفسرہ میں بنا بر قول جمہور اگرچہ وتر کے بعد تراویح کی نماز ہو سکتی ہے مگر امام کو یہی چاہیے کہ وتر کی افضلیت تاخیر کو ترک نہ کرے اور تراویح پوری کرنے کے بعد وتر پڑھے کہ اس میں خلاف سے بچنا بھی ہے اور بلاوجہ وتر کی تقدیم بھی نہ ہوگی، مگر ایک بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ جو شخص دو جگہ تراویح پڑھائے اس کے لئے یہ چاہیے کہ دوسری جگہ کے لئے پورا ترویحہ یعنی چار رکعت باقی رکھے مثلاً ایک جگہ آٹھ دوسری جگہ بارہ یا ایک جگہ سولہ دوسری جگہ کے لئے پورا ترویحہ یعنی چار اور اگر ایک جگہ اٹھارہ دوسری جگہ دو پڑھیں

تو مستحب کے خلاف ہے۔ عالمگیری میں ہے والافضل ان یصلی التراویح بامام واحد فان صلوھا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحۃ فان انصرف علی تسلیمۃ لا یستحب ذالک فی الصحیح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳)۔ نفل کے دو اطلاق ہیں، کبھی فرض و واجب کے مقابل میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس معنی کے لحاظ سے سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ سب کو نفل کہتے ہیں۔ اور اسی کے لحاظ سے فقہاء اپنی کتابوں میں باب الوتر والنوافل لکھتے ہیں اور اس باب میں سنن مؤکدہ کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی فرض و واجب و سنت کے مقابل میں آتا ہے۔

امام کا یہ کہنا کہ نماز تراویح نفل ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں، کہ اس کا یہ مقصد نہیں کہ تراویح سنت نہیں کیونکہ خود ہی کہتا ہے کہ ہر سنت نفل ہے تو تراویح کی سنیت کا انکار نہ ہوا مگر اس کا یہ کہنا کہ بیس کی جگہ جو بیس پڑھے یعنی اس میں کمی بیشی کر سکتا ہے کہ بیس کے بعد جو رکعتیں پڑھی جائیں گی وہ بھی سنت ہونگی یہ غلط ہے بلکہ بیس کے بعد جو کچھ پڑھے گا وہ نفل خالص ہوگی تراویح میں داخل نہ ہوگی، اسی وجہ سے بیس کے بعد تداعی کے ساتھ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز کذا فی محیط السرخسی۔ نیز اسی میں ہے ولو صلی التراویح ثم ارادوا ان یصلوا ثانیا یصلون فرادی کذا فی التتارخانیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۴)۔ بالغین کے امام کا بالغ ہونا شرط ہے۔ ردالمحتار میں ہے وشروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار۔ لہٰذا نابالغ لڑکا تراویح میں بالغین کا امام نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے فلا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ ہدایہ میں ہے والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وھو الاصح ھکذا فی المحیط وھو قول العامۃ وھو ظاہر الروایۃ ھکذا فی البحر الرائق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۵)۔ عام طور پر جو اس زمانہ میں شبینہ پڑھا جاتا ہے کہ ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کرتے ہیں، اس پڑھنے کی نوعیت ایسی ہوتی ہے، کہ جلد بازی میں حروف تو حروف الفاظ تک کھا جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو صحیح طور پر نہیں پڑھتے اور سامعین میں کوئی لیٹا ہے کوئی چائے نوشی میں ہے کچھ ایسی گفتگو ہوتی ہے جس کی وجہ سے علماء نے اس کے عدم جواز کا حکم دیا ہے اور ایک رات میں پورا قرآن پڑھنا خواص کے لئے تھا، عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ کم از کم تین رات میں ختم کرنا چاہئے۔

حدیث میں ارشاد ہوا لم یفقہ من قرأ القرآن فی اقل من ثلث جس نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا وہ سمجھا نہیں

رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ لمعات حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے ظاہر المنع من ختم القرآن فی اقل من ھذہ المدۃ ولکنھم قالوا قد اختلف عادات السلف فی مدۃ الختم فمنھم من کان یختم فی کل شھر ختمۃ وآخرون فی کل شھرین وکل عشرۃ فی اسبوع الی اربع واکثرون فی یوم ولیلۃ وجماعۃ ثلث ختمات فی یوم ولیلۃ وختم بعض ثمان ختمات فی یوم ولیلۃ والحق ان ذالک تختلف باختلاف الاشخاص۔

اس زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بمقتضائے حدیث کم از کم تین راتوں میں ختم کرنا مناسب ہے، شبینہ شرعی لفظ نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ایک رات میں پڑھنا سنت اور اس سے زیادہ میں پڑھنا سنت سے مزاحم ہو کر بدعت ہو جائے بلکہ یہ طریقہ اس سے بہت زیادہ اچھا ہے جو ایک رات میں قرآن مجید ختم کیا جا سکتا ہے اس کو اس کا مخالف بتا کر بدعت کہنا سخت غلطی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۷) از وارڈیہ یا ڈاکخانہ کیناڈ ضلع بہرائچ مرسلہ جناب سید شہاب الدین و سید ظہیر الدین ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ بہار شریعت حصہ چہارم تراویح کے بیان صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے ایک بار بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا سنت ہے، اور ہر سورت کی ابتدا میں آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ (۲) ۔ متاخرین نے ختم تراویح میں تین بار قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ پڑھنا مستحب کہا ہے اور بہتر یہ ہے کہ ختم کے دن پچھلی رکعت میں الٓمّٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک پڑھے۔

الجواب ۔ تسمیہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو فصل سور کے لئے نازل کی گئی یہ نہ فاتحہ کا جز ہے نہ کسی دوسری سورت کا، البتہ سورہ نمل میں اس کا جز ہے مگر وہ پوری آیت نہیں بلکہ جز آیت ہے۔ درمختار میں ہے وھی اٰیۃ واحدۃ من القرآن کلہ نزلت للفصل بین السور فافی النمل بعض اٰیۃ اجماعا ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ۔

پس جبکہ یہ ایک آیت ہے اور تراویح میں ختم سنت ہے اور جب جماعت سے ہو تو جہر بھی ہو پورے قرآن کا تاکہ مقتدی بھی پورا قرآن نماز میں سن لیں۔ لہٰذا ایک بار اس کا جہر مسنون ہوا، اور چونکہ اوائل سور میں جو تسمیہ ہے اسمیں اختلاف ہے کہ جزء سورت ہے یا نہیں۔ اگرچہ ہمارا مذہب یہی ہے کہ جز نہیں۔ تاہم خلاف سے بچنے کے لئے پڑھنا بہتر ہے، تاکہ خلاف سے خروج ہو، اور اس میں اپنے مذہب کی مخالفت بھی نہیں کیونکہ ہمارے یہاں کراہت اس میں نہیں ہے، اگرچہ سنت بھی

نہیں ہے۔ درمختار میں ہے لا تسن بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقا ولو سریۃ ولا تکرہ اتفاقا اس وجہ سے مستحب کہا اور آہستہ میں وجہ یہ ہے کہ عوام دھوکے میں نہ پڑیں کہ یہ جزء سورت ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

ج(۲) ۔ سورۂ اخلاص چونکہ ثلث قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے اس لئے اس کو تین بار پڑھنا مستحب بتایا کہ پورے قرآن کا ثواب حاصل ہوجائے اور ختم کے روز آخر رکعت میں مفلحون تک پڑھے۔ درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ۔

ردالمحتار میں ہے قال فی شرح المنیۃ وفی الولوالجیۃ من یختم القرآن بالفاتحۃ وشیئ من سورۃ البقرۃ لان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۸) از دائرہ شاہ بریر رحمۃ اللہ علیہ ہمت گنج الٰہ آباد مرسلہ سید محمد صاحب جعفری معروف بہ محی الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک جو اللّٰہ اکبر یا لا الٰہ الا اللہ کہتا آگیا ہے۔ تراویح میں بھی اس کو کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ دوسرے بسم اللہ ہر سورہ کے اول میں تراویح میں بالجہر پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ موافق روایت حفص کے جو روایت ہندوستان میں رائج ہے، بسم اللہ پڑھنا ہر سورہ کے اول میں ضروری ہے وہ جزء سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں بسم اللہ نہ پڑھا جائے تو ان کی روایت کے مطابق قرآن پورا ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر بالسر پڑھا جائے تو سننے والوں کا قرآن کیسے پورا ہوگا۔ دونوں مسئلوں کو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ تراویح اور دوسری نمازوں میں اس کو نہ پڑھا جائے خصوصاً تراویح میں جبکہ ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھی جائیں گی اگر درمیان میں ان جملوں کو کہا گیا تو سامعین کو اشتباہ ہوگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی ایک آیت ہے جو اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اوائل سور میں فصل کے لئے لکھی جائے۔

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ کسی سورت کا جز نہیں ہے سوائے سورۂ نمل کے کہ اس کا جز اور بعض آیت ہے۔ لہٰذا نماز تراویح میں امام کسی ایک سورت کے اول میں اس کو جہر سے پڑھ دے تاکہ سامعین سن لیں اور ان کا ختم پورا ہوجائے ہر سورت کے اول میں جہر سے نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للّٰہ رب العالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے یعنی قراءت جہر یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ پس جبکہ

فی الصلوٰۃ اذا ختم من الضحیٰ الی آخر القرآن ... تکبیر

سورۂ فاتحہ میں بسم اللہ جہر سے نہیں پڑھی جائیگی تو دوسری جگہ بھی نہیں مگر تمیم ختم کے لئے کسی ایک سورت کے اول میں بالجہر پڑھنا کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے کہ نماز تہجد بلا سوئے ہوئے نہیں ہوگی۔ اور زید کہتا ہے کہ جاگنے پر بھی نصف اللیل کے بعد ہو جائیگی۔ اور یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے۔

الجواب ۔ نماز عشاء پڑھکر سونے کے بعد جب اٹھے تہجد کا وقت ہے، اور یہ وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور بہتر وقت بعد نصف شب ہے۔ اور اگر سویا نہ ہو تو تہجد نہیں، اگرچہ جو نفل پڑھے جائیں، صلوٰۃ اللیل انھیں شامل کہ صلوٰۃ اللیل تہجد سے عام ہے۔ ردالمحتار میں ہے وقد ذکر القاضی حسین من الشافعیۃ انہ فی الاصطلاح التطوع بعد النوم وایّد بما فی معجم الطبرانی من حدیث الحجاج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یحسب احدکم اذا قام من اللیل یصلی حتی یصبح انہ قد تہجد انما التہجد المرء یصلی الصلاۃ بعد رقدۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۰) از قصبہ سورون ضلع ایٹہ محلہ مسلاناں مرسلہ محمد حفیظ اللہ قانون گو ۳ شعبان ۱۳۴۲ھ

اس قصبہ میں ایسا عمل جاری ہے کہ شب برأت میں نوافل وغیرہ پڑھکر تہجد کی نماز با جماعت ادا کی جاتی رہی ہے، لیکن کتب فقہ میں نوافل کی جماعت کا اہتمام و تین آدمیوں سے زیادہ شریک جماعت ہونا مکروہ لکھا۔ پس یہ جماعت تہجد شرعاً مناسب ہے یا ناجائز۔ امید کہ بحوالہ کتب و احادیث مبارکہ جواب مرحمت فرمائیں گے، تاکہ اختلاف دور ہو اور سنت کے موافق عمل ہو۔

الجواب ۔ نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں۔ اور تین مقتدی ہوں اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذالک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر وفی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلاۃ رغائب وبراءۃ وقدر۔ ردالمحتار میں ہے والنفل بالجماعۃ غیر مستحب لانہ لم تفعلہ الصحابۃ فی غیر رمضان۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۱) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اوابین کی نیت کی اور صرف دو رکعت کی نیت کی، دوسری رکعت میں بجائے سلام پھیرنے کے کھڑے ہوگئے، اور اسی حالت میں پھر دو رکعت کی نیت کرلی اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت کے بعد سلام پھیرا۔ کوئی نقص تو نہیں، اور پھر بعد میں دو رکعت اور پڑھ لی۔

الجواب ۔ کچھ حرج نہیں، بلکہ صلوٰۃ الاوابین میں علما کے دو قول ہیں ایک یہ کہ دو دو رکعت پر سلام پھیرا جائے دوسرا یہ کہ چار ایک تحریمہ کے ساتھ اور دو الگ، مگر یہ ضرور ہے کہ دو رکعت پر قعدہ کیا ہو، اور تشہد بھی پڑھا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۲) مسئولہ حبیب اللہ صاحب ساکن بھولیا ضلع بریلی　۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ یہاں ایک پرانی مسجد ہے، جس میں ایک ملا نماز پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ ان کی بکری ایک کاشتکار کے کھیت میں پڑی، کاشتکار اور ملا میں لڑائی ہوگئی۔ اس وجہ سے ملا نے عید کے دن نماز عید الفطر اور خطبہ پڑھا کر لوگوں سے کہدیا کہ اب مجھے نماز اور میت کا کام نہیں اٹھے گا، اور اس کی وجہ سے ایک نئی مسجد قرار کرلی ہے، اسیں وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور پرانی مسجد انھیں لوگوں سے زیادہ آباد تھی، اب وہ ویران ہوگئی اور ہوجائیگی، اور جس جگہ نئی مسجد قرار دی ہے، وہ ایک کاشتکار کی زمین ہے، اور اس نے اجازت نہیں دی ہے۔ اگر درمیان نزاع اس کاشتکار سے کوئی قصور ہوا ہو تو ہم لوگ معافی مانگنے کے لئے تیار ہیں، حالانکہ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ایسی صورت میں پرانی مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب ۔ امام کی بکری کاشتکار کے کھیت میں پڑی، اور باہم نزاع ہوئی تو اس کی وجہ سے امامت و نماز میت سے دست بر داری کی کوئی وجہ نہیں، اگر کاشتکار نے امام پر زیادتی کی ہے، تو معافی مانگے۔ اور اگر امام کا مقصد یہ ہو کہ میرے جانور لوگوں کے کھیت کھاتے رہیں، کوئی کچھ نہ کہے ورنہ میں نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا اور نہ امامت کروں گا۔ تو یہ سخت ظلم ہے، اور عجب یہ کہ یہاں نماز پڑھانی چھوڑی تو دوسری جگہ نماز پڑھانی شروع کردی، اور جماعت میں تفریق اور مسجد کو ویران کرنا چاہا اور مسجد چھوڑ کر کھیت میں پڑھی۔

قرآن مجید میں ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ نئی مسجد سے مراد وہ کھیت ہے ابھی تک کوئی مسجد نہیں بنی ہے، لہٰذا امام کو چاہئے کہ بلا وجہ شرعی نہ مسجد ترک کرے نہ جماعت میں تفریق کرے اور اسی پرانی مسجد میں نماز پڑھے کہ ایک تو آجکل یونہی نماز میں لوگ سستی کرتے ہیں

پھر اس تفریق سے اور کمی کا امکان ہے۔　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۳) مسئولہ محمد حسین صاحب مرادآبادی از اجمیر شریف　　۵ر شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ انگریزی حکومت میں ہر مذہب کے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، ہنود اپنے مذہبی و غیر مذہبی تقریبات میں عام راستہ پر باجا بجاتے ہوئے نکلتے ہیں، جس کے شور سے مسلمانوں کی نماز کو سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم، کیا مسلمانوں کو خود اپنے طور پر اس باجہ کے روکنے کا حق ہے، یا کیا طریقہ ہونا چاہیے جس سے نمازی اس نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔　بینوا توجروا

الجواب ۔ مسجد کے قریب خصوصاً وقت نماز جبکہ مسلمان نماز میں مشغول ہوں باجا بجانا ضرور مسلمانوں کی دل آزاری و تشویش نمازیاں ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ منع کریں اور روکدیں، اگر کفار نہ مانیں اور فتنہ و فساد پر آمادہ ہوں تو حکومت سے چارہ جوئی کریں۔ باجا تو باجا نمازی کے پاس باتیں کرنی کہ اس کا دل پریشان ہو اور خیال بٹے منع ہے۔

حدیث میں ہے نھیت ان اصلی الی النیام والمتحدثین ردالمحتار میں ہے ھو محمول علی ما اذا کانت لھم اصوات یخاف منھا التغلیط او الشغل وفی النائمین اذا خاف ظھور شیء یضحکہ۔ بلکہ ذکر جہر سے اگر نمازیوں کے خیال پریشان ہوں تو منع کیا جائیگا

مسئلہ (۳۰۴) مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاراں جودھپور مارواڑ ۳ر شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ

ایک شخص مسجد میں اور مسجد کے اعلیٰ درجہ کے اندر سوتا ہے، اور کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب مسجد کے اندر ہے، اور پھر رہتا ہے تو کیا ایسا رہنا مسجد میں جائز ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ مسجد میں کھانا پینا سونا غیر معتکف[عہ] کو جائز نہیں۔　واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بابت نماز جمعہ کے محلہ کی مسجد کو افضل بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ محلہ کی مسجد کا حق بھی زیادہ ہے اور عمرو بہ نسبت محلہ کی مسجد کے جامع مسجد و عیدگاہ کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جامع مسجد و عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے۔

الجواب ۔ نماز جمعہ کے لئے مسجد جامع، مسجد محلہ سے افضل ہے، اور نماز عید کے لئے عیدگاہ سب سے بہتر کہ نماز جمعہ و عید شعائر اسلام سے ہے، اور جتنا اجتماع زیادہ ہوگا اسی قدر اس کا شعار ہونا زیادہ ظاہر ہوگا، اور نظر کفار میں

عہ معتکف کو جائز ہے، اگرچہ یہ اعتکاف نفل ہو اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو۔ ردالمحتار میں ہے فاذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء۔ واللہ تعالیٰ اعلم　امجدی

اسلام و مسلمین کی ہیبت دکھائی دیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۶) مرسلہ مولوی محمد بہار الدین صاحب سکندر پور ڈاکخانہ کرنڈا ضلع غازیپور ۲۰ ذیقعدہ ۴۲ھ

یہ دو جملے خطبہ علمی میں ہیں۔ پاس کی مسجد میں ستائیس کا پائے ثواب ۞ پانسو کا مسجد جامع میں گر پڑھے نماز اخیر کے جملہ میں دو شخصوں کے درمیان سخت نزاع ہے، ایک شخص کہتا ہے پانسو سے مراد پانسو مسجد کا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ نہیں بلکہ پانسو رکعت مراد ہیں۔ ان دونوں اقوال میں کس کا قول درست و صحیح ہے، آپ مختصر بھی تحریر فرمائیںگے تو فیصلہ ہوجائے گا۔

الجواب۔ شعر کا مطلب صاف ہے کہ مسجد جامع میں ایک نماز پڑھے تو پانسو کا ثواب پائے، اور مسجد محلہ میں ایک نماز مثل ستائیس کے ہے، مگر حدیث میں پچیس نماز کے مثل ثواب ہے، البتہ نماز جماعت کے بارے میں ایک روایت ہے کہ وہ تنہا پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ ممکن ہے مسجد محلہ کے بارے میں بھی کوئی روایت ستائیس کی ہو جو اس وقت نظر فقیر میں نہیں، مسجد کے بارے میں ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے[عہ]: صلوۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ وصلاتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمأۃ صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الاقصی بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلاۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۷) مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب از محلہ جسولی بریلی ۶ ربیع الآخر ۴۳ھ

مسجد کے اندر مقتدیوں کو آپس میں روزانہ دل لگی مذاق کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مسجد میں مباح و جائز باتیں بھی منع ہیں اور نیکیوں کو کھا جاتی ہیں جبکہ کسی مصلحت شرعیہ کے لئے نہ ہوں۔ فتح القدیر میں ہے الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات۔ رد المحتار میں مدارک سے ہے الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البھیمۃ الحشیش۔ مسجد میں بات نیکیوں کو ایسے کھاتی ہے، جیسے چوپایہ گھاس کو کھا جاتا ہے، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اپنی گم ہوئی چیز کو مسجد میں لوگوں سے دریافت کرے، تو اس سے یہ کہو کہ خدا تیری چیز واپس نہ کرے، کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من سمع رجلاً ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا جب اتنی بات کے لئے شارع علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ حکم ہے، تو دل لگی مذاق کہ اکثر بیہودہ و فحش پر مشتمل ہوتا ہے، کیونکر ممنوع

[عہ] گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلے کی مسجد میں پچیس۔ اور جامع مسجد میں پانسو۔ اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار، اور میری مسجد میں پچاس ہزار۔ اور مسجد حرام میں ایک لاکھ۔

پڑھنا گھر میں اور بازار میں پڑھنے کی بہ نسبت پچیس گنا ہے [illegible] صلوۃ الجماعۃ [illegible] ان میں ایک [illegible] حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے [illegible] ایک روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ہے صلوۃ الجماعۃ تفضل علی صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ۔ [illegible]

وناجائز نہ ہوگا۔ ان لوگوں کو حدیث کا وہی ارشاد سنانا چاہیے۔ فان المساجد لم تبن لهذا۔ یعنی مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۸) جس جگہ آدمی نماز پڑھتے ہوں وہاں قرآن شریف بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب - جب لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہاں بلند آواز سے تلاوت کرنے میں اُن کے خیالات منتشر ہوں گے بلکہ بعض مرتبہ ایسی صورت میں سہو ہو جاتا ہے، قرأت میں غلطی ہو جاتی ہے اُسے چاہیے کہ آہستہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۹) مسجد کے اندر جماعت تراویح ہو رہی ہے، اور اس میں اتنی جگہ ہے کہ تین چار جماعتیں ہو سکتی ہیں، لیکن کچھ لوگ گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر پڑھیں تو جائز ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی۔

الجواب - مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ اور جب جگہ نیچے موجود ہے، تو نیچے ہی نماز پڑھی جائے۔ ردالمحتار میں ہے نص رأیت القہستانی نقل عن مفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد اھ ویلزم کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ فلیتأمل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۱۰) مرسلہ مولوی آفتاب الدین صاحب بنگالی امجدی متعلم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ بعد نماز جمعہ مسجد میں بیٹھ کر پندرہ بیس آدمی کا درمیانی آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں، قائل کہتا ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے۔ قائل کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ قرآن و درود شریف مسجد میں مطلقاً پڑھنا ناجائز ہے چونکہ مسجد برائے ادائے صلوٰۃ موضوع ہے اور درود شریف اور تلاوت نماز میں نہیں ہے۔ لہٰذا مسجد میں تلاوت قرآن شریف و درود شریف پڑھنا جائز نہیں، بدعت سیئہ ہے اگر باوجود جواز کے کوئی شخص بدعت سیئہ کہے تو ایسے قائل قول ہذا کے شریعت مطہرہ کیا حکم رکھتی ہے اور قائل ہذا کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب - بلاشبہ مسجد میں تلاوت قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا جائز و مستحسن احادیث سے اس کا جواز ثابت اور جواسے بدعت کہے خود بدعتی ہے ہاں اگر لوگ نماز میں مشغول ہوں تو اتنی بلند آواز سے نہ پڑھے کہ نمازیوں کو انتشار خاطر ہو حدیثیں اس بابت میں بکثرت ہیں بعض ذکر کی جاتی ہیں، صحیح مسلم شریف میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں کہ ہم صفہ میں تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان

عــہ جس جگہ اگرچہ مسجد ہی کیوں نہ ہو لوگ نماز پڑھ رہے ہوں یا ذکر میں مشغول ہوں، یا کسی کام میں معروف ہوں وہاں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں حتیٰ کہ جہاں کوئی سو رہا ہو وہاں بھی بلند آواز سے تلاوت منع ہے۔ ردالمحتار میں ہے فی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القرآن فلا یمکن استماع القرآن فالاثم علی القاری وعلی ھذا لو قرأ علی السطح والناس نیام یأثم اھ ای لانہ یکون سببا لاعراضھم عن استماعہ او لانہ یؤذیھم بایقاظھم۔ غنیہ میں ہے یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرأ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیھا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعا للحرج

او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذالک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ آیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل) تم میں کون پسند کرتا ہے کہ صبح کو بطحان یا عقیق کو جائے اور دو بڑے کوہان والی اونٹنیاں لائے اس طرح کہ گناہ ہو نہ قطع رحم ہم نے عرض کی اسے تو ہم سب پسند کیے ہیں فرمایا تو صبح کو مسجد میں کیوں نہیں جاتا کہ کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھے یا پڑھے یہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہے و تین تین سے بہتر چار چار سے بہتر و علیٰ ہٰذا القیاس قرآن مجید اور درود شریف بھی اذکار الٰہی سے ہیں آیات و احادیث سے ان کا ذکر جانا ثابت اور مسجد میں ذکر کرنا احادیث سے ثابت بلکہ اگر مجمع کے ساتھ ذکر ہو تو اللہ عزوجل ان ذاکرین کیساتھ ملائکہ پر مُباہات فرماتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی (قال خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد فقال ما اجلسکم قالوا جلسنا نذکر اللہ قال آللہ ما اجلسکم الا ذالک قالوا آللہ ما اجلسنا غیرہ قال اما انی لم استحلفکم تہمۃ لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقل عنہ حدیثا منی وان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج علی حلقۃ من اصحابہ فقال ما اجلسکم ھٰھنا قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ما ھدانا للاسلام ومن بہ علینا قال آللہ ما اجلسکم الا ذالک قالوا آللہ ما اجلسنا الا ذالک قال اما انی لم استحلفکم تہمۃ لکم ولکنہ اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ)

ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (من جاء مسجدی ھٰذا لم یأتہ الا لخیر یتعلمہ او یعلمہ فھو بمنزلۃ المجاھد فی سبیل اللہ ومن جاء لغیر ذالک فھو بمنزلۃ الرجل ینظر الی متاع غیرہ) جو میری مسجد میں صرف اسی لئے آئے کہ خیر سیکھے یا سکھائے وہ بمنزلہ اس کے ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور جو اس کے غیر کے لئے آیا وہ بمنزلہ اس کے ہے جو دوسرے کے متاع کی طرف دیکھتا ہے رواہ ابن ماجہ والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسجد میں مطلقاً تلاوت قرآن شریف و درود شریف سے منع کرنا حرام ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ) اس سے بڑھکر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اس کا نام ذکر کئے جانے سے روکے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد میں جاتے درود شریف پڑھتے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی (کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم۔)[عہ]

عہ رواہ الترمذی واحمد وابن ماجۃ عن فاطمۃ بنت الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲ منہ غفرلہ الاحد امجدی

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری اس حدیث شریف کی شرح میں کہ اگر کوئی گم شدہ چیز مسجد میں ڈھونڈتا ہو تو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ کرے مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں، فرماتے ہیں: بل لذکر اللہ تعالیٰ وتلاوۃ القرآن والوعظ غنیۃ شرح منیہ میں ہے فالحاصل ان المساجد بنیت باعمال الآخرۃ ماالبس فیہ توھم اہانتھا وتلویثھا مماینبغی التنظیف منہ ولم تبن لاعمال الدنیا ولولم یکن فیہ لوث واہانۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۳) از قصبہ سانگود راجکوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں صاحب دوکاندار ۴ ربیع الآخر ۱۳۵۰ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے یہ حکم عام مسجدوں کے لئے ہے یا خاص کہ معظمہ کے لئے۔

الجواب ۔ مسجد کی چھت پر چڑھنا فقہاء نے مکروہ بتایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ضرورت نہ ہو تو نماز بھی مکروہ ہے مگر جو مسجدیں دو منزلہ بنائی جاتی ہیں اس حکم سے مستثنیٰ رہیں گی کہ اس کی بنا ہی اس غرض سے ہوئی۔ رد المحتار میں ہے صاحب القہستانی نقل عن المفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد اھ ویلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ فلیتامل ۔ وھو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۱۴) از کھنڈوہ ضلع نمار مرسلہ جناب حاجی عبداللطیف صاحب ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک مسجد ہے اس کی جنوب کی سمت دوسری جگہ مسجد کے واسطے لی گئی ہے تو وہ جگہ ابھی مسجد میں ملائی نہیں گئی کہ اس جگہ میں صحن وغیرہ یا حوض جیسے محلہ والوں کی رائے ہوگی کیا جائیگا ابھی مسجد تنگ پڑتی ہے تو مسجد کی جنوبی دیوار میں دروازہ کر کے خریدی ہوئی جگہ صف سے ملا دی جائے تو اس نئی جگہ میں کھڑے ہونے والے کو یا نئی جگہ میں اکیلا نماز پڑھنے والے کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملیگا یا خارج مسجد کا کہ گھر میں پڑھنے والے کے مثل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نئی جگہ کشادگی کے واسطے فی الحال نماز پڑھنے کے لئے ملانے سے کیا وسط مسجد محراب امام کے لئے دوسری مقرر کی جائے یا پہلے والی وسط کافی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ وہ جگہ جو مسجد میں اضافہ کرنے کے لئے خریدی گئی ہے جبتک اُسے مسجد نہ کردیں مسجد نہیں ہے اسمیں نماز پڑھنے سے اگرچہ مسجد کا ثواب نہ ملے گا مگر اتنی بڑی جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ہے اور گھر میں پڑھنے سے یہ بات کہاں حاصل ہوگی، مسجد کرنے کے لئے وہاں عمارت بنانا ضروری نہیں بلکہ اتنا کہدینا کہ ہم نے اسے مسجد کردیا کافی ہے یا اُسمیں ایک بار جماعت کیساتھ یا ایک شخص کا نماز پڑھلینا بھی ضرور ہے علی اختلاف الاقوال مگر جب مسجد کردیجائیگی تو اس کے بعد اسمیں حوض وغیرہ نہیں بنایا جاسکتا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ مشورہ کرکے حوض وغیرہ و دیگر ضروریات کے لئے جگہ معین کرکے باقی کو مسجد کردیں تاکہ اسمیں نماز پڑھنے

والے مسجد کا ثواب پائیں بعد مسجد کر دینے کے امام ایسی جگہ کھڑا ہو کہ دونوں جانب سے فاصلہ برابر ہو یعنی جنوب کی طرف ہٹ کر
ردالمحتار میں ہے لوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من
جانبیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۱۲) از مراد آباد محلہ اصالتپورہ سوداگر ظروف مرسلہ جناب سید کار و علی صاحب ۱۶ ذیقعدہ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہمارے گاؤں میں تین قومیں ہیں سید پٹھان ترک
سب ڈھائی تین سو مسلمان ہوں گے جن میں کل چالیس پچاس آدمی روزہ نماز کے پابند ہوں گے۔
یہاں ایک مسجد پوری مدت سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کے نام کچھ اراضی ریاست کی طرف سے وقف ہے جو شخص اس مسجد
میں امامت کرتا ہے وہ اس اراضی کی آمدنی کچھ تو مسجد میں صرف کرتا ہے کچھ خود اپنے صرف میں کرتا ہے، یہاں کے کل مسلمان نمازیں اور جمعہ
اسی مسجد میں پڑھتے تھے، ترک مسلمانوں نے بوجہ ضد اور سید پٹھانوں سے جھگڑا کر کے اپنی ایک مسجد جدا بنالی ہے اور سب ترک مسلمان جدید
مسجد میں نمازیں اور جمعہ پڑھنے لگے۔ ایک سید صاحب مسجد قدیمی میں امامت کرتے ہیں اردو اور قرآن پاک ناظرہ پڑھے ہوئے چند مسائل
ضروریہ سے واقف ان کی بیوی پردہ میں رہتی ہیں اور جدید مسجد میں ایک ترک صاحب امامت کرتے ہیں، معمولی اردو اور قرآن شریف ناظرہ
پڑھے ہوئے کچھ مسائل سے واقف مگر ان کی بیوی اور عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں ہر نامحرم کے سامنے آتی جاتی ہیں کوئی پردہ کی قید
نہیں ہے اور خود بھی نماز کے پابند نہیں ہیں۔ پس ایسی صورت میں چند باتیں ذیل کی دریافت طلب ہیں:۔

۱۔ جو مسجد مسلمانوں نے مسلمانوں کی ضد سے بنائی ہو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں۔
۲۔ جس شخص کی بیوی بے پردہ پھرے اور نماز کا پابند بھی نہ ہو وہ لائق امامت ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ایسے شخص کے پیچھے
جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں ہوئیں یا نہیں۔
۳۔ صورت مذکورہ بالا میں سید صاحب لائق امامت ہیں یا ترک صاحب جو جدید مسجد میں امامت کرتے ہیں اور ہم لوگ کس کے
پیچھے نماز پڑھیں۔
۴۔ نمازیں اور جمعہ ایک قدیمی مسجد میں پڑھیں یا دونوں مسجدوں میں اس گاؤں میں مردہ کے لئے کفن نہیں ملتا ہے۔

الجواب[1]۔ اگر واقعی اس مسجد کے بنانے سے محض یہی مقصود ہے کہ پہلی مسجد ویران ہو جائے اور اس کو ضرر پہنچ جائے تو
یہ مسجد ضرار ہے اور مسجد ضرار مسجد نہیں مگر مسلمان کی طرف ایسا خیال بہت مستبعد ہے مسلمان کی نسبت یہی خیال کیا جائے گا کہ اس نے

اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی تاوقتیکہ اس کی نیت کا حال معلوم نہ ہو مسجد ضرار کا حکم نہ دیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) بی بی اگر بے پردہ پھرتی ہو اور شوہر باوجود قدرت اُسے منع نہ کرتا ہو تو یہ بھی فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اگر شوہر تا حد قدرت اُسے روکتا ہو مگر وہ نہیں مانتی تو شوہر گنہگار نہیں، اور اگر وہ شخص پابند نماز نہ ہو تو بلاشبہ فاسق ہے اور اُسے امام بنانا ناجائز اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ ردالمحتار میں ہے فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) امام مسجد دوم کی نسبت جواب نمبر ۲ میں گذرا اور امام مسجد اول میں اگر شرائط امامت پائے جاتے ہوں مسائل طہارت نماز سے واقف ہوں اور فسق و فجور سے بچتے ہوں تو اُن کی امامت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۴) گاؤں میں جمعہ فرض نہیں اور نمازیں مسجد اول میں پڑھیں کیونکہ سوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد جدید کا امام لائق امامت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۱۴) از کچی باغ بنارس مرسلہ جناب بشیر اللہ و سمیع اللہ صاحبان ۳ رجادی الاخری ۱۳۴۶ھ

عرض یہ ہے کہ جناب نے بہار شریعت میں فرمایا ہے کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سائل کو دینا بھی منع۔ نیز بہار شریعت صفحہ ۸۷ جلد ۳ میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے سائل کو اگر ایک پیسہ دیا تو ستر پیسے اور خیرات کرے کہ اس ایک پیسے کا کفارہ ہو۔ لیکن صاحب موضح القرآن اس آیت کریمہ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ پارہ لا یحب اللہ ع ۱۱ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ کے شان میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حجرۂ مبارک سے مسجد میں آئے تو بعضوں کو دیکھا رکوع میں ہیں اور بعضوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو دیکھا اور فرمایا کسی نے تجھکو کچھ دیا۔ سائل نے سونے یا روپے کی انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس رکوع کرنے والے نے رکوع میں دی ہے۔

عہ سوال اول کے جواب سے ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کی نیت دوسری مسجد بنانے سے پہلی مسجد کو ویران کرنا نہیں تو یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ہے اور اگر ان لوگوں نے یہ مسجد نماز پڑھنے کے لئے خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگرچہ اس پر باعث باہمی رنجش ہوئی کہ آپسی رنجش کی وجہ سے اکٹھا ہونا مناسب نہیں جانا — اور نماز بے مسجد ادا کرنی نہ چاہی — تو یہ دوسری مسجد نماز ادا کرنے ہی کے لئے بنی اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں [illegible] صدر من اهله فی محله علی وجهه۔ اشباہ میں ہے لاهل المحلة جعل المسجد الواحد مسجدین والاولی ان یکون لکل طائفة مؤذن — اس صورت میں کہ اس کا امام امامت کے لائق نہیں تو بھی اس مسجد کو آباد رکھنا فرض۔ لہٰذا ان پر فرض ہے کہ کسی صالح مستحق امامت شخص کو امام بنائیں اور اس میں باجماعت نماز پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

امجدی

اب عرض یہ ہے کہ تفسیر سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مسجد میں انگوٹھی دینا اور وہ بھی رکوع میں، باعثِ مدح خالق ہے اگر سائل کو مسجد میں دینا منع ہے تو آیت قرآن اس فعل کو موقع مدح میں کیوں ذکر کر رہی ہے۔ اور جب مسجد میں سائل کو دینا بحکم آیت مذکورہ باعث مدح خالق ہے تو علماء اس فعل کو ممنوع کیوں فرماتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - مسجد میں سوال کرنے کے متعلق علمائے حنفیہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً ناجائز۔ دوسرا یہ کہ چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے اور یہ شرطیں نہ ہوں تو ناجائز۔ شرطِ اول یہ کہ مصلّی کے آگے سے نہ گذرے۔ دوم یہ کہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔ سوم یہ کہ الحاف کے ساتھ سوال نہ ہو۔ چہارم یہ کہ ضرورت کے لئے سوال کرتا ہو۔ قولِ دوم کو بزازیہ وقہستانی وغیرہما میں اختیار فرمایا۔ اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الحظر میں اسی قول کو ذکر کیا۔

ردالمحتار میں ہے قال فی النھر والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الناس الحافاً بل لامرلابد منه فلا باس بالسوال والاعطاء اھ ومثله فی البزازیة وفیھا ولا یجوز الاعطاء اذا لم یکونوا علی تلك الصفة المذکورة قال الامام ابونصر العیاضی ارجوان یغفرالله تعالیٰ لمن یخرجھم من المسجد وعن الامام خلف ابن ایوب لوکنت قاضیا لم اقبل شھادة من یتصدق علیھم اھ وسیأتی فی باب المصرف انه لا یحل ان یسئل شیئاً من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب ویأثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی الحرام۔

خلاصہ یہ ہے کہ سائل میں اگر وہ شرائط نہ پائے جائیں تو سوال بھی جائز نہیں اور دینا بھی ناجائز۔ امام ابونصر عیاضی فرماتے ہیں کہ ان کو مسجد سے نکال دے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور امام خلف ابن ایوب فرماتے ہیں کہ اگر میں قاضی ہوتا تو ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کرتا جو ایسے سائل کو دیتے ہیں اور باب المصرف میں ذکر کیا جائے گا کہ جس کے پاس اس دن کے کھانے کے لائق ہو یا وہ اس کے کمانے پر قادر ہو مثلاً تندرست جو کما سکتا ہو اسے سوال حلال نہیں اور دینے والا اگر اس کے حال پر مطلع ہو کر دیگا تو وہ بھی گنہ گار ہوگا، کہ حرام پر اعانت کرتا ہے ــــ اور قولِ اول کو صاحب درمختار نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر فرماکر قولِ دوم لفظ قیل سے تعبیر کیا، عبارت یہ ہے ویحرم فیه السوال ویکرہ الاعطاء مطلقاً وقیل اور اسی قول اول کو غنیہ میں احوط فرمایا۔ اس کی عبارت یہ ہے وعلم ما تقدم حرمة السوال فی المسجد لانه کالاَن الضالة والبیع ونحوہ وکراھیة الاعطاء لانه یحمل علی السوال وقیل لا اذا لم یتخط الناس ولم یمر بین یدی مصل ۔ والاول احوط۔

نیز ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :ــــ

ویدخل فی ھذا کل امر لم یبن له المسجد من البیع والشراء ونحو ذالك وکان بعض السلف لا یری ان یتصدق علی السائل المعترض فی المسجد۔ اس کے بعد اسی صفحہ میں یہ قول ذکر کیا کہ سائل کو دینے میں حرج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا ھل احد منکم اطعم الیوم مسکینا فقال ابوبکر دخلت المسجد فاذا انا بسائل فوجدت کسرۃ خبز فی ید عبد الرحمٰن فاخذتھا فدفعتھا الیه یعنی کسی نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھے ایک سائل ملا اور میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیکھا اس سے لیکر سائل کو دے دیا پس اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔ اس استدلال کے جواب میں ملا علی قاری فرماتے ہیں لیس لا دلالة فی الحدیث علی انه کان سائلا وانما الکلام فیه وقد قال بعض السلف لا یحل اعطائه فیه لما فی بعض الآثار ینادی یوم القیٰمة لیقم بغیض اللہ فیقوم سوال المسجد۔ یعنی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ سائل تھا اور کلام سائل میں ہے اور بعض سلف فرماتے ہیں کہ مسجد میں سائل کو دینا حلال نہیں اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ روز قیامت منادی کی جائیگی "جو شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ہے کھڑا ہو جائے تو مسجد کا سائل کھڑا ہو جائے گا۔

اقول ۔ اس استدلال کا یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ دَخَلْتُ سے مراد ارادۂ دخول ہے یعنی میں مسجد میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ مجھے ایک سائل ملا اور ارادۂ فعل کو فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ سے ارادۂ قیام مراد ہے۔ پس اس تقدیر پر یہ واقعہ مسجد کا نہ ہوا اور استدلال صحیح نہ ہوا۔ اگر یہ شبہہ کیا جائے کہ حدیث مذکورہ بالا میں تصریح ہے فاذا انا بسائل، پھر ملا علی قاری کا یہ کہنا لا دلالة فی الحدیث علی انه کان سائلا صحیح نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سائل تھا، رہا یہ کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا ہو، یہ ثابت نہیں اور کلام اسی میں ہے کہ جو سائل مسجد میں سوال کرے اُسے دینا حلال نہیں نہ یہ کہ بلا سوال بھی اُسے دینا حلال نہیں اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔

پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قول ذکر کیا کہ بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں ناجائز وفصل بعضھم بین من یوذی بالمرور ونحوہ فیکرہ اعطائه لانه اعانة له علی ممنوع وبین من لا یوذی فیستحب اعطائه لان السوال کانوا یسئلون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المسجد حتی یروی ان علیا کرم اللہ تعالیٰ وجھه تصدق بخاتمه وھو فی الرکوع فمدحه اللہ بقوله یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ یعنی جو سائل لوگوں کو اذیت دیتا ہے مثلاً نمازی کے آگے سے گذرتا ہے یا اس کے مثل کچھ اور حرکت کرتا ہے، اُسے دینا مکروہ ہے، کہ ممنوع پر اعانت ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا اُسے دینا بہتر ہے

کہ حضور کے زمانے میں لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے جب تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع میں اپنی انگوٹھی دے دی تھی۔ جس پر اللہ نے ان کی مدح فرمائی۔

اس قول کا جواب ملا علی قاری اس طرح تحریر فرماتے ہیں اور یہی استفسار کا جواب بھی ہے :- وفیہ انہ لیس فی الحدیث ولا الآیۃ ان اعطاء علی کان فی المسجد یعنی حدیث و آیت کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دیا تھا۔ **اقول** اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ مسجد میں دیا تھا تو یہ ثابت نہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد میں سوال کیا تھا اگر حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا اور یہ امر کہ اس نے مسجد میں سوال کیا تھا اس کے متعلق کوئی حدیث نظر سے نہ گذری، اور ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ حدیث سے مسجد میں سوال ثابت نہیں، صاف بتاتا ہے کہ ان کے پیش نظر بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ہے، جس سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت ہو۔ تفسیر بیضاوی شریف میں شانِ نزول کو اس طرح نقل کیا وانما نزلت فی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین سالہ سائل وھو راکع فی صلوٰتہ فطرح لہ خاتمہ۔

اس سے بس اتنا معلوم ہوا کہ سائل کے سوال پر دیا نہ یہ کہ مسجد میں سوال کیا تھا اور اسے دیا بلکہ خود قاضی بیضاوی کا اس شانِ نزول کے متعلق کہنا۔ وان صح، بتاتا ہے کہ اس روایت کی صحت میں بھی انھیں کلام ہے اس لئے آیت میں رکوع کے معنی خشوع و خضوع کے لیتے ہیں، یعنی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور یہ معنی کہ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں، اس کو بصیغۂ تمریض قیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ استفسار میں جو موضح القرآن کی عبارت نقل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سائل تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے دیا تھا، پس اگر یہ مضمون حدیث صحیح سے ثابت ہو تو کہا جائیگا کہ سائل کو دیا اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال بھی کیا ہو جیسا کہ فاذا انا بسائل سے ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا تھا ویسا ہی یہاں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے مسجد میں سوال کیا۔ اور اس عبارت سے یہ بھی ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا۔

لہٰذا اس عبارت موضح القرآن سے مسجد میں سوال کی اجازت ثابت نہیں کہ مسجد میں دیا، اس لئے بہار شریعت حصہ سوم میں یہ لفظ ہے کہ اس سائل کو دینا بھی منع ہے۔ مستفتی سے لفظ (اس) لکھنے سے رہ گیا جس کا یہ مطلب ہو گیا کہ چاہے مسجد میں سوال کرے یا نہ کرے سائل کو مسجد میں دینا منع ہے حالانکہ مطلب یہ تھا کہ مسجد میں سوال کرے تو دینا منع ہے۔ اور اسی کے لئے لفظ اس بڑھایا گیا تھا

اس عبارت موضح القرآن کے قریب قریب ایک حدیث علامہ خفاجی نے نقل فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے[عہ]۔

نہ مناکحت کریں گے اور نہ ہم سے بات چیت کریں گے اور یہ امر ہم پر شاق ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا ولی اللہ و رسول ہیں پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے اور کسی کو قیام میں اور کسی کو رکوع میں پایا اور ایک سائل کو ملاحظہ فرمایا، اس سے فرمایا کسی نے تجھے کچھ دیا اس نے عرض کی ہاں چاندی کی ایک انگوٹھی ملی ہے، فرمایا کس نے دی اس نے کہا اس قیام کرنے والے نے اور ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا حضور نے فرمایا کس حالت میں دی اس نے کہا حالت رکوع میں، اس پر حضور نے تکبیر کہی پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب حضور نے سائل سے دریافت کیا تھا اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام میں تھے رکوع میں نہ تھے اگرچہ دینا رکوع میں تھا، مگر موضح القرآن کے اس لفظ سے کہ اس رکوع کرنے والے نے دی یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اسی وقت دی ہے جبکہ اسی رکوع میں تھے اور یہ رکوع مسجد میں تھا لہٰذا مسجد میں دینا ثابت ہوا اگرچہ فقط یہ لفظ اس ثبوت کے لئے کافی نہیں مگر توہم پیدا ہوتا ہے اور جبکہ علامہ خفاجی نے جو روایت حاکم وغیرہ سے نقل کی اسمیں اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قائم ہونا مذکور ہے تو یہ توہم بہت بعید ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بحث کے آخر میں دونوں مقولوں میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ والظاهر ان الخلاف خلاف عصر و زمان لا اختلاف السائلين: یعنی علماء میں یہ اختلاف زمانہ کے اختلاف پر مبنی ہے کہ قرون اولیٰ میں سائلین آداب مسجد کی مراعات کرتے تھے اور ضرورت پر سوال کرتے تھے اور اس طرح سوال نہ کرتے تھے کہ ممنوع ہو۔ اور اس زمانہ کے سائلین ایسے نہیں اگر ان کو اجازت دیدی جائے تو کسی امر کی پرواہ نہ کریں گے، اور جائز و ناجائز کا خیال نہ رکھیں گے اس لئے ان کے لئے حکم یہی ہے کہ سوال سے روک دیئے جائیں وکم من شیئ یختلف باختلاف الزمان۔

پس چونکہ صاحب غنیہ نے مطلق ممانعت کو احوط فرمایا اور ملا علی قاری نے اس اختلاف کو اختلاف زمانہ پر محمول کیا لہٰذا فقیر نے اسی قول کو اختیار کیا اور اسی کو بہار شریعت میں ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

مسئلہ (۳۱۵) از رائی کمیٹ جامع مسجد مرسلہ قاری خلیل الدین احمد صاحب ۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں:-

وہ مساجد جن کی تعمیر روافض یا وہابی یا قادیانی یا علاوہ ان کے کسی طائفہ ضالہ نے کی ہو اس پر احکام مساجد جاری ہو سکتے

عہ: ... ان قومنا ... آمنا باللہ وبرسولہ ...

ہیں یا نہیں۔

(۲) مقامی لوگ مدارس مساجد کے اندر اور تعلیم قرآن مجید فرقان حمید اور تعلیم دینیہ کو احترام مساجد کے خلاف تصور کرتے ہوئے مانع تعلیم الٰہی ہیں اور مساجد کے اندر تعلیم کو جدید امر اور بدعت اور بےحرمتی مساجد شمار کرتے ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ تعلیم جدید ہے۔ اور قرون اولیٰ میں مساجد کے اندر تعلیم دینیہ و الٰہیہ نہیں ہوئی یا نہ ہو رہی ہے دلائل و براہین سے مطلع فرمائیں۔

الجواب (۱) ۔ وہ گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ چکی ہے جیسے قادیانی وہابی روافض زمانہ ان کی بنائی ہوئی مسجد شرعاً مسجد نہیں[عـــہ] ۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) مسجد کے اندر علم دین کی تعلیم جائز اور اس کے جواز پر قرآن و حدیث شاہد قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا۔ حدیث میں ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفة فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذالک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ آیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل رواہ مسلم عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی نفسہ تعلیم سے مسجد کی کوئی بےحرمتی نہیں ہے تعلیم کو احترام کے خلاف کہنا غلط ہے۔ البتہ اگر پڑھنے والے یا پڑھانے والے مسجد کی بےحرمتی کرتے ہوں تو ان کو اس سے منع کیا جائے اور روکا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۰۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید عالت اعتکاف میں کسی عذر کی وجہ سے مسجد کے اندر چارپائی بچھا کر لیٹتا ہے یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے۔

الجواب ۔ مسجد میں چارپائی پر لیٹنا اور سونا عرف نے ادب کے خلاف قرار دیا ہے اور ایسے امور میں شرع مطہر نے عرف کا لحاظ کیا ہے اور اس کے نظائر کتب فقہ میں کثیر ہیں لہٰذا بلا عذر ایسا نہ کرے اور عذر ہو تو الضرورات تبیح المحظورات کی ہی بنا پر اجازت ہے مگر زید کو چاہیے کہ جن اوقات میں لوگ مسجد کے اندر آتے جاتے ہوں ان اوقات میں چارپائی کو علیحدہ کر دے تاکہ تنفیر عوام اور منازعت نہ واقع ہو کہ اس میں لوگوں کو مبتلا کرنا بہت سخت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عـــہ مسجد ہونے کے لئے زمین کا وقف ہونا شرط ہے۔ اور کافر وہ بھی مرتد کا مسجد کے لئے وقف درست نہیں بلکہ مرتد کا کسی کار خیر کے لئے وقف، وقف نہیں اسلئے ان فرقوں کی بنائی مسجد، مسجد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

مسئلہ (۳۸۱): مرسلہ جناب حاجی محمد عظیم اللہ صاحب از چوکی پی دیناج پور ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد میں دو آئینے ایک سامنے اور ایک داہنی جانب متصل منبر لگے ہیں جن کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فٹ ہے۔ ان کے بیچ سے فانوس کی ایک شاخ بھی نکلی ہے جو جلنے کے کام نہیں آتی محض زیبائش کے لئے ہے۔ نیز آئینے میں مصلیوں کا چہرہ بصورت قیام بخوبی نظر آتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں کیا حکم ہے ایا مسجد میں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں اگر یہ ناجائز ثابت ہو تو ان کو پیچھے کر دینے یا اس پر کپڑا ڈالنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ آئینہ میں جو صورت نظر آتی ہے یہ تصویر کے حکم میں نہیں ورنہ جس طرح تصویر کا رکھنا حرام ہے اس کا رکھنا بھی حرام ہوتا اور تصویر کے تمام احکام اس کے لئے بھی ثابت ہوتے مگر ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ آئینہ کی صورت تصویر نہیں۔ لہذا اگر مصلی کے آگے آئینہ ہو تو نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوگی۔ اگرچہ نمازی کو اپنی صورت نظر آئے کہ آئینہ میں حقیقۃً صورت منتقش نہیں ہوتی بلکہ آئینہ کی صقالت کی وجہ سے خطوط شعاعی منعکس ہوتے ہیں اور واپس آکر خود اس دیکھنے پر پڑتے ہیں اور یہ اپنے کو دیکھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آئینہ میں میری صورت ہے جسے میں دیکھتا ہوں حالانکہ صورت کو نہیں بلکہ اپنے کو دیکھتا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ آئینہ میں داہنے کو بائیں اور بائیں کو داہنا دیکھتا ہے۔ لہذا ایسی جگہ نماز پڑھنا ممنوع نہیں جہاں انعکاس شعاع کے باعث کوئی چیز نظر آئے۔ یہ حکم نفس آئینہ کا ہے کہ مصلی کے آگے ہونے میں نماز مکروہ تحریمی نہیں رہا۔ مسجد کی دیوار قبلہ میں آئینہ نصب کرنا جس میں مصلی کو اپنی صورت نظر آتی ہے۔ مکروہ ہے کہ اس سے نمازی کا دل بٹتا ہے اور خشوع میں کمی آتی ہے اور ایسی چیز دیوار قبلہ میں نہیں ہونی چاہئے درمختار میں ہے ولا باس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی و یکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوہا خصوصاً فی جدار القبلۃ قالہ الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر۔ انتہی وظاہرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ لہذا وہاں سے آئینہ جدا کر دیا جائے یا اس پر کپڑا ڈال دیا جائے کہ نماز میں خشوع جاتے رہنے کا سبب نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ نمازی کے آگے تصویر ہونے سے نماز میں کراہت کا سبب یہ ہے کہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور پرستش تصویر کی ہوتی ہے آئینے میں جو صورت نظر آئے اس کی کوئی پرستش نہیں کرتا اس لئے اس کے مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

مسئلہ ۳۱۸ مرسلہ جناب قاضی عبد الحمید و قاضی عنایت احمد صاحبان جامع مسجد فیلخانہ از جودھپور مارواڑ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ترکی ٹوپی سے امامت جائز ہے یا نہیں جو شخص تارک جماعت ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں یعنی ادھر تو جماعت ہو رہی ہے ادھر وہ اپنی الگ نماز پڑھے بعد میں زور زور سے وظیفہ پڑھتا ہے جماعت ہو رہی ہے منع کرنے سے نہیں مانتا۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا مسلمانوں کی غیبت کرنا علماء دین کی شان میں گالیاں دینا قرآن پاک کی نقل کرنا ان سب کے بارے میں کیا حکم صادر ہے۔؟

الجواب:۔ ترکی ٹوپی آجکل عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے صلحاء و متقی و فساق سب ہی پہنتے ہیں لہٰذا اس کا پہننا بھی جائز ہے اور پہن کر نماز پڑھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں بغیر جماعت بھی نماز ہو جاتی ہے مگر بلا وجہ شرعی ترک جماعت کا گناہ اس پر ہے اور یہ اور زیادہ برا ہے کہ جماعت ہو رہی ہے اور وہ شخص اپنی الگ پڑھتا ہے پھر مزید یہ کہ وقت جماعت زور زور سے وظیفہ پڑھ کر مصلیوں کو پریشان کرتا ہے ایسے شخص کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔ مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا ناجائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ غیبت یا گالی دینا خصوصاً علماء دین کو حرام اور سخت حرام ہے اور مسجد میں ایسی باتیں اور زیادہ حرام۔ قرآن پاک کی نقل کرنے سے کیا مراد ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ استہزا کرتا ہے تو یہ یقیناً کفر ہے اور اگر کسی کے پڑھنے کی نقل کرتا ہے اور مقصود اس شخص سے استہزا کرنا ہے یہ بھی ناجائز ہے بالجملہ مسجد ان کاموں کے لئے نہیں ہے اولاً ایسے شخص کو منع کیا جائے، نہ مانے تو مسجد سے روکا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱۹۔ از الہ آباد محلہ محتشم گنج مرسلہ باشندگان محتشم گنج ۲ جمادی الاولیٰ ۶۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلہ میں مولوی عیسیٰ صاحب جو اپنے کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پیرو اور خلیفہ بتاتے ہیں۔ عرصہ سات سال سے ایک مکان بنا کر مقیم ہیں۔ یہ مولوی صاحب مذکور فاتحہ، میلاد شریف، گیارہویں شریف وغیرہ کو بدعت و ناجائز و گمراہی بتلاتے ہیں۔ عرس اولیاء اللہ کو بدعت و حرام قرار دیتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک بتلاتے ہیں۔ اذان میں نام رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ اور یا محمد کہنے کو شرک کہتے

بھی عبادت و ریاضت کے ذریعہ رسول اقدس کے برابر ہوسکنے کو ممکن سمجھتے ہیں۔ جماعت ثانی کو بھی ایک مسجد میں ناجائز کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مسجد ہدایت خاں مرحوم میں جس میں وہ امامت کرتے ہیں دوسری جماعت کرنا چاہتا ہے تو نہایت سختی سے مخالفت کرتے ہیں اور جماعت ثانی نہیں ہونے دیتے۔ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو عقائد اہلسنت کے خلاف ہیں، تبلیغ فرمایا کرتے ہیں۔ اور مولوی صاحب مذکور سات سال سے برابر اپنے عقائد کی تبلیغ فرمارہے ہیں اور اکثر ہم خیال علماء مثلاً مولوی عبدالمجید صاحب پھلواری وغیرہ کو بلاکر جلسہ وعظ وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اور مولوی صاحب مذکور نے سات سال کے اندر ہمارے محلہ کے سات، آٹھ سنی لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ اور ہم خیال بنالیا ہے اور اب انھیں کے ذریعہ نہایت کوشش کے ساتھ لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور مولوی عیسیٰ صاحب کا اس مسجد محلہ میں اثر ہے اور خود پیش امام بھی ہے حتی کہ متولی مسجد بھی انھیں ہم عقیدہ منے اور مولوی صاحب مذکور ہر نماز کے بعد اپنے خیالات فاسدہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اور سنیوں کو وہاں جانے سے سنیوں کے عقائد خراب ہوجانے کا اندیشہ اور جنگ و فساد کا خوف ہے۔ لہٰذا یہ مذکورہ بالا باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور جھگڑے اور فساد کو روکنے اور اپنے کو ان کے اندر جذب ہونے سے باز رکھنے کی غرض سے ہم لوگوں نے علیحدہ جماعت قائم کرلی ہے۔ اور ایک زمین جو وسط محلہ میں واقع ہے اور امام باڑہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور منتظم حال کے بزرگوں کی ہے، نماز پڑھنا شروع کردیا ہے۔ اس جماعت میں ۵۰ فیصدی مسلمانان نماز پڑھتے ہیں۔ اور روزانہ ۶۰۔۔۔۷۰ آدمیوں کی جماعت ہوجاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ باقاعدہ مسجد بنادی جائے اور سب نے (الا مولوی عیسیٰ صاحب کی جماعت کے) امام باڑے کو مسجد سے بدلنے کی اجازت دے دی ہے اور امام باڑے کے منتظم نے اپنی دوسری زمین تعزیہ داری کے لئے علیحدہ مخصوص کردی ہے جیسا کہ اس کے بزرگوں نے کیا تھا یعنی وہ خود بھی تعزیہ داری کرتے تھے اور محلہ کے لوگ بھی اس میں شریک ہوجاتے تھے۔ لہٰذا حسب ذیل باتیں دریافت طلب ہیں؟

الف:۔ موجودہ امام باڑہ کی زمین پر واقعات حاضرہ کے لحاظ سے نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ب:۔ امام باڑہ پر نماز پڑھنے والوں کو جن کی جماعت مولوی عیسیٰ صاحب کی جماعت سے ۶ گنہ زیادہ ہے، ہوتی ہے، جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ محلہ کے امام باڑے کو جس کی رضامندی ۹۵ فیصدی حضرات نے دے دی ہے مسجد بنالینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں صاف اور کھلے لفظوں میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے جس کی بنا پر اکابر علماء ہندوستان و علماء حرمین طیبین نے بالاتفاق اس کی تکفیر کی۔ اور یہ فرمادیا کہ جو اس کے قول پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ مانے خود کافر ہے۔ اس کے معتقدین جو اس کے قول پر مطلع ہیں ان کا بھی وہی حکم ہے اور ایسوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے بلکہ ان کے پاس بھی نہ جانا چاہئے۔ حدیث میں ہے ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم تم اپنے کو ان سے دور رکھو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کریں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور جب کہ وہ شخص وہابیہ کے عقائد باطلہ کی ترویج و تبلیغ کرتا ہے۔ اور وہاں جانے میں فتنہ بھی ہے؟ اور نہ بھی ہوتا تو اس کی گمراہ گری کیا کم فتنہ ہے ایسی صورت میں مسلمانوں کو وہاں ہرگز نہ جانا چاہئے۔ اور الحمد للہ کہ مسلمانوں نے جو دوسری جگہ جماعت کا انتظام کر لیا ہے بہت اچھا کیا ان کو یہی کرنا چاہئے تھا بیشک ان کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی ثواب ملے گا کہ وہابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے باز آئے اور اپنی نمازوں کو خراب نہ کیا۔ اگرچہ ان کی جماعت چھوٹی ہو تو کیا اس کے برابر بھی مصلی نہ ہوں۔ امام باڑہ کی زمین جس کی ملک ہو اس کی اجازت سے مسجد بنا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۴۰ از موضع چھپ تلاب صدر بخشی لائن محمد اسلام میاں کی باڑی مرسلہ عبد الکریم صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جانب دریا واقع تھی جو سیلاب میں غرق آب ہو کر شہید ہو گئی حتی کہ اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا اب پانی نشیب کی طرف لوٹ جانے کے بعد دریا کے کنارے کھودنے پر اینٹیں نکل پڑی ہیں تو کیا ان اینٹوں کو دوسری مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر وہ زمین جہاں مسجد تھی اس قابل ہے کہ وہاں دوبارہ مسجد بنائی جا سکتی ہے تو وہ اینٹیں اسی مسجد میں لگائی جائیں۔ اور اگر زمین مسجد بنانے کے کام کی نہ رہی تو یہ اینٹیں دوسری مسجد میں لگا دی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۴۱ (الف) احکام شریعت حصہ اول میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کبیر کی حد ساٹھ چون ۵۴ ½ گز درج کیا ہے۔ لیکن اسی میں آگے بڑی مسجد خوارزم کا مسجد کبیر ہونا بھی درج ہے جو سولہ ہزار ستون پر ہے۔ نیز عرفان شریعت مصنفہ اعلیٰحضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سینتالیس (۴۷) تالیس گز کی مسجد کو مسجد کبیر لکھا ہے علاوہ ازیں رسالہ رکن الدین میں پچیس گز کی مسجد کو شامی کے حوالہ سے مسجد کبیر بتلایا ہے۔ لہٰذا ان اقوال مختلفہ میں کون سا قول راجح ہے۔ (ب) مذکورہ بالا صورتوں میں گزوں کا حساب طول میں ہے یا عرض میں یا مکسر ہے۔

الجواب:۔ (الف) اس قسم کے سوالات آپ بھیجیں تو کتاب کے صفحات بھی لکھ دیا کریں تاکہ جواب تحریر کرنے میں کتابوں کی تلاش میں وقت صرف نہ ہو ورنہ جب تک اتنا وقت نہ ملے کتابوں کی ورق گردانی کی جائے جواب کیسے لکھا جائے۔ مسجد کبیر کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ چالیس ذراع ہے تو کبیر ہے اور اس سے کم ہو تو صغیر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جامع خوارزم کبیر ہے۔ اور اس سے چھوٹی مسجدیں سب صغیر احکام شریعت میں ساڑھے چودہ ۱۴ ½ گز کو جو کبیر لکھا ہے وہ خود اعلیٰحضرت کی رائے نہیں ہے بلکہ علامہ شامی نے بھی اس کی مقدار چالیس گز لکھی ہے اس کے متعلق یہ بیان کیا کہ یہاں گز سے گز مساحت مراد لینا چاہئے اور اس کی مقدار بیان کر کے یہ تحریر فرمایا کہ اس زعم علامہ پر الخ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ علامہ شامی کے اس قول کو لیا جائے اور گز سے گز مساحت مراد لیا جائے تو ساڑھے چودہ گز کبیر ہے پھر آگے چل کر اسے رد کر دیا کہ یہ علامہ کو جواہر الفتاویٰ کی عبارت سے شبہ گذرا ورنہ جواہر الفتاویٰ میں مسجد صغیر و کبیر کی یہ مقدار نہیں لکھی ہے بلکہ دار صغیر و کبیر کی یہ مقدار ہے۔ احکام شریعت کی اس عبارت میں کوئی تناقض نہیں بلکہ آخر میں صاف طور پر مذکور ہے کہ جامع خوارزم کی مثل مسجد کبیر ہے اور اس کو اختیار فرمایا اور اس کے بیان کو اپنے فتاویٰ پر محوّل کیا۔ البتہ عرفان شریعت میں ۴۸/۴۴ گز لکھا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدید ہے حقیقتاً تحدید نہیں۔ ممکن ہے کہ اصل سوال میں اتنی بڑی مسجد کے متعلق سائل نے دریافت کیا ہو اور علامہ شامی والا قول آسانی کے لئے اختیار فرما کر اسے بڑی مسجد فرما دیا کہ جب چالیس ذرع کبیر ہے تو چوالیس اڑتالیس بدرجۂ اولیٰ کبیر ہوگی۔ لہٰذا یہ کوئی تیسرا قول نہیں۔ مگر مجھے جہاں تک علم ہے اعلیٰحضرت کا قولِ مختار وہی ہے جو احکام شریعت میں ذکر فرمایا اور کئی بار میں نے خود دریافت کیا جواب میں یہی فرمایا کہ مسجد خوارزم کبیر ہے اور اس سے چھوٹی صغیر ہے۔ شامی میں وہی عبارت ہے جو اعلیٰحضرت نے نقل فرمائی پچیس گز شامی میں ہے میں نے نہیں دیکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سه فتاویٰ رضویہ جلد سوم ۳۵۰ پر ہے ان دونوں شکلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی مسجد عظیم وہ جیسے مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا بیت المقدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے باقی تمام مساجد جس طرح عام طور پر ہوتی ہیں سب ان دونوں شکلوں میں متحد ہیں۔ اگرچہ طول و عرض میں سو سو گز ہوں۔ یہ امر نہایت صریح ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا مختار یہی ہے۔ مسجد کبیر سے مراد بہت بڑی مسجد مثل مسجد قدس اور مسجد خوارزم مراد ہے۔ اس کی تحدید چالیس یا ساٹھ گز سے نہیں۔ میں اس کی تصریح فرمائی کہ قہستانی میں جواہر کے حوالے سے جو ساٹھ یا چالیس گز سے تعیین مذکور ہے وہ مسجد کے لئے نہیں گھر کے لئے ہے۔ یعنی اگر کوئی گھر ساٹھ یا چالیس گز کا ہے تو وہ کبیر ہے۔ اور صحرا کے حکم میں ہے۔ اور اس سے کم ہے تو مسجد صغیر کے حکم میں ہے۔ اسے شامی کے حاشیہ سے نقل فرماتے ہیں وحاصلہ ان الدار الکبیرۃ کالصحراء والصغیرۃ کالمسجد وان المختار فی تقدیر الکبیرۃ اربعون ذراعا۔ پوری تحقیق کے لئے فتاویٰ رضویہ کی یہ جگہ ملاحظہ کریں۔

الجواب: (ب) قہستانی نے تکسیر لکھا ہے مگر تکسیر لینے میں مسجد کبیر کی مقدار بہت کم ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ——— از مقام بالوا کاٹھیاواڑ مرسلہ جناب حاجی غنی صاحب سوربلرٹو لہ ٹھکانہ حاجی داؤ ذوہ ۱۲ ربیع الآخر ۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ یہاں ایک مسجد ہے جہاں ایک صاحب مدعی علم ہیں جو مسجد میں شطرنجیاں، دریاں اور غالیچے بچھانا منع کرتے ہیں اور ناجائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہ نسبت شطرنجیوں اور دریوں کے چٹائیوں پر نماز پڑھنا بدرجہا افضل ہے۔ ایک خالی مسجد کا سرا بھی بچھانے نہیں دیا مسجد کی تمام شطرنجیاں وغیرہ رکھ دیا ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ جمعہ وغیرہ کو بچھا دے۔ امام کے لئے ایک قیمتی مصلّی تھا اس کو بھی نکال دیا۔ کیا زینت و نظافت اور شان و شوکت کے واسطے خصوصاً روز جمعہ جو سید الایام ہے شطرنجیوں وغیرہ کا بچھانا افضل ہے یا چٹائیوں پر نماز پڑھنا افضل ہے۔

الجواب: یہ کہنا کہ دری یا غالیچہ پر نماز ناجائز ہے محض غلط ہے کہ نماز کے لئے چٹائی ہونا ضرور نہیں اور کسی کتاب میں ایسا مذکور نہیں۔ بلکہ کپڑے کی قسم سے کسی چیز کو بچھا کر نماز کا جائز ہونا کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دری بھی اسی قبیل سے ہے صحیح بخاری شریف میں ہے باب الصلاۃ علی الفراش وصلی انس بن مالک علی فراشہ وقال انس کنا نصلی مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیسجد احدنا علی ثوبہ۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ زمین پر نماز پڑھے اس کے بعد چٹائی کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد دری اور کپڑے پر پڑھنے کا۔ لہٰذا دری پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ——— مرسلہ خادم العلماء خلیل الرحمٰن مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص پیشہ کناسی کرتے ہیں اور کفار کے گھروں کے بول و براز صاف کرتے ہیں اور کفار کی تقریبات میں شہنائی بجاتے ہیں یہی ان کا ذریعۂ معاش ہے۔ بعض ان لوگوں کو منع کیا گیا کہ یہ پیشہ شہنائی حرام ہے اس سے باز آجاؤ اور مساجد میں آکر صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پیشہ کناسی پر بھی ملازمت ملتی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو مسجد میں آکر لوٹے سے پانی بھر کر وضو کرنا۔ اور صفوں میں مل کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوگ پیشہ کناسی سے اپنی زندگی بسر کرو۔ یا کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرو۔ تو ہم لوگ تمہاری اعانت کریں گے۔ اور تمہارے خورد و نوش کا انتظام بھی کر دیں گے تاکہ مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہ پیدا ہو۔ مگر جو لوگ ان کو ورغلائے ہوئے ہیں کہ تم جو پیشہ بھی اختیار کرو۔ مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے سے مانع نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب

الجواب:- بول و براز صاف کرنے کا پیشہ ناجائز بھی ہے اور نہایت درجہ کی دنائت ہے حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر گذر فرمایا اس وقت ارشاد فرمایا یعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان یمشی بالنمیمۃ واما الآخر فلا یستنزہ من البول ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا دشوار ہو۔ ان میں ایک چغلخور ہے اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہ تھا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا استنزھوا من البول پیشاب سے بچو ظاہر ہے کہ پیشاب سے بے احتیاطی کرنا اور اس کی چھینٹوں سے اجتناب نہ کرنا جب سبب عذاب ہے تو ان کا بالقصد اپنے کو بول و براز سے آلودہ کرنا کہاں تک مستوجب تعذیب ہوگا خصوصاً کافروں کی ایسی خدمت انجام دینا نہایت سخت معیوب و مذموم ہے مسلمانوں کو روا نہیں کہ اپنے کو کفار کے سامنے ذلیل صورت میں پیش کریں، خصوصاً ایسی حالت ـــــ مسجد کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھلا ہوا ہے جب کہ گندگی کے ساتھ نہ آئے تو اسے مسجد سے نہیں منع کیا جاسکتا۔ اگر وہ پاک صاف ہو کر مسجد میں آئیں تو آسکتے ہیں۔ مگر جب کہ وہ بول و براز سے آلودہ ہونا اپنا پیشہ قرار دے چکے ہیں۔ تو اگرچہ بظاہر ان کے ہاتھ میں نجاست لگی ہونا معلوم نہیں مگر یہ اطمینان بھی نہیں کہ ہاتھ پاک ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کے لوٹے چھونے سے ضرور کراہت پیدا ہوگی۔ اور ان کو چاہئے کہ اس سے بچیں اور مسلمانوں کو تشویش میں نہ ڈالیں۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ یہ ناجائز پیشہ ترک کریں۔ اور کوئی دوسرا جائز کام اختیار کریں خصوصاً ایسی حالت میں کہ دوسرے مسلمان ان کی خیر خواہی کی طرف متوجہ ہیں ان کی اعانت کے لئے تیار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۲۴) جمعہ مسجد میں ایک رکعت پڑھنے کا جو ثواب ہے یہ صرف فرضوں کا ہے یا سنت اور نفل سب کا۔ یوں ہی غیر جمعہ مسجد میں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- نوافل گھر میں پڑھنا سب سے بہتر ہے مگر جو نفل مسجد کے ساتھ مخصوص ہو جیسے تحیۃ المسجد یا مسجد میں پڑھنا اس کے متعلق آیا ہو۔ جیسے نماز سفر و واپسی سفر سنتیں مسجد میں پڑھ سکتے ہیں مگر بہ نسبت گھر کے زیادہ ثواب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۲۵) مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت السلام علیکم کہنا چاہئے یا نہیں خواہ کوئی جواب دے یا نہ دے کیونکہ جو مشغول نماز و اذکار رہوں گے وہ جواب نہ دیں گے اور جو خالی ہوں گے جواب دیں گے بینوا توجروا

الجواب:- حاضرین پر سلام کرنا ہو تو اس وقت کرے جب وہ جواب دے سکتے ہوں یعنی نماز و وظیفہ میں مشغول نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ([illegible]) ازبنارس مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ چند خاندان خاندانی مسلمان حلال خوروں کے ہیں وہ بچوں کی ختنہ کراتے ہیں۔ اسلامی طریقہ پر اپنا نکاح کرتے ہیں۔ مردوں پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرتے ہیں۔ ذبیحہ کھاتے ہیں، مردار سے بچتے ہیں۔ ان حلال خوروں کی دو عورتیں مہاراجہ کے محل میں پاخانہ کماتی اور ایک عورت مسلمانوں کے یہاں یہ کام کرتی ہے۔ مردوں میں ایک بھی جھاڑو دینے یا پاخانہ کمانے کا پیشہ نہیں کرتا۔ مرد شہنائی بجاتے اور بانس کے پنکھے وغیرہ بناتے ہیں ان کے مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے کا کوئی معاملہ درپیش نہیں ہے۔ وہ وضو غسل کر کے جمعہ و جماعت اور عیدین کی ادائیگی کے لئے مسجدوں میں جانا چاہتے ہیں۔ علمائے بنارس مثلاً جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع عالمگیری، جناب مولانا محمد یوسف عباس صاحب صدر المدرسین مدرسہ مطلع العلوم مولانا عبدالرحیم صاحب کچی باغ، مولانا عزیز احمد صاحب نائب مہتمم مدرسہ مطلع العلوم، مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا جمال الدین صاحب، مولانا حکیم عبدالغفار صاحب امام مسجد چوک، مولانا حکیم محمد محسن صاحب رسول پورہ علوی پورہ شاگرد حضرت مولانا ظفرالدین صاحب فاضل بہاری اور ایک مستقل فتویٰ کچھوچھہ شریف سے بھی صادر ہو چکا ہے جس کے راقم مولانا عبدالرشید صاحب نجوری اور مصدق حضرت مولانا شاہ سید محمد اشرف صاحب ہیں بستی کی ایک مسجد کے مصلی جن میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ اس مسجد میں مذکورہ حلال خوروں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع عالمگیری، مولانا محمد یوسف عباس صاحب اور متعدد علماء مہتروں کا بیان لے چکے ہیں۔ ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں۔ ان کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دے چکے ہیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے کچھ مسلمان ان کے داخلہ مسجد کے خلاف ہیں۔ اس لئے از روئے شرع شریف مطلع فرمائیے کہ علمائے کرام کا فتویٰ اور طرز عمل درست ہے یا مخالف مسلمانوں کا اختلاف اور طرز عمل یعنی شریعت کے حکم کے مطابق مذکورہ حلال خوروں کو جمعہ و جماعت اور عیدین کے لئے مسجدوں میں آنے دینا چاہئے یا روکنا چاہئے۔ فقط۔

الجواب :۔ اس معاملہ کے متعلق یہاں متعدد بار سوالات آئے اور جوابات دیئے گئے۔ سوالات میں قدرے اختلاف تھے اور ظاہر ہے کہ جیسا سوال ہوگا اسی کے موافق جواب ہوگا۔ مگر اتنا ہر جواب میں لکھ دیا گیا ہے کہ اگر وہ پاک صاف ہو کر مسجد میں آئیں تو آسکتے ہیں۔ مسجد سے بلاوجہ شرعی کسی کو نہیں منع کیا جاسکتا۔ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ جس کو شریعت مطہرہ

نے یہاں آنے کی اجازت دی ہے۔ آسکتا ہے یہاں قومیت کی کوئی تفریق نہیں۔ البتہ نجاست و گندگی و بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا ضروری چیز ہے کہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلم طہارت و نظافت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے آئے (اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کو فقہائے کرام نے تحت نہی فلا یقربن داخل کیا ہے جیسے صحابۂ کرام یا ائمہ عظام کی شان میں گستاخیاں کرنے والے) تو اس کو مسجد سے نہیں روکا جاسکتا۔ اور وہ جماعت میں شریک ہوسکتا ہے چونکہ اس وقت جو سوال آیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ مرد نہ پاخانہ کماتے ہیں نہ جھاڑو دینے کا پیشہ کرتے ہیں بلکہ ان کے کام دوسرے ہیں صرف بعض عورتیں وہ کام کرتی ہیں اور وضو بھی وہ گھر سے کرکے آتے ہیں لیکن اس صورت میں بلاشبہ مسجد میں آنے کے حق دار ہیں اور جمعہ و جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں۔ یہ نیک کام ہیں۔ ان سے ہرگز ان کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ان کو بضرور ہدایت کی جائے کہ ان کے یہاں کی جو عورتیں یہ ناجائز پیشے کرتی ہیں ان کو ترک کریں۔ اور شہنائی بجانا بھی حرام ہے اس سے وہ خود باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۲۸) نماز میں جائے نماز پر اپنا رومال رکھنا چاہئے یا نہیں اور جوتا و لکڑی وغیرہ مسجد میں لانا درست ہے یا نہیں بخوف حفاظت۔

الجواب:۔ جائے نماز پر رومال رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں جوتا یا لکڑی لانے میں حرج نہیں۔ مگر جوتے سامنے یا مصلی کے داہنی جانب نہ رکھیں اور اگر سامنے رکھے تو اسے رومال وغیرہ سے چھپا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۲۹) مسئولہ عبد الرؤف ساکن پیلی بھیت محلہ شہر محمد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کا نماز کے واسطے مسجد میں آنا حرام ہے یا نہیں جب کہ وہ پنجگانہ نمازی ہے۔

مسئلہ جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا واجب ہے یا نہیں۔ جب کہ اس کی عمر ۱۴ سال ہے اور کلام پاک پڑھ چکا ہے اور روزانہ کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ کپڑے وغیرہ سے ہر وقت پاک و صاف رہتا ہے۔ مذہب حنفی اہلسنت و جماعت ہے اور اس لڑکے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد کے لوٹے سے وضو مت کرو۔ گھر سے وضو کرکے آؤ۔ ایسے عمر والے لڑکے کو اور ایسے پاک و صاف پنجگانہ نمازی کو گھر سے وضو کرنا چاہئے۔ یا مسجد میں۔ اگر وہ مسجد میں وضو کرتا ہے تو واجب ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۳۳۱) ان اشخاص کے واسطے احکام شرعیہ کیا ہیں جنہوں نے اس لڑکے کو مسجد میں آنے سے منع کیا۔ اور یہ کہا کہ تمہارا مسجد میں آنا حرام ہے اور تم مسجد میں مت آؤ اور اس کے دل کو صدمہ پہنچایا۔

الجواب:- اتنا بڑا نابالغ لڑکا جو نماز پڑھنا جانتا ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ مسجد میں آئے گا اور جماعت سے نماز پڑھے گا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ وہ صحابہ کرام جو زمانۂ اقدس میں نابالغ تھے مثلاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جماعت میں شریک ہوتے تھے بخاری شریف وغیرہ کی حدیثیں اس کی شاہد ہیں۔ فقہا تمام کتابوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ نابالغ لڑکے مردوں کے پیچھے کھڑے ہوں اور تنہا ہو تو مردوں کی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں مسجد کا استثنا کسی کتاب میں نہیں۔ البتہ اتنا چھوٹا بچہ جس سے مسجد کے ناپاک ہونے کا گمان ہے اس کو مسجد میں نہ لے جانا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم مگر ایسے بچے نماز کے لئے نہیں جاتے ہیں جو نماز پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کو مسجدوں سے روکنا ناجائز ہے اور ایسے بچوں کو مسجد میں آنا حرام بتانا شریعت پر افترا ہے ایسے قائل پر توبہ کرنا فرض ہے۔ وضو ہر شخص کو گھر سے کر کے آنا بہتر ہے اور مسجد میں جو جگہ وضو کے لئے ہے وہاں بھی وضو کرنا جائز ہے وہ نابالغ لڑکا بھی وہاں وضو کر سکتا ہے۔ بلا وجہ منع نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۳۲) مرسلہ سید محمد زین الدین صاحب علوی خطیب الف کی مسجد احمد آباد ۵ ر ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں دنیوی معاملات کی بابت تقریریں کرنا یا مشورہ یا گفتگو کرنا دو آدمی ہوں یا جماعت کثیر۔ ان پر شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ نیز آداب مسجد کیا ہیں مفصل کو الکتب و اصل عبارت ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

آداب مسجد بہت ہیں ان کی تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب بہار شریعت حصہ سوم دیکھنا چاہئے۔ دنیا کی بات کرنا مسجد میں منع ہے بیہقی نے شعب الایمان میں حسن سے مرسلاً روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ۔ ایک وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ دنیا کی بات مسجدوں میں کریں گے تم لوگ ان کے ساتھ نہ بیٹھنا ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مؤطا میں روایت کرتے ہیں بنی عمر رحبۃ فی ناحیۃ المسجد تسمی البطیحاء وقال من کان یرید ان یلغط او ینشد شعرا او یرفع صوتہ فلیخرج الی ھذہ الرحبۃ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کے قریب

میں ایک چبوترہ سا بنوا دیا تھا۔ اور فرما دیا کہ جس کو بے کار باتیں کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنا ہو وہ اس چبوترہ پر چلا جائے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا والکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات مسجد میں مباح گفتگو بھی منع ہے ایسا کلام نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ

مرسلہ کچو خاں بچہر الزاں ڈاکخانہ ضلع رائے بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ یہ شعر جو ذیل میں تحریر ہے اس کو مسجد میں لگانا چاہیئے اور یہ شعر صحیح ہے یا غلط بے نمازی کیسا ہے شعر یہ ہے:۔

شیطاں ہزار درجہ بہتر زبے نماز ا کو سجدہ پیش آدم وایں پیش حق نہ کرد

اس کا خلاصہ جواب باصواب عنایت کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز کو قصداً چھوڑنا بہت سخت گناہ اور گناہ کبیرہ ہے اور بے نمازی فاسق ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہے یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مذہب ہے اور شیطان لعین قطعاً یقیناً کافر ہے قرآن مجید کی نص قطعی ہے کہ، کان من الکافرین۔ بے نمازی اگرچہ نماز نہیں پڑھتا مگر اس کی فرضیت سے انکار نہیں کرتا۔ اور شیطان نے حکم الٰہی سے انکار کیا اور اسے غلط بتایا۔ لہٰذا بے نمازی کو شیطان کے برابر بھی نہیں کہا جا سکتا نہ کہ اس سے ہزار درجہ بدتر یہ شعر صحیح نہیں۔ اور اس کو مسجد میں نہ لگایا جائے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ

مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب خانقاہ برکاتیہ مالیگاؤں ناسک ۲ جمادی الاخرہ۔

۱۹ ربیع الاول کو جو استفتاء آپ کو روانہ کیا گیا وہ آپ کو ملا یا نہیں۔ اگر ملا ہے تو کب تک جواب آئے گا۔ مرض برص اور مرض جذامی سے شادی بیاہ، لڑکا لڑکی دینا لینا۔ ان سے خلط ملط رکھنا۔ ان کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی اور ان کے ساتھ کھانا پینا۔ ان کا جھوٹا کھانا، اور ان کے بدن سے بدن ملانا اور ان کو مسجد میں آنے دینے سے اور صف کے اندر کھڑے ہونے سے روکنا وغیرہ شرعاً درست ہے یا نہیں۔ شرع کیا کہتا ہے۔ زید مفتی کہتا ہے کہ ایسے لوگوں سے اگر صف کے اندر داخل ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ زید کا کہنا آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا غلط۔

آپ کا بھیجا ہوا استفتاء ملا میں اپنی بے فرصتی اور کمزوری کی وجہ سے اس کا جواب نہیں لکھ سکا۔ اب اسی کارڈ کے ساتھ اس کو بھی لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ کارڈ اور وہ لفافہ دونوں ایک ساتھ ڈاک میں روانہ ہوں گے۔

مجذوم یا ابرص سے میل جول اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ناجائز نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور فرمایا کل ثقۃ باللہ۔ ہاں جو لوگ کمزور عقائد کے ہوں جن کو ان کے ساتھ مخالطت سے یہ خیال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو کہ یہ بھی مبتلا ہو جائیں گے۔ ایسوں کے لئے بطور سدِ ذرائع بدعقیدگی یہ بھی فرمایا گیا ہے فر من المجذوم کما تفر من الاسد اور اسی قبیل سے ان کو مسجد میں آنے سے روکا جائے گا کہ ان کے آنے سے بعض مصلیوں کو پریشانی ہوگی۔ رد المحتار میں ہے والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق مگر یہ لوگ اگر شریک جماعت ہو گئے تو نماز میں کراہت اور وہ بھی تحریمی کہنا غلط ہے۔ کراہت تحریم کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۲۵) از قصبہ میر گنج پٹیا ضلع بریلی مرسلہ جناب عبدالغفور صاحب انصاری۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسجد کی اینٹیں ناپاک جگہ پاخانہ میں لگائیں اور مسجد میں حقہ بھر کر پیتا اور پلاتا ہے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مسجد کی اینٹوں کو پاخانہ میں نہیں لگانا چاہئے۔ علماء و مشائخ نے فرمایا کہ مسجد کا کوڑا نجاست کی جگہ پھینکا جائے۔ جب کوڑے کے متعلق شریعت میں یہ ادب تحریر فرمایا گیا تو اینٹوں کو خاص پاخانہ میں لگانا کیوں کر ٹھیک ہو سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ اینٹیں مسجد کی دیوار یا فرش میں لگی ہوئی تھیں۔ اور اگر مسجد کی اینٹوں سے یہ مراد ہے کہ مسجد کی ملک تھیں اور اس شخص نے ان کو خرید کر پاخانہ میں لگایا تو کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں حقہ پینا نہیں چاہئے۔ خصوصاً وہ حقہ جس میں بدبو ہوتی ہے۔ اس سے ملائکہ کو ایذا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا من اکل من هذه الشجرة الخبيثة فلا يقربن مسجدنا۔ کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت فرمائی اور یہ فرمایا فان الملائکة تتاذی مما يتاذی به الانس کہ جس چیز سے انسان کو اذیت ہوتی ہے ملائکہ کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے لہٰذا حقہ پینے والے کے منہ میں اگر بدبو ہو تو جب تک اسے زائل نہ کرے مسجد میں داخل ہونے کی اسے اجازت نہیں۔ پس خاص اندرون مسجد حقہ پینے کی کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ اہل عرف کے نزدیک یہ چیز احترام مسجد کے خلاف ہے جس طرح کہ پہلے زمانے میں مسجدوں کے اندر لوگ جوتے پہن کر آیا کرتے تھے مگر متاخرین کے عرف نے اس کو خلاف ادب قرار دیا۔ عالمگیری میں جوتے پہن کر مسجد میں آنے کو مکروہ فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۲۶) مرسلہ جناب عبدالغفور صاحب سکریٹری انجمن اشاعت الحق بنارس، ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں علم دین کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ جو یہ حدیث سنا دیا کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور کا رومال مسجد میں چھوٹ گیا دوبارہ جب آپ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو خداوند قدوس نے فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب کیا مسجد کسی عبد اللہ کا گھر ہے۔ یہ حدیث سنا کر بعض عوام کہتے ہیں کہ علمی تعلیم بھی مسجد میں ناجائز ہے یہ حدیث موضوع ہے یا نہیں۔

مسجد میں علم دین کی تعلیم جائز ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں مسجد نبوی میں علم دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک دونوں حرم محترم میں علم دین کی تعلیم بلا نکیر جاری ہے حدیثوں سے اس کا جواز ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم صفہ میں تھے۔ ارشاد فرمایا ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ آیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل۔

یہ حدیث جو سوال میں مذکور ہے میری نظر سے نہیں گذری۔ بظاہر یہ موضوع معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اگر کسی کی کوئی چیز مسجد میں چھوٹ جائے تو اس کے لینے کے لئے ضرور آدمی جا سکتا ہے اور اپنی چیز مسجد سے لا سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر مسجد میں کوئی چیز رہ جائے تو اب اس کو وہاں سے لانا ممنوع ہے۔ یہ البتہ ہے کہ مسجد میں اپنی گمی ہوئی چیز کو پکار پکار کر لوگوں سے دریافت کرنا ممنوع ہے۔ اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا جو شخص کسی کو مسجد میں اپنی گمی ہوئی چیز کو پکارتا ہوا سنے تو یہ کہے کہ اللہ اس کو تجھ پر واپس نہ کرے کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں۔ بالجملہ مسجد میں تعلیم جائز ہے مگر پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کو مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

باب قضاء الفوائت

مسئلہ (۳۳۷) مرسلہ جناب محمد رمضان صاحب از آبو روڈ کھراڑی راجپوتانہ ۲۲ جمادی الاخر سنہ ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر جماعت کی وجہ سے ظہر کی چار رکعت سنت چھوٹ جائے تو کب پڑھے زید رسالہ رکن دین کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ فرض کے بعد فوراً پڑھے بکر کہتا ہے کہ صورت مذکورہ میں فرض کے بعد کی سنتوں کے بعد پڑھنا چاہئے اگر ایسا نہ کریگا تو ترتیب جاتی رہے گی بہتر یہی ہے کہ بعد کی سنتوں کے بعد پڑھے۔ اور میں رسالہ رکن دین کو نہیں مانتا جب تک علمائے اہلسنت تصدیق نہ کر دیں کہ اس کے کل مسائل حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔ کیونکہ آجکل لوگوں نے مسائل ملا دیئے ہیں جس طرح اسلام کی پہلی، دوسری، تیسری کتابیں ہیں۔ لہٰذا حقیقت حال سے مطلع فرمائیے بینوا توجروا۔

الجواب: ظہر کے قبل کی سنتیں جب کہ جماعت کی وجہ سے فوت ہو جائیں تو فرض کے بعد پڑھی جائیں گی۔ رہا یہ امر کہ پہلے یہ پڑھی جائیں یا سنت بعدیہ، اس میں روایتیں مختلف آئیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے بعد والی پڑھ لیں پھر چار قبل والی پڑھیں کہ قبلیہ تو بہر حال اپنی جگہ پر نہ رہیں پھر بعدیہ کو کیوں بلا وجہ اپنی جگہ سے ہٹائیں گے۔ نیز حدیث سے بھی یہی ثابت۔ امام ابن ہمام علیہ الرحمہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں والاولی فی تقدیم الرکعتین لان الاربع فاتت عن الموضع المسنون فلا تفوت الرکعتان ایضا عن موضعہما قصدا بلا ضرورۃ وقد روی عن عائشۃ انہ علیہ الصلوۃ والسلام اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر قضاہا بعد الرکعتین قال الترمذی حدیث حسن غریب ولذا اتفقوا علی قضائہا کذلک۔ رد المحتار میں ہے قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وہو قول ابی حنیفۃ وکذا فی جامع قاضیخان۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۳۸) مسئولہ عبد الکریم از ضلع دربھنگہ ڈاکخانہ کمتول موضع بلبا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید کہتا ہے جس کو سنت فجر نہ ملی ہو وہ فرض کے بعد فوراً ادا کرے۔ اس لئے کہ اکثر ضروریات درپیش ہوتی رہتی ہیں ممکن ہے فوت ہو جائے اور عمرو کہتا ہے کہ طلوع آفتاب کے

بعد پڑھے اس لئے کہ اس سے قبل کوئی نماز نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فجر کے فرض پڑھے اور سنتیں نہ پڑھیں تو اب بعد فرض قبل طلوع آفتاب نہیں پڑھ سکتا۔ اگرچہ آفتاب طلوع ہونے میں دیر ہو۔ ہاں بعد بلندی آفتاب اگر چاہے تو پڑھ لے بہتر ہے۔ مگر اب سنت موکدہ نہ رہیں اور زید کا قول صحیح نہیں۔ اگر ضروریات کی وجہ سے بعد بلندی آفتاب نہ پڑھ سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ نہ سنت کا مطالبہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۳۹) کسی پر ایک دن کی نماز قضا باقی رہ گئی ہو تو بعد وفات پانچ وقتوں کا فدیہ نصف نصف صاع گیہوں دینا چاہئے یا وتر سمیت چھ وقتوں کا۔

الجواب:۔ ہر روز کی چھ نمازوں کا فدیہ دینا چاہئے پانچ فرض اور ایک وتر کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۴۰) مسئولہ حاجی ایوب صاحب۔ از ٹمری ضلع ہوشنگ آباد۔

زمانہ ناواقفیت میں جو نمازیں پڑھی گئیں ان میں واجب ترک ہوتا رہا۔ مثلاً قومہ نہ کرنا یا حالت سجود میں نماز میں دونوں پاؤں کے تین تین انگلیوں کے پیٹ نہ لگانا۔ تو ان نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں۔

اسی طرح جو شخص فرض ترک کرتا رہا مثلاً پہلے وہ قراءۃ غلط کرتا ہو بعد میں اس نے تصحیح کرلی تو کیا گذشتہ نمازوں کی قضا فرض ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جو نمازیں اس طرح پڑھیں کہ واجب ترک ہوا۔ ان کا اعادہ کرے۔ درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور فرض ترک کیا تو نماز ہوئی ہی نہیں۔ فرض ذمہ پر باقی ہے۔ اور نہ جاننا عذر نہیں۔ اور قراءۃ اگر غلط پڑھتا تھا اور صحیح پڑھنے کی کوشش برابر کرتا رہا تو اس زمانہ کی نمازیں ہوگئیں اور اگر نہ صحیح پڑھا نہ پوری کوشش کی تو نہ ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۴۱) از قصبہ فتح کھاڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اسلم خاں۔ ۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو کیا کرے۔

الجواب:۔ ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو کوئی حرج نہیں اور درمیان میں یاد آئے اور وقت میں گنجائش ہو تو صاحب ترتیب کی نماز جاتی رہے گی۔ اور صاحب[عہ] ترتیب نہ ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کے ذمہ پانچ وقت سے زائد نمازیں نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی۔

مسئلہ (۳۴۲) از موضع برہولی ڈاکخانہ مانک، ضلع سلطانپور مرسلہ جناب غلام بخش صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص سے ایک وقت کی نماز قضا ہوگئی دوسرے وقت بھول کر وقتی سنت بغیر قضا پڑھے ہوئے شروع کردی۔ اثنائے نماز میں یاد آیا کہ اس سے پہلے وقت کی نماز قضا ہے تو کیا وہ فاسد ہوگئی یا صرف فرض ہی ہوتا ہے اور وہ ایک پڑھا ہے توڑ دے یا تین رکعت پڑھا ہے تو چار کرلے یا نماز سنت میں قضا نماز کے سبب سے کچھ اثر نہیں ہوتا صرف فرض پر ہی ہوتا ہے اور وہ نماز نفل ہوتی ہے یا نہیں یا سنتی کی نیت کی ہے۔ اتنی پوری کرلے یا شفعہ پورا کرکے نماز سے نکل جائے۔

الجواب: صاحب ترتیب کے لئے لازم ہے کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو پہلے قضا پڑھے اس کے بعد وقتی ادا کرے۔ اور وقت میں گنجائش ہو اور یاد بھی ہو تو وقتی پڑھنا جائز نہیں۔ یوں ہی اگر اثنائے نماز میں یاد آجائے تو وقتی جاتی رہی قضا پڑھ کر وقتی کو بعد میں پھر پڑھے۔ مگر سنت وقت میں اگر مشغول ہونے کے بعد قضا یاد آئی تو سنت فاسد نہ ہوگی سنت پوری کرکے قضا پڑھے پھر وقتی پڑھے۔ خلاصہ یہ کہ قضا سنت میں ترتیب واجب نہیں۔ درمختار میں ہے۔ الترتیب عہ بین الفروض الخمسۃ والوتر اداء وقضاء لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۴۳) از پنجاب مرسلہ جناب میاں دین محمد صاحب خوشابی ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زادہم اللہ شرفا و تعظیما مسئلہ ذیل میں۔

ماہ رمضان المبارک آخر جمعہ کو قضاء عمری ملہ یعنی پانچ وقت فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشاء کی نمازیں بطور قضا پڑھنا اور یہ خیال کرنا کہ ماسبق کی فوت شدہ نمازیں ساقط ہوگئیں کیسا ہے یا محض اس روز نوافل پڑھنا بغرض عبادت و فضیلت جمعہ

عہ وجہ استدلال یہ ہے کہ کتب فقہ میں مفہوم مخالف معتبر ہے جب ترتیب فرائض اور وتر کے ساتھ خاص ہے تو واضح معلوم ہوا کہ سنتوں میں ترتیب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔ ملہ اس قضاء عمری کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے من قضی صلوۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان ذالک جابرا لکل صلوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ۔ یہ حدیث باطل محض موضوع ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں باطل قطعا لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئا من العبادات لا تقوم مقام فائتۃ سنوات۔ یہ حدیث قطعا باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اس اجماع امت کے مناقض ہے کہ کوئی عبادت سالہا سال کی فوت شدہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اقول نیز یہ حدیث مناقض ہے اس صحیح حدیث کے جو صحیحین وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من نسی صلوۃ فلیصلہا اذا ذکرہا لا کفارۃ لہا الا ذالک۔ جو کسی نماز کو بھول جائے (نہ پڑھی ہو) تو جب یاد آئے پڑھ لے، اس کے علاوہ اس کا اور کوئی کفارہ نہیں۔ بناء علیہ علامہ عبد الباقی زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں اقبح من ذالک ما اعتید فی بعض البلاد من صلوۃ الجمعۃ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب: جتنی نمازیں قضا ہوئی ہوں ہر ایک نماز کی جگہ ایک ایک نماز پڑھنا فرض ہے۔ مثلاً اگر پچاس وقت کی نماز ظہر نہیں پڑھی ہے تو قضا میں پچاس ظہر پڑھنا فرض ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ فقط ایک ظہر سے کل ظہر کی قضا ادا ہو جائے۔ اس لئے کہ قضا کے معنی تسلیم مثل الواجب ہیں اور ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کی مثل ایک نماز نہیں۔ درمختار میں قضاء کی یہ تعریف مذکور ہے والقضاء فعل الواجب بعد وقتہ تو ایک نماز پڑھنے میں ایک واجب کا فعل ہوا تو ایک ہی کی قضا ہوئی عمر بھر کی تمام قضاؤں کے عوض میں ایک نماز نہیں ہو سکتی۔ اس تعریف کی بنا پر بھی جتنے واجبات ذمہ میں ہوں سب جب تک نہ پڑھے جائیں سب کی قضا نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کل صلوٰۃ فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاؤها۔ لہٰذا یہ خیال محض لغو ہے کہ ایک نماز سے عمر بھر کی نمازوں کی قضا ادا ہو جائے گی اور قضائے عمری کی نیت سے جو نماز پڑھی ہے وہ عمر بھر کی قضاؤں کے قائم مقام تو ہوئی نہیں مگر اس سے ایک نماز بھی ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں اگر اس کے ذمہ متعدد قضا نمازیں ہیں، اور قضاء عمری میں یہ نیت ہے کہ عمر بھر کی مثلاً ظہر کی قضا نمازیں پڑھتا ہوں کسی خاص دن کے ظہر کی نیت نہ کی تو اس نیت سے پڑھنے میں ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوئی کہ قضا میں تعیین نماز کی نیت شرط ہے۔ مثلاً فلاں دن کی فلاں نماز۔ اور مطلق ظہر میں چونکہ تعیین وتخصیص نہیں۔ لہٰذا فرض ذمہ سے ساقط نہیں۔ درمختار میں ولابد من التعيين عند النية لفرض [illegible] باليوم او الوقت اولا هو الاصح و[illegible] قضاء لكنه يعين ظهر يوم كذا على المعتمد۔ اسی واسطے فقہا فرماتے ہیں جس کے ذمہ متعدد نمازیں ہوں اور دن یاد نہ ہوں وہ قضا میں یہ نیت کرے کہ سب سے پہلی یا سب میں پچھلی فلاں نماز جو میرے ذمہ ہے وہ پڑھتا ہوں کہ اس صورت میں تعیین وتخصیص ہو گئی۔ ہر نماز میں یہی نیت کرے کہ جو پڑھ چکا اب اس کے بعد والی سب میں پہلی یا پچھلی ایک ہی ہوگی۔ درمختار میں ہے والاسهل نية اول ظهر عليه او آخر ظهر ہو اگر اس نے تعیین کر بھی لی اور یہ نماز جماعت سے ہو تو ہو سکتا ہے کہ امام نے جس خاص دن کی نماز کی نیت کی، اس خاص نماز کی نیت اس نے نہیں کی ہے۔ مثلاً اس روز کی نماز اس کے ذمہ باقی ہی نہیں رہا ہے مگر اس نے اس کی نیت نہیں کی بلکہ اس نے دوسرے دن کی نماز کی نیت کی ہے تو اگرچہ اس نے خاص نماز کی نیت کی مگر چونکہ اقتدا کے لئے اتحاد نماز شرط ہے اور یہ شرط مفقود ہے

بقیہ [illegible] فی هذه الجمعة عقيب صلاتها [illegible] انها تكفر صلوات [illegible] المتروكة [illegible] اس سے مراد ہے جس کی بعض جگہ عادت ہے کہ اس جمعہ (جمعۃ الوداع) کو نماز جمعہ کے بعد پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں یہ گمان کر کے کہ سال بھر یا عمر بھر کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا کفارہ ہے یہ حرام ہے متعدد وجوہ سے جو ظاہر ہیں۔ یہ وجوہ اصل فتوے میں مفصل موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

لہٰذا اس کی نماز نہ ہوئی۔ درمختار شرائط اقتدا میں ہے واتحاد مکانھما وصلاتھما نورالایضاح میں ہے وان لایکون مصلیا فرضا غیر فرضہ بالجملہ یہ بہت نادر ہوگا کہ قضاء عمری میں امام اور تمام مقتدیوں نے ایک ہی دن کی نماز کی نیت باندھی ہو اور جب ایسا ہو تو یہ نماز نفل ہوگی جس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور نماز نفل باجماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور تداعی کے معنی یہ ہیں کہ چار یا چار سے زیادہ مقتدی ہوں۔ درمختار میں ہے یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد اسی واسطے فقہائے کرام صلاۃ الرغائب کہ رجب کی پہلی شب جمعہ میں نوافل باجماعت پڑھتے ہیں مکروہ کہتے ہیں یوہیں شب برات یا شب قدر میں نوافل باجماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے یکرہ الاقتداء فی صلاۃ الرغائب وبراءۃ وقدر۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے وقد صنف العلماء کتبا فی انکارھا وذمھا وتسفیہ فاعلھا ولا یغتر بکثرۃ الفاعلین لھا فی کثیر من الامصار۔ البتہ یہ متبرک راتیں ہیں۔ ان میں کثرت عبادت مرغوب ہے تنہا نوافل پڑھیں اور جماعت سے پڑھیں تو چار مقتدی نہ ہوں یا دیگر امور خیر کریں، تلاوت قرآن مجید، درود شریف، ذکر الٰہی، وعظ و تذکیر وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب سجود السہو

مسئلہ (۳۴۳) مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہڑکوٹ تحصیل بارکھان بلوچستان غرہ جمادی الاولی سنہ ھ

چوں مقتدی در پس امام سہواً ترک واجب کرد، وسجدہ سہو را نکرد، بنابرایں کہ فقہائے کرام فرمودہ۔ لاسہو علی المقتدی آیا بسبب ترک واجب ونقصان، کہ بوجہ ترک لازم شدہ است اعادہ نماز بر مقتدی لازم آید؟

الجواب:۔ چوں از مقتدی سہواً ترک واجب واقع شد، نہ بر وے سجدہ سہو واجب است، نہ اعادہ نماز۔ اعادہ دراں صورت واجب است کہ عمداً ترک واجب کند، یا او از جانب شرع بسجدہ سہو مامور بود ونکند، خواہ نکردن از سہو بود، یا بالقصد یا واجب بود مگر بسبب عدم صلاحیت وقت ساقط شد۔ وایں جا ہیچ از اسباب اعادہ تحقق نشدہ۔ درعامہ متون مذکور است ویجب علی المقتدی بسہو امامہ لا بسہوہ اھ ثم قال فی الدر بعد سطر مقتضی کلامھم انہ یعید مطلقا لثبوت الکراھۃ مع تعذر الجابر اھ وافقہ العلامۃ ابن عابدین اقول

وهو سهو منهم اما اولاً فلان العلامة الشامی نفسه صرح فيما اذا اسقط سجود السهو بلا صنعه لا يلزم عليه الاعادة فكيف يحكم بوجوب الاعادة فی هذه الصورة مع انه لم يجب عليه اصلا و ثانياً هذا ليس بمقتضى كلامهم فانهم لم يصرحوا بثبوت شكل حتى فی هذه الصورة حتى يلزم الاعادة. و ثالثاً صرح فی رد المحتار فی واجبات الصلوٰة تحت قول الشارح تعاد وجوباً فی العمد والسهو ان لم يسجد له وينبغی تقييد وجوب الاعادة بما اذا لم يكن الترك لعذر كالامی او من اسلم فی آخر الوقت قبل ان يتعلم الفاتحة فلا تكن سد الاعادة اهـ وانت تعلم انه فی هذه الصورة معذور ومعذرة معتبر شرعاً وبهذا يبهم لم يجب عليه السجود فلم عليه الاعادة وقال فی واجبات الصلوٰة لو ترك فعلها ساهياً كره تحريماً ولا تنتدرف الا حكم قبيل باب الاستثناء ولا يلزمه سجود سهو لو قرأ سهوا فانه لا سجود على المقتدی ولا يلزم المعقد الاعادة جرح تجاوزه فعلم ان الاعادة على المقتدی فی صورة العمد لا فی صورة السهو وايضاً قال فی باب سجود السهو والظاهر ان المقتدی تجب عليه الاعادة ما لا بالا كان استثنی بغير العمد تنتقل الى النقصان بلا جابر من غير عذر فعلم ان تقييد النقصان بجابر لكان لعذر كما فی السنن عن امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله تعالى عنه قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ليس على من خلف الامام سهو فان سها فعليه وعلى من خلفه. فنفيه نفی السهو عن المقتدی والظاهر ان النفی نفی الحكم لا نفی الوقوع كما دلت عليه كلمة على فمعنى الحديث ان سهو المقتدی ليس له حكم ای ليس عليه السجود ولا الاعادة وايضاً قال الامام ملك العلماء فی البدائع المقتدی اذا سها فی صلاته فلا سهو عليه اهـ ومعنى هذا الكلام كما عرفت انه ليس عليه السجود ولا الاعادة وايضاً قال الامام ابو جعفر الطحاوی فی شرح معانی الآثار فی مسئلة اقتداء المفترض بالمتنفل اما حكمه بطريق النظر فانا قد رأينا صلوٰة المأمومين مضمنة بصلوٰة امامهم بصحتها وفسادها لوجب ذلك النظر الصحيح من ذلك انا رأينا الامام اذا سها وجب على من خلفه سهوه ما وجب عليه ولو سهوا هم ولم يسه هو. لم يجب عليهم ما يجب على الامام اذا سها ولا يخفى عليك ان الامام اذا سها يجب عليه السجود فاذا لم يسجد يجب عليه الاعادة وترى ان هذا الامام المام ينفی عن المقتدی ما يجب على الامام فی السهو فانتفى الامران السجود والاعادة وايضاً قال بعد هذا الكلام ثبت ان المأمومين يجب عليهم حكم السهو بسهو الامام وينتفی عنهم حكم السهو بانتفائه من الامام اهـ فهذا صرح من الاول ان حكم سهو المقتدی منتف عن الامام فاذا انتفى عن الامام فقد انتفى

مع الحکم علیہ بانہ یجب علیہ اعادۃ وھو مخالف لما فی البحر والبدائع [illegible]

عن المقتدی فاذا انتفی الحکم لانتفاء علتہ لا یجب السجود ولا یجب علیہ الاعادۃ وان اردت اصح من ھذا سمعہ فاعلم ان الامام شمس الائمۃ السرخسی قال فی المبسوط سہو المقتدی متعطل اھ وقال الامام ملک العلماء فی البدائع لان سہوہ سہو المقتدی وسہو المقتدی متعطل اھ وایضا قال لانہ مقتد وسہو المقتدی باطل فاذا کان سہوہ متعطلا وباطلا فکیف یلزم بہ الاعادۃ لانا اذا حکمنا بالاعادۃ فلم یتعطل ولم یبطل فقد عرفت بحمد اللہ تعالی ان صرائح نصوصھم تحکم بعدم الاعادۃ علی خلاف ما قال صاحب النہر ان مقتضی کلامھم انہ یعید لان الاعادۃ لیس مقتضی کلامھم بل مخالف تصریحا تم وللہ الحمد واللہ تعالی اعلم ۔

مسئلہ (۳۴۵) مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالب العلم مدرسہ اہلسنت بریلی ۱۲ جمادی الاولی سنہ ۴۲ھ

امام اگر نماز جہری میں آہستہ پڑھ جائے تو سجدہ سہو ہوگا یا نہیں ۔

الجواب: سجدہ سہو واجب ہوگا جب کہ ایک آیت کے قدر پڑھ لیا ہو۔ لترک الواجب۔ یہ اس صورت میں ہے کہ سہواً ایسا ہوا اور قصداً ایسا کیا تو اعادہ واجب کہ سجدہ سہو اسی وقت کافی ہوتا ہے جب سہواً ترک واجب ہوا اور قصداً ترک واجب میں سجدہ سہو نقصان کو پورا نہیں کرسکتا۔ والمسئلۃ مصرحۃ بہا فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر والامر بین لا یحتاج الی البیان فان ھذہ السجدۃ تسمی بسجدۃ السہو واذا ترک الواجب عمدا لم یوجد السہو فکیف یسجد لہ لانہ متفرع علی السہو۔ واللہ تعالی اعلم ۔

مسئلہ (۳۴۶) مسئولہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب ساکن ٹڑی ضلع ہوشنگ آباد ۵ رشوال سنہ ۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بحالت نماز سجدہ میں دونوں پاؤں کی تین تین انگلیاں کے پیٹ زمین سے لگانا واجب ہے جیسا کہ بہار شریعت میں ہے۔ لیکن اگر چہ سے کم انگلیاں لگے تو اس ترک واجب پر سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں نیز ایک انگوٹھا یا دو تین انگلیوں کا سرا زمین سے لگے تو کیا حکم ہے۔

الجواب: واجبات نماز سے ہر واجب کے ترک کا یہی حکم ہے کہ اگر سہواً ہو تو سجدہ سہو واجب، اور اگر سجدہ سہو نہ کیا، یا قصداً واجب کو ترک کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ درمختار میں ہے وتعاد وجوبا فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ نیز اسی میں ہے یجب لہ سجدتان بترک واجب سہوا فلا سجود فی العمد اور ایک انگلی بھی اگر زمین پر نہ لگائی تو نماز ہی نہ ہوئی، کہ ایک انگلی کا پیٹ لگنا فرض ہے۔ درمختار میں ہے۔ وضع اصبع واحد منہا شرط۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ (۳۴۷) مسئولہ حافظ حسین الدین صاحب محلہ ملوکپور بریلی شریف۔ ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو قرأت میں سہو ہوا اور مقتدی لقمہ دے تو امام لقمہ قبول کرے گا یا نہیں۔ اگر قبول کرے تو سجدہ سہو کرے گا یا نہیں اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب:- قرأت میں اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے نماز فاسد ہوتی ہے جب تو اصلاح نماز کے لئے لقمہ ضرور ہے اور اگر ایسی غلطی نہیں جب بھی صحیح لقمہ دے سکتا ہے۔ اور امام لے سکتا ہے۔ اگرچہ تین آیتیں پڑھ چکا ہو۔ اور اس صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ سجدہ سہو اس صورت میں ہے کہ ترک واجب سہواً ہوا ہو۔ درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح و آخذ بکل حال بعد المختار میں ہے سہوا او قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا انتقل الی آیۃ اخری ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح نهر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۴۸) مرسلہ دل محمد صاحب حامدی رضوی از شہر بوڑہ محلہ پھانسی تلہ ۱۳ر شعبان ۱۳۳۷ھ

نماز تراویح میں امام کو کسی نے لقمہ دیا تو امام کو سجدہ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۳۴۹) نماز پنجگانہ میں امام سے کوئی آیت یا لفظ چھوٹ جائے تو پھر اوپر سے پڑھے اور سجدہ سہو نہ کرے نماز ہو جائے گی۔

الجواب:- نماز تراویح میں امام سے غلطی ہوئی اور کسی نے صحیح لقمہ دیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت یا لفظ چھوٹ گئے اور یاد آگئے تو لوٹ کر پڑھ لینا چاہئے اور سجدہ سہو اس صورت میں بھی نہیں۔ سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے کہ کوئی واجب نماز بھول کر ترک ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۵۰، ۳۵۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

۱۔ امام نے قرأت میں تقدیم وتاخیر کی ہے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں۔

۲۔ امام نے نماز میں تین آیتیں پڑھ لی ہیں۔ اس کے بعد ایک آیت چھوڑ دی تو اس وقت لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں اور نماز لوٹانا ہوگی یا نہیں۔

الجواب:- سورتوں کو با ترتیب پڑھنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ ان یقرأ منکوسا۔ رد المحتار

میں ہے بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلی مما قرأ فی الاولی لان ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ۔ مگر چونکہ یہ واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں۔ لہٰذا نماز واجب الاعادہ نہ ہوگی کہ اعادہ نماز کا وجوب ترک واجبات صلاۃ میں ہے۔ ہاں قصداً ایسا کرے تو گنہگار ہوگا اور سہواً ہوا تو کراہت نہیں، بلکہ شروع کر دینے کے بعد یاد آیا تو اب اسے نہ چھوڑے۔ درمختار میں ہے قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم ردالمحتار میں فرمایا افاد ان التنکیس انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سہوا فلا کما فی شرح المنیۃ۔ اگر یہ واجبات نماز سے ہوتا تو سہواً ترک میں بھی سجدۂ سہو لازم ہوتا مگر لازم نہیں تو اعادہ بھی واجب نہیں کہ اعادہ کا حکم اوسی میں ہے۔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمہ سجود السہو لان ذلک من واجبات القراءۃ لا من واجبات الصلوٰۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲:- امام سے غلطی ہوئی تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے، تین آیت کے پہلے ہو یا بعد، بلکہ اگر وہ غلطی مفسد نماز ہے تو بتانا ضرور ہے۔ ورنہ نماز جاتی رہے گی۔ اور پہلی صورت میں نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۵۲) از سکندرپور ضلع بلیا مرسلہ جناب حکیم احمد حسین صاحب۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں بعض حضرات یہ دعا پڑھا کرتے ہیں اللّٰھم اغفر لی وارحمنی واھدنی وارزقنی۔ مگر جناب نے اس کو بہار شریعت میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ شاید دونوں سجدوں کے درمیان صرف بمقدار ایک بار کہنے تک کا وقفہ لکھا ہے اگر اس سے زیادہ دیر ہو گئی تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ اگر فرصت ہو تو براہ کرم دو کلمہ تحریر ہو۔

الجواب:- قومہ اور جلسہ میں بقدر ایک تسبیح کے وقفہ سنت ہے۔ اور امام ابن ہمام کے نزدیک واجب اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض۔ درمختار بیان واجبات میں ہے وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منھما علی ما اختارہ الکمال وعند الثانی الاربعۃ فرض اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اللّٰھم اغفر لی کہنا فرض ہے اور ہمارے مذہب میں فرائض نماز کے قومہ جلسہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں اگر اللّٰھم اغفر لی کہہ لیا جائے تو کراہت بھی نہیں بلکہ نظر بقواعد مذہب مستحب ہونا چاہئے۔ تو جب اپنے مذہب میں کوئی چیز ممنوع نہ ہو اور دوسرے مذہب میں فرض و واجب ہو تو ایسی چیز پر عمل کرنا اختلاف سے بچنے کی وجہ سے اولیٰ ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولیس بینھما (ای بین السجدتین) ذکر مسنون وکذا لیس بعد رفعہ من الرکوع دعاء الی المذھب وما ورد محمول علی النفل۔ اور ردالمحتار میں ہے

قال ابو یوسف سألت الامام ایقول الرجل اذا رفع رأسه من الرکوع والسجود اللّٰهم اغفر لی قال یقول ربنا لک الحمد و سکت فلقد احسن فی الجواب اذ لم ینه عن الاستغفار. نهر وغیره اقول بل فیه اشارة الی انه غیر مکروه اذ لو کان مکروها لنهی عنه کما ینهی عن القراءة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنونا لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلوة بترکه عامدا ولم ار من صرح بذلک عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف۔ نیز اسی میں ہے ثم الحمل المذکور (علی النوافل) صرح به المشائخ فی الوارد فی الرکوع والسجود وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال علی انه ان ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد او الجماعة والمأمومون محصورون لایتثقلون بذلک کما نص علیه الشافعیة ولا ضرر فی التزامه وان لم یصرح به مشائخنا فان القواعد الشرعیة لاتنبو عنه۔ جو دعا سوال میں مذکور ہے یہ حدیث ابو داؤد میں بین السجدتین وارد ہے اور اس میں "وارحمنی" کے بعد "عافنی" بھی ہے۔ بالجملہ صورت مذکورہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں کہ مکروہ ہونا ثابت نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۵۳) از قصبہ فتح گنج ضلع بلڈانہ سی پی، مرسلہ محمد اسلم خاں ۱۲ رجب [illegible]

قرأت میں نماز کے اندر کسی نے کوئی کلمہ دوبار یا سہ بار دہرادیا تو کیا سجدۂ سہو کرے گا یا درمیان قرأت میں کوئی لفظ یا آیت چھوڑ دی تو کیا حکم ہے۔

الجواب: اگر غلطی سے دہرایا یا شبہ پڑ گیا تو نماز میں حرج نہیں اور قصداً دہرایا اور معنی فاسد ہوگئے تو نماز جاتی رہی جیسے رب رب العالمین ورنہ ہوگئی جیسے الرحمن الرحیم کی تکرار ہر جگہ صحت معنی و فساد معنی کا اعتبار ہے معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز فاسد ورنہ ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۵۴) از رنگون مرسلہ جناب ایس ایم علی حسین صاحب ۱۲ ذی الحجہ [illegible]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ اگر امام نماز جمعہ کے اندر نیت باندھ کر بعد تکبیر تحریمہ کے بجائے سورۂ فاتحہ بھول سے پہلے یسبح للہ بآواز بلند پڑھے اور پھر یاد آجانے پر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ مذکور کو یعنی یسبح للہ مافی السموات پڑھ کر دونوں رکعتیں باقاعدہ ادا کرے تو کیا ان صورتوں میں امام کو سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہیں بینوا توجروا

الجواب: فقط اتنا پڑھنے پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ہاں اگر ایک آیت پڑھ لیتا تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا۔ اور بعض

ائمہ نے فرمایا ہے کہ ایک حرف کا پڑھنا بھی موجب سجدہ سہو ہے عالمگیری میں ہے ومن سہا عن فاتحۃ الکتاب فی الاولی او فی الثانیۃ وتذکر بعد ما قرأ بعض السورۃ یعود فیقرأ بالفاتحۃ ثم بالسورۃ قال الفقیہ ابو اللیث یلزمہ سجود السہو وہان کان حرفا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حرف سے مراد وہ مقدار ہے جس سے ایک رکن ادا ہو جاتا ہے یعنی ایک آیت اور اس سے کم میں سجدہ سہو واجب نہیں۔ رد المحتار میں ہے قالوا لو قرأ حرفا من السورۃ ساھیا ثم تذکر یقرأ الفاتحۃ ثم السورۃ ویلزمہ سجود السہو بحر وھل المراد بالحرف حقیقۃ او الکلمۃ یراجع ثم رأیت فی سہو البحر قال بعد ما مر وتقدم فی فتح القدیر ان یکون مقدار ما یتأدی بہ رکن اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۵۵) مسئولہ مولوی سید رشید الدین صاحب بریلوی۔　　　۱۲ رصفر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

کیا ادائے سجدہ سہو کی حنفیہ کے نزدیک چار صورتیں حسب ذیل ہیں یا نہیں۔

اول۔ طریقہ عام یعنی صرف التحیات پڑھ کر اور ایک طرف (داہنے) سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کر کے دوبارہ التحیات پڑھ کر درود شریف اور دعا بھی پڑھے اور دونوں طرف سلام پھیر دے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اول التحیات اور درود شریف اور دعا سب پڑھ کر حسب سابق صرف داہنی طرف سلام پھیر کر سجود سہو کر کے دوبارہ صرف التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ اول میں التحیات اور درود اور دعا سب پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور دوبارہ بھی سب التحیات درود و دعا پڑھے اور پھر دونوں طرف سلام پھیرے۔ چنانچہ اس تیسری صورت کے متعلق مولوی رکن الدین صاحب الوری رسالہ رکن الدین میں لکھتے ہیں بحوالہ فتاوی عالمگیری۔

سوال:۔ پہلے قعدہ میں سجدہ سہو سے پہلے درود اور دعا بھی پڑھے یا صرف تشہد ہی پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر دے۔

جواب:۔ دونوں ہی قعدوں میں درود اور دعا پڑھنا زیادہ احتیاط رکھتا ہے۔ نیز یاد پڑتا ہے کہ بہار شریعت میں بھی یہ صورت مرقوم ہے۔ یہاں کتاب مذکورہ موجود نہیں۔ اس صورت ثالثہ کے متعلق زید کا کہنا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ ملا اور اوپر کی دونوں صورتیں سب جائز ہیں۔ مگر بکر یہ کہتا ہے کہ یہ تیسری صورت صرف شافعیوں کے نزدیک ہے حنفیوں کے نزدیک جائز نہیں یعنی یہ مسئلہ شافعیوں کا ہے حنفیوں کو اس پر عمل کرنا درست نہیں۔ چوتھی صورت جو مختلف فیہ اور ضعیف ہے وہ یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر پھر سجدہ سہو کرے اور پھر التحیات اور درود و دعا پڑھ کر پھر دونوں

طرف سلام پھیرے۔ خلاصہ کہ تیسری صورت میں قول زید کا صحیح ہے یا بکر کا۔

الجواب: سجدہ سہو میں چند اختلافات ہیں حنفیہ کے نزدیک سلام کے بعد ہے اور شافعیہ کے نزدیک قبل سلام ہے اور امام مالک کے نزدیک اگر کسی کمی کے سبب سجدہ ہے تو قبل سلام ہے اور زیادتی کے سبب ہے تو بعد سلام۔

چنانچہ ترمذی شریف میں یہ اختلافات مذکور ہیں۔ حنفیہ میں پھر اختلاف ہے آیا ایک سلام کے بعد سجدہ ہونا چاہئے یا دو سلام کے بعد، قول جمہور یہ ہے کہ ایک سلام کے بعد ہونا چاہئے اور کافی میں اسی کو صواب فرمایا۔ اور امام شمس الائمہ اور امام صدر الاسلام نے دو سلام کو اختیار فرمایا۔ اور ہدایہ میں اس قول کی تصحیح کی جو ایک سلام کہتے ہیں۔ ان میں پھر اختلاف ہے کہ آیا داہنی طرف سلام پھیرنا چاہئے، یا سامنے کو، امام فخر الاسلام قائل ہیں کہ سامنے کو سلام کرے اور باقی ائمہ داہنی طرف کہتے ہیں۔ یہی راجح ہے۔ اور اسی پر عمل ہے۔ درمختار میں ہے بعد سلام واحد عن یمینہ فقط لانہ المعهود وبہ یحصل التحلیل وھو الاصح بحر عن المجتبیٰ سوال میں تین صورتیں جو پہلے تحریر کی ہیں سب درست ہیں ان میں سے کوئی صورت مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ سب مذہب حنفی کے مطابق ہیں صورت سوم کو مذہب شافعیہ بتانا اور یہ کہنا کہ حنفی کو اس پر عمل درست نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سجدہ کو قبل سلام کہتے ہیں اور اس صورت میں سجدہ بعد سلام ہے پھر ان کا مذہب کیسے ہو سکتا ہے۔ درود و دعا کے بارے میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے جو قعدہ ہے اس میں ہونا بہتر ہے یا اس قعدہ میں جو سجدہ کے بعد ہے۔ فتاویٰ امام قاضیخاں میں ہے من علیہ سہو یصلی علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی القعدۃ الاولی فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالےٰ وفی قول محمد رحمۃ اللہ فی القعدۃ الثانیۃ والاحوط ان یصلی فی القعدتین۔ یعنی امام اعظم، اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ سجدہ سے پہلے جو قعدہ ہے اس میں درود پڑھے اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ بعد کے قعدہ میں اور زیادہ احتیاط یہ ہے کہ دونوں میں پڑھے۔ درمختار میں ہے قیل فیہما احتیاطاً احتیاط یہ ہے کہ دونوں میں ہو، اور وجہ احتیاط یہ ہے کہ جو پہلے قعدہ میں پڑھنے کو فرماتے ہیں وہ دوسرے میں پڑھنے کو منع نہیں کرتے۔ اور جو دوسرے میں کہتے ہیں وہ پہلے میں منع نہیں کرتے۔ لہٰذا دونوں میں پڑھیں تاکہ اختلاف سے بچیں۔ اور خلاف سے بچنا بلاشبہ احوط ہے اور جہاں اسکی صورت نکلتی ہے وہاں اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اسکی نظیر مسائل فقہیہ میں کثیر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

مسئلہ (۲۵۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مغرب کے وقت قرات جہری کے بجائے قرات سری شروع کیا

الحمد شریف کے بعد یاد آیا کہ قرارت جہری کرنا چاہئے چنانچہ امام نے پھر الحمد شریف کا اعادہ کیا یعنی جہر کے ساتھ پڑھا۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ امام کو چاہئے کہ سورۂ فاتحہ جب پڑھ چکا تو اب اس کا اعادہ نہ کرے بلکہ اب سورۃ کو جہر سے پڑھے اور ختم نماز پر سجدہ سہو کرے کہ جہر سے پڑھنا امام پر واجب تھا اور یہ واجب امام سے سہواً ترک ہوا۔ اور فاتحہ کی تکرار ترک واجب ہے کہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان فصل طویل جائز نہیں البتہ چونکہ جہر واجب تھا اور سہواً اس نے آہستہ پڑھا لہٰذا سجدہ سہو کرے ردالمحتار میں ہے لعل وجهه ان فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتاخير الواجب من محله وهو موجب سجود السهو فكان مكروها وهو اسهل من لزوم الجمع بين الجهر والاسرار في ركعة نیز اسی میں شرح منیہ سے منقول ہے ان الامام لو سها فافتتح بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية او اكثرها لا يعيد۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض کی نیت کی اور دیر تک خاموش رہا تھوڑی دیر بعد اس کو یاد آیا تو الحمد شریف زور سے شروع کیا تو ایسی حالت میں سجدہ سہو ہوگا یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر زید ثنا وغیرہ کے بعد سوچتا رہا[عہ] کہ کیا پڑھوں اور اتنا وقفہ اس تفکر میں ہوا کہ ایک رکن ادا کر لیتا۔ یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر وقفہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ ردالمحتار میں ہے ثم الاصل في التفكر انه ان منعه عن اداء ركن كقراءة آية او ثلث هكذا في النسخة رد المحتار التي عندنا ولعل فيه سقطا والصواب ثلث تسبيحات او ركوع او سجود او عن اداء واجب كالقعود يلزمه السهو لاستلزام ذلك ترك الواجب وهو الاتيان بالركن او الواجب في محله۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نماز پڑھتا تھا۔ سورہ فاتحہ

عہ اور اگر سوچتا نہ رہا بلکہ آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھتا رہا۔ پھر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ تو اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھ لیا تھا پھر شروع سے پڑھنا شروع کیا تو بھی سجدہ سہو واجب کہ یہ اکثر سورۂ فاتحہ کی تکرار ہوئی اور یہ موجب سجدہ سہو ہے اگر دونوں دفعہ بلا قصد سہواً ہوا ہو تو اور اگر بالقصد ہو ایک تو اعادہ واجب۔ اور اگر سورہ فاتحہ کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا تو نہ سجدہ سہو ہے نہ اعادہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

پڑھ کر سورۂ یٰسین شروع کر دیا۔ اور وخشی الرحمٰن بالغیب پڑھ کر فبشرہ بمغفرۃ و اجر کریم چھوڑ دی اور انا نحن نحی الموتی شروع کر دیا اور سجدۂ سہو کیا نہ نماز دہرائی۔ تو کیا اس صورت میں نماز درست ہوئی یا نہیں۔

مسئلہ (۳۵۹) بکر نماز پڑھا رہا تھا۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین کو دو مرتبہ پڑھ کر رکوع کیا۔ اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں۔ خالد کہتا ہے سورۂ فاتحہ یا سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیتوں کا پڑھنا، یا التحیات کا پڑھنا یہ تینوں واجب ہیں۔ ان تینوں میں سے جو بھی دو مرتبہ پڑھا گیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا گیا تو تاخیر رکن ہوئی اور تاخیر رکن کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے۔ اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ایا خالد کا کہنا صحیح ہے یا نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے تحریر فرمایئے بینوا توجروا۔

الجواب ۱:- نماز صحیح ہے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ تھا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

الجواب ۲:- نماز ہو گئی تین چھوٹی آیتیں یا ایک آیت تین کے برابر پڑھنا بعد فاتحہ واجب ہے اور یہ آیت جو اس نے پڑھی تین آیت کے برابر ہے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں۔ آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۰) مرسلہ محمد اسماعیل کسنجان ضلع تھانہ ۸ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

پہلی رکعت میں قل ہو اللہ اور دوسری میں تبت پڑھی سجدۂ سہو کرنا ہے یا نہیں۔

الجواب:- قصداً ایسا کرنا کہ پہلی میں سورۂ اخلاص دوسری رکعت میں تبت پڑھنا منع ہے اور بھول کر ایسا ہو تو کوئی حرج نہیں اور سجدۂ سہو بہر صورت واجب نہیں۔ وہو تعالےٰ اعلم

مسئلہ (۳۶۱) ریاست بیکانیر مرسلہ صوفی یوسف شاہ صاحب وارثی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام قرات کرتا ہوا بھول جائے اور مقتدی لوٹک دے تو امام پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں۔ بغیر سجدۂ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دے تو نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب:- اگر مقتدی نے صحیح لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو نہ لقمہ دینے والے کی نماز میں کوئی خرابی آئی نہ امام کی نماز میں۔ اور نہ باقی مقتدیوں کی نماز میں اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں بلکہ سجدۂ سہو کرنا بھی نہیں چاہئے۔ کہ یہ اسکی جگہ نہیں۔ سجدۂ سہو واجب کے ترک کرنے پر واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

باب صلوٰۃ المسافر

مسئلہ (۳۶۲) مسئولہ مولوی واعظ الدین صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۸ رجب ۱۳۴۲ھ

ما قولکم دام فضلکم فی ہذہ المسئلہ کہ شخصے از وطن اصلی بمسافت سفر نکاح کردہ باز وجہ خود بوطن مذکور آمدہ زیست و تعیش میکند لیکن سیاں ہر سال بقصد سفر از وطن اصلی بموضع تاہل رفتہ بمکان خسر چند روز ضبط ہماں سکونت میکند. بعد ازاں زوجش را بمکان خسر نہادہ در اطراف وجوانب آں دو یا سہ ماہ سفر می کند. و بعد اختتام سفر باز وجۂ خود بوطن اصلی آمدہ زیست و تعیش می کند. پس بر شخص مذکور بموضع تاہل و اطراف وجوانب آں قصر لازم است یا نہ۔

الجواب: اگر بمکان خسر یا بموضع دیگر نیت اقامت پانزدہ یوم کند مقیم خواہد شد و اتمام صلاۃ بروے لازم ورنہ مسافر ست و قصر واجب. اگرچہ بارادہ امروز فردا مدت دراز بگذرد. در درمختار مذکور ست حتی ینوی اقامۃ نصف شہر بموضع واحد صالح لہا فیقصر ان نوی الاقامۃ فی اقل منہ او دخل بلدۃ ولم ینوہا و لو بقی سنین. ملتقطا. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سفر میں قصر کیا۔ اگرچہ اطمینان تھا لیکن سنت نہیں پڑھی۔ زید کہتا ہے کہ سنت پڑھ لیں تو ثواب ہے۔ اگر سنت قطعی نہ پڑھیں تو کوئی گناہ بھی نہیں ہے اگرچہ اطمینان ہو از روئے شرع کیا حکم ہے۔

الجواب: اگر سفر میں اطمینان نہ ہو جب تو سنتوں کے ترک میں کوئی قباحت ہی نہیں اور اطمینان ہو جب بھی سنن کا تاکد جو حضر میں ہے وہ سفر میں نہیں رہتا کہ سفر خود ہی قائم مقام مشقت کے ہے۔ درمختار میں ہے ویاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی خوف وفرار لا یاتی بہا ہو المختار لانہ ترک لعذر اور یہ حکم سنت فجر کے غیر کا ہے اور سنت فجر چونکہ قریب بوجوب ہے لہٰذا سفر کی وجہ سے اس کے ترک کی اجازت نہیں اور بعض ائمہ کا یہ قول بھی ہے کہ مغرب کی سنتیں بھی ترک نہ کرے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر و حضر کہیں بھی انکو ترک نہیں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الجمعۃ

مسئلہ (۳۶۴) مسئولہ مولوی محمد حسن صاحب طالب العلم درجہ دوم مدرسہ اہلسنت ۲۸ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک ایسے گاؤں میں گیا، یا وہیں کا رہنے والا ہے۔ جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے مگر شرعاً باطل وناجائز ہے۔ لوگوں نے اس کو بامرار امام بنایا۔ اگر یہ مسجد میں نہ جائے گھر میں ظہر پڑھ لے تو لوگ بدگمان ہوں گے اور برا جانیں گے اور مسئلہ ظاہر کرے تو فساد پر آمادہ ہوں گے۔ یا اگر جمعہ نہ پڑھیں تو ظہر بھی چھوڑ بیٹھیں گے آٹھ روز میں ایک روز مسجد کی صورت دیکھ لیتے ہیں یہ بھی نہ رہے گا ایسی حالت میں زید نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کا جمعہ تو بہرحال نہیں ہوتا اگر میں جمعہ کی نیت کروں تو شرعاً گنہگار بھی لازم آئے گا۔ میں اپنے عمل کو کیوں باطل ٹھہراؤں۔ نفل کی نیت کرکے دو رکعت پڑھا دی اور خطبہ بہ نیت وعظ پڑھا پھر بعد کو ظہر پڑھ لی۔ کیا شرعاً زید پر کوئی الزام ہے؟

الجواب:۔ جس گاؤں کے لوگ جمعہ پڑھتے ہیں انہیں منع نہ کیا جائے مگر خود پڑھنا، یا امامت کرنا، اور مسئلہ شرعیہ کو چھپانا کیونکر روا ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ شخص اگر عالم ہے اور جمعہ کی امامت کرتا ہے۔ اگرچہ بہ نیت نفل تو عوام کے خیالات کی اور تائید کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اچھے پیرایہ میں عوام کو سمجھائے کہ فساد کی نوبت نہ آئے اور لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے ناجائز کام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ نفل نماز جماعت سے بتداعی کے ساتھ پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ کما ہو مصرح فی الکتب، بلکہ جمعہ پڑھنا بھی اسی وجہ سے منع ہے کہ جمعہ تو ہوگا نہیں بلکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل جماعت سے منع ہے۔ درمختار میں ہے صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ صلوۃ العید ومثلہ الجمعۃ ح قولہ بما لا یصح ای علی انہ عید والا فہو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ ح۔ اور جب یہ شخص مسئلہ شرعیہ بیان کر دے گا تو بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں کہ بدگمانی تو یہ تھی کہ یہ نماز جمعہ کا تارک ہے اور مسئلہ کہنے کے بعد یہ الزام جاتا رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۵) مسئولہ مولوی احسان علی طالب العلم مدرسہ اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

سامعین خطبہ کو درود شریف پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ جب کہ خطبہ کے اندر حضور کا اسم مبارک لیا جائے۔ ایسے ہی اگر آیۃ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ الخ خطبہ میں آئے تو خطیب درود شریف پڑھ لے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ کے وقت کلام و نماز ناجائز، متون میں ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام جب اسم پاک سنے یا آیہ صلوا خطیب پڑھے تو سننے والا دل میں درود شریف پڑھ سکتا ہے زبان سے اس وقت نہ پڑھے بحر الرائق میں ہے اما وقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریما ولو کان امرا بمعروف او تسبیحا او غیرہ کما صرح بہ فی الخلاصۃ نیز اسی میں ہے والصواب ان یصلی فی نفسہ کما فی فتح القدیر۔ ھدایہ میں ہے الا ان یقرأ الخطیب قولہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ الآیۃ فیصلی السامع فی نفسہ۔ در مختار میں ہے والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ یہ حکم سامعین کے لئے ہے، رہا خطیب اس کے لئے حکم یہ ہے کہ درود پڑھے لعدم المانع۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۶) مسئولہ جناب خدا دین صاحب معرفت حکیم عبدالرزاق صاحب از ہوڑہ ملا کرستان پاڑہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہوڑہ سے دو میل کے فاصلہ پر مقام للوا میں ایک ریلوے کارخانہ ہے جس میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ کارخانہ میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ لیکن نماز پنجگانہ کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے جہاں جو چاہے پڑھ سکتا ہے اور نماز جمعہ کثیر جماعت سے ایک خالی میدان میں پڑھ لی جاتی ہے جس کے لئے حکام کارخانہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ درخواست دے کر اذن بھی حاصل کر لیا گیا ہے۔ تو کیا ایسے مقام پر نماز جمعہ جائز ہے۔ زید کہتا ہے یہاں جمعہ جائز نہیں کیوں کہ اذن عام نہیں بلکہ صرف کارخانہ کے عملہ کے لئے اذن ہے عمرو کہتا ہے اذن عام نہ سہی تاہم جماعت کثیر ہے لہٰذا جمعہ جائز ہے۔ نیز کارخانہ میں نماز پنجگانہ کے لئے وقت نہیں ملتا کیونکہ صبح سات بجے حاضری ہے اور ۳½ بجے فرصت گویا صرف ظہر کا وقت ملتا ہے جس کے متعلق حکام کا اذن ہے کہ اسی وقت میں ناشتہ بھی کر لو اور نماز بھی پڑھو جب کہ دونوں کام نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے لوگ جداگانہ مختلف اوقات پاکر نماز پڑھا کرتے ہیں تو کیا ہم لوگ نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا بعد ادائیگی ظہر احتیاطی پڑھ لیا کریں۔

الجواب: جمعہ ادا کرنے کے لئے اذن عام شرط ہے۔ اور اذن عام کے یہ معنی ہیں کہ جس مسلمان کا دل چاہے وہاں جائے کوئی روک ٹوک نہ ہو اور جب کارخانہ کے آدمیوں کے سوا اوروں کی ممانعت ہے تو اذن عام نہ ہوا۔ لہٰذا ایسی جگہ جمعہ نہیں ہو سکتا۔ در مختار میں ہے والسابع الاذن العام من الامام وھو یحصل بفتح ابواب الجامع للواردین فلو دخل امیر حصنا او قصرہ واغلق بابہ وصلی باصحابہ لم تنعقد ولو فتحہ واذن للناس بالدخول جاز وکرہ جمعہ کی ساتویں شرط اذن عام ہے۔ اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ جامع مسجد کے دروازے آنے جانے والوں کے لئے کھول دیئے جائیں لہٰذا اگر کوئی امیر قلعہ

میں یا اپنے محل میں داخل ہوا۔ اور اس کے دروازے بند کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی تو جمعہ نہیں ہوا۔ اور اگر دروازہ کھول دیا اور لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دیدی تو جمعہ جائز ہو جائے گا مگر مکروہ ہے۔

اور ظہر احتیاطی پڑھنے سے ترک جمعہ کا گناہ ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ ان لوگوں پر فرض ہے کہ کارخانہ سے باہر جاکر جمعہ پڑھیں۔ نماز کے لئے کارخانہ کے افسر سے اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور حتی الوسع کوشش کریں کہ باجماعت نماز ادا کریں کہ جماعت واجب ہے۔ اور اگر افسران کارخانہ نماز سے روکتے ہوں تو ایسی نوکری ہی جائز نہیں جس میں نماز چھوڑنی پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۶۷) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب ۲۰ صفر ۱۳۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خطیب خطبہ پڑھنے میں لکڑی ہاتھ میں رکھتے ہیں یہ کام سنت ہے یا مستحب ہے۔؟

الجواب: خطبہ کے وقت عصا وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بارے میں فقہا کے اقوال بہت مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ جو شہر تلوار سے یعنی لڑ کر فتح کیا گیا ہو وہاں تلوار وغیرہ ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھا جائے اور جو بطور صلح فتح ہوا ہو وہاں نہیں۔ در مختار میں ہے یخطب الامام بسیف فی بلدۃ فتحت بہ کمکۃ والا لا کالمدینۃ وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذن قام الامام والسیف فی یسارہ وھو متکئ علیہ وفی الخلاصۃ ویکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا اور حدیث میں بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بروقت خطبہ قوس یا عصا دست مبارک میں لینا آیا ہے۔ لہٰذا قول کراہت صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا یہ عمل تھا کہ پہلے جب قوت تھی بغیر عصا خطبہ پڑھا کرتے تھے اور آخر عمر شریف میں جب ضعف کا غلبہ ہوا تو عصا پر ٹیک لگاتے۔ اور فقیر نے ایک بار دریافت بھی کیا تھا تو فرمایا کہ سنت ہونا ثابت نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۶۸) مرسلہ قائم میاں رضوی ابن قاضی خاں میاں از گونڈل کاٹھیاواڑ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان ذوی الاحترام اس امر میں کہ خطبہ جمعہ کے لئے منبر کتنی سیڑھیوں کا ہونا چاہئے۔ زید کہتا ہے کہ تین سیڑھیوں کا منبر وہابیوں کا منبر ہے۔ منبر کے لئے چار سیڑھی کا ہونا ضروری ہے۔ وقت اذان خطبہ

عہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۶۶ پر ہے خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا ہے۔ بعض نے مکروہ۔ اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں۔ تو محل اختلاف اس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو۔ وذلک لان الفعل اذا تردد بین السنیۃ والکراہۃ کان ترکہ اولیٰ

خطیب چوتھی سیڑھی پر جلوس فرمائے اور تیسری پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے۔ براہ مہربانی معہ حوالہ کتب معتبرہ حنفیہ تصریح فرمادیں۔ آیا زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔

الجواب:- منبر کے لئے شریعت مطہرہ نے سیڑھیوں کی تعداد مقرر نہیں کی کہ اس گنتی کا پورا کرنا فرض ہی ہو۔ کم و بیش ناجائز ہو جماعت کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے جتنی سیڑھیوں کو چاہیں بنائیں۔ زید کا کہنا بالکل غلط ہے کسی کتاب میں یہ نہیں ہے کہ چار سیڑھیاں ضرور یا مسنون ہیں۔ نہ تین سیڑھیاں وہابیہ کے خصائص سے ہے کہ اجتناب کا حکم دیا جائے جو امر شریعت میں مطلق ہو اسے مقید کرنا اصول حنفیہ کے خلاف ہے جیسا کہ کتب اصول حنفیہ میں مذکور ہے۔ زید سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور وہ ہرگز کسی کتاب سے یہ قول نہیں دکھا سکتا کہ چار ہونا ضرور ہے اس سے اس کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ بلکہ صحیح مسلم شریف میں منبر نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک طویل حدیث سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اسی میں یہ لفظ بھی ہیں فعمل هذه الثلاث درجات ثم امر بها رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوضعت هذا الموضع ایک شخص نے یہ تین زینوں کا منبر بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اس جگہ رکھا گیا۔ امام نووی اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں فيه تصريح بان منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كان ثلاث درجات۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منبر تین زینوں کا تھا۔ لہذا تین سیڑھیوں کے منبر پر نہ اعتراض ہو سکتا ہے نہ اسے خلاف سنت کہا جا سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۹) از بنارس کچی باغ مرسلہ جناب مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب ۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ بنارس محلہ صدر بازار چھاؤنی میں دو مسجدیں ہیں ایک کلاں دوسری خرد و قدیم۔ ان دونوں میں جمعہ ہوتا ہے آٹھ ماہ کے قریب ہوا کہ ایک مولنا صاحب آئے اور اتحاد کے متعلق نہایت

عہ فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۱۸ پر ہے: منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے۔ وقد وقع ذكرهن في غير ما حديث۔ كحديث سعيد من ذلك عند ما النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم يصل عليه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رد المحتار میں ہے: منبره صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كانت ثلث درج غير المسماة بالمستراح۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔ صدیق اکبر نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر جب زمانہ ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔ اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے جو صدیق اکبر نے کیا یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے تھا اور فاروق اعظم نے کیا یہ صدیق اکبر کے ادب کی بنا پر تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلندی منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اس کی آواز سنیں۔ جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی رعایت۔ فان اللہ وتر يحب الوتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرجوش تقریر فرمائی اور انجمن قائم کیا اور ساتھ ہی دونوں مساجد کے جمعوں کے متعلق بیان فرمایا کہ اگر جمعہ ایک ہی مسجد میں پڑھا جائے تو مناسب ہوگا۔ لہٰذا بموجب ارشاد مولٰنا ممدوح مسجد خرد کے چند مصلیوں سے استدعا کی گئی کہ جمعہ ایک ہی جگہ مسجد کلاں میں ہو۔ چنانچہ آٹھ ماہ تک جمعہ مسجد کلاں ہی میں ہوتا رہا مگر اس وقت مسجد خرد کے چند مصلیوں نے جمعہ کی بابت ایک استفتاء ایک دوسرے مولانا صاحب سے کیا جو بغرض ملاحظہ منسلک ہے اب دو گذشتہ جمعہ سے چند نفوس نے جن کو ایک مسجد کلاں میں جمعہ ہونے پر اعتراض اور آپس میں نفاق ہونے کا خیال پیدا ہوا مقامسجد خرد میں نماز جمعہ پڑھ لی اور اکثر لوگوں سے یہ کہدیا کہ مسجد خرد قدیم ہے۔ اور اس کی افضلیت بموجب استفتاء منسلکہ زیادہ ہے اس وجہ سے نماز جمعہ اسی مسجد میں ہونی چاہیے۔

(۱) جس وقت نماز جمعہ مسجد کلاں میں قائم ہوئی اس وقت کثرت رائے مسلمانوں کی اسی مسجد کے متعلق زیادہ تھی اور اب بھی زیادہ ہے۔

(۲) اگر مسلمانان صدر بازار اور مسلمانان بیرونجات مجتمع ہو کر نماز جمعہ مسجد خرد میں پڑھیں تو فی الواقع اس قدر مسلمانوں کی گنجائش نہیں ہے جس قدر مسجد کلاں میں (۳) مسجد کلاں شاہراہ عام کے قریب واقع ہے مسجد خرد شاہراہ عام سے دور ہے اور مسجد کلاں کو تعمیر ہوئے تخمیناً سو برس ہوئے ہوں گے۔

(۴) فاصلہ درمیان ہر دو مساجد تخمیناً ۲۰۰ قدم ہے۔

(۵) اذان ایک مسجد کی دوسری مسجد میں بخوبی سنائی دیتی ہے۔

(۶) ان مسلمانوں کے واسطے جنہوں نے مسلمانوں کے متحدہ جماعت و شوکت اسلام کو نماز جمعہ کے پردہ میں نقصان پہنچایا ہے اور خصوصاً ایسے وقت میں جب اتحاد اور اتفاق کی نہایت ضرورت ہے بحکم خدا و رسول کیا حکم ہے۔

(۷) کیا نماز جمعہ ایک جگہ ہونے کے متعلق کثرت رائے کی ضرورت ہے۔

الجواب:- ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض جائز کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک ناجائز جو جائز کہتے ہیں ان میں متعدد اقوال ہیں کوئی مطلقاً تعدد کو جائز کہتا ہے اور کسی کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وہ شہر بڑا ہو اور کسی کے نزدیک یہ شرط ہے کہ بیچ شہر میں دریا ہو ایک جمعہ اس طرف ہو دوسرا دوسری طرف۔ اور بعض نے کچھ اور شرطیں بھی ذکر کیں مگر ان میں مفتی بہ اور قول راجح یہ ہے کہ مطلقاً تعدد جائز ہے۔ درمختار میں ہے تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعا للحرج۔ ردالمحتار میں ہے قولہ مطلقا ای سواء

كان المصر كبيرا اولا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد اولا وسواء قطع الجسر او بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين او اكثر كذا يفاد من الفتح ومقتضاه انه لا يلزم ان يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي. قوله على المذهب فقد ذكر الامام السرخسي ان الصحيح من مذهب ابي حنيفة جواز اقامتها في مصر واحد في مسجدين واكثر به ناخذ لاطلاق لا جمعة الا في مصر شرط المصر فقط

مگر جمعہ چونکہ شعائر اسلام سے ہے اور مسلمانوں کے اجتماع عظیم سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جو تفرق میں نہیں۔ لہٰذا جہاں تک تعدادِ جمعہ میں کمی ہو مسلمانوں کا مجمع کثیر ہوگا اور اس سے اسلام کی شوکت زیادہ ظاہر ہوگی اور کفار پر اس کا رعب پڑے گا۔ ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ جمعہ ہونا بہ نسبت تعدد کے بہتر ہے اور جب ان دو مسجدوں میں ایک بڑی اور ایک چھوٹی ہے اور سب کے اجتماع کے بعد چھوٹی مسجد میں گنجائش بھی نہ ہوگی تو بڑی مسجد کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اگر چھوٹی مسجد کو اختیار کیا اور سب مسلمان اس میں نہ آسکے تو مجبوراً یا مسجد کی توسیع کرنی چاہئے یا دوسری مسجد میں منتقل کرنا پڑے گا یا بقیہ لوگ دوسرا جمعہ قائم کریں گے اور اسی تعدد کو دور کرنا تھا پھر ایسی مسجد کیوں نہ اختیار کریں جس میں کوئی دقت نہ ہو اور بڑی مسجد میں چونکہ بیشتر سے جمعہ ہوتا آیا ہے اگرچہ چھوٹی میں بھی جمعہ پہلے سے قائم ہے مگر زیادہ مناسب بڑی معلوم ہوتی ہے کہ چھوٹی اختیار کرنے میں پھر بوجہ عدم گنجائش تعدد سے سابقہ پڑے گا۔ اور اگر چھوٹی مسجد کے مصلی نہ مانیں اور دو جگہ قائم کرنے پر اڑ جائیں اور ایک جگہ جمعہ ہونے میں نفاق و شقاق بڑھنا مظنون ہو تو انھیں بڑی مسجد میں آنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ جب جمعہ متعدد جائز ہے صرف اولیٰ یہ تھا کہ ایک جگہ ہوتا اور ایک جگہ ہونے میں فساد کی صورت نمودار ہوتی ہے تو اولیٰ کرنے کے لیے حرام کا ارتکاب جائز نہیں جو لوگ تفریق بین المسلمین کرتے ہیں وہ سخت کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے۔ اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اہل اسلام میں اتحاد و محبت پیدا ہو۔ جمعہ ایک ہونے کے لئے کثرت رائے کی ضرورت نہیں مگر سب لوگ اتفاق کے ساتھ ایک کام کریں تو زیادہ بہتر ہوگا اور جب لوگ مخالفت کرتے ہوں تو ایک مستحب حاصل کرنے کے لئے انھیں مجبور نہ کیا جائے۔ اگر وہ لوگ یہاں آکر نہ پڑھیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے اور خواہ مخواہ دشمنی اور مخالفت پیدا نہ ہونے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۰) مرسلہ عبدالرحمٰن از مہیش پور راٹریا ضلع بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع بدھولیا و مہیش پور راٹریا۔ یا اور دیگر دیہات و قریہ جات

میں جمعہ جائز و درست ہے یا نہیں۔ موضع مذکورہ قلعہ بریلی سے ۲ میل جانب غرب واقع ہے جہاں شہر بریلی کی اذان کی آواز نہیں آتی ہے۔

الجواب: دیہات میں جمعہ ناجائز ہے کہ جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے۔ مگر جو لوگ پڑھتے ہوں انہیں منع نہ کیا جائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ (۲۷۱) مسئولہ　　۲۰ رجب ۱۳۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وہادیان صراط مستقیم کہ زید نے خطبہ جمعہ شروع کیا اور کسی قدر خطبہ اولی پڑھنے کے بعد نصف گھنٹہ زبان اردو میں تقریر کی اس کے بعد بقیہ خطبہ اولی پڑھا اور قعود کیا اور خطبہ ثانی پڑھنے کے بعد نماز پڑھائی شریعت کے رو سے زید کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا بالدلائل۔

الجواب: خطبہ میں غیر عربی کا خلط خلاف سنت متوارثہ ہے اور اتنا دراز خطبہ پڑھنا بھی مکروہ ہے درمختار میں ہے وتکرہ زیادتهما على قدر سورة من طوال المفصل۔ قهستانی میں ہے وزيادة التطويل مكروه والله تعالى اعلم۔

مسئلہ (۲۷۲) مسئولہ غلام رسول نجار محلہ سرام پورہ بریلی۔ ۲۰ رجب ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ کہاں جمعہ جائز ہے اور امام اعظم شرح وقایہ میں کیا فرماتے ہیں اور کس قول پر فتوی ہے جو معتبر کتابوں میں درج ہو، درج فرما دیں۔ اور بعد جماعت جمعہ جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد چار فرض پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جمعہ کی صحت کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یہی مذہب امیر المومنین علی رضی اللہ تعالی عنہ کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا في مصر جامع او مدينة عظيمة۔ اور یہی مذہب حذیفہ وعطا وحسن و ابراہیم نخعی ومجاہد ابن سیرین وسفیان ثوری وسحنون رضی اللہ تعالی عنہم کا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی مذہب۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالی فتح القدیر میں فرماتے ہیں وقال ابو حنيفة المصر كل بلدة فيها سكك واسواق وبها رساتيق ووال ينصف المظلوم من الظالم وعالم يرجع اليه

ف از روے روایت واز روے درایت ہر طرح مصر کی تعریف راجح ہے۔ اور ما لا یسع اکبر مساجدہ والی تعریف ... بلکہ غیر محقق غیر صحیح۔ جیسا کہ اس فتوی میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اور پوری تفصیل تحقیق دیکھنی ہو تو فتاوی رضویہ جلد سوم کا باب الجمعہ مطالعہ کریں۔ کہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب مد ظلہ فرما کر ...

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

فی الحوادث نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب ملک فتح کئے تو شہروں ہی میں جمعہ قائم فرمایا کبھی کسی گاؤں میں جمعہ قائم نہیں فرمایا اگر گاؤں میں قائم کیا ہوتا تو منقول ہوتا۔ اور فتح القدیر میں ہے وبهذا لم ينقل عن الصحابة انهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار دون القری ولو كان لنقل ولو آحادا۔ مصر کی تعریف جو امام اعظم سے منقول ہے جو اوپر مذکور ہوئی وہ ہرگز کسی گاؤں پر صادق نہیں آتی۔ لہٰذا گاؤں میں جمعہ ناجائز۔ اور وہ دوسری روایت جو شرح وقایہ میں مذکور وہ نہایت ضعیف ہے۔ اور ہدایہ میں فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت ہے۔ اور اول کی نسبت فرمایا فهو الظاهر۔ عنایہ میں ہے والاول اختيار الكرخي وهو ظاهر الرواية وعليه اكثر الفقهاء اور درمختار میں اسی کو ظاہر المذہب کہا جب کہ ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر اکثر فقہاء ہیں تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ اور شرح وقایہ میں جو روایۃ اولیٰ پر اعتراض کیا ہے کہ جو نواب بستی آگئی اور احکام شرعیہ کا اجرا نہیں لہٰذا وہ تعریف نہیں پائی جائے گی۔ اس سے اُن کا مقصد بھی یہ تھا

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) کہ یہ مصر کی اصطلاحی حد نہیں بلکہ علامات ہیں۔ فقہاء نے مصر اور غیر مصر میں اپنے اپنے عہد میں جو باتیں مابہ الامتیاز کی دیکھیں تحریر فرمادیں۔ یہی بات خادم کو بھی کہنا تھی۔ اس دور میں آمد و رفت کی سہولتیں بہت کم تھیں آبادی کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے ہر بڑی آبادی میں حاکم ہوتے تھے۔ اب چونکہ آمد و رفت کی بہت سہولت ہے اس لئے حکام ضلع کے صدر مقام یا زیادہ سے زیادہ پرگنوں میں رہتے ہیں۔ بعض ایسی بڑی آبادیاں ہیں جو ضلع کے صدر مقام سے بڑی ہیں مگر وہاں کوئی حاکم نہیں۔ مثلاً ہمارا ضلع اعظم گڑھ ہے اس میں مئو صدر مقام سے بہت بڑا ہے مگر وہاں تحصیل ابھی نہیں اس کی تحصیل محمد آباد ہے خود مبارکپور کی تحصیل محمد آباد ہے حالانکہ مبارکپور محمد آباد سے بڑی بستی ہے یہی کہ اسی ضلع کی ایک تحصیل سگڑی دیہات میں ہے۔ اب علماء [illegible] کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا مبارکپور اور مئو میں جمعہ جائز نہیں جب کہ وہاں کوئی حاکم نہیں۔ علاوہ مبارکپور کے اصل حال سے واقفیت کے باوجود تمام علماء نے مبارکپور میں جمعہ پڑھا اور پڑھایا۔ علاوہ مذکور روایت اولیٰ پر یہاں جمعہ صحیح نہیں۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اس زمانے میں روایت ثانیہ پر جسے صاحب شرح وقایہ و درمختار وغیرہ نے اختیار فرمایا عمل کی اجازت ہونی چاہئے۔ غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے روایت ثانیہ کی مکمل تعریف و تعقیب کے باوجود فتاویٰ رضویہ جلد سوم [illegible] پر فرمایا "ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں (وعنه) ای عن ابی یوسف (انهم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب عليهم الجمعة لا كل من يسكن في ذلك الموضع من الصبيان والنساء والعبيد قال ابن شجاع احسن ما قيل فيه اذا كان اهلها بحيث لو اجتمعوا في اكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا الى بناء مسجد آخر للجمعة۔ جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نادرہ کی بنا پر جمعہ و عیدین ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا۔ عرف عام میں آبادی کی چار قسمیں ہیں۔ شہر، قصبہ، گاؤں، نہ بد دونوں کے بیچ ہے۔ یہ چوتھی باب جمعہ میں گاؤں کے حکم میں ہے۔ روایت اولیٰ کی بنا پر باب جمعہ میں شہر و قصبہ ایک حکم میں ہے۔ مصر دونوں کو شامل ہے عرف عام میں قصبہ و شہر میں فرق ہے۔ مثلاً مبارکپور عرف عام میں قصبہ ہے مگر اس روایت کی رو سے قصبہ نہیں۔ لہٰذا اب یا تو روایت نادرہ ثانیہ کو اختیار کیا جائے یا حضرت مفتی اعظم ہند کی تنقیح پر یہ کہا جائے کہ شہر و قصبہ میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں ناجائز۔ اور شہر و قصبہ سے کیا مراد ہے اسے مسلمانوں کے عرف پر محول کر دیا جائے۔ اور عرف میں ضلع کے صدر مقام کو جہاں وہ بڑے حکام جو ہر طرح کے دیوانی فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتے ہوں رہتے ہوں شہر کہتے ہیں اور

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ جمعہ میں اتنی تعمیم کی جائے کہ ہر گورہ میں جاری کیا جائے بلکہ اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اب احکام جاری نہیں۔ لہٰذا ایسی تعریف کی جائے کہ شہروں پر مصر کی تعریف صادق آئے اور جمعہ ناجائز نہ ہو جائے۔ حالانکہ علمائے کرام بیان فرماتے ہیں۔ صدر الشریعہ کا وہ اعتراض تعریف اول پر وارد ہی نہیں کہ تنفیذ سے مراد قدرت علی التنفیذ ہے نہ تنفیذ بالفعل۔ لہٰذا اصح وہی تعریف اول ہے۔ جو صاحب ہدایہ نے ذکر فرمائی۔ درمختار میں ہے۔ انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود۔ رد المحتار میں ہے وفی التعبیر بیقدر رد علی صدر الشریعۃ۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے والحد الصحیح ما اختارہ صاحب الہدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وتزییف صدر الشریعۃ لہ عند اعتذارہ عن صاحب الوقایۃ حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ بظہور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار مزیف بان المراد القدرۃ علی اقامۃ الحدود علی ما صرح بہ فی تحفۃ الفقہاء عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح الخ اور وہ تعریف جس کو صاحب وقایہ نے اختیار کیا اگر وہ صحیح مانی جائے تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ مصر ہونے سے خارج ہو جائیں گے حالانکہ بالاجماع ان میں جمعہ جائز اسی غنیہ میں ہے والفصل فی ذلک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بہما الجمعۃ من زمنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدہما فہو مصر فکل تفسیر لا یصدق علی احدہما فہو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرہما وھو ما لو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعہم فانہ منقوض بہما اذ مسجد کل منہما یسع اھلہ وزیادۃ اور نظر احتیاطی خواص کے لئے ہے عوام کے لئے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۷۳) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب از ستواس ریاست اندور ۲۶ صفر [illegible]ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ ایک پختہ نمازی جمعہ ترک کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے گاؤں

بقیہ صفحہ گذشتہ جہاں میونسپلٹی یا ٹاؤن ایریا یا نوٹی فائیڈ ایریا ہو اگرچہ وہاں کوئی حاکم نہ رہتا ہو اسے قصبہ کہتے ہیں لہٰذا جہاں تحصیل بھی نہ ہو مگر کم از کم ٹاؤن ایریا یا نوٹی فائیڈ ایریا ہو وہاں صحت جمعہ کا حکم ہونا چاہئے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ امجدی
وہ بھی ہر جگہ نہیں جہاں صحت جمعہ کے شرائط کے تحقق میں شک ہو گا ہو حرج الی غیر مالکتاب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

میں چلا جاتا ہے اور نماز پنجگانہ الگ گھر پر پڑھتا ہے اور وہ حنفی المذہب بھی ہے اور پیش امام پاس ہے تو اس کی کیا سزا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں جمعہ فرض ہوتا ہے اور بعد زوال وہاں سے ایسی جگہ چلا گیا جہاں جمعہ فرض نہیں تو گنہگار ہے اور تارک جمعہ پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں گے یا ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر کردے گا پھر وہ غافلین سے ہوجائیں گے۔ رواہ مسلم عن ابن عمر و ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور فرمایا من ترک ثلث جمع تھاونا بھا طبع اللہ علی قلبہ جو سستی سے تین جمعے چھوڑے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کردے گا۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی ومالک واحمد اور اگر اس وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتا کہ وہاں جمعہ فرض نہیں۔ یا قبل زوال کسی وجہ سے گاؤں میں چلا جاتا ہے تو کچھ الزام نہیں۔ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے بلا عذر شرعی اس کا ترک گناہ، اور جب برابر تارک ہے تو فاسق۔ عالمگیری میں ہے وفی الغایۃ قال عامۃ مشائخنا انھا واجبۃ وفی المفید وتسمیتھا سنۃ لوجوبھا بالسنۃ وفی البدائع تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج درمختار میں ہے وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرھا قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب۔ تارک جماعت کی سزا ضرب وحبس ہے مجمع الانہر میں ہے واذا ترکھا واحد ضرب وحبس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۴) عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو کیا حکم ہے۔ نماز جمعہ میں کوئی خلل تو نہیں واقع ہوگا۔

الجواب: خطبہ غیر زبان عربی میں پڑھنا یا اس میں غیر عربی کا خلط خلاف سنت متوارثہ ہے۔ مگر نماز جمعہ ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۵) از الہ آباد مرسلہ سید ضمیر الحسن صاحب رضوی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں امام چاہیں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے جمعہ ہوتا ہو تو اس کو قائم رکھنا چاہئے اور وہاں نماز پڑھنے سے جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں۔

الجواب: تعدد نماز جمعہ میں قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے قائم کرسکتے ہیں۔ مگر

اقامت جمعہ کے لئے سلطان یا قاضی کی ضرورت ہے اور یہاں یہ موجود نہیں۔ لہٰذا احکام شرعیہ جاری کرنے کے لئے اوس شہر کا سب سے بڑا عالم فقیہ قائم مقام قاضی ہے کہ وہ جمعہ قائم کرے یا بوجہ مجبوری عوام نے جمعہ کے لئے جسے امام بنا دیا وہ اقامت جمعہ کرے۔ لہٰذا بلاضرورت عوام بطور خود جمعہ نہ قائم کریں۔ اور جس مسجد میں مدتوں سے جمعہ ہوتا آیا ہے اوسے بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہر مسجد میں جمعہ کرنا جمعہ کے اہتمام شان میں کمی کرنا ہے کہ جمعہ جامع جماعات ہے اور شوکت اسلام اسی سے ظاہر ہوتی ہے اور ہر مسجد میں ہونے سے وہ بات اور اجتماع کہاں۔ جو اس طرح نہ کرنے میں ہے۔ درمختار میں ہے۔ وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وامامة فتح القدير دفعا للحرج۔ نیز اوسی میں ہے ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر واما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔

مسئلہ (۳۷۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کے وقت اذان ثانی کے بعد ہاتھ اوٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا نہیں۔ اگر دعا مانگنے کا حکم ہے تو صرف مقتدیوں کے لئے ہے یا امام بھی مانگ سکتا ہے۔ جواب قرآن وحدیث سے ہونا چاہئے۔

الجواب:- مقتدیوں کو نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے کہ حدیث میں ہے اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلا تو نہ نماز ہے نہ کلام۔ ایک حدیث میں ہے۔ من اغتسل يوم الجمعة ولبس من احسن ثيابه ومس من طيب ان كان عنده ثم اتى الجمعة فلم يتخط اعناق الناس ثم صلى ما كتب الله له ثم انصت اذا خرج امامه حتى يفرغ من صلاته كانت كفارة لما بينها وبين جمعته التي قبلها۔ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے جو اوس کے پاس ہیں پہنے اور خوشبو اگر ہو تو لگائی پھر نماز جمعہ کو آیا اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں پھر جو مقدر ہو نماز پڑھی اور امام جب نکلا تو چپ رہا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو تو اس کے لئے اس جمعہ اور اگلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ رواہ ابو داؤد عن ابی سعید وابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جب خروج امام کے بعد لوگوں کو سکوت کا حکم دیا گیا تو اس وقت دعا وغیرہ میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۷۷) از رانی کھیت مسجد جامع ضلع الموڑہ۔ مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب ۱۰ ذیقعدہ ۵۱ھ

عہ یہ حکم مقتدیوں کے لئے ہے خطیب دعا نہ مانگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ امام بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھ جاتا ہے اور مقتدی بھی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں جس وقت مؤذن یعنی مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے تو امام و مقتدی سب اٹھ جاتے ہیں۔ آیا یہ بیٹھنا بعد ختم خطبہ جمعہ درست ہے یا نہیں۔ اور امام کا بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھنا ایک تکلیف سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ قبل خطبہ گھنٹہ سوا گھنٹہ تقریر کرتا ہے بعد ختم تقریر فوراً خطبہ شروع کرتا ہے کبھی کبھی زیادہ تکان ہو جاتی ہے۔ جب بعد ختم خطبہ جمعہ بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے اس وقت اٹھتا ہے۔ یہ شرعاً کیسا ہے۔

الجواب: سنت یہ ہے کہ امام و قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے۔ تمام کتب مذہب متون و شروح و فتاویٰ میں اسکی تصریح ہے۔ وقایہ و کنز و طحطاوی علی المراقی و جامع الرموز و بدائع و در مختار و فتاویٰ عالمگیری وغیرہا کتب میں اس کی تصریح علی اختلاف القولین موجود ہے۔ فقیر نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ کو مفصل تحریر کیا ہے مگر امام جمعہ جو پہلے ہی سے کھڑا ہے اس کا بیٹھ جانا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں۔ مگر جبکہ یہ بیٹھنا بوجہ عذر ہے تو اس کی کراہت کی بھی کوئی وجہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۲۷۸) از رنگون نمبر ۳۳-۳۷ اسٹریٹ مرسلہ جناب سید قاسم صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع ہے جہاں کے مسلمانوں کے مکان ساٹھ ستر ہیں مگر وہاں نہ دھوبی ہے نہ حجام، اور نہ بازار ہے اور نہ دیگر قوم ہے اور نہ کچھ۔ لہٰذا ایسے مقام میں جمعہ اور عیدین کی نماز درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جمعہ و عیدین کے لئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اصح یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے کر سکے۔ رد المحتار میں ہے۔ عن ابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث۔ لہٰذا بنا بر مذہب مختار و ظاہر الروایۃ۔ گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین جائز نہیں۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ لہٰذا جو لوگ پڑھتے ہوں اور عرصہ سے وہاں رائج ہو ان کو منع نہ کیا جائے۔ البتہ اہل علم نہ خود پڑھیں نہ دوسروں کو حکم دیں۔ نہ نیا جمعہ قائم کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۲۷۹) از ناگپور مسجد محلہ تالاب، مرسلہ محمد سراج الدین صاحب مدرس تحصیل اردو اسکول۔

[illegible] بعد ختم خطبہ بیٹھ جاتا ہے۔

دڑسر ایک ایسا مقام ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی پچیس مکانوں کی ہے جن میں ۲۵ یا ۳۰ اشخاص رہتے ہیں اور وہاں ایک مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز اور نماز جمعہ بھی ہوتی ہے کیا ایسی مسجد میں اتنی تعداد میں انعقاد جمعہ صحیح نہیں۔

مسئلہ (۳۸۰) دڑسر اسٹیشن سے دڑسر کی بستی دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسٹیشن پر چند اصحاب گاڑی کی ٹھیکیداری کے سلسلے میں رہتے ہیں جن کی تعداد ۸، ۹ یا ۱۰ نفر ہوگی۔ ۱۰ یا ۱۲ یا اس سے کم و بیش باہر کے مسافر یا قرب و جوار کے رہنے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایک فرش بچھا کر اسٹیشن پر بھی ایک صاحب جمعہ پڑھا دیا کرتے ہیں اور ایسی صورت میں جو من وعن عرض کی گئی اسٹیشن پر جمعہ فرض ہے یا نہیں۔ ایک عالم صاحب نے یہاں ادائے جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے بلکہ حرام فرمایا ہے لہٰذا صحیح جواب سے رہنمائی فرمائیں تاکہ آپس کا اختلاف دور ہو۔

مسئلہ (۳۸۱) کسی قصبہ میں دو، چار مسلمان رہتے ہوں اور دس، بیس آدمی دیگر مواضعات سے جو اس پاس رہتے ہوں دس، پانچ مواضعات سے آکر جمع ہوں اور نماز جمعہ ادا کریں۔ آیا جمعہ ہوگا یا نہیں۔

الجواب ۱ :۔ تمام کتب فقہ حنفی میں تصریح ہے کہ ادائے نماز جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے یعنی گاؤں میں جمعہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ مصر کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکتا ہو لہٰذا گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا جاسکتا کہ وہ مصر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب ۲ :۔ جب وہ اسٹیشن نہ مصر ہے نہ فنائے مصر تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں ان لوگوں پر ظہر پڑھنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب ۳ :۔ قصبہ مصر ہے وہاں ایسا حاکم ہوتا ہے جو مصر کے لئے شرط ہے اور بازار وغیرہ سب کچھ قصبہ میں ہوتے ہیں لہٰذا قصبہ میں نماز جمعہ پڑھی جائے۔ البتہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے جو امام کے علاوہ تین آدمیوں سے ہو جائیگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۸۲) از مقام پیلیا ماڑ و ار اسٹیشن گڑیا خرادی مرسلہ جناب عبدالکریم شمس الدین۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اس گاؤں میں ہندو مسلمان ملا کر کل تین سو گھر ہیں جس میں دو سو نوے ہندوؤں کے ہیں اور دس مسلمانوں کے۔ اور اس گاؤں میں بازار اور گلی کوچہ بھی ہیں

ع ایسا حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی آبادی ہونی ضروری ہے کہ وہاں ایسا مستقل بازار ہو جس میں روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں اور وہاں متعدد کوچے گلیاں ہوں مع سے دیہات متعلق ہوں۔ اس کو بر بناء شہرت ترک فرمایا۔ یا یہ کہ اس آبادی کے بارے میں معلوم رہا ہو کہ ایسی ہے جب شرط کے بلا یہ معلوم نہ تھا اسے ذکر فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

گر حکومت نہیں اور یہاں پر پانچ چھ سال سے نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے۔ نیز یہاں کی مسجد بھی چھوٹی ہے۔ دس، گیارہ آدمیوں سے ایک صف ہوتی ہے اس سے زیادہ ایک صف میں آدمی نہیں آتے یعنی اس مسجد میں کل تیس پینتیس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس گاؤں میں کل چودہ، پندرہ مسلمان ہیں۔ مگر نماز جمعہ وعیدین کے لئے قریب گاؤں کے چند آدمی آجاتے ہیں جس سے کل بیس، اکیس کی تعداد ہو جاتی ہے۔

الجواب:۔ ایسے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ وہاں والوں کو ظہر پڑھنا چاہئے جمعہ کے شرائط میں سے ایک شرط مصر یا فنائے مصر ہے اور مصر کی معتبر تعریف درمختار نے یہ کی ظاہر المذہب انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود ظاہر مذہب یہ ہے کہ مصر وہ جگہ جہاں امیر وقاضی ہو جو حدود قائم کرنے پر قادر ہو اگرچہ قائم نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے قال فی شرح المنیۃ والحد الصحیح ما اختارہ صاحب الہدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود اس کے بعد فرمایا الخ والقدرۃ علی اقامتہا علی ما صرح بہ فی التحفۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وہذا ہو الاصح اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۸۳) مرسلہ سید ضمیر الدین صاحب از الہ آباد محلہ دارا گنج ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جمعہ کا خطبہ ہوتا ہے اس وقت خاموش بیٹھا رہنا چاہئے یا جیسا کہ لوگ پنکھا وغیرہ جھلتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ اس کے بابت کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ امام جب خطبہ کو نکلا اسی وقت سے نماز و کلام سب چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں۔ اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام اس وقت پنکھا جھلنا بھی منع ہے۔ حدیث میں فرمایا من مس الحصی فقد لغی جس نے خطبہ کے وقت کنکری چھوئی اس نے لغو کام کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۸۴) از بریلی محلہ صالح نگر مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب ۹ شعبان ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ دو ہوتے ہیں۔ یہ دونوں فرض ہیں یا واجب یا سنت۔ دیگر دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا فرض ہے یا واجب یا سنت اور کیوں بیٹھا جاتا ہے کوئی عقلی نقلی دلیل ہو تو بیان فرمائیں۔ نیز دونوں خطبوں کے درمیان کتنا بیٹھنا چاہئے۔ اور کیا پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ (۳۸۵) جیسے عربی میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح اردو کے کچھ اشعار پڑھے جاتے ہیں تو کیا اس اردو خطبہ کو عربی کے مقابل سمجھا جائے گا۔ مثلاً سنت پڑھنا، کلام و سلام کرنا اور کوئی کام کرنا۔ اس رواج میں کوئی گناہ تو نہیں کیونکہ اب تک کوئی دلیل شرعی نہیں ملی۔

الجواب ۱: جمعہ کے لئے مطلقاً خطبہ فرض ہے اور وہ فقط پہلے خطبہ بلکہ الحمد للہ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے اور دو خطبہ ہونا سنت ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے احادیث سے بھی ثابت ہے اور اس لئے بھی بیٹھنا ہے کہ اگر نہ بیٹھا تو دو خطبے نہ ہوں گے جب کہ دونوں میں فصل نہ ہو اور بیچ میں سکوت طویل کر کے فصل کیا تو کھڑا رہنا بیکار ہے کہ کھڑا رہنا خطبے کے لئے تھا نہ کہ سکوت کے لئے۔ درمختار میں ہے والرابع الخطبة وكفت تحميدة او تهليلة او تسبيحة ويسن خطبتان بجلسة بينهما دونوں خطبوں کے درمیان اگر خطیب چاہے تو کچھ پڑھ سکتا ہے یا دعا کر سکتا ہے مقتدیوں کے لئے جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ۲: خطبہ کے لئے سنت یہ ہے کہ عربی میں ہو۔ اردو میں پڑھنا سنت کے خلاف ہے مگر جو کچھ اردو میں پڑھا وہ بھی خطبہ کا جز ہے۔ لہٰذا اس کا سننا بھی ضروری ہے اور جب تک خطبہ ہو رہا ہے سلام و کلام وغیرہ منع ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۸۶)

بعد نماز جمعہ ظہر کا فرض پڑھنا چاہئے یا صرف چھ رکعت سنت۔

الجواب: شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ جائز ہے وہاں عوام کو احتیاطی ظہر کا حکم نہیں دیا جائے گا ردالمحتار میں ہے قال المقدسی نحن لا نامر بذلك امثال هذه العوام بل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۸۷) از ضلع پومیس پرگنہ گوری پور مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

کیا نماز جمعہ قیام عند حی علی الفلاح کے حکم سے مستثنیٰ ہے اگر عام نمازوں کی طرح جمعہ کا حکم ہے تو امام حی علی الفلاح تک کھڑا رہ سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب: امام جمعہ جو کھڑا ہوا ہے کھڑا رہ سکتا ہے اسکو بیٹھ جانے کی ضرورت نہیں اور مقتدی بیٹھے ہی بیٹھے رہیں

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۸۸) از پورنیہ کشن گنج بازار سوداگر پٹی مرسلہ امام جامع مسجد ۸ر ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

جمعہ کے خطبہ میں اردو ترجمہ کر کے عوام الناس کو سنانا جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۳۸۹) خطبہ کے اندر بعد تلاوت قرآن مجید بغرض اشاعت و ہدایت اردو میں وعظ و تقریر جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۳۹۰) اگر امام خطبہ پڑھتے ہوئے ہدایت و تبلیغ و فضائل و آداب جمعہ و دیگر مسائل صلوٰۃ اردو میں بیان کرتا ہو خواہ تقریری یا تحریر میں تو عین خطبہ پڑھنے کے دوران دوسرے اشخاص کو روکنا یعنی منع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ باوجودیکہ امام برسر خطبہ یا تقریر کرتا ہو، روکنے والے پر شریعت کی کوئی حد ہے یا نہیں دونوں میں کون زیادہ مجرم ہوئے۔

الجواب ۱:۔ خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا اس میں غیر عربی کا خلط کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ۲:۔ یہ بھی خلاف سنت متوارثہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ۳:۔ اثنائے خطبہ میں بات چیت کرنا منع ہے حدیث میں ارشاد ہوا من قال لصاحبہ انصت والامام یخطب فقد لغا۔ اردو کو خطبہ میں شامل کرنا اگرچہ خلاف سنت تھا مگر اثنائے خطبہ میں سامعین کو بولنے کی اجازت نہ تھی اگر منع کرتا تھا تو بعد میں خطیب سے کہہ دیا جاتا کہ آئندہ ایسا نہ کرے نہ کہ اثنائے خطبہ میں روک ٹوک کرنا یہ زیادہ قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۹۱) مرسلہ محمد اکرام الدین صاحب از رکن جماعت منتظم جامع مسجد تر دوڑا تبع اہلسنت و جماعت قصبہ تر دوڑا، ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیرت کمیٹی جو پٹی لاہور پنجاب میں قائم ہوئی ہے اس کے خیالات کیسے ہیں۔ کیا اپنے عقاید اہلسنت و جماعت کے موافق ہیں یا خلاف ارقام فرمائیں۔ اور اسی سیرت کمیٹی کے علماء و اراکین نے ایک جدید خطبۃ الجمعہ اردو میں نکالا ہے کہ جس کا نام ایمان رکھا ہے۔ آیا وہ خطبہ بوقت جمعہ از روئے شریعت و از روئے اہلسنت و جماعت تاجدار مدینہ سردار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام و تابعین و ائمہ کرام و امام اعظم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہلسنت و جماعت کے منبر پہ کھڑے ہو کر پڑھنا بلا کراہت جائز و درست ہے یا نہیں مفصل طور پر اس کا جواب بحوالہ کتب قرآن عظیم و احادیث کریمہ و فقہیہ کے ارقام فرمایا جاوے عین نوازش ہوگی۔ دریں حالیکہ اراکین سیرت کمیٹی اس خطبہ مذکورہ کو پڑھوانے میں بوقت جمعہ بہت تاکید کرتے ہیں اور زور

دیتے ہیں بلکہ مجبور کرتے ہیں ایسی حالت میں اپنے علماء اہلسنت وجماعت کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ سیرت کمیٹی جن لوگوں نے قائم کی وہ وہابی خیال کے لوگ ہیں اگرچہ اب اس کا رواج ہندوستان کے بہت سے شہروں میں ہو گیا اور اہلسنت بھی اس میں کافی حصہ لیتے ہیں اور اس کے جلسے کرتے ہیں پنجاب کی سیرت کمیٹی نے بعض رسائل بھی شائع کئے ہیں جو اس مقصد سے شائع ہوئے کہ ان کو جلسوں میں پڑھ کر مسلمانوں کو سنایا جائے۔ میں نے ایک رسالہ دیکھا تھا جس میں شانِ رسالت میں نا ملائم اور رکیک الفاظ استعمال کئے ہیں۔ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خلاف سنت متوارثہ ہے زمانۂ سلف میں بھی عموماً عجم میں سب لوگ عربی نہیں جانتے تھے اکثر وہی لوگ تھے جو اس سے ناواقف تھے پھر بھی خطبہ عربی ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ لہٰذا اسی کی پیروی کرنی چاہئے۔ جو لوگ اصرار یا مجبور کرتے ہیں ان کی زیادتی ہے انہیں اس سے باز آنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۹۲) از پورنیہ کشن گنج بازار سوداگر پٹی مرسلہ امام جامع مسجد ۲۴ ذیقعدہ ۵۶ھ

خطبہ پڑھنے کے بعد اگر امام صف کی درستگی کے لئے کچھ کلام کریں اور صف درست کریں کہ نماز میں کچھ وقفہ ہو جائے تو کیا حکم ہے امام ایسا کریں یا نہ کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ خطبہ کے بعد امام درستگی صف کے متعلق ہدایت کر سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف قائم ہونے کے بعد ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے ارشاد فرمایا۔ تخلفوا فتختلف قلوبکم

واللہ تعالیٰ اعلم

باب العیدین

مسئلہ (۳۹۳) از جگدل ضلع چوبیس پرگنہ مرسلہ عبدالوحید صاحب، ۲۶ محرم الحرام ۵۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

مسلمانوں نے بہ نیت قربانی کوئی زمین خریدی اور اس میں قربانی ہونے بھی لگی لیکن اب چند دنوں سے چند مسلمانوں نے اسے عیدگاہ بھی مقرر کر لی اور نماز عید بھی ہونے لگی کیا اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

الجواب: اس جگہ عیدین کی نماز جائز ہے قربانی کو عیدگاہ سے مناسبت ہی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں قربانی فرمائی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذبح وینحر بالمصلی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۹۴) از موضع برہولی ڈاکخانہ مانگٹ ضلع سلطانپور مرسلہ جناب خدا بخش صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

نماز عیدین میں بعد نماز دوگانہ دعا مانگا جائے یا بعد خطبہ سنت طریقہ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعد خطبہ دعا مانگنا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۹۵) از جیت پور کاٹھیاواڑ تنگرہ مسجد مرسلہ جناب عبدالقادر میاں احمد میاں صاحب پیش امام ۲۱ ذی الحجہ ۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد کا پیش امام ہے اور عید الفطر کی نماز مع چند اشخاص کے مسجد میں پڑھائی جب کہ عیدگاہ بھی موجود ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو۔ ایسی حالت میں مسجد میں نماز عید پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (درمختار) اس پر زید اعتراض کرتا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار جلد اول صفحہ ۳۹۴ سطر بارہ میں بھی لکھا ہے کہ گاؤں میں نماز عید پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ زید کہتا ہے کہ نماز عیدین شہر میں پڑھنا جائز ہے تو شہر کس کو کہتے ہیں کیونکہ جیت پور ۴۸ میل کی مسافت میں نہیں ہے اور نہ پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار مسلمانوں کی بستی ہے اور نہ آٹھ دس مسجدیں ہیں اور نہ نمازیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے جس سے خدشہ پیدا ہو۔ علاوہ اس کے عیدگاہ میں ہمیشہ ہر سال نماز ہوا کرتی ہے اور امام بھی سنی حنفی ہیں۔ پانی وغیرہ کا بھی معقول انتظام ہے اور عیدگاہ دور بھی نہیں ہے۔

الجواب: بہار شریعت کا یہ مسئلہ گاؤں میں نماز عید ناجائز ہے بالکل صحیح و درست ہے۔ یہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے اور خود امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے اس کو غلط بتانا اس امام کی غلطی اور بے علمی ہے اگر وہ مذہب سے وابستہ ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کہتا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے لا جمعۃ ولا اضحی ولا تشریق الا فی مصر جامع۔ اور شہر فقہاء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جہاں کوئی حاکم ہو

جو مظلوم کا ظالم سے انصاف لینے پر قادر ہو اور وہاں بازار اور متعدد کوچے ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور ایسا نہ ہو تو اسے گاؤں کہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ جیت پور گاؤں نہیں ہے بلکہ شہر ہے۔ البتہ کاٹھیاوار والے شہر کو بھی گاؤں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے دھوکا ہوا ہے اگر میرا خیال صحیح ہے اور جیت پور شہر ہے تو اس میں جمعہ و عید سب جائز ہے۔ رہا یہ امر کہ عیدگاہ کو چھوڑ کر مسجد میں عید کی نماز پڑھنا بلا وجہ شرعی ہے تو خلاف سنت ہے کہ جب عیدگاہ کا امام سنی ہے اور شرائط امامت کا جامع ہے تو عیدگاہ ہی میں نماز پڑھنا سنت کے مطابق ہے کہ نماز عید شعائر اسلام سے ہے اور تمام مسلمانوں کا مجتمع ہو کر وہاں نماز ادا کرنا اسلامی شوکت ہے اور مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے وہ شوکتِ اسلام ظاہر نہیں ہوگی جو اجتماع میں ہے اور اس زمانے میں اس کی بہت ضرورت ہے کہ اسلام کی شوکت دکھائی جائے۔ لہٰذا زید کو سمجھایا جائے کہ بلا وجہ جماعت مسلمین میں تفریق پیدا کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۹۶) از ضلع پورنیہ ڈاکخانہ بانسی ہاٹ موضع ہرنتو ڑمرسلہ فرزند علی صاحب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ عید کی نماز کے بعد قبل خطبہ یا بعد خطبہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اور ہاتھ پھیلائے ہوئے بارگاہ الوہیت میں دنیا و آخرت کی ہر ذلت و رسوائی سے بچنے اور دونوں جہان میں بہتری اور خوبی پانے کے لئے عرض کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اور دعاء مذکورہ کے سبب سے رحمت الٰہی نازل ہونے کی امید ہے یا مصیبت۔ اور بلا آنے کا خوف علمائے اہلسنت وجماعت کا دعاء مذکورہ کے بارے میں کیا عمل ہے اور سنیوں کو کیا کرنا چاہئے۔ جواب قرآن پاک اور حدیث شریف اور حنفی فقہ کی معتبر کتابوں سے حوالے کے ساتھ عنایت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مہربانیوں کا سایہ ہمیشہ ہم لوگوں پر قائم رکھے آمین۔

الجواب :- دعا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور دعاء عبادت کا مغز ہے حدیث میں ارشاد ہوا ہے الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیشک دنیا و آخرت کی ہر مصیبت کو دور کرنے والی ہے اور ہر ذلت و رسوائی سے بچانے والی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان الدعاء ینفع مما نزل ومما

لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء جو مصیبت نازل ہو چکی اور جو ابھی نہیں نازل ہوئی دونوں میں دعا نفع دیتی ہے
رواہ الترمذی عن ابن عمر واحمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہم ان احادیث مذکورہ سے
دعا کے منافع و فوائد بخوبی معلوم ہوتے ہیں نماز عید کہ سال بھر میں ایک بار ہوتی ہے اور وہ دن مسلمانوں کی خوشی اور مسرت
کا دن ہے مگر مسرت اور شادمانی میں اسلام کا اصلی فریضہ خدا کی یاد ہے اس سے غفلت نہ ہونی چاہئے بلکہ جس طرح مصیبت
میں خدا کو یاد کرنا ضروری ہے اسی طرح فرحت و سرور میں اس کی یاد ضروری ہے اور یہ بھی اس کے حضور تضرع اور دعا کا وقت
ہے۔ ایسے وقت میں دعا اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے یہانتک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب
کہ عورتیں نماز جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اور عیدگاہ کو نماز عید پڑھنے جایا کرتی ہیں۔ اس وقت حیض والیوں کو بھی
حکم صادر فرمایا گیا کہ وہ بھی حاضر ہوں۔ مگر نماز کی جگہ سے الگ رہیں یعتزلن الحیض المصلے اور یہ حکم ہوا کہ خیر اور دعاء مسلمین میں
وہ بھی شرکت کریں۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے ویشہدن الخیر ودعوۃ
المسلمین اگر یہ دعا کا خاص موقع نہ ہوتا تو یہاں ایسی عورتوں کو کیوں طلب فرمایا جاتا جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ مگر جب
فرما دیا گیا کہ اگرچہ نماز میں شرکت نہ کر سکیں مگر دعا میں تو شرکت کر سکتی ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ وقت خصوصیت کے ساتھ دعا
کا ہے جب ثابت ہو گیا کہ نماز عید کے بعد بھی دعا ہے تو اس دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے
آداب میں سے ہے اذا سألتم اللہ فاسألوہ ببطون اکفکم ولا تسألوہ بظہورہا۔ اور دوسری روایت

ع مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے الفاظ کریمہ یہ ہیں فیشہدن جماعۃ المسلمین ودعوتہم تو یہ سب مسلمانوں کے مجمع اور دعا میں شریک ہوں
اس روایت نے تشریح کر دی کہ بخاری کی روایت میں جو لفظ خیر وارد ہے اس سے مجمع میں حاضری مراد ہے۔ یہ حیض والیوں کو بھی ہے اور حیض والی کو نماز پڑھنا
منع۔ لہٰذا متعین ہو گیا کہ دعوۃ المسلمین سے مراد دعا ہے۔ بعد نماز عید دعا مسنون ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس پر اس حدیث
کے علاوہ دیگر احادیث بھی دلیل ہیں۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ایک رسالہ ہے سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد العید اس میں سند متصل
کے ساتھ ثقہ راویوں سے یہ نقل فرمایا قال کانت الصلوۃ فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یقف الامام علی راحلتہ بعد الصلوۃ فیدعو ویصلی
بغیر اذان ولا اقامۃ۔ امام المجتہدین امام اجل تابعی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز عیدین خطبے سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنی راحلہ پر وقوف
کرکے نماز کے بعد دعا مانگتا اور نماز بے اذان و اقامت ہوتی تھی۔ یہ روایت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کتاب الآثار میں نقل فرما کر مقرر رکھی ان
کی عادت ہے کہ جو اثر اپنے مذہب کے خلاف ہوتا ہے اسے مقرر نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس اثر کریم کے مستند اور عند الاحناف معمول ہونے میں کوئی شبہ
نہیں۔ ثابت ہو گیا کہ عہد تابعین میں نماز عیدین کے بعد دعا کا معمول تھا اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ اسی رسالہ مبارکہ میں ابو الشیخ و ابن حبان
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب عزوجل فرماتا ہے یا عبادی
فوعزتی وجلالی لا تسألونی الیوم شیئا فی جمعکم لآخرتکم الا اعطیتکم ولا لدنیاکم الا نظرت لکم۔ اے میرے بندو مانگو مجھ

جمہ یہ بھی ہے فاذا فرغتم فامسحوا بہا وجوھکم یعنی دعا کرو تو اس طرح کرو کہ تمہاری ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں پشت دست آسمان کی طرف نہ ہو اور جب دعا کر چکو تو ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا کرو۔ رواہ ابوداؤد عن مالک بن یسار و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ دوسری حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطہما حتی یمسح بہما وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو جب تک منہ پر پھیر نہ لیتے نیچے نہ کرتے رواہ الترمذی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ دعا میں حضور ہاتھوں کو اتنا بلند فرماتے کہ بغلوں کی سپیدی دکھائی دیتی اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان یجعل اصبعیہ حذاء منکبیہ ویدعو حضور دعا کے وقت انگلیوں کو شانوں کے مقابل کر دیتے تھے اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما سوال کی صورت یہ ہے کہ ہاتھوں کو شانوں کے مقابل کر دے یا ان کے قریب۔ لمعات میں ہے ای ادب السوال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادۃ فی من طلب شیئا ان یبسط یدیہ الیہ الی اللہ عزوجل یعنی سوال کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو شانوں کے مقابل کرے کہ عادت یہ ہے کہ جب کوئی کسی سے کچھ مانگتا ہے تو اس کی طرف ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کا یہ طریقہ ہے اور اس میں اپنی عاجزی وبیکسی کا اظہار ہے کہ جس طرح باطن میں توجہ اور انابت الی اللہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح ظاہر میں بھی سائل اور مانگنے والے کی صورت ہونی چاہئے کہ یہ اقرب الی اللہ اجابۃ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۹۷) مسئولہ محمد کامل صاحب بنارس یکم محرم الحرام سنہ [illegible] ھ

اصول حنفیہ کے اعتبار سے سوائے تکبیر تشریق کے اور کون سا ذکر بالجہر مشروع ہے اور تکبیر تشریق پر لا الہ الا اللہ کا مقدم کرنا کیسا ہے۔

الجواب:- ذکر جہر مقصد کے لئے جائز ہے تکبیر تشریق پر اذکار کو مقدم نہ کرے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے و ینبغی ان یکبر متصلا بالسلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بقیہ صفحہ گذشتہ: میری عزت و جلال کی قسم کہ آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے تمہیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا یعنی اگر وہ چیز بندہ کے لئے بہتر ہے تو دوں گا ورنہ اس سے بلا دور فرماؤں گا یا آخرت میں دوں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

مسئلہ (۳۹۸) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ اندر کورٹ میرٹھ ۲۰ محرم ۱۳۶۱ھ

سیدی دامت برکاتہم۔ احناف کے نزدیک خطبہ عیدین سننا واجب ہے چنانچہ درمختار وغیرہ میں تصریح فرمائی گئی ہے لیکن ابن ماجہ، النسائی، ابوداؤد باب العیدین میں ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہے سنے اور جو چاہے چلا جائے اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب:۔ اولاً یہ حدیث مرسل ہے جیسا کہ ائمہ حدیث نے اس کی تصریح کی ہے اور خود ابوداؤد نے بھی اس کو مرسل ہی بتایا ہے۔ ثانیاً یہاں دو چیزیں ہیں ایک بوقت خطبہ حاضر رہنا۔ دوم جو حاضر ہوں ان کو خطبہ کا استماع یعنی وقت خطبہ ایسی چیزیں نہ کرنا جو منافی استماع ہوں۔ مثلاً سلام و کلام اور کھانا، پینا وغیرہ۔ فقہاء نے جس کے وجوب کی تصریح فرمائی ہے وہ استماع ہے اور حدیث میں جس کی رخصت ہے وہ وہاں سے چلے جانے کی ہے فلا منافاۃ۔ لہٰذا جو چاہے جا سکتا ہے مگر جو موجود رہے گا اس کے لئے استماع واجب ہے۔ ھذا ما عندی والعلم عند ربی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۳۹۹) مرسلہ مولوی غلام رشید صاحب صاحب سلمہ از ناگپور مومن پورہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

نماز عید میں دوسری رکعت میں امام تکبیر زوائد بھول گیا اور رکوع کے بعد سجدہ میں اسے یاد آیا۔ اسنے اسی وقت قیام کی طرف عود کیا۔ اور تکبیرات کو پورا کیا ایسی شکل میں نماز ہوئی یا نہیں۔

الجواب:۔ امام رکعت ثانیہ میں تکبیرات زوائد بھول گیا اور رکوع میں اسے یاد آیا جب بھی اس کے لئے قیام کی طرف عود کرنے کی اجازت نہیں یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ درمختار میں ہے لو رکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاہر الروایۃ جب رکوع سے قیام کی طرف عود کی اجازت نہیں تو سجدہ سے عود کرنا بدرجہ اولیٰ نہ چاہئے رہا یہ کہ نماز فاسد ہوئی یا نہیں درمختار میں عود من الرکوع کی نسبت لکھا فلو عاد ینبغی الفساد اور اس کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں رفض فرض ہے مگر قوی من حیث الدلیل یہ ہے کہ رکوع سے قیام کی طرف عود سے نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ قیام میں تکبیرات کہنے کے بعد پھر رکوع کرے کہ روایت نوادر جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ یہ ہے یعود الی القیام ویکبر ویعید الرکوع دون القراءۃ اور صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں جیسا کہ قیام سے قعدہ اولیٰ کی طرف عود کرنے میں۔ ردالمحتار میں ہے قولہ فلو عاد ینبغی الفساد تبع فیہ صاحب النہر وقد علمت ان العود روایۃ النوادر علی انہ یقال علیہ ما قال ابن الہمام فی ترجیح القول

بعدم الفساد فیما لو عاد الی القعود الاول بعد ما استتم قائما بان فیہ رفض الفرض لاجل الواجب وھو وان لم یحل فھو بالصحۃ لا یخل پس اگر سجدے سے قیام کی طرف عود کیا اور تکبیرات کہیں تو پھر رکوع کر کے سجدہ میں جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

باب الجنائز

مسئلہ (۴۰۰) مولوی حافظ شیر محمد صاحب مدرس عربی سکول خانپور ریاست بہاولپور ۱۲ ربیع الاول [illegible]
ایک کنجری اس جگہ فوت ہوگئی ہے طوائف چکلہ میں سے تھی بعض مولویوں نے جنازہ پڑھا ہے اور بعض نہیں گئے قل خوانی کا کھانا بھی کھایا ہے بحوالہ الکتب تحریر فرمائیں کہ جنازہ ایسی عورت کا پڑھنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز جنازہ ہر مسلمان کی پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ تنویر الابصار میں ہے وھی فرض علی کل مسلم مات۔ صرف بعض[ع] کو فقہاء نے استثناء فرمایا ہے۔ اور زانی و زانیہ ان میں نہیں۔ ہاں اگر بعض خواص تو نہ پڑھیں کہ دوسروں کو عبرت ہو تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ عورت غامدیہ جو زنا میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ اور ان پر حد رجم قائم کی گئی تھی ان کے بارے میں صحیح مسلم شریف کتاب النکاح میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ ثم امر بھا فصلی علیہا الخ۔ رجم کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا پھر ان کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ اور اس کے فاتحہ کے کھانے کا یہ حکم ہے کہ اگر حلال اور طیب مال سے کھانا پکوا کر ایصال ثواب کیا گیا تو اس کے کھانے میں حرج نہیں، وہ لوگ کھا سکتے ہیں جن کو اس قسم کا کھانا جائز ہے مگر جب کہ وہ عورت بازار کی بیٹھنے والی تھی تو ایسی جگہ کھانے کے لئے جانا بھی اگرچہ وہ کھانا جائز ہو شرعاً مذموم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع ان لوگوں کی نماز جنازہ نہیں۔ (۱) باغی۔ جو امام برحق پر ناحق خروج کرے۔ اور بغاوت کی حالت میں مارا جائے (۲) ڈاکو جب کہ ڈاکہ ڈالنے کی حالت میں مارا جائے۔ (۳) جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑیں اور اسی حالت میں مارے جائیں (۴) جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑنے والوں کا تماشا دیکھ رہے ہوں اور ان کو پتھر یا تیر یا گولی وغیرہ لگی اور مر گئے۔ (۵) جو کسی مسلمان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ اس گلا گھونٹنے والے کی نماز جنازہ نہیں اور جو گلا گھونٹنے سے مرا ہے اس کی نماز جنازہ ہے (۶) جو لوگ رات میں ہتھیار لے کر لوٹ مار کریں اور اسی حالت میں مارے جائیں۔ (۷) جس نے اپنے باپ یا ماں کو مار ڈالا ہو اس بدنصیب کی نماز جنازہ نہیں (۸) جو کسی مسلمان کا مال چھین رہا تھا اور اسی حالت میں مارا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۰۱) مسئولہ مولوی عبد الجبار صاحب طالب العلم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۲۰ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اگر ولی میت نے امام جمعہ کے علاوہ اور کوئی دیندار پرہیزگار کو نماز جنازہ کی اجازت دے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔

مسئلہ (۴۰۲) ولی میت کی اجازت کے بغیر امام جمعہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھا دے تو ولی میت نماز لوٹا سکتا ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۰۳) اگر میت کا لڑکا محلہ کا سردار ہو اور مسجد کا متولی بھی تو امام جمعہ کے علاوہ اور کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۰۴) اگر کوئی شخص حالت زندگی میں امام موصوف پر ناراض ہو اور بعد وفات اور کسی شخص کے ذریعہ سے نماز پڑھوانے کی وصیت کرے تو وصیت جاری ہوگی یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر صاحب حق کے سوا دوسرے عاقل بالغ نے نماز پڑھا دی جب بھی نماز جنازہ ہو جائے گی یعنی فرض ساقط ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے دسقوطا فرضها بواحد۔ ردالمحتار میں ہے ای بشخص واحد رجلا کان او امراۃ مگر جب کہ نماز جنازہ کے وقت امام جمعہ حاضر ہو تو ولی یا امام حیی سے زیادہ حق اسی امام جمعہ کا ہے۔ غنیہ میں ہے الاولی بالامامۃ فیها السلطان ثم القاضی ثم امام الجمعۃ ثم امام الحی ثم الولی علی ترتیب الارث۔ اور ایسے وقت کہ ولی سے افضل و احق موجود ہے تو ولی کو یہ نہ چاہئے کہ دوسرے سے پڑھوا دے یا خود پڑھا دے بلکہ وہی امام جمعہ ہی پڑھائے۔ مگر دوسرے نے پڑھا دی جب بھی نماز ہوگئی۔ اسی غنیہ میں ہے لہا ان یاذن لغیرہ اذ انتهی الحق الیہ اور اس صورت میں ابھی ولی تک حق امامت پہنچا ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب:۔ امام جمعہ کو ولی سے اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ضرورت جب ہوتی کہ یہ خود صاحب حق نہ ہوتا اور اوپر معلوم ہو چکا کہ امام جمعہ ولی پر مقدم ہے اور امام جمعہ پڑھا دے گا تو ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ ولی نماز کو دوبارہ اس وقت پڑھ سکتا ہے کہ بغیر اجازت ولی کسی ایسے نے نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ تھا اور خود ولی نماز میں شریک نہ ہوا۔ غنیہ میں ہے و لیس لغیر المذکورین ان یتقدم بلا اذن فان تقدم فلهان یعیدان شاء

درمختار میں ہے فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض والا ای وان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لا یعید لانہم اولی بالصلٰوۃ منہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب:- سردار محلہ یا متولی مسجد ہونے سے نماز جنازہ کا حق نہیں ملتا اس کے لئے سوائے حق ولایت مسجد کوئی دوسرا حق نہیں۔ اور امام جمعہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کو اجازت دینے کا اسے حق نہیں۔ کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب:- امام سے ناراض ہونا اگر کسی ایسی خرابی کے باعث تھا جو امام میں تھی تو امام کو ولی پر ترجیح نہیں کہ امام کو ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص نے اپنی زندگی میں اسے امام بنایا اور اس پر راضی رہا تو بعد موت نماز جنازہ کا بھی وہی امام ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلٰوۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ اور یہاں زندگی میں رضا موجود نہیں لہٰذا تقدیم کی وجہ نہیں۔ اسی میں غنیہ سے ہے فعلی ہذا لو علم انہ کان غیر راض بہ حال حیاتہ ینبغی ان لا یستحب تقدیمہ اور اگر امام پر ناراضی بلا وجہ شرعی ہو تو اس ناراضی کا کچھ اثر نہیں۔ ردالمحتار میں عبارت غنیہ کے بعد فرمایا قلت ہذا اسلم ان کان عدم رضاہ بہ لوجہ صحیح والا فلا۔ نماز جنازہ کی وصیت باطل ہے یعنی صاحب حق کے سوا دوسرے کو نماز پڑھانے کی وصیت کر گیا تو اس وصیت سے حق دار کا حق نہ جائے گا۔ درمختار میں ہے والفتوی علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلٰوۃ علیہ ردالمحتار میں ہے عزاہ فی الھندیۃ الی المضمرات ای لو اوصی بان یصلی علیہ غیر من لہ حق التقدم او بان یغسلہ فلان لا یلزم تنفیذ وصیتہ ولا یبطل حق الولی بذلک وکذا تبطل لو اوصی بان یکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع کذا کما عزاہ الی المحیط وذکر فی شرح درر البحار ان تعلیل تقدیم امام الحی بما مر من ان المیت رضیہ فی حیاتہ یفید ان الموصی لہ یقدم امام الحی لاختیارہ لہ حیًا الا ان المذکور فی المنتقی ان ہذہ الوصیۃ باطلۃ اھ فتامل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۵) مرسلہ اسمٰعیل صالح محمد از رانا واو ضلع کاٹھیاوار ۳ ذی الحجہ [illegible]ھ

جنازے کے آگے مولود شریف پڑھنا چلتے وقت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:- جنازہ کے ساتھ ساتھ نعت شریف پڑھنا جائز ہے والدلائل ذکرھا فی الفتاوی الرضویۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۴۰۶) مسئولہ احمد علی محلہ نالہ بریلی ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند شخصوں نے ایک مرد حنفی کی نماز جنازہ نہ پڑھی اور گیارہویں شریف کا کھانا کھایا۔ اس کھانا کھانے اور نماز جنازہ کی لوگوں سے معافی منگائی گئی۔ ایسے لوگوں کی نسبت شرع کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ مسلمان میت کی نماز فرض کفایہ ہے جن لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی فرض ادا کیا۔ معافی مانگنا کسی گناہ وجرم کے سبب ہوتا ہے جن لوگوں نے معافی منگوائی بلکہ جنھوں نے معافی مانگی سب مجرم ہیں سب پر توبہ فرض ہے یونہیں گیارہویں شریف کا کھانا مباح وحلال تھا۔ اس سے بھی معافی مانگنے یا منگوانے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۰۷) مرسلہ سید حسن اشرف صاحب از ضلع بستی محلہ پورانی بستی ۱۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

زید اپنی بی بی کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ عورت کے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانا منع ہے کہ مرنے کے بعد وہ تعلق قطع ہوگیا اب وہ مثل اجنبیہ ہے کہ بلا حائل چھو نہیں سکتا مگر دیکھنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے ویمنع زوجہا من غسلہا ومسہا لا من النظر الیہا علی الاصح اور یہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ جنازہ کو شوہر کندھا نہیں دے سکتا محض غلط ہے۔ کہ یہ تو مطلقاً ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ شرع نے اس پر کسی قسم کی تخصیص نہ کی۔ پھر غیروں کا تو اجازت ہو اور شوہر کو روکا جائے۔ عجب ہے کہ اگر تعلق منقطع ہونا سبب ہو تو اوروں سے بھی تعلق نہیں۔ آخر وجہ فرق کیا ہے کہ اوروں کو اجازت اور شوہر کو ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۰۸) مسئولہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب از احمد آباد گجرات ۲۴ رشوال ۱۳۳۲ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ ہمارے یہاں ایک قاضی صاحب ہیں جو نماز جمعہ وعیدین پڑھاتے ہیں۔ اور نماز جنازہ بھی۔ ہوا یہ کہ ہمارے قصبہ میں ایک معمار کا انتقال ہوا جس کا نام رجو تھا اور ایک عورت کا انتقال ہوا جس کا نام بڑی بی بی تھا۔ قاضی صاحب نے ان دونوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ رجو کڑیل نمازی تھا۔ اور بڑی بی بی سید گھانسی میاں صاحب قادری مرحوم ومغفور کی مرید تھی۔ اور بڑی بی بی کی میت میں قاضی صاحب نے یہ حکم دیا کہ کوئی مرد یا عورت اس کی میت میں شریک نہ ہو اور جو شریک ہوگا اس کو جماعت سے خارج کیا جائے گا۔ اس

کے بعد قاضی صاحب نے اس عورت کو جس نے غسل دی تھی اور سید پیرو میاں ابن محمد انسی میاں احمد نے نماز جنازہ پڑھائی تھی جماعت سے نکال دیا اور میر پیارے کے جنازہ کی نماز بھی قاضی صاحب نے نہیں پڑھائی جب کہ یہ نمازی تھا اور سید باوان میاں قادری مرحوم و مغفور کا مرید تھا، یہ کام جو قاضی صاحب کر رہے ہیں کیا شرع کے موافق ہے یا مخالف یہی قاضی صاحب ہمارے قصبہ میں نکاح بھی پڑھاتے ہیں اب ہم لوگ ان کو اپنا پیشوا مانیں یا اس منصب پر کسی دوسرے کو قائم کریں۔

مسئلہ (۴۰۹) قاضی صاحب مذکور نے ملک گلاب، ملک امام و ملک عباس ان تینوں کو بلایا۔ ان تینوں کے قبضہ میں ایک مکان ہے جس کے یہ تینوں مالک ہیں۔ قاضی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کے مال وقف سے اکاون روپیہ دے کر یہ مکان لے لیں۔ اور بعد تعمیر اس مکان کو قابل کرایہ بنا دیا جائے اور مسجد کی ضروریات میں وہ کرایہ صرف کیا جائے۔ اس کے بعد ان تینوں اشخاص پر جبر کیا کہ یہ مکان مسجد میں دے دو۔ اگر نہ دو گے تو جماعت سے نکال دیں گے ملک گلاب و ملک امام نے انکار کیا تو قاضی صاحب نے ان دونوں کو برادری سے خارج کر دیا۔ اب قاضی صاحب شرع شریف کے موافق ہے یا نہیں۔ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرًا وافیا۔

الجواب :- ہر مسلمان میت کی نماز فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ فاسق و فاجر ہو۔ حدیث شریف میں ہے صلوا علی کل بر وفاجر۔ درمختار میں ہے والصلوٰۃ علیہ فرض کفایۃ بالاجماع فیکفر منکرھا لانہ انکر الاجماع یونہی میت کو غسل دینا بھی واجب ہے۔ عالمگیری میں ہے غسل المیت حق واجب علی الاحیاء بالسنۃ واجماع الامۃ کذا فی النہایۃ بدائع الصنائع میں ہے اما الاول (ای وجوب الغسل) فالدلیل علی وجوبہ النص والاجماع والمعقول اما النص فما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال للمسلم علی المسلم ست حقوق وذکر من جملتھا ان یغسلہ بعد موتہ الخ بالجملہ جس نے میت کو غسل دیا یا نماز پڑھی۔ اس نے واجب ادا کیا۔ اور کوئی نہ کرتا تو وہاں کے رہنے والے جن کو خبر تھی۔ سب کے سب گنہگار ہوتے اس قاضی جاہل کا نماز جنازہ سے منع کرنا فرض سے روکنا ہے اور جس نے نماز پڑھی اسے جماعت سے خارج کرنا سخت ظلم و بے باکی ہے۔ اور یہ قاضی مناع للخیر ہے۔ ایسا شخص گنہگار مستحق غضب جبار ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ جن کو اس قاضی نے جماعت سے خارج کیا ہے انہیں شامل جماعت کریں اور خود اس قاضی کو جماعت سے خارج کریں اور اس کو اس منصب سے علیحدہ کریں قال اللہ تعالٰی لا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب: جبر تعدی حرام ہے اور مکان نہ دینے پر ان تینوں شخصوں کو جماعت سے خارج کرنا ناجائز۔ قاضی کا یہ حکم بالکل خلاف شرع ہے۔ مسجد اس کی محتاج نہیں کہ لوگوں پر ناجائز دباؤ دے کر ان کے مکانات وغیرہ لئے جائیں اگر وہ خوشی سے نہ دیں تو ان پر کچھ حرج نہیں۔ یہ بھی ان پر قاضی کا ظلم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۱۰) از شہر کہنہ بریلی۔ ۲۲ محرم ۱۳۷۳ھ

نماز جنازہ میں مقتدی و امام کو سبحانک اللھم پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب: نماز جنازہ میں امام و مقتدی کسی پر قرأت عــہ نہیں۔ لہذا صرف سبحانک اللھم پڑھیں مگر نہاں تعالٰی جدک کے بعد جل ثناؤک بھی ملائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۱۱) مسئولہ جناب محمد ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ موضع پچوکرہ تحصیل کھیر ضلع علی گڑھ ۵ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

جو شخص مذہب اسلام سے واقف نہ ہو اور مدعی اسلام ہو اور اسلامی عقائد و قواعد کے جاننے کی کوشش بھی نہ کرتا ہو بلکہ بعض عقائد اسلامیہ مثل عقد ثانی بیوگان کو قبیح جانتا ہو۔ ایا ایسے شخص سے میل جول، طعام و سلام اور اس کے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جو شخص مدعی اسلام ہو اگرچہ اصول اسلام سے واقف نہیں۔ اسے مسلمان ہی قرار دیں گے جب تک ضروریات دین کا انکار اس سے ثابت نہ ہو۔ اگر عقد بیوگان کو حرام جانتا ہو یا اس مسئلہ اسلامیہ کو بری نظر سے دیکھتا ہو اور برا بتاتا ہو تو یہ کفر ہے۔ اور اس صورت میں اس سے میل جول سلام و کلام سب حرام، اور اس کے جنازہ کی نماز حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۱۲) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب از ستواس ریاست اندور ۲ صفر ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مقتول ملا۔ پندرہ روز کے بعد صرف دو حصے سر کے اور ایک ہاتھ ایک طرف کی پسلیاں ملیں۔ اب اس پر نماز پڑھیں یا نہ۔ پڑھ لیا تو کیا گناہ ہوا۔

الجواب: اگر آدھا جسم مع سر کے ملا تو نماز پڑھی جائے گی۔ اور صورت مسئولہ میں تو صرف کچھ اجزا سر کے، اور ایک ہاتھ اور ایک طرف کی پسلیاں ملی ہیں۔ لہذا اس کی نماز جنازہ نہیں۔ عالمگیری میں ہے ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الراس یغسل و یکفن و یصلی علیہ کذا فی المضمرات و اذا صلی علی الاکثر لم یصلی علی الباقی اذا وجد۔ کذا

عــہ اور تعوذ قرأت کے لئے مسنون تھا جب قرأت نہیں تو تعوذ بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

فی الایضاح وان وجد نصفہ من غیر الراس او وجد نصفہ مشقوقاً طولاً فانہ لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقۃ ویدفن فیہا کذا فی المضمرات۔ درمختار میں ہے وجد راس آدمی او احد شقیہ لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا راس۔ ردالمحتار میں ہے وکذا یغسل لو وجد النصف مع الراس بحر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [عه]

مسئلہ (۴۱۲) مسئولہ مولوی حمید حسن متعلم مدرسہ اہلسنت۔ ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت اہل سنت وجماعت کی نماز شیعہ یا غیر مقلد نے پڑھائی۔ اور اس میں دھوکے سے اہل سنت وجماعت نے نماز پڑھی۔ جو نقشبندیوں کی مسجد کے نمازی تھے۔ اور وہ لوگ نماز جنازہ پڑھانے والے کو سنی جانتے تھے اور چند لوگ میت کے ہمراہ جنازہ میں تھے جو سنی تھے اور امام کے مذہب کو جانتے تھے لیکن ان لوگوں نے ظاہر نہیں کیا۔ اس صورت میں قبر پر نماز جنازہ مکرر ہوگی یا نہیں۔ اور جن جن کو معلوم تھا ان کو تجدید ایمان و تجدید نکاح کرنا چاہئے یا نہیں اور جن لوگوں کو نہیں معلوم تھا ان کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- روافض زمانہ قطعاً کفار مرتدین ہیں کہ قرآن عظیم کو ناقص مانتے اور ائمہ اطہار کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دیتے ہیں۔ یا الیسوں کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان جانتے ہیں اور یہ دونوں باتیں قطعاً یقیناً بالاجماع کفر۔ اور جو اس کے قائل کو کافر نہ جانے وہ بھی انہیں کے مثل۔ من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر اور وہابیہ غیر مقلدین پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم۔ کما حقق شیخنا المجدد فی رسالۃ الکوکبۃ الشہابیہ وغیرہا۔ ان کے پیچھے نماز ناجائز و باطل کما ہو مصرح فی رسالۃ النہی الاکید۔ بالجملہ اس میت کی نماز نہ ہوئی کہ جب امام رافضی تھا یا غیر مقلد تو امام کی نہ ہوئی۔ اور اقتداء صحیح نہ ہوئی۔ تو میت کو بغیر نماز دفن کر دیا فرض ہے کہ میت کی قبر پر نماز پڑھی جائے [عه] اور مقتدیوں میں جسے امام کا حال معلوم نہ تھا اس پر مواخذہ نہیں۔ اور جسے معلوم تھا اور اقتداء کی تو اسے صالح امامت [عه] سمجھا ایسے کو تجدید ایمان و تجدید نکاح چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عه اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں۔ اول آدھا جسم پورے سر کے ساتھ ملا۔ دوم سر نہیں ملا مگر جسم کا اکثر حصہ ملا۔ ان دونوں صورتوں میں نماز جنازہ ہے۔ سوم سر کے ساتھ آدھے جسم سے کم ملا۔ چہارم سر نہیں ملا۔ آدھا یا آدھے سے کم جسم کا حصہ ملا۔ پنجم آدھے سر کے ساتھ آدھا جسم ملا۔ ان تینوں صورتوں میں نماز جنازہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

عه یہ مسئلہ متعلق ہے یہ معلوم رہا ہوگا کہ ابھی اتنی مدت نہیں گزری کہ میت تربتر یا پھٹ گئی ہوگی۔ ورنہ حکم یہ ہے کہ اگر دفن کئے اتنی مدت گزر چکی ہے کہ قبر میں میت پھٹ گئی ہوگی تو نماز جنازہ ساقط ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔ عه صالح امامت سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ اسے مسلمان جانا۔ اور روافض وغیر مقلدین کو مسلمان جاننا کفر ہے۔ اس لئے ان کو توبہ و تجدید ایمان کا حکم ہے۔ اور اگر اقتداء کی نیت نہ کی اپنے طور پر بلا اقتداء نماز جنازہ پڑھ لی یا نہ پڑھی یونہی بلا نیت نماز کھڑا رہا تو تجدید ایمان و نکاح کا حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

مسئلہ (۴۰۴) مسئولہ محمد حسین از محلہ سوداگران بریلی ۔ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرا جس نے کبھی نماز نہ پڑھی مگر کلمہ گو ضرور تھا۔ اس شخص کی نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھی۔ ان لوگوں کے واسطے کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۴۰۵) ایک شخص اور مرا وہ بھی ایسا ہی تھا اس کے جنازہ کو امام نے چالیس قدم گھسیٹا تب اس کی نماز پڑھی تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ متقی ہونا ضرور نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے الصلوٰۃ علیہ فرض کفایۃ وشرطھا اسلام المیت حدیث میں ہے صلوا علی کل بر و فاجر جب کسی نے نہ پڑھی تو وہاں والے جن کو خبر تھی سب گنہگار ہوئے سب پر توبہ فرض ہے۔ اور اگر تین دن سے زیادہ زمانہ دفن کو نہ ہوا ہو۔ تو قبر پر پڑھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: جنازہ مسلم کو گھسیٹنا ناجائز و گناہ ہے۔ اس نے کبھی نماز نہ پڑھی اس کا گناہ اس پر ضرور تھا مسلمان میت کی بے حرمتی کر کے بلا سبب انھوں نے گناہ کیا۔ حدیث میں تو یہاں تک فرمایا دکفوا عن مساویھم اپنے مُردوں کی برائیاں بیان کرنے سے زبان روکو۔ تو جب اس کی برائیاں مرنے کے بعد ذکر کرنے سے ممانعت فرمائی تو یہ بے حرمتی کس درجہ شنیع و قبیح ہے۔ پھر گھسیٹنے کے بعد نماز پڑھی تو کیا اس سے وہ پاک ہو گیا نماز ترک کرنے کا اس سے کفارہ ادا ہو گیا جو ایذا پہنچانے کے بعد نماز پڑھی پہلے ہی نماز پڑھ کر کیوں نہ دفن کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۰۶) از رانی کھیت جامع مسجد مرسلہ قاری جلیل الدین احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۴۵ھ

نابالغ بچے جن کے ورثا وہابی شیعہ یا دیگر فرقہ ضالہ ہیں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنی یا جنازہ کی مشایعت میں نقل و حرکت شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔

الجواب: نابالغ سمجھدار ہے تو اس کا اسلام معتبر ہے اور ناسمجھ ہے تو خیر الابوین کا تابع ہے اس میں دیگر ورثا کا

۱؎ یہ ایک قول کی بنا پر ہے۔ غالباً عوام کی آسانی کے لئے یہ قول اختیار فرمایا۔ ورنہ صحیح یہ ہے کہ اس کی دنوں سے مقدار نہیں بتائی جا سکتی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس کا گمان غالب ہو کہ میت پھٹ گئی ہے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور یہ زمین اور موسم اور میت کے اعتبار سے بدل سکتا ہے۔ تر زمین میں جلد پھٹے گا خشک زمین میں دیر میں۔ جاڑے میں دیر میں گرمی میں جلد۔ موٹے آدمی کی لاش جلد پھٹے گی اور دبلے کی دیر میں۔ اس کو خود بہار شریعت میں اور دوسری کتب کے حوالے فتاویٰ میں مفصل ذکر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر اس کے والدین کفریہ عقائد رکھتے ہوں اور وہ بچہ نا سمجھ ہو تو جنازہ میں شرکت ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۷ ۱۴) آپ نے بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۲۲ میں نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنا سنت تحریر فرمایا ہے اور رسالہ رکن الدین میں درمختار کے حوالے سے میت کے لئے دعا کرنا واجب لکھا ہے۔ اور بہشتی گوہر میں بھی یہی ہے۔ لہٰذا مسئلہ کی تحقیق فرما کر جواب دیجئے۔

الجواب: درمختار باب شروط الصلوٰۃ میں لکھا ہے لاتنہ الواجب علیہ جس سے ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں دعا واجب ہے۔ اور بعض علماء کا یہی مذہب بھی ہے۔ مگر خود درمختار باب الجنائز میں دعا کو سنت بتایا اور پہلے قول کو رد کر دیا۔ عبارت یہ ہے وسنتھا التحمید و الثناء و الدعاء فیھا ذکرہ الزاھدی و ما فھمہ الکمال من ان الدعاء رکن و التکبیرۃ الاولیٰ شرط ردہ فی البحر بتصریحھم بخلافہ اور وہ پہلی عبارت جس سے وجوب سمجھا جاتا ہے اس کی تاویل علامہ شامی نے یہ کی ہے کہ یہاں دعا سے مراد نفس نماز جنازہ ہے کہ وہ خود ہی دعا ہے۔ اس دعا سے مراد وہ دعا نہیں ہے جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور جو لوگ دعا کو واجب کہتے ہیں وہ ائمہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں حقیقتھا ھی الدعاء ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ اگر اس عبارت میں دعا سے وہ دعا مراد لی جائے جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور یہ جملہ چونکہ حصر کا افادہ کرتا ہے لازم آئے گا کہ تکبیرات رکنیت سے خارج ہو جائیں اور یہ خود ان کے بھی خلاف ہے اس قول میں خود نماز جنازہ ہی کو دعا کہا گیا ہے اور وہ دعا مراد نہیں ہے جس پر نماز جنازہ مشتمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسئلہ (۸ ۱۴) از پورنیہ سید باڑہ مرسلہ جناب مولوی شمس العالم صاحب ۱۲ رجب ۱۳۵۰ھ

مجنوں کی نماز جنازہ کی دعا میں کیا پڑھا جائے۔

الجواب: مجنوں کے لئے نماز جنازہ میں وہ دعا پڑھی جائے جو نابالغ کے جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر جنون[ع] اصلی ہو تو دعائے مغفرت نہ کی جائے اور عارضی جنون ہو تو دعا مغفرت بھی کی جائے کہ قبل جنون وہ مکلف تھا۔ درمختار میں ہے و لا یستغفر فیھا لصبی و مجنون و معتوہ لعدم تکلیفھم۔ ردالمحتار میں ہے ھذا فی الاصلی فان المجنون و المعتوہ العارض بعد البلوغ لا یسقطان الذنوب السابقۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع: جنون اصلی سے مراد یہ ہے کہ نابالغی کی حالت ہی سے مجنون ہو یا بلوغ کے ساتھ ساتھ جنون بھی طاری ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اجملی)

مسئلہ (۴۱۹) از مقام گورمہی ڈاکخانہ انگس ضلع ہوگلی بنگال مرسلہ جناب غلام رسول صاحب ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمان قصداً ہندؤں یعنی کافروں کی میت کے ساتھ شریک ہوکر کافروں کے ساتھ کافروں کے رسوم ادا کرتے ہیں ایسے مسلمانوں پر شریعت طاہرہ کا کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۴۲۰) وہی مذکورہ بالا مسلمان مسلمانوں کے جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہوتے ہیں باوجودیکہ ان کو خبر ہوتی ہے۔ ان پر کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۴۲۱) مذکورہ بالا مسلمان کے ساتھ دوسرے دیندار مسلمان برادرانہ رسوم برتیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر کافر مرجائے تو مسلمان اس وقت کفن و دفن کرسکتا ہے جب کوئی کافر اس کو کفن دفن کرنے والا نہ ہو۔ ایسی صورت میں بغیر مراعات سنت اس کو الگ گڑھے میں دبا دے اور جب کہ اس کے مذہب والے موجود ہوں تو مسلمان اس کی تجہیز و تکفین نہ کرے اگرچہ وہ کافر اس مسلمان کا قریبی رشتہ دار ہو۔ تنویر الابصار میں ہے۔ ویغسل المسلم ویکفن و یدفن قریبہ الکافر الاصلی عند الاحتیاج من غیر مراعاۃ السنۃ درمختار میں ہے فیغسلہ غسل الثوب النجس و یلفہ فی خرقۃ و یلقیہ فی حفرۃ اور صورت مسئولہ میں جب کہ ہندو موجود تو مسلمان کی شرکت کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اس کی شرکت سے لوگوں کی کثرت ہوگی۔ اور اس سے جنازہ کافر کی شان نمایاں ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب: اگرچہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض نے ادا کرلیا تو دوسرے لوگ بری الذمہ ہیں۔ مگر اس شخص کا کافروں کے جنازہ میں شریک ہونا اور مسلمانوں کے جنازہ میں نہ شریک ہونا کی ہرگز تک ہے کہ کافروں کی طرف اس کا میلان ہے۔ اور قرآن کا ارشاد ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الآیۃ۔ ظالموں کی طرف میلان نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: اس شخص سے توبہ کرائیں اگر وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو اسے علیحدہ کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۲)

شیرخوار میت یعنی بچہ یا نابالغ میت کو تلقین کرنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: تلقین کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۳) مرسلہ مولوی عبد الغنی حنفیہ غوثیہ مسجد بکر منڈی قتلی بازار کانپور۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہیئے یا باندھ کر دونوں طرح جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہیئے یہ خیال کہ تکبیرات میں ہاتھ باندھے رہنا مسنون ہے۔ لہذا سلام کے وقت بھی ہاتھ باندھے رہنا چاہیئے۔ یہ خیال غلط ہے وہاں ذکر طویل مسنون موجود ہے اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے فقہاء کرام نے ہاتھ باندھنے اور کھولنے کے لئے جو کلیہ ارشاد فرمایا ہے اس سے استدلال کی ہمیں حاجت نہیں[عہ] جب کہ خاص اس بارے میں جزئیہ موجود ہے۔ خلاصۃ الفتوی میں ہے ولا یعقد[عہ] بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھکذا فی الذخیرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۴) مسئولہ محبت شاہ موضع ڈھنکنی ڈاکخانہ فرید پور ضلع بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید گاؤں میں رہتا ہے اور گاؤں میں خواندہ شخص بہت کم رہتے ہیں۔ زید کا لڑکا فوت ہو گیا اور اس کو فوت ہوئے ایک ماہ ہو گیا ہے اور اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ زید نے تین یوم تک برابر نماز پڑھوانے کی کوشش کی۔ لیکن نماز پڑھنے والا کوئی نہیں ملا۔ زید چاہتا ہے کہ نماز جنازہ پڑھوا دی جائے۔ ایسی صورت میں از روئے شرع شریف نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ نماز جنازہ فرض ہے جو لوگ اس گاؤں میں رہتے ہیں ان پر فرض ہے کہ نماز جنازہ یاد کر لیں اور جب تک دعائیں یاد نہ ہوں تو اتنا ہی کر لیا کریں کہ جنازہ کے لئے چار بار اللہ اکبر کہہ کر سلام پھیر دیا۔ فرض ادا ہو جائے گا۔ قبر پر نماز جنازہ اس وقت پڑھی جا سکتی ہے جب تک جسم میت کا صحیح و سالم ہونا مظنون ہو۔ اب چونکہ ایک ماہ کا زمانہ گزر گیا۔ وقت نکل گیا۔ وہاں والے سب گنہگار رہے۔ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۵) از ضلع بلیا۔ مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۲ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

غسل میت کے اندر جن صورتوں میں تیمم کرانے کا حکم ہے ان صورتوں میں میت کے بدن کے کپڑے

عہ اگرچہ یہ استدلال صحیح ہے مقصود یہ ہے کہ اس زحمت کی ضرورت نہیں کہ اس کلیہ سے استدلال کیا جائے جب کہ صریح جزئیہ موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے رہے۔ اس لئے کہ اب ذکر مسنون باقی نہ رہا کہ باندھے رہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دے پھر دونوں طرف سلام پھیرے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔

کس طرح اتارے جائیں اور کفن کس طرح پہنایا جائے کپڑے اتارنے اور کفن پہنانے میں تو بہر حال میت کے بقیہ جسم کو ہاتھ ضرور ہی لگے گا۔ مع حائل ایسا کرنے میں بہت دقت ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کپڑے اتارنے یا کفن پہنانے میں اپنے ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ لے تاکہ امرد کے بدن کو ہاتھ نہ لگے اور اگر عورت کا محرم ہے تو اسے بعض اعضا پر ہاتھ لگانے میں حرج نہیں۔ اسی واسطے تیمم کرانے میں اس کو ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے کی کوئی حاجت نہیں کہ ان مواضع کو بلا حائل چھو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۶) مرسلہ حاجی محمد اسماعیل ولد الفو مقام ٹاڈ ضلع تھانہ آفس رو ڈ۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۵۹ھ

آج کل ہندوستان میں جو یہ رواج جنازہ کا ہے جیسا کہ ہندؤں کی ارتھی کیونکہ مردہ کو بہت تکلیف ہوتی ہے چونکہ جنازہ کے باہر جو ڈنڈے ہوتے ہیں باہر نکلے ہوئے جس چیز کے اندر میت کو تکلیف ہوتی ہو اس کے اندر لے جانا جائز ہے یا نہیں بیان فرمائیں۔

الجواب:۔ ہندوستان میں عموماً جنازہ کو چارپائی پر لے جاتے ہیں۔ اگر وہاں کسی ایسی چیز پر مردہ کو لے جاتے ہوں جس سے مردہ کو تکلیف ہو تو اس کو چھوڑ دیں اور ایسی چیز پر میت کو لے جائیں کہ تکلیف نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۷) مرسلہ عبد الغفور صاحب دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۶ شعبان المعظم ۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت و جماعت اس مسئلہ میں۔

نماز پڑھنے مسجد میں گیا کہ جنازہ آگیا نماز جنازہ پڑھی بلا ٹی دیئے واپس ہونا چاہتا ہے تو اولیاء میت سے اجازت لینا چاہئے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۲۸) عام استعمالی جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ اگر جنازہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو اولیاء میت سے اجازت لے کر واپس چلا آئے یا اولیاء میت خود ہی اذن عام دیدیں کہ جو ساتھ نہ جانا چاہتا ہو وہ واپس جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب:۔ اگر جوتا پاک ہے تو اس کو پہن کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے ایسا نہ کرے کہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ جن کے جوتے ناپاک ہیں وہ بھی پہن کر پڑھنے لگیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۲۹) از پور بندر گنج بازار سوداگری مرسلہ امام جامع مسجد ۸ ذیقعدہ ۶۱ھ

نماز جنازہ کے کچھ دیر کے بعد جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا یا فاتحہ پڑھنا کیسا ہے۔ اور بعد نماز جنازہ کو فوراً لے جانا بلکہ کچھ دیر کرنا کچھ فاتحہ یا دعا کی غرض سے دونوں ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب: نماز جنازہ کے بعد اگر میت کے لئے دعا کی گئی یا اس کو ایصال ثواب کیا گیا تو کچھ حرج نہیں۔ مگر اسی ہیئت پر رہتے ہوئے جس پر نماز پڑھی تھی۔ ایسا نہ کریں بلکہ صف وغیرہ توڑنے کے بعد اگر دعا وغیرہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۳۰) مرسلہ جناب قاضی غلام الثقلین صاحب قاضی شہر اٹاوہ ۱۲ محرم ۱۳۶۶ھ

اس وقت جو واقعات ہالڑ میں اور مضافات میں مسلمان مارے جا رہے ہیں کیا وہ شہید ہوں گے اور ان مقتولین کو کفن کی حاجت ہے اور مغسول ہوں گے؟

الجواب: شہید کی دو قسم ہے۔ ایک وہ جس کو اصطلاح فقہ میں شہید کہا جاتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نہ غسل دیا جائے۔ اسی طرح خون سمیت دفن کر دیا جائے۔ اور جو کپڑا اس کے جسم پر از جنس کفن ہے ان کو اتارا نہ جائے۔ اس شہادت کے لئے چند شرائط ہیں جب تک وہ شرائط پائے نہ جائیں۔ اصطلاح فقہ میں اس کو شہید نہیں کہا جائے گا۔ اس شہادت کی تعریف اور اس کے شرائط واحکام بہار شریعت حصہ چہارم دیکھ کر معلوم کیجئے۔ دوسرا وہ شہید جس کو اگرچہ اصطلاح فقہ میں شہید نہ کہیں۔ کہ ان شرائط کا جامع نہیں۔ جو شہید فقہی کے لئے ضروری تھیں۔ مگر اس کو بھی شہید کہا جائے گا۔ اگرچہ اس کو غسل وکفن دیا جائے گا۔ مگر شہادت کی فضیلت اس کو حاصل ہے اور شہادت کا ثواب پائے گا جو مسلمان کفار کے ہاتھوں آجکل مقتول ہو رہے ہیں ان میں بیشتر وہی ہیں جن کو اصطلاح فقہ کے اعتبار سے بھی یقیناً شہید کہا جائے گا۔ کہ وہ آلہ جارحہ سے ظلماً قتل کئے گئے اور زخمی ہونے کے بعد انہیں دنیا سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کا بھی موقع نہ ملا بعضوں کو ایسا موقع ضرور حاصل ہوتا ہے کہ ان کا کچھ علاج ہوتا ہے یا کسی قسم کا نفع وہ اٹھا لیتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے کسی دنیوی چیز کی وصیت کی یا کچھ کھایا پیا یا معرکہ سے اسے اٹھا لائے۔ تو اگرچہ فقہاء کی اصطلاح میں اسے شہید نہیں کہیں گے۔ مگر یہ بھی شہداء میں شمار ہوگا اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۳۱) مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب از شہر کہنہ محلہ کانکر ٹولہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں اپنے ورثہ سے وصیت کی کہ مجھ کو خالد وغیرہ زمینداران کے قبرستان میں دفن کرنا چنانچہ زید کے انتقال کے بعد اس کے وارثان نے خالد وغیرہ میں سے بعض سے اجازت لی اور بعض سے نہیں لی اور خالد وغیرہ کی ملکیت میں دفن کر دیا۔

مسئلہ (۴۳۲) زید کے ورثہ نے خالد وغیرہ سب سے اجازت چاہی مگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے انکار کیا اور کہا کہ ہمارا عام قبرستان نہیں بلکہ مستثنیٰ ہے اور ہمارے مورث نے اپنے خاندان کی میتوں کی غرض سے علیحدہ چھوڑ رکھا ہے دوسرا قبرستان جو اسی کے برابر ہے وہ ہمارے مورث نے وقف کر دیا ہے۔ اس میں دفن کر دو مگر زید کے وارثان نے مطلق توجہ نہیں کی اور جبراً زید کو بموجب وصیت دفن کر دیا بعض بعض نے پختہ قبریں بنا کر جگہ بھی زیادہ صرف کر لی۔

مسئلہ (۴۳۳) بغیر وصیت زید کے اس کے وارثان نے محض اس خیال سے کہ اول بھی ہمارے بعض عزیز خالد کے مستثنیٰ قبرستان میں دفن ہو چکے ہیں۔ لاپروائی کے ساتھ اپنا استحقاق جان کر بلا دریافت و بلا اجازت خالد وغیرہ کے مستثنیٰ قبرستان میں دفن کر دیا۔ ایسی صورت میں برسہ وارثان میت کی نسبت و نیز زید کی نسبت جو اس نے بلا کسی استحقاق کے خالد وغیرہ کے مستثنیٰ قبرستان میں اپنے آپ کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۴۳۴) وارثان اپنے مورث کی وصیت کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کام جس کی وصیت کی گئی ہے حکم شرعی کے خلاف ہے کیا جائز ہے۔

مسئلہ (۴۳۵) قبرستان کے درختوں کی گیلی لکڑی کاٹنا اور پتے توڑ کر بکریوں کو کھلانا جائز ہے یا ناجائز۔

مسئلہ (۴۳۶) خالد وغیرہ زمینداران میں بھی کوئی قضا کر جائے تو تمام مالکین سے اجازت لینی ہوگی یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر وہ قبرستان خاص ہے کہ خاص انھیں زمینداروں کے اموات اس میں دفن ہوتے ہیں تو سب شریکوں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ صرف بعض سے اجازت ناکافی ہے کہ شرکت ملک میں کوئی شریک دوسرے کے حصہ میں بلا اذن تصرف نہیں کر سکتا۔ درمختار میں ہے وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ لعدم تضمنہا الوکالۃ۔ اور زید کی وصیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ دوسرے کی زمین میں دفن کرنے کی وصیت کا اسے حق نہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ عام مسلمین کے قبرستان میں اسے دفن کریں یہ تو پرائی ملک میں وصیت ہے اگر خود اپنے مکان میں دفن کرنے کی وصیت کی تو ورثہ پر یہ لازم نہیں کہ مکان ہی میں دفن کریں بلکہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا افضل ہے۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے سئل فی رجل اوصیٰ بان یدفن فی مسکنہ ھل علی الورثۃ مراعاۃ وصیتہ ام لا اجاب لیس علیھم مراعاتھا۔ والافضل الدفن فی مقابر المسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ( ) جب کہ بعض نے انکار کیا تو سب کی اجازت نہ ہوئی لہٰذا دفن کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ

الجواب: اس میت کے بعض عزیز کا دفن ہو جانا استحقاق نہیں ثابت کرتا کہ اگر مالکان زمین نے اس ایک کے لئے اجازت دے دی تو صرف اسی کے لئے اجازت ہے نہ کہ اوروں کے لئے بھی اور اگر اوسے بھی اجازت نہ دی تھی بغیر اجازت دفن کر دیا تو یہ دفن کرنا تو وہی ناجائز ہے نہ کہ اس کی وجہ سے اور بھی مستحق ہو جائیں اور ان صورتوں میں کہ بغیر اجازت حاصل کئے دفن کر دیا مالکان زمین کو اختیار ہے کہ زمین برابر کر دیں اور ان کی قبر یا کھود ڈالیں۔ درمختار میں ہے لا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیھا۔ یہ تو بالقصد پرائی زمین میں دفن کرنا ہے۔ اگر غلطی سے دوسرے کی زمین میں دفن کر دیا یعنی سمجھے یہ تھے کہ یہ زمین اپنی ہے اور بعد کو ثابت ہوا کہ اپنی نہ تھی تو مالکان زمین مردہ کو نکلوا سکتے ہیں۔ اگرچہ مٹی برابر کر چکے ہوں بلکہ اگرچہ دفن کو عرصہ گذر چکا ہو اور اگر مالکان زمین چاہیں تو باقی رکھیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے سئل فی قبر رجل غلط فیہ اھل بیتہ فدفنوا لہا بمظنا انہ لھم فما الحکم اجاب لاھلہا ان یکلفوا اھلہا بنبش القبر ولذا جمامنہ بعدت المدۃ او قصرت ولھم الترک ان راوا ذلک وتقدموا بحرمۃ النبش بغیر ضرورۃ وھنا الضرورۃ حق الغیر فاذا استطلوا حقھم جاز وحاکان فیہ اختلاط الرجل بالمرأۃ تعارضۃ لحرمۃ النبش بعد اسقاط حقھم وھذا استنبط من تعلیلھم لجواز النبش فی الارض المغصوبۃ بحق الغیر وھذا اذا کان القبر ملکا اما اذا کان فی ارض وقف فلا ینبش مطلقا اور یہ اجازت وعدم اجازت کا لحاظ اس وقت ہے کہ جب وہ زمین خالد وغیرہ زمینداران کی ملک ہو اور اگر مورث اعلیٰ نے اپنی اولاد پر وقف کی ہو اور وقف کا ثبوت ہو تو ان زمینداران کو اجازت دینے کا بھی حق نہیں کہ خلاف شرط واقف ان کو تصرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: اگر وہ کام خلاف شرع ہے تو اوس کی وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: قبرستان کی ترگھاس اور لکڑی توڑنا مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فان کان یابسا لا باس بہ کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: چونکہ مورث نے اس زمین کو اپنے خاندان کے اموات کے لئے رکھا اور اسی پر اب تک عملدرآمد ہے تو

اب صراحۃً اجازت کی ضرورت نہیں کہ یہ علماء رآمد اور اس پر کسی شریک کا انکار نہ کرنا دلیل اجازت ہے۔ کذا افاضنا شیخنا فی مرض وفاتہ قبل ان یتوفی بیوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۳۷) مرسلہ عبد العزیز خانصاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۱۲۱ ۔ ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

گذارش ضروری یہ ہے کہ یہاں میمنون کا ایک عام قبرستان ہے وہیں محترم قدس سرہ العزیز کا مزار شریف ہے زیارت کے لئے عورتیں جاسکتی ہیں یا نہیں۔ اگر جا سکتی ہیں تو کتنی مدت پر۔ اگر عند الشارع کوئی قید نہ ہو تو جب چاہیں جا سکتی ہیں یا نہیں۔ عند الشرع ایا کوئی وقت مثلاً صبح اندھیرے میں یارات کو بھی موقت ہے یا نہیں۔

الجواب: عورتوں کے لئے زیارت قبور میں اختلاف ہے اور احوط یہ ہے کہ عورتیں زیارت کو نہ جائیں۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۳۸) مرسلہ مولوی حاجی بشیر الدین صاحب ضلع بیترو ڈاکخانہ موہن پور موضع لال پور بنگال ۵ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ

ہمارے بنگال میں اکثر مکانوں میں مردہ دفن کرتے ہیں اور بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دو قبریں ہیں اور اس قبر کی جگہ اور اس کے گرداگرد جگہ کی تنگی اور شدت ضرورت کے سبب سے گھر یا پھاٹک وغیرہ بنانے اور قبر و اطراف کی زمین ہموار کرکے صحن مکان بنا کر زراعت وغیرہ سوکھانے کے کام میں لانا چاہتے ہیں اور اس جگہ کے سوا اور کہیں کام کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔

اسی صورت میں بعض صاحب قبر کھود کر ہڈی وغیرہ اٹھا کر جمع کرکے ہڈیوں پر نماز جنازہ پڑھ کر دوسری جگہ دفن کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس صورت میں حکم شرع شریف بیجگہ بغیر نقل قبر تصرف میں لانا۔ اور نقل قبر اور ہڈیوں پر نماز جنازہ پڑھنا اور دوسری قبر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو عدم جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔

مسئلہ (۴۳۹) اس صورت کے علاوہ عام شرعی عذر پر نقل قبر جائز ہے یا نہیں اور قبر میں ہڈی وغیرہ باقی نہ رہے تو قبر سے نقل کرکے کیا لے جائے۔ اگر مٹی لے جائے تو اس کی مقدار کیا ہے۔

الجواب: قبر پر اس قسم کا تصرف کرنا کہ اسے ہموار کرکے زراعت وغیرہ سکھانے کے کام میں لانا یا اس پر رہنے کا مکان بنانا حرام ہے کہ اس سے میت کو اذیت پہونچتی ہے۔ اسی وجہ سے قبر پر بیٹھنے کی ممانعت آئی۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رآنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یوذیک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ ارشاد فرمایا اے قبر

بیٹھنے والے قبر سے اتر، صاحب قبر کو ایذا نہ دے نہ وہ تجھے ایذا دے۔ رواہ الطحاوی فی معانی الآثار والطبرانی فی الکبیر والحاکم وابن مندہ۔ مسلم وابو داؤد ونسائی وابن ماجہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر کسی کا آگ پر بیٹھنا کہ وہ کپڑے جلا کر چمڑے تک پہنچ جائے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قبر پر بیٹھے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں لان امشی علی جمرۃ او سیف او اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر البتہ آگ یا تلوار پر چلنا یا پاؤں سے جوتا گانٹھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر چلوں۔ رواہ ابن ماجہ عن عقبۃ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لان اطاء علی جمرۃ احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم بیشک آگ پر پاؤں رکھنا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ اور جب وہ قبر زراعت سوکھانے کے کام میں لائی جائے گی۔ یا اس پر مکان بنایا جائے گا تو اس پر چلنا پھرنا، لیٹنا، بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا جن سے میت کو ایذا ہوگی۔ اور میت کو ایذا پہنچانا حرام۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ مسلمان کو بعد موت ایذا دینا ویسا ہی ہے جیسے زندگی میں۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام او یطاء علیہا او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ رد المحتار میں ہے لان المیت یتاذی مما یتاذی بہ الحی یہاں تک کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا جائے اس میں چلنا حرام۔ رد المحتار میں ہے نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیہا حرام۔ اور قبر کھود کر ہڈی نکالنا اور دوسری جگہ دفن کرنا اور زمین برابر کر کے اپنے کام میں لانا بھی حرام ہے جب کہ قبر کا کھودنا کسی حق انسان کی وجہ سے نہ ہو۔ مثلاً دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کر دیا تو اب مالک قبر کھود سکتا ہے درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا یجوز نقلہ ای المیت بعد دفنہ بان اہیل علیہ التراب واما قبلہ فیخرج بالاجماع بین اہلنا طالت مدۃ دفنہ او قصرت للنہی عن نبشہ والنبش حرام حقا للہ تعالیٰ طحطاوی میں ہے فلو دفن ولدہا بغیر بلدہا وہی لا تصبر وارادت نبشہ ونقلہ الی بلدہا لا یباح

لہاذ الک فتجویز بعض المتاخرین لا یلتفت الیہ ولا یباح نبشہ بعد الدفن اصلا کذا فی الفتح وغیرہ

غنیہ میں ہے ولا یباح نبشہ بعد الدفن اصلا الا لما تقدم من سقوط مال فیہا او الارض مغصوبۃ اور ہڈیوں پر نماز پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ دفن کے وقت نماز نہ پڑھی گئی ہو۔ عامہ متون میں ہے وان دفن بلا صلاۃ صلی علی قبرہ مالم یتفسخ تو اگر ہڈیوں پر نماز جائز ہوتی تو مالم یتفسخ کی قید بے کار ہوتی۔ لہذا علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقا لانہا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ اور اگر دفن سے پیشتر نماز پڑھی جا چکی ہے تو اب بدرجہ اولیٰ ممنوع کہ سوا ایک صورت کے نماز جنازہ میں تکرار ناجائز ہے۔ درر میں ہے وان صلی الاولی لا یصلی غیرہ بعدہ لان الفرض یتأدی بالاولی والتنفل بہا غیر مشروع واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :- شرعی عذر نقل کے لئے وہی ہے کہ ملک غیر میں مردہ دفن کر دیا گیا اور مالک سے اجازت نہ لی گئی یا غصب کئے ہوئے کپڑے کا کفن دیا گیا۔ باقی دوسرے عذر نامسموع ہیں۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں فی المضمرات النقل بعد الدفن علی ثلثۃ اوجہ فی وجہ یجوز بالاتفاق وفی وجہ لا یجوز بالاتفاق وفی وجہ اختلاف اما الاول فہو اذا دفن فی ارض مغصوبۃ او کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبہا الا بنقلہ عن ملکہ او نزع ثوبہ جاز ان یخرج منہ بالاتفاق واما الثانی فکما اذا ارادت ان تنظر الی وجہہ ولدہا او نقلہ الی مقبرۃ اخری لا یجوز بالاتفاق واما الثالث اذا غلب الماء علی القبر فقیل یجوز تحویلہ لما روی ان صالح بن عبید اللہ رؤی فی المنام وہو یقول حولونی من قبری فقد اذانی الماء ثلثا فنظروا فاذا شقہ الذی یلی الماء قد اصابہ الماء فافتی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتحویلہ وقال الفقیہ ابو جعفر یجوز ذالک ایضا ثم رجع ومنع اور جب بغیر ضرورت شرعیہ قبر کا کھودنا ہی جائز نہیں ہے تو کچھ بھی نقل نہ کریں گے اور جب حق غیر متعلق ہے اور قبر میں[عہ] ہڈی بھی نہ رہی تو مالک زمین اس پر تصرف کر سکتا ہے اور نقل کی حاجت نہیں جیسا کہ درمختار سے گذرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ یہ حکم خاص اسی صورت میں ہے کہ جب کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے میت دفن کی گئی ہو لیکن عام قبرستان میں جو قبر ہیں ان پر قیامت تک نہ عمارت بنایا جائے نہ کھیتی کرنا جائز۔ اگرچہ قبروں کے نشان مٹ چکے ہوں۔ ہڈیاں بھی سڑ گل چکی ہوں۔ عالمگیری کتاب الوقف جلد ۲ ص ۷۰ میں ہے وسئل ہو ایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ہل یجوز زرعہا واستغلالہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط۔ اور اسی عالمگیری کے حوالے سے بہار شریعت حصہ دوم ص ۱۶۳ میں ہے۔ مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں، ہڈیاں

مسئلہ (۴۴۰) مرسلہ مولوی غلام محی الدین ولد مولوی عبد الرحیم صاحب از احمد آباد گجرات ۴ر جمادی الآخری سنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر سے پھول وار کے کھانا حلال ہے یا حرام۔ کتابوں کے حوالے سے جواب لکھیں۔ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب:۔ پھول جو قبر پر ڈالے گئے جب تک تر ہیں اٹھائے نہ جائیں کہ وہ تسبیح کرتے ہیں اور میت کو اس سے انس ہوتا ہے اور اس کا جی بہلتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے وکرہ قطع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرۃ لانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیؤنس المیت وتنزل بذکرہ اللہ تعالٰی الرحمۃ ولا باس بقلع الیابس منہما ای الحشیش والشجر لزوال المقصود۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے ارشاد فرمایا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ پھر کھجور کی ایک تر شاخ کے دو حصے کئے اور ایک ایک دونوں پر نصب فرما دیا پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی انی لارجو ان یخفف عنہما مالم ییبسا میں امید کرتا ہوں کہ جب تک خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف ہوگی۔ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں ای لانہما یسبحان مادام رطبین وبہ تنزل الرحمۃ وفی معنی الجرید ما فیہ رطوبۃ من ای شجر کان یعنی عذاب میں اس وجہ سے تخفیف ہوگی کہ جب تک وہ تر رہیں گی تسبیح کریں گی اور اس کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوگی۔ اور دوسرے درخت کی شاخ وغیرہ بھی اسی کے حکم میں ہے نیز اسی طحطاوی میں شرح مشکوٰۃ سے ہے قد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لہذا الحدیث ہمارے متاخرین اصحاب میں بعض ائمہ نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ جو عادت ہے کہ قبور پر پھول اور تر شاخیں رکھی جاتی ہیں[1] ان کا رکھنا اسی حدیث کی وجہ سے سنت ہے اور پھول جو قبر پر ڈالے گئے خشک ہونے کے بعد اٹھا سکتے ہیں اور اگر کھائیں تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۴۱) مسئولہ مولوی محمد یوسف صاحب موضع بنولی ڈاکخانہ جسوسنڈ ضلع مظفر پور (بہار) ۲۲ر صفر سنہ

ایک بستی میں ہیضہ کی بیماری ہوگئی تھی تو لوگوں نے کہا کہ یہاں کفن چور ہو گیا ہے اسی وجہ سے آدمی زیادہ مرتے ہیں چنانچہ لوگوں نے قبریں کھود کھود کر تین یا چار مُردوں کی لاشوں کو جو پندرہ بیس روز کی مدفون تھیں۔ باہر نکالیں تو دیکھا گیا کہ

[1] حاشیہ: ... پختہ اینٹ جب بھی ... بنانا ... مکان بنانا ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل دیکھنا ہو تو اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ ... کا مطالعہ کریں۔ امجدی

ان کی لاشیں ویسی ہی تھیں جیسی دفن کی گئی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدن فربہ اور حسین ہو گیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے ان لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جس سے خون بھی بہت کافی جاری ہوا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیوں ایسا یہ بات پیدا ہوئی۔ اور مردہ کی لاش کتنے دن تک قبر میں ثابت رہتی ہے۔

الجواب:- میت کو دفن کرنے کے بعد پھر قبر کو کھودنا جائز نہیں مگر جب کہ کسی آدمی کے حق کے لئے کھودنا ہو۔ مثلاً زمین مغصوب میں دفن کیا گیا۔ یا دفن کرتے وقت کسی کا مال قبر میں گر پڑا تو ایسی صورت میں قبر کھودنے کی اجازت ہے اور اگر کسی آدمی کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو کھودنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگر بغیر غسل میت کو دفن کر دیا ہو تو نہلانے کے لئے اس کو قبر کھود کر نکالنا درست نہیں۔ درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ۔ ردالمحتار میں ہے قولہ الا لحق آدمی احترز عن حق اللہ تعالی کما اذا دفن بلا غسل او صلاۃ او وضع علی غیر یمینہ او الی غیر القبلۃ فانہ لا ینبش علیہ بعد اھالۃ التراب کما مر۔ لہذا اس صورت میں جن لوگوں نے قبروں کو کھودا انھوں نے بہت ہی برا کیا اور اس سے بہت زیادہ برا یہ کہ لاشوں کو لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا کہ میت کو ایذا دینا ہے*۔ ہیضہ کی بیماری میں جو مرتا ہے وہ شہید ہے۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں حدیث ہے کہ ارشاد فرمایا المطعون شہید (الحدیث) ہو سکتا ہے کہ یہ خون نکلنا اسی شہادت کا اثر ہو۔ عموماً اموات کی لاشیں تین دن یا دس دن یا کم بیش میں پھٹ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی میت بغیر نماز دفن کر دی گئی ہو تو جب تک اس کے پھٹ جانے کا غالب گمان نہ ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا فقہا حکم دیتے ہیں۔ اور تفسخ کی کیا مقدار ہے اس میں اختلافات ہیں اصح یہ ہے کہ اس کی کوئی مقدار نہیں۔ درمختار میں ہے صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر وھو الاصح۔ ردالمحتار میں ہے قولہ ھو الاصح لانہ یختلف باختلاف الاوقات حرا وبردا والمیت سمنا وھزالا والامکنۃ بحر وقیل یقدر بثلثۃ ایام وقیل عشرۃ وقیل شھر حلیۃ عن المحوی اور خصوص اموات کے لئے اس کی کوئی حد نہیں۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کی لاشیں اس[عہ] زمانہ میں بھی بجنسہٖ ویسی ہی پائی گئیں۔ واللہ تعالی اعلم

* اور مسلم میت کو ایذا دینا ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ زندوں کو ایذا دینا

عہ حدیث میں ہے کسر عظم المیت ککسرہ حیا۔ مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہی حرام ہے جیسے زندے کی۔ ہڈی توڑنا یا لاش ٹکڑے ٹکڑے کرنا دونوں ایک حکم میں ہے کہ ایذا دونوں میں ہے علاوہ ازیں ایک مسلمان میت کی بے حرمتی بھی ہے۔ واللہ تعالی اعلم عہ جیسا کہ حضرت زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بعد میں قبر انور سے نکالا گیا تو کفن تک میلا نہ تھا یہ بھی ان کے یا سکتے کی بات ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔ امجدی۔

مسئلہ (۴۴۲) مسئولہ عبد العزیز خاں از شہر کہنہ بریلی۔ ۲ر جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت کو قبر میں دفن کیا تختے ڈھنپے گئے لیکن جب مٹی دی گئی تو اس کی وجہ سے قبر دھنس گئی۔ اب ایسی صورت میں قبر کو فوراً درست کرنے کی غرض سے میت کو قبر سے باہر نکال سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جب مٹی دے چکے تو اب میت کو نکالنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۴۳) مسئولہ عبد الکریم صاحب ۲۶ر صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعض عورتیں اپنے محرم کے ہمراہ اتفاقاً پردہ وحجاب کے ساتھ ایک ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر بتعدیل آداب حاضر ہوئیں تو کیا وہ اس فعل سے مرتکب فعل حرام وگنہگار اور حدیث شریف لعن اللہ زائرات القبور کی مصداق ٹھہریں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مذہب صحیح یہ ہے کہ حدیث لعن اللہ زائرات القبور منسوخ ہے یہ حکم مقدم ہے اور دوسری حدیث جس میں زیارت قبور کی اجازت ہے وہ متاخر وناسخ ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروہا اس حدیث میں اگرچہ صیغہ مذکر ہے مگر یہ امر مقرر اور ثابت ہے کہ خطابات شرعیہ میں اگرچہ صیغہ مذکر ہے عورتیں بھی اسمیں داخل ہیں جب تک دلیل شرعی سے رجال کی خصوصیت ثابت نہ ہو اور حدیث النساء شقائق الرجال اس کی کاشف ہے۔ لہٰذا زیارت قبور سے عورتوں کو مرتکب فعل حرام نہیں کہا جائے گا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک اسلم طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا جائے کیونکہ ان میں افراط وتفریط کا مادہ غالب ہے اور صورت مسئولہ میں حجاب اور آداب مزار کا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔ لہٰذا حکم ہیں اور نہ ان پر لعنت پیدا ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۴۴)

مردہ دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر قبر سے اذان دینا کیسا ہے قبل دفن اسقاط کیسا ہے۔

الجواب: اذان کہنا درست ہے۔ کذا فی ایذان الاجر۔ اور چالیس قدم ہٹنے کی تخصیص بیکار و بے فائدہ ہے اسقاط[عہ]

عہ اسقاط سے کیا مراد ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان نمازوں اور روزوں کا کفارہ ادا کرنا ہو جو میت کے ذمہ تھے۔ اگر یہی مراد ہے تو

قبل دفن وبعد دفن دونوں جائز ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۴۵) مسئولہ محمد حسین از محلہ سوداگران بریلی ۳ر جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

قبر پر اذان دینے کو ایک شخص منع کرتا اور بدعت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی خاص حکم اس کے لئے نہیں ہے۔ نہ کوئی حدیث اس بارے میں ہے۔ اور اگر کوئی ثبوت کافی ہو تو میں اسے ماننے کے لئے تیار ہوں۔

مسئلہ (۴۴۶) ایک موضع کے لوگ قبرستان میں اوپلے تھوپتے ہیں اور جانور باندھتے ہیں۔ اور یہ لوگ اہل ہنود سے ہیں اور وہاں کے مسلمان یہ حالت دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے ان کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب :- قبر پر اذان کہنا بہتر ہے اور دلیل کی حاجت ہو تو رسالہ ایذان الاجر مطالعہ کریں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

الجواب :- وہاں کے مسلمان پر لازم ہے کہ مقابر مسلمین کو نجاست سے پاک کریں اور جس طرح ممکن ہو ہندوؤں کو باز رکھیں قبرستان میں جوتا پہن کر جانا تک تو حدیث میں منع فرمایا۔ نہ کہ وہاں کفار کا جانا اور نجاست کے ڈھیر قبروں پر لگانا۔ یہاں تک کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا ہو اس پر چلنا منع ہے۔ یونہی وہاں جانوروں کا باندھنا بلکہ لے جانا بھی ممنوع ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۴۷) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از محلہ ذخیرہ بریلی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے علمائے اہلسنت وجماعت کا اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مردہ کو زمین کے اندر دفن کر کے زمین کو سپردگی[عہ] دیا جائے تو جتنی مدت کو سپرد کیا ہے مردہ ویسا ہی نکلتا ہے آیا یہ صحیح ہے اور ایسا چاہئے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۴۸) بیری کی لکڑی قبر میں کیوں رکھ دیتے ہیں۔

الجواب :- یہ بات بالکل خلاف قیاس ہے۔ بغیر ثبوت شرعی قابل اعتبار نہیں۔ ہاں بعض اموات کو زمین نہیں کھاتی۔ اگر میت انہیں میں سے ہو تو ویسا ہی رہنا ممکن۔ مگر ایک مدت تک سپرد کرنے کو اس میں کیا دخل۔ وہ سپرد کرتا جب بھی یہی ہوتا اور مدت گزرنے پر بھی اس کا جسم بدستور رہے گا۔ دفن کرنے کے بعد جنازہ کو قبر سے نکالنا ناجائز وحرام۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولاینبغی

بقیہ مسئلے کا جواب دونوں ہی جیسا کہ تحریر فرمایا مگر بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے کفارہ ادا کرے۔ اسلئے قبل دفن زیادہ بہتر ہوگا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ امجدی۔

عہ سپرد کرنا رافضیوں کا طریقہ ہے۔ اور قطعاً ناجائز حرام جب کہ مدت سپردگی کے بعد میت کو نکالیں جیسا کہ سپرد کرنے والے کرتے ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

اخراج المیت من القبر بعد ما دفن۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا یجوز نقلہ بعد دفنہ بالاجماع بین ائمتنا الا ان تکون الارض مغصوبۃ او ماخوذۃ بالشفعۃ الخ اور صورت مذکورہ میں نبش کی ضرورت نہیں لہٰذا نبش حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب:۔ کسی کتاب میں نظر فقیر سے نہ گذرا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ بلکہ قبر میں اس کے رکھنے کا جزیہ بھی نہ دیکھا۔ غالباً یہ وجہ ہوگی کہ قبر میں تر لکڑی رکھنا سبب تخفیف عذاب وانس میت ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر گزر فرمایا۔ انھیں عذاب ہو رہا تھا فرمایا انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہوتا جس سے بچنا دشوار ہو اما احدہما فلا یستتر من بولہ واما الآخر فمشی بالنمیمۃ ان میں ایک کا پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا۔ اس کے بعد ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا لعلہ یخفف عنہما ما لم ییبسا امید ہے کہ جب تک خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں تخفیف ہو۔ اسی حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کو علماء نے مستحسن رکھا۔ اور مقبرہ کی تر گھاس اکھاڑنے کو مکروہ فرمایا مراقی الفلاح میں ہے وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرۃ لانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمۃ۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فان کان یابسا لا باس بہ کذا فی فتاوی قاضیخاں۔ طحطاوی علی المراقی میں ہے وقد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لہذا الحدیث۔ رد المحتار میں ہے ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ۔ بالجملہ تر لکڑی رکھنے کی وجہ تو یہ ہے کہ سبب تخفیف عذاب ہے مگر یہ بیری کیوں رکھتے ہیں شاید سدرۃ المنتہی سے مناسبت کی وجہ سے اس کو اختیار کیا ہو۔ اور ہمارے یہاں انار کی بھی رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انار جنت کا درخت ہے۔ اگرچہ انار دنیا کو انار جنت سے مشارکت حقیقتاً نہیں مگر مشارکت اسمی تو ہے اور برکت وتفاؤل کے لئے اتنی مناسبت معتبر ہو سکتی ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وھو اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ (۹۴۴) مرسلہ اشرف تھوبھائی۔ اسٹرانڈ روڈ ملا رنگون ۳ محرم ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منکرین قبر کے اندر میت سے آکر سوال کرتے ہیں

یا بیٹھا کر۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان میں جو بغلی قبر کھودی جاتی ہے اس میں بغلی کتنی اونچی اور چوڑی ہونی چاہئے۔ اور جو گیلی زمین میں پیٹی رکھی جاتی ہے وہ پیٹی کتنی چوڑی اور اونچی ہونی چاہئے۔

الجواب:۔ نکیرین مردہ کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا اتاہ ملکان فیقعدانہ الحدیث لحد کی چوڑائی بقدر نصف قد میت کے ہو اور گہرائی بہتر یہ کہ قد برابر ہو ورنہ سینہ تک یہ نہ ہو تو نصف قد۔ درمختار میں ہے وحفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن۔ ردالمحتار میں ہے او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والاعلی القامۃ وما بینھما۔ شرح المنیۃ وھذا حد العمق وفی القہستانی وطولہ علی قدر طول المیت وعرضہ علی قدر نصف طولہ۔ تابوت[عہ] یعنی پیٹی یہ لحد وشق کا قائم مقام ہے لہٰذا اس کی مقدار بھی یہی ہونی چاہئے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۰) مرسلہ اسمٰعیل صالح محمد از رانا واد ضلع کاٹھیاوار۔ ۱۳ ذی الحجہ ۷۱ھ
پکی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۵۱) میت کو دفن کرتے وقت جو قبر میں کنکریاں ڈالتے ہیں۔ قرآن شریف کے ختم کی اور قرآن شریف نہیں[عہ] پڑھتے تو اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ اوپر سے قبر پختہ بنائیں اور اندر سے خام ہو تو اس میں حرج نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

الجواب:۔ کچھ کنکریوں پر قرآن مجید پڑھ کر دم کر کے قبر میں بغرض تبرک رکھیں۔ اس میں اصلاً حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

عہ تابوت یعنی لکڑی یا لوہے کے صندوق میں میت کو دفن کرنا منع ہے۔ مگر جہاں قبر کی مٹی گیلی ہو کہ کفن کے گلنے سے سڑ جانے کا اندیشہ ہو وہاں اجازت ہے غنیہ میں ہے قال صاحب النافع اختار و الشق فی دیارنا لرخاوۃ الاراضی فیتخذ اللحد فیھا حتی اجازوا الاجر ورفوف الخشب واتخاذ التابوت ولو کان من حدید۔ وملتقی الابحر مع کون التابوت فی غیرھا مکروھا فی قول العلماء قاطبۃ تابوت میں مٹی بچھاوے اور دائیں بائیں کچی اینٹیں لگا دیں اور ڈھکنے کے نیچے کی طرف مٹی لیس دیں۔ اوسی میں خانیہ سے ہے ینبغی ان یفرش فیہ التراب وتطین الطبقۃ العلیا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف عن یمین المیت ویسارہ لیصیر بمنزلۃ اللحد۔ واللہ تعالےٰ۔ عہ اس کا مطلب نہیں کہ کنکریوں پر قرآن مجید پڑھ کر دم نہیں کرتے مراد یہ ہے کہ پہلے سے قرآن مجید پڑھ کر کنکریوں پر دم کر کے رکھ دیتے ہیں دفن کے وقت ان کنکریوں کو ڈال دیتے ہیں اس وقت یعنی کنکریاں ڈالتے وقت قرآن مجید نہیں پڑھتے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ المجدی۔

مسئلہ (۴۵۲) مرسلہ غلام احمد حبیب امام مسجد اسٹیشن مارواڑ جنکشن ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی میت کو بغیر تختے رکھے صرف مٹی سے دفن کر دینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: بغیر تختہ یا کسی ایسی چیز کے جو حائل ہو دفن کرنا درست نہیں مجبوری اگر ہو کہ ایسی چیز دستیاب نہ ہو تو معذور ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۳) جو مسلمان حالت نجاست میں فوت ہو تو غسل دینے سے پاک ہوتا ہے یا نجس رہتا ہے۔ روح غسل دینے سے پہلے جدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا روح نجس جاتی ہے یا پاک (یعنی جہاں روح جاتی ہے) بینوا توجروا۔

الجواب: پاک ہو جائے گا۔ روح ناپاک ہوتی ہی نہیں۔ المؤمن لا ینجس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۴) میت پاک ہے یا نجس۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مسلمان پاک ہے۔ زندہ ہو یا مردہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۵) بعض فرماتے ہیں کہ میت کو تین غسل دینا چاہئے یہ صحیح ہے یا غلط۔ اور اگر تین غسل دے تو کس طریقہ سے دے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: تین مرتبہ ہر جگہ سے پانی بہایا جانا سنت ہے۔ اور یہ ایک غسل ہے۔ تین غسل دینے کا اگر یہی مطلب ہے تو خیر ورنہ لغو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۶) تہبند باندھے ہوئے قبر میں اترنا چاہئے یا تہبند کا کونہ پیچھے گھرس کر اترنا چاہئے بینوا توجروا میت مرد ہو یا عورت۔

الجواب: میت مرد ہو یا عورت تہبند باندھ کر اترنا بہر حال درست ہے اور تہبند کا کونہ پیچھے گھرسنا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ غسل کے وقت میت کا رخ کس طرف ہونا چاہئے۔

مسئلہ (۴۵۸) میت کے غسل کے لئے کون شخص ہو سکتا ہے اور غسل دینے کے صلہ میں اس کے کیا حقوق ہیں اور اس کا ادا کرنا یا نہ کرنا کیسا ہے۔

مسئلہ (۴۵۹) قبرستان میں میت کے دفن کے بعد تکیہ دار کے کیا حقوق ہیں کہ جن کو وارث میت ادا کرے بینوا توجروا

الجواب: صحیح یہ ہے کہ جس رخ لٹا کر نہلانے میں آسانی ہو اسی رخ لٹائیں خواہ اس طرح کہ قبلہ کو پاؤں ہوں جس طرح لیٹ کر نماز پڑھنے والا پاؤں کرتا ہے یا جس طرح قبر میں رکھتے ہیں اس طرح لٹائیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وکیفیۃ الوضع عہ عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوٰۃ بایماء ومنہم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انہ یوضع کما تیسر کذا فی الظہیریۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: غسل دینے والا میت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو وہ اگر غسل دینا نہ جانتا ہو تو کوئی دوسرا شخص متقی پرہیزگار غسل دے۔ مستحب یہ کہ غسل دینے والا کچھ اجرت نہ لے محض ثواب کے لئے نہلائے۔ عالمگیری میں ہے والافضل ان یغسل المیت مجانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: تکیہ دار کے شرعاً کچھ حقوق نہیں ہیں اور اگر فقیر سمجھ کر اسے جو کچھ دیں اور ثواب کی نیت سے ہو تو دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۰) از موضع ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگلپور مرسلہ جناب معز الدین صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۵۰ھ
میت کے گھر تین دن تک کھانا نہیں پکنا چاہئے یا صرف ایک دن۔ اگر تین دن تک نہیں پکا تو فعل کیسا ہے؟

الجواب: میت کے گھر والوں کے لئے ایک دن اور رات کا کھانا بھیجا جائے بلکہ انہیں اصرار کر کے کھلایا جائے۔ خود حدیث میں بھی کھانا بھیجنے کا امر فرمایا ہے۔ تین دن تک کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ جب فقہاء ایک دن کی تصریح فرماتے ہیں تو اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ درمختار میں ہے لا باس باتخاذ طعام لہم۔ ردالمحتار میں ہے قال فی الفتح ویستحب لجیران اہل المیت والاقرباء الاباعد تہیئۃ طعام لہم یشبعہم یومہم ولیلتہم لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءہم ما یشغلہم حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم ولانہ بر ومعروف ویلح علیہم فی الاکل لان الحزن یمنعہم من ذلک فیضعفون اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۱) مرسلہ قاضی طیب علی صاحب از لاڈنون مارواڑ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ
قبر کے اندر کی مٹی قل ہو اللہ پڑھ کر دیویں یا نہیں۔

عہ یعنی قبلہ رخ داہنی کروٹ پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

الجواب:۔ قل ہو اللہ پڑھ کر قبر کے اندر رکھنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۲) از قصبہ فتح کھلڈا ضلع بلڈانہ سی پی مرسلہ محمد اکرم خاں ۱۲ رجب سنہ ۵۶ھ

قبرستان میں نماز فرضیں یا فرض کفایہ یعنی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے جب کہ دائیں بائیں اور سامنے قبریں ہوں۔

الجواب:۔ قبر سامنے ہو تو نماز مکروہ تحریمی۔ اور دہنے بائیں ہو تو حرج نہیں اور نماز جنازہ میں قبر سامنے ہو جب بھی حرج نہیں کہ حقیقۃً نماز نہیں بلکہ دعا ہے۔ ردالمحتار میں ہے ولا بأس بالصلوٰۃ فیہا اذا کان فیہا موضع اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر ولا نجاسۃ کما فی الخانیۃ ولا قبلتہ الی قبر حلیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۳) مرسلہ قاسم میاں رضوی ابن قاضی خاں میاں از گونڈل کاٹھیاواڑ۔

جنازہ غائب کا پڑھنے میں حنفی مقتدی شافعی المذہب کی اقتدا کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ہمارے مذہب میں جنازہ غائب کی نماز جائز نہیں۔ کہ نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے اور جب یہ شرط مفقود ہو تو اشتغال بمالایعنی ہے اور یہ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وشرطہا ایضا حضورہ ووضعہ امام المصلی ولذا لم تجز علی غائب۔ اور شافعی المذہب کی اقتدا اس وقت جائز ہے جب وہ فرائض و شرائط کی مراعات کرتا ہو یا کم از کم مراعات و عدم مراعات کا علم نہ ہو اور جس وقت معلوم ہو کہ شرط صحت ہمارے طور پر مفقود ہے تو اقتدا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے ولکن خلف مخالف کشافعی لکن ان یتقن المراعات لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ۔ ردالمحتار میں ہے ای المراعاۃ فی الفرائض من شروط وارکان فی تلک الصلوٰۃ۔ اور جنازہ غائب میں چونکہ شرط صحت نہیں پائی گئی لہٰذا اقتدا جائز نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۴) مسئولہ محمد کامل صاحب ساکن بریلی محلہ گندہ نالہ ۸ر صفر ۱۳۴۲ھ

عہ اس سے ظاہر ہے کہ قبر پر نہ جنازہ پڑھنا جائز نہیں خواہ صرف جنازہ قبر پر ہو یا نمازی قبر پر ہوں یا دونوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ بعبارۃ اخریٰ اقتدا اگر ہوگی تو نماز میں اور جب حنفیوں کے نزدیک غائب پر نماز صحیح نہیں تو حنفی کی نماز ہی نہ ہوگی پھر اقتدا کاہے میں ہوگی جب نماز ہوتی تو اقتدا ہوتی جب نماز ہی نہیں تو اقتدا بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر پھول و چادر و مٹھائی وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں۔ یعنی پھول ہار وغیرہ قبر پر چڑھانا کیسا ہے اور چادر چڑھانا کیسا ہے اور مٹھائی عود و قبر پر یعنی احاطہ کے اندر رکھ کر یا جنگلے کے اندر رکھ کر تقسیم دینا کیسا ہے۔

الجواب: قبر پر ہار پھول چڑھانا جائز ہے بلکہ علماء اسے سنت بتلاتے ہیں کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے۔ اور ان کی تسبیح سے میت کو انس ہوگا اور اس کا دل بہلے گا۔ اور اگر میت معاذ اللہ عذاب میں مبتلا ہے تو امید ہے کہ جب تک تر رہیں عذاب میں تخفیف ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے فرمایا کہ ان دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہے ان میں کا ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔ اس کے بعد کھجور کی ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر نصب فرمایا۔ اور یہ فرمایا لعلہ ان یخفف عنهما ما لم ییبسا مجھے امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف ہوگی۔ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں وقد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا ان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لہذا الحدیث اسی حدیث کی وجہ سے بعض ائمہ متاخرین نے فتوی دیا ہے کہ پھول اور تر شاخ قبروں پر جو رکھنے کی عادت ہے وہ سنت ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالے علیہ رد المحتار میں فرماتے ہیں ویکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالے فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ اھ ونحوہ فی الخانیۃ اقول ودلیلہ ما ورد فی الحدیث من وضعہ علیہ الصلوۃ والسلام الجریدۃ الخضراء بعد شقہا نصفین علی القبرین اللذین یعذبان تعلیلہ بالتخفیف عنهما ما لم ییبسا ای یخفف عنهما ببرکۃ تسبیحہما اذ ہو اکمل من تسبیح

مٹھائی وغیرہ قبروں پر لے جا کر فاتحہ پڑھنے میں بنسبت گھر کے زیادہ ثواب ہے کہ وہاں جا کر فاتحہ پڑھنے میں زیارت قبر بھی ہے اور وہاں درود شریف قرآن مجید وغیرہ پڑھے گا۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوگا۔ نیز احمد سے رحمت الہی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ نیز قبر پر جا کر کچھ بھی نہ پڑھے صرف کھڑا یا بیٹھا رہے تو بھی میت کو انس ہوتا ہے۔ شفاء السقام اور شرح الصدور میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا انس ما یکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا جب میت کا کوئی پیارا اس کی قبر پر زیارت کے لئے آتا ہے تو میت کا دل بہلتا ہے۔ ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں اور امام عبد الحق کتاب العاقبۃ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس علیہ الا استانس ورد علیہ حتی یقوم جو کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو میت کا دل اس سے بہلتا ہے وہ اس کی بات کا جواب دیتا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالے عنہ نے حالت نزع میں اپنے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر الجزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم واعلم ماذا

الیابس لما فی الخضراء من نوع حیاۃ ویؤخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ وصرح بذلک ایضا جماعۃ من الشافعیۃ وقد ذکر البخاری فی صحیحہ ان بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصی بان یجعل فی قبرہ جریدتان اھ ملتقطا۔ یعنی قبروں پر سے سبزہ اور ترگھاس کا کاٹنا مکروہ ہے جیسا کہ بحر و درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد میں یہ بیان کی کہ جب تک وہ تر رہے گی تسبیح بھی کرے گی جس سے میت کو انس ہوگا۔ اور اس پر رحمت اترے گی۔ ایسا ہی خانیہ میں بھی ہے میں کہتا ہوں اور دلیل اسکی وہ جو حدیث میں وارد ہوا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک تر شاخ کو دو ٹکڑے کرکے ان دونوں قبروں پر رکھا جن پر عذاب ہو رہا تھا اور علت یہ بیان فرمائی کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی یعنی انکی تسبیح کی برکت سے دونوں میت سے تخفیف عذاب ہوگی اسلئے کہ "تر" کی تسبیح خشک کی تسبیح سے بڑھ کر ہے کہ تر میں ایک قسم کی حیات ہے اس سے اور حدیث سے اس کے رکھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی پر قیاس ہوگا پھول وغیرہ کے رکھنے کا جس کی اس زمانہ میں عادت ہے۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ انکی قبر میں دو شاخیں رکھ دی جائیں۔

قبور اولیاء و علماء و صلحاء پر بغرض اظہار عظمت چادر ڈالنا جائز و محمود ہے کہ جب تک ظاہری تزک و احتشام نہیں دیکھتے۔ ان کی پوری وقعت نظر عوام میں نہیں آتی اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید نہیں ہوتے۔ رد المحتار میں کشف النور علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے ولکن نحن نقول الآن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال

بقیہ صفحہ گذشتہ:۔ ارشاد ہے جب مجھے دفن کرنے کے وقت مجھ پر ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا اور دفن کے بعد میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔ تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے فرستادگان کو کیا جواب دیتا ہوں۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی دینی بھائی کی قبر پر جاتا ہے تو جتنی دیر قبر پر رہتا ہے اس سے میت کا کچھ نہ کچھ ہی میت اس سے انس حاصل کرتا ہے خواہ وہاں کچھ پڑھے خواہ نہ پڑھے تو اب ظاہر ہو گیا کہ قبر پر شیرینی وغیرہ لے جا کر فاتحہ پڑھنے میں ایصال ثواب کے ساتھ ساتھ چار مزید فوائد ہیں۔ زیارت قبور۔ وہاں رہنے سے میت کو انس حاصل ہوگا۔ ذکر قرآن مجید و درود شریف وغیرہ پڑھنے سے اسے انس حاصل ہوگا۔ تلاوت درود خوانی۔ ذکر و درود سے نزول رحمت۔ اور گھر پر فاتحہ کرنے سے صرف ایصال ثواب ہوگا اس لئے قبر پر شیرینی وغیرہ لے جا کر فاتحہ پڑھنا بنسبت گھر کے زیادہ بہتر ہوا۔ سائل نے اسے چڑھانے سے تعبیر کیا ہے یہ نامناسب ہے اس لفظ کا استعمال سے اجتناب کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

بالنیات وان کان بدعۃ فھو کقولھم بعد طواف الوداع یرجع القھقری حتی یخرج من المسجد اجلالاً للبیت حتی قال فی منہاج السالکین انہ لیس فیہ سنۃ مرویۃ ولا اثر محکی وقد فعلہ اصحابنا اھ کذا فی الکشف عن اصحاب القبور للاستاذ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں جب کہ چادر ڈالنے سے مقصود یہ ہو کہ عام نظروں میں میت کی عظمت پیدا ہو تاکہ صاحب مزار کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور اس غرض سے کہ زائرین جو غافل ہیں ان کو خشوع اور ادب حاصل ہو، تو چادر ڈالنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اگرچہ یہ ایک نئی بات ہے مگر یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا کہ طواف وداع کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو۔ یہاں تک کہ مسجد حرام سے باہر ہو جائے اس سے مقصود کعبہ معظمہ کی عزت کا اظہار ہے۔ یہاں تک کہ منہاج السالکین میں فرمایا کہ اس بارے میں کوئی سنت اور اثر مروی و مذکور نہیں اور بیشک ہمارے اصحاب نے اس کو کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۵) مسئولہ مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ متعلم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۷ / رجمادی الاول ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ایصال ثواب میں۔ مُردوں کو ثواب پہونچانا فرض، واجب، سنت یا مستحب ہے۔ اور ثواب کے پہنچانے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح پہونچتا ہے اور کیا پڑھنا چاہئے کھانا پکا کر کس کو کھلایا جائے۔ فقیروں کو یا اہل برادری کو۔ ثواب کا جو طریقہ ہو بتلایا جائے اور برادری طریقہ یہ ہے کہ کھانا پکا کر محلہ در محلہ ایک آدمی کہہ دیتا ہے کہ فلاں شخص کے یہاں سوم یا چہلم کی دعوت ہے پس تمام آدمی غریب ہوں یا امیر کھانے کے لئے جاتے ہیں۔ گویا بدلہ سمجھ کر کھاتے ہیں تو یہ ایصال ثواب ہوا یا نہیں اور وقت متعین کرنا چاہئے یا نہیں فاتحہ کے لئے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مزدور نے مذکورہ دعوت کے جواب میں کہا تیجہ وغیرہ کا کھانا مسکین ومحتاج کو کھلاؤں گا نہیں کھانا نہیں چاہتا۔ تو اہل برادری نے اس کا بائیکاٹ کر دیا حقہ، پانی، کھانا، پینا غرض کہ ساری چیزیں بند کر دی تو اس صورت میں کون حق بجانب ہے اور ان دونوں میں کون گنہگار ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- ایصال ثواب مستحب ہے، اور جو کچھ نیک کام کیا ہو، اور اس کا ثواب کسی کو پہنچانا چاہتا ہو تو یہ دعا کرے کہ الٰہی اسے قبول فرما۔ اور اس کا ثواب فلاں وفلاں کو پہنچا۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ جمیع مومنین ومومنات کو پہونچائے۔ امید کہ سب کو پورا پورا ثواب[عہ] ملے اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو بلکہ سب کے مجموعہ کے برابر ملے۔ رد المحتار میں ہے۔ صرح علمائنا

[عہ] علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب

فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا کذا فی الھدایۃ بل فی زکاۃ التاتارخانیۃ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیء اھ وھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ نیز اسی میں ہے وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ثم قال وبھذا علم انہ لا فرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیا والظاہر انہ لا فرق بین الفرض والنفل۔ اور اسے اختیار ہے کہ درود شریف و قرآن مجید جو چاہے پڑھے اور ثواب پہنچائے۔ طعام میت کا کھانا صرف فقراء کو کھلائے۔ اور اہل برادری میں کچھ لوگ محتاج ہوں تو انہیں بھی کھلائے۔ اور اپنے رشتہ دار ایسے ہوں تو انہیں کھلانا اوروں سے بہتر ہے اور جو محتاج نہ ہوں انہیں نہ کھلائے بلکہ انہیں کھانا بھی نہ چاہیئے۔ فتح القدیر میں فرمایا ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل البیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ فاتحہ خوانی کے لئے وقت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ بغیر تعیین وقت لوگوں کو دقت ہوگی

بقیہ صفحہ گذشتہ او یصل الی کل منھم مثل ثواب ذلک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل۔ ابن حجر مکی سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے اہل قبرستان کے لئے فاتحہ پڑھا تو یہ ثواب بٹ کر انہیں ملے گا یا ہر ایک کو پورا پورا ملے گا انہوں نے جواب دیا ایک جماعت کا فتویٰ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا ملے گا اور اس کے شان وسعت فضل کے یہی لائق ہے اور تقسیم ثواب کا قول ابن تیمیہ کے مذہب کا ہے وہ لائق التفات نہیں وہ شیخ

عـــہ ہمارے علماء احناف نے باب الحج عن الغیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دے۔ یہ عمل نماز ہو روزہ ہو صدقہ ہو یا اور کچھ ہدایہ میں بھی یہی ہے بلکہ تاتارخانیہ کی کتاب الزکوٰۃ میں محیط سے یہ نقل کیا کہ ایصال ثواب کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین اور مومنات کی نیت کرے۔ اس لئے کہ ثواب سب کو پہنچے گا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے عـــہ البحر الرائق میں ہے کسی نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا خیرات کیا اور اس کا ثواب کسی مردے یا زندے کو بخش دیا یہ جائز ہے اور ان کو ثواب ملے گا اہل سنت وجماعت کے نزدیک۔ بدائع میں بھی ایسے ہی ہے۔ پھر صاحب بحر نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جسے ثواب بخشا گیا وہ زندہ ہو یا مردہ کوئی فرق نہیں۔ (یعنی مردوں کی طرح زندوں کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے) اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس عمل کا ثواب بخشا گیا وہ نفل یا فرض عـــہ اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتیں ہوتی ہیں اسی طرح بلا نیت ایصال ثواب دعوت کرے۔ یا جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ میت کے کھانے کو برادری کا اپنا حق سمجھتی ہے۔ اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یہ ضرور بدعت سیئہ ہے لیکن میت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر مسلمانوں کو کھلائیں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ کھانا اگر عام مسلمین مردے کسی کے لئے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو کھانا منع اور فقراء کو جائز اور اگر بزرگان دین کے ایصال ثواب کے لئے تو غنی فقیر سب کو کھانا جائز بلکہ بہ نیت حصول برکت مستحسن۔ برکت والوں کی طرف جو چیز منسوب ہو اس میں برکت آجاتی ہے کہ لوگوں کا معمول ہے کہ اس کھانے کو تبرک جانتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ الحمد رضا نے

گر کوئی ضروریات شرع نہیں بلکہ تخصیص عرفی ہے جو شخص مالدار ہے اور تیجہ کے کھانے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فقیروں کو کھلاؤ میں فقیر نہیں۔ اس نے ٹھیک کہا لوگوں کی زیادتی ہے کہ اسے برادری سے خارج کر دیا جنھوں نے خارج کیا اس سے معافی مانگیں اور برادری میں داخل کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۶) مسئولہ جناب محمد حنیف صاحب مدرس نور الہدیٰ مقام پوکھریرا ڈاکخانہ رائے پور مظفر پور۔ ۷، ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں کہ

مزارات اولیاء کے اوپر چھتی و مرغ و چادر و مالیدہ وغیرہ چڑھانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس طرح بعض عوام اوپر رکھدیتے ہیں مثل روپیہ پیسہ مالیدہ کے۔

مسئلہ (۴۶۷) ایک بیگہ لنبا چوڑا قبرستان ہے اس کے چوگرد زید اس کی حفاظت کی غرض سے مٹی کا احاطہ بنانا چاہتا ہے اور احاطہ کے اندر بعض بعض قبریں بھی پڑتی ہیں۔ آیا اس طرح کا احاطہ دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جانور اگر اللہ عزوجل کا نام لے کر ذبح کریں اور اس کا گوشت پوشت نیک کام میں صرف کرکے اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو نذر کریں تو اس میں اصلاً قباحت نہیں بلکہ فعل حسن ہے۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ سے اس کو کوئی علاقہ نہیں کہ اس سے مراد وقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ہے۔ اور قبر پر روپیہ، پیسہ مالیدہ وغیرہ رکھنا نہ چاہئے بلکہ اگر وہاں لے جاکر ایصال ثواب و فاتحہ دینا چاہیں تو قریب قبر رکھ کر فاتحہ دلادیں۔ رد المحتار میں ہے قال البزازی[عہ] ومن ظن انہ لا یحل لانہ ذبح لاکرام ابن آدم فیکون اھل بہ لغیر اللہ فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لا ریب

بقیہ مسئلہ؛ بسند صحیح روایت فرمایا صوفیائے کرام کی ایک مجلس سماع میں حضور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کی تصلیل رکھی تھی۔ حالت وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اس سے لگ گیا فوراً ان کی ولایت سلب ہوگئی۔ اگر بزرگان دین کی نذر سے نیاز میں کوئی عظمت اور برکت نہیں آتی تو پھر یہ کیونکر ہوا عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ استاذ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جو اولیاء کے لئے منت مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں طریقہ ہے حلال طیب ہے اس لئے کہ اس پر غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت نہیں لیا گیا ہے۔ اگرچہ اولیاء کرام کے لئے منت مانی ہے۔ اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ یہ منت مانی کہ بیجا تو فلاں بزرگ کی فاتحہ کے لئے ہے جائز ہے۔ اور اس کا کھانا بھی جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کے نیاز کی منت ماننی جائز ہے۔

عہ بزازی نے کہا جس نے گمان کیا کہ یہ حلال نہیں کیونکہ یہ ابن آدم کی تعظیم کے لئے ذبح کیا گیا۔ لہٰذا ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہوگیا۔ اس نے قرآن،

ان القصاب یذبح اللحم ولو علم انہ یجب لا یذبح فیلزم ھذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب وما ذبح سواءتم والاعراس والعقیقۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب:۔ اگر احاطہ کی دیوار قبر پر واقع ہو تو ناجائز ہے کہ حدیث میں اس سے ممانعت آئی صحیح مسلم شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۸) مسئولہ فتون ساکن قصبہ بھر بار ہن پور ضلع بریلی ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص بھڑ بھڑا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ اپنے طریقے سے دریا میں اس کو غسل دیا۔ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور با قاعدہ دفن کر دیا گیا۔ اس کے اوڑھنے بچھانے کے جو کپڑے تھے فقیر نے دریا میں دھو کر لے لیا۔ اور فقیروں نے اعتراض کیا۔ تو لوگوں نے اس کا حقہ پانی بند کرنا چاہا۔ ایسی صورت میں وہ کپڑے لینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہیں تو وہ کپڑے جلا دیئے جائیں یا پھینک دیئے جائیں اگر جائز ہوں تو وہ کپڑے اپنے خرچ میں لائے گا۔ اگر ناجائز ہوں تو معافی چاہتا ہے۔

الجواب:۔ کپڑے لینا جائز ہے۔ اور انہیں اپنے خرچ میں بھی لا سکتا ہے۔ اتنی بات پر اس کو بند کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۶۹) مرسلہ مولوی محمد امین صاحب ساکن ضلع تھانہ محلہ سوداگران بھیونڈی۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

استمداد بوساطت قبور اولیاء و صلحاء شرع شریف میں جائز ہے یا ناجائز۔ شرک ہے یا بدعت۔

مسئلہ (۴۷۰) شیرینی و طعام وغیرہ پر فاتحہ خوانی یعنی ایک مرتبہ سورہ فاتحہ و تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس شیرینی و طعام وغیرہ کا ثواب ارواح انبیاء و اولیاء و صلحاء و مومنین و مومنات وغیرہ کو بخش کر طعام و شیرینی وغیرہ کا کھانا درست

بقیہ صفحہ کا:۔ حدیث اور عقل کی مخالفت کی اس لئے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قصاب نفع کے لئے ذبح کرتا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ نہیں بکے گا تو ذبح نہ کرے تو اس جاہل کو لازم ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے۔ یہی شادیوں عقیقہ وغیرہ کی دعوتوں میں جو جانور ذبح ہوں وہ بھی نہ کھائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مجدد ۱۰)

کو حرام یا شرک و بدعت بعض دیوبندی کا کہنا ہے کہ وہ چیز حرام ہے۔

مسئلہ (۱۷۴۳) بعد جمعہ اکثر حضرات کی عادت ہے کہ قبرستان فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ و یٰسین شریف و سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب ارواح مؤمنین و مؤمنات کو بخشتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ یا بدعت یا شرک یا گناہ۔

الجواب: اولیاء و صلحاء کی قبور پر جانا اور ان سے استمداد جائز و مستحسن۔ اور اکابر کے قول و فعل سے ثابت اور ایسے امور مندوبہ کو شرک و بدعت بنانا وہابیہ کا خاصہ۔ اور تفصیل رسالہ برکات الامداد میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: ایصال ثواب جائز و مندوب، احادیث سے ثابت، یہ عجب کہ حلال کھانا قرآن مجید پڑھنے سے حرام ہو گیا۔ اس کو حرام کہنا شریعت پر افترا کرنا ہے۔ کس آیت یا حدیث میں ہے کہ جس کھانے پر قرآن عظیم پڑھا جائے وہ حلال بھی ہو تو حرام ہو جاتا ہے۔ خود وہابیہ کے امام اسمٰعیل دہلوی نے لکھا میت کو ثواب پہنچانا کھانے پر موقوف نہ رکھیں۔ ہاں میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف فاتحہ و قل کا ثواب سب سے اعلیٰ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں ہے جو کھانا حضرات امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیاز کا ہو تب اور اس پر فاتحہ اور قل اور درود شریف پڑھتے ہیں وہ تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: جائز بلکہ بہتر ہے۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں ومن آدابها[ع] ان يسلم بلفظ السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون ونسأل الله لنا ولكم العافية ثم يدعو قائما طويلا وان جلس يجلس بعيدا او قريبا بحسب مرتبته في حال حياته ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة واول البقرة الى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰس وتبارك الملك والتكاثر والاخلاص اثنتى عشرة مرة او احدى عشرة او سبعا او ثلثا ثم يقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الى فلان او اليهم۔ نیز اسی کتاب میں فرماتے ہیں زيارة القبور مستحبة في كل اسبوع يوما الا ان الافضل

[ع] زیارت قبور کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس لفظ سے سلام کرے السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ونسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ (سلام تم پر اے مؤمنین کی بستی والے اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملیں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں) پھر کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرے اور جتنا ہو سکے قرآن مجید پڑھے۔ سورہ فاتحہ اور مفلحون تک سورہ بقرہ کا شروع اور آیۃ الکرسی اور آمن الرسول سے آخر سورہ تک۔ اور سورہ یٰسین، سورہ تبارک، سورہ تکاثر، اور سورہ اخلاص بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ یا سات سات یا تین تین بار۔ پھر یہ کہے اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا یا قبرستان کے سب مردوں کو پہنچا۔

یوم الجمعۃ والسبت والاثنین والخمیس وقد قال محمد بن واسع ۔ الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ فتحصل ان یوم الجمعۃ افضل وان علم الموتی بالزائرین اکمل اور جو کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرے ان تمام اموات کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ زیادتی ہوگی۔ درمختار میں ہے ویقرأ یٰسین[عہ] وفی الحدیث من قرأ الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات ۔ محیط پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیئ نیز اسی ردالمحتار میں ہے مثل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملا اجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل ۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۷۲) مسئولہ

فاتحہ اور دعا میں کیا فرق ہے اور ان دونوں سے کیا مقصد وابستہ ہے۔

الجواب: فاتحہ نام ہے سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی و قل وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کا۔ اور اس سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کو ثواب پہنچائے اور خود بھی ثواب پائے۔ اور اپنے ثواب میں اس سے کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی ہوتی ہے۔ دنیا یا آخرت کے فلاح وصلاح و بہبودی کا سوال کرنا دعا ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی ہماری دعا قبول کرلے اور جو ہم مانگتے ہیں وہ عطا فرمائے یا اس سے بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۴۷۳) مرسلہ حاجی حکیم سید نعیم الدین صاحب بہاری حال مقام مانک چوک ضلع دھوبڑی ۱۲ صفر ۴۲ھ

اولیاء اللہ خواہ عوام الناس کے قبر پر فاتحہ و دعا کس طور سے سنت ہے۔ آیا پورب رخ ہو کر قبر

عہ زیارت قبور ہر ہفتے میں ایک دن مستحب ہے مگر افضل جمعہ کا دن ہے اور سنیچر پیر اور جمعرات کا۔ محمد بن واسع نے فرمایا مردے اپنی زیارت کرنے والوں کو جمعہ کے دن اور اس ایک دن پہلے اور ایک دن اس کے بعد پہچانتے ہیں۔ لہٰذا جمعہ کے دن افضل ہے اور مردوں کا زائرین کے متعلق علم زیادہ کامل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عہ سورہ یٰسین پڑھے اور حدیث میں ہے سورۂ اخلاص کا پڑھنا سنت ہے گیارہ بار پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے۔ مردوں کی گنتی کے برابر ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امجدی۔

کے سامنے۔ یا قبر کی طرف پشت کرکے قبلہ رو ہوکر۔

الجواب :- زیارت کے آداب میں یہ ہے کہ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے میت کے مواجہہ میں کھڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۷۴) مسئولہ شاہ قمرالدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۷۲ھ

میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید مکان پر کسی کو بٹھا کر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے پڑھنے کا بدلہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ نیز تیسرا، دسواں، بیسواں اور چہلم پر ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم مذہب میں ہے یا نہیں۔

الجواب :- ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا جائز ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ تلاوت کے لئے اسے اجیر نہ کیا ہو کہ تلاوت پر اجرت لینا دینا جائز نہیں۔ کذا فی رد المحتار۔ اور اگر اس سے پیشتر کہہ دیا جائے کہ اس کا معاوضہ ہم کچھ نہ دیں گے پھر بعد میں پڑھنے والے کی خدمت کی جائے تو عین سعادت ہے۔ تعلیم قرآن پر اجرت لینا دینا متاخرین نے جائز کہا اور اب اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۷۵) مرسلہ رحمت اللہ صاحب قادری بنارس۔ ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی روح دنیا میں آتی ہے یا نہیں۔ نیز اولیاء کرام اپنی روح کے ساتھ اصلی جسم میں ہوکر دنیا میں چل پھر سکتے ہیں یا نہیں بحوالہ قرآن و حدیث شریف وفقہ بیان فرمائیں۔

الجواب :- مومن کی روح مرنے کے بعد آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے اذا مات المومن یخلی سربہ یسرح حیث شاء جب مومن مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ جہاں چاہے جائے۔ اور اولیاء کرام کے بکثرت واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے بعد وفات انہیں ان کی صورتوں میں دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اصلی جسم ہوں یا ان کے مثال۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱؎ طحطاوی علی المراقی میں ہے قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه المیت۔ احیاء میں ہے زیارت قبر میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ ہو اور میت کی طرف منہ ہو۔ ۲؎ یہ حیلہ بھی درست ہے کہ قاریوں کو گھنٹہ دو گھنٹہ روکے اور ان کے وقت کو مشغول رکھنے کی عوض کی نیت کرکے کچھ دے۔ ۳؎ ان تمام باتوں کے لئے حیات الموات فی سماع الاموات کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۷۶) مسئولہ عابد علی محلہ جیا ڈوری اشرف خاں بانکے بریلی ۔ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اکثر لوگ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ گیارہویں شریف کے نام کا جمع کرتے ہیں یعنی اگر ایک روپیہ خرچ کیا تو ایک پیسہ یا دو علیٰ ہذا القیاس علیحدہ گیارہویں شریف کے نام پر جمع کرتے ہیں ۔ اور ربیع الثانی میں فاتحہ کرتے ہیں ۔ اگر اس رقم سے کوئی دوسرا کار خیر انجام دے دیا جائے مثلاً کسی بیوہ کے غریب کو کھانا کھلا دیا جائے ۔ یا کسی غریب رشتہ دار کو کپڑا بنوا دیا جائے ۔ یا کسی رشتہ دار کی موت پر بھی دیدی جائے ۔ یا کسی غریب عزیز ہمسایہ کی لڑکی کی شادی میں براتیوں کو کھانا دے دیا جائے ۔ یا لڑکی کو کپڑا بنا دیا جائے ۔ ایا یہ کار خیر اس گیارہویں شریف کے نام کی رقم سے انجام دینا جائز ہیں یا نہیں ۔ زید نے کہا کہ میں یہ جانور مرغ یا بکری وغیرہ ذبیح کر اس رقم سے فاتحہ کروں گا ۔ اس کو مذکورہ بالا باتوں کا اختیار ہے یا نہیں وہ بجائے فاتحہ کے اور کوئی دوسرا کام انجام دے سکتا ہے یا نہیں ۔

الجواب :- گیارہویں شریف کی نیاز ایصال ثواب کے لئے ہے ۔ اور یہ کام بھی ثواب کے ہیں پس ان کاموں میں صرف کرے اور اس کا ثواب حضور کو نذر کرے اور بہتر یہ ہے کہ حسب دستور فاتحہ بھی پڑھے کہ قرآن مجید و درود شریف کا ثواب بھی ملے اس کو بھی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نذر کرے ۔ مرغ یا بکری کی قیمت بھی ان امور خیر میں صرف کر کے ثواب پہنچائے ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ (۴۷۷) مرسلہ سلیمان شکرانی برادرس قادری رضوی از مقام لمبی نیا سالینڈ برٹش سنٹرل افریقہ ۔

یہاں پر ہر ماہ مسلمانوں کی گیارہویں شریف پر بطور نیاز کھانا پکتا ہے اور نیاز کا ہر دوکان پر مقرر چندہ تسلیم کیا گیا ہے اور کھانے میں تمام اہل تجارت ہندی مسلم جمع ہوتے ہیں ۔ ہندوستان کی طرح ۔ اس ملک میں مساکین وفقرا نہیں ہیں ۔ اگر اس کھانے کو موقوف کر کے اکٹھا کیا جاوے تو سالانہ ایک معقول رقم بن جاتی ہے ۔ اس رقم کو دوسرے ضروری اسلامی کاموں میں لا سکتے ہیں یا نہیں ۔ جو یہاں کی ملکی حالت کے پیش نظر لازمی ہے جیسا کہ اس ملک کے اصلی افریقی (نیٹو) جو مسلمان ہیں اور نماز روزہ بھی اکثر ادا کرتے ہیں لیکن تعلیم سے بالکل ناواقف ہیں اور اس ملک کے عیسائی بڑے زور وشور سے اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہیں ۔ جنگلات میں جگہ جگہ عیسائی کلیسا قائم کر دیے ہیں اور جنگلی افریقیوں کو عیسائی مذہب میں داخل کرتے ہیں ۔ حالانکہ اسلام بھی اپنی خوبیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ پھیلتا رہا ہے لیکن ان ہمارے غریب مسلم افریقیوں کے مذہبی تعلیم کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور نہ وہ مذہبی فرائض کمل طور پر سمجھتے ہیں نہ ادا کرتے ہیں ۔ اب ان لوگوں کی تعلیم و تربیت و تبلیغ و اشاعت اسلام کے

لئے ایک مدرسہ کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور فی الحال ہندی بیوپاری ممارت مدرسہ و معلم و مدرس کا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ تجارت کا حال بہت خراب ہے ایسی صورت میں گیارہویں کا کھانا موقوف کر کے اس کی رقم مذکورہ کار خیر کے لئے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۷۸) کوئی ہندی یا افریقی مسلم جو کہ غریب بھی ہو اور بیمار بھی ہو اور اس کو امداد کی ضرورت ہو تو مذکورہ رقم سے امداد درست ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۷۹) اگر مذکورہ صورتوں میں اس رقم کا استعمال جائز ہے تو یہ بھی فرمائیے کہ اس کے علاوہ اور کونسی صورتیں ہیں جہاں اس رقم کا استعمال جائز ہے **مسئلہ** ( ) کسی غریب خانہ کسان مسافر جسکا چندہ کرنا نا معقول ہو اسکی اس رقم سے

مسئلہ (۴۸۰) لیکن واضح ہو کہ مندرجہ بالا سوالات کا حل کرنا قوم کی حالت سے باہر ہے کیونکہ آج کل تجارت کی حالت نہایت خراب ہے۔ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اعتقاداً ہم کھانا موقوف کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم لوگ شرع کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہیں۔

مسئلہ (۴۸۱) زید نے غوث پاک کی نیاز مانی ہو اور کھانا کھلانے کی نیت بھی ہو تو کیا زید بغیر کھانا پکائے قیمت نیاز ادا کر سکتا ہے اور اس کا استعمال تعلیم و اشاعت میں ہو سکتا ہے۔ اور مسومہ فنڈ میں قیمت دینے پر مقبولیت حاصل ہوگی یا نہیں۔

الجواب:۔ گیارہویں شریف کی نیاز ایصال ثواب کے لئے ہے کہ شیرینی یا کھانے پر سورۂ فاتحہ و قل اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر سب کا ثواب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نذر کرتے ہیں اور یہ نذر کچھ کھانے یا شیرینی ہی کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کے سوا ہو نہ سکے بلکہ وہ رقم اگر کسی دوسرے کار خیر میں صرف کی جائے اور اس کا ثواب نذر کیا جائے۔ تو یہ بھی جائز ہے کہ مذہب اہلسنت میں ہر عمل خیر کا ثواب احیاء و اموات کو پہنچایا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی۔ بلکہ اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ درمختار میں ہے فی الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما له جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلۃ۔ رد المحتار میں ہے سواء کانت صلاۃ او صوما او صدقۃ او قراءۃ او ذکرا او طوافا او حجا او عمرۃ او غیر ذالک من زیارۃ قبور الانبیاء علیهم الصلاۃ والسلام والشهداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر کما فی الهندیۃ اھ وقدمنا فی الزکاۃ عن التاترخانیۃ عن المحیط

الا فضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجرہ شیء اھ نیز اسی رد المحتار میں ہے من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیهم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ثم قال وبھذا علم انہ لافرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیا والظاہر انہ لافرق بین ان ینوی بہ عند الفعل للغیر او یفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامہم وانہ لافرق بین الفرض والنفل اھ اور جب کہ مدرسہ کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سرمایہ فراہم نہیں ہو سکتا تو رقم مدرسہ میں صرف کی جائے۔ اور اس ثواب کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نذر کریں۔ یوہیں فقرا مساکین کے علاج یا اسلامی میت لاوارث کی تجہیز و تکفین میں صرف کر سکتے ہیں یا تبلیغ و اشاعت اسلام میں اس رقم سے امداد کر سکتے ہیں۔ اور جب یہ کام حضور کے ایصال ثواب کے لئے کیا تو گیارہویں کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اور دیتے وقت درود شریف و فاتحہ و قل وغیرہ پڑھ کر حسب دستور ایصال ثواب کریں تو زیادہ بہتر۔ اور اس رقم سے جو کار خیر کیا جائے اسے حضور کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً مدرسہ قادریہ یا نذر قادری کہ لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ یہ شی حضور کے ایصال ثواب کے لئے ہے اور علاوہ اس رقم کثیر کے جو اس نام سے جمع ہوتی ہے اگر حسب استطاعت دو چار آنہ یا کم و بیش کی شیرینی وغیرہ پر بھی حسب دستور فاتحہ ہو جایا کرے تو نہایت انسب کہ اس میں وہابیت کی بیخ کنی بھی ہے اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ گیارہویں بند ہو گئی اور بڑی رقم امور مذکورہ بالا میں صرف ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: یہ نذر فقہی نذر نہیں۔ بلکہ براہ ادب بڑوں کی خدمت میں جو چیز پیش کی جاتی ہے۔ اسے نذر کہتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رسالۂ نذور میں فرماتے ہیں۔ نذر کہ اینجا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند۔ یہ رقم بھی امور مذکورہ میں صرف کی جا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ( ) از پنجاب مرسلہ جناب میاں دین محمد صاحب خوش آبی ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

گیارہ تاریخ کو حسب مقدور کھانا شیرینی، دودھ وغیرہ پر فاتحہ دے کر اس کا ثواب حضرت سید نا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرفتوح کو بخشنا جس کو گیارہویں کہا جاتا ہے اس کا کرنا کیسا ہے؟ کیا اس تعیین میں کوئی قباحت ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کو مدلل و مفصل بیان فرمائیں۔ اعطاکم اللہ اجرا عظیما۔

عـه بزرگان دین کی نذر و نیاز میں نذر سے مراد شرعی معنی نہیں اصطلاحی معنی مراد ہے اسلئے کہ عرف ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں جو رقم پیش کیا جاتا ہے اسکو نذر و نیاز کہتے ہیں۔

الجواب: مسئلہ ایصال ثواب شرعاً مندوب ومحبوب ہے احادیث وفقہ سے اس کا جواز ثابت ہے اور گیارہویں کی تجم بھی اسی ایصال ثواب کی ایک فرد ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے کہ مطلق کے جواز ثابت ہونے کے بعد افراد کا جواز خود ہی ثابت ہے جب تک افراد میں شرعاً قباحت ثابت نہ ہو ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اور یہاں گیارہویں کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن میں اس کی ممانعت نہ حدیث میں، نہ اس کے متعلق کوئی اجماع نہ قیاس مجتہد اور جب ناجائز ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہیں تو ناجائز کہنا غلط و باطل۔ اور ایصال ثواب کے ثبوت سے اس کا جواز ثابت۔ ایصال ثواب کے متعلق چند احادیث یہ ہیں:۔

حدیث ۱:۔ ابوداؤد ونسائی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے راوی۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ھذا لام سعد یارسول اللہ سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا تو کون صدقہ (اس کے لئے کرنا) بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا۔ پانی کا صدقہ کرنا۔ کہ وہاں اس کی کمی تھی اور ضرورت تھی۔ انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہدیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

حدیث ۲:۔ صحیح بخاری ومسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی کہتی ہیں ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم ایک شخص نے حضور سے عرض کی میری ماں دفعتہً مرگئی اور میرا گمان ہے کہ وہ اگر کچھ بولتی تو صدقہ کرتی۔ تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب پہنچے گا ارشاد فرمایا ہاں! اس حدیث کے تحت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں فی الحدیث دلیل علی ان ثواب الصدقۃ یصل الی المیت وکذا حکم الدعاء ھذا ھو مذھب اھل الحق واختلفوا فی العبادات البدنیۃ کالصلوۃ وتلاوۃ القرآن والمختار نعم قیاسا علی الدعاء اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور دعاء کا بھی یہی حکم ہے اور اہل حق کا یہی مذہب ہے اور عبادت بدنیہ مثلاً نماز و تلاوت قرآن میں اختلاف ہے اور مذہب مختار یہ ہے کہ دعاء پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

حدیث ۳:۔ ابوداؤد بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ راوی ان العاص بن وائل اوصی ان یعتق عنہ مأۃ رقبۃ (فان ھشاما اعتق) فاعتق عنہ ابنہ ھشام خمسین رقبۃ فاراد ابنہ عمرو ان یعتق عنہ الخمسین الباقیۃ فقال حتی اسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فاتی النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

فقال یارسول اللہ ان ابی اوصی ان یعتق عنہ مائۃ رقبۃ وان ھشاما اعتق عنہ خمسین وبقیت علیہ خمسون رقبۃ افاعتق عنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لو کان مسلما فاعتقتم عنہ او تصدقتم عنہ او حججتم عنہ بلغہ ذلک عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں اور اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے اس کے دوسرے بیٹے عمرو نے باقی پچاس کو آزاد کرنا چاہا تو کہا پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر لوں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ میرے باپ نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور ہشام نے پچاس آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں کیا میں آزاد کر دوں ارشاد فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے اسے پہنچتا۔ لمعات میں حضرت شیخ نے فرمایا قولہ لو کان مسلما دل علی ان الصدقۃ لا تنفع الکافر ولا تنجیہ وعلی المسلم ینفعہ العبادۃ المالیۃ والبدنیۃ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو نہ صدقہ نفع دے اور نہ اسے نجات دے اور مسلمان کو عبادت مالی اور بدنی دونوں سے نفع پہنچتا ہے۔

حدیث ۴: من قرأ الاخلاص احدعشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات جس نے گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشا تو مردوں کی تعداد کے برابر میں پڑھنے والے کو ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو درمختار باب الجنائز اور فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں نقل کیا۔

حدیث ۵: عن انس انہ سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انا نتصدق عن موتانا ونحج عنھم وندعولھم فھل یصل ذلک الیھم قال نعم انہ لیصل الیھم وانھم لیفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذا اھدی الیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یارسول اللہ ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا انہیں پہنچتا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ بیشک وہ ان کو پہنچتا ہے اور بیشک وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسا تم میں سے کسی کے پاس طبق ہدیہ کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس حدیث کو بھی امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔

حدیث ۶: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگ والے خوبصورت کی قربانی کی اور اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور فرمایا بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں جس کسی نے قربانی نہیں کی۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث ۷: حنش کہتے ہیں میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو مینڈھے کی قربانی کرتے دیکھا میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں اس لئے میں حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ رواہ ابو داؤد۔ ان احادیث سے بخوبی ثابت ہے کہ زندوں کے اعمال صدقہ وغیرہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے اور اپنے اعمال کا ثواب پہنچائے تو ثواب پہنچتا ہے۔ اب کتب فقہ کی بعض روایات سنئے۔ بلکہ ان سے پہلے کتب عقائد میں سے شرح عقائد نسفی کی یہ عبارت دیکھئے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتہم عنہم نفع لہم خلافا للمعتزلۃ زندے مردوں کے لئے دعا کریں اور صدقہ کریں تو مردوں کو نفع پہنچتا ہے معتزلہ اس کے مخالف ہیں۔ شرح عقائد کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے منکر معتزلہ ہیں۔ اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق بلانکیر مردوں کو ثواب پہنچتا ہے۔ قائلین بدعت دیکھیں کہ ثواب پہنچنا پہنچانا اہلسنت کا مذہب ہے اور اس کا انکار بدعتیوں یعنی معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہدایہ میں ہے الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ لما روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ ضحی بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والاٰخر عن امتہ ممن اقر بوحدانیۃ اللہ تعالیٰ وشھد لہ بالبلاغ اس باب میں قاعدہ کلیہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے روزہ یا نماز یا صدقہ یا کچھ اور۔ اہلسنت کے نزدیک۔ فتح القدیر میں ہے خالف فی جمیع ذلک المعتزلۃ مطلقا ایصال ثواب کے منکر معتزلہ ہیں۔ بحر الرائق میں ہے من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ یعنی اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی، یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب دوسرے کو مردوں اور زندوں کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور ان کو ثواب پہنچے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرھا کالحج وقراءۃ القرآن والاذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام والشھداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا اس کے علاوہ جیسے حج اور قراءۃ قرآن واذکار اور زیارۃ قبور انبیاء و شہداء واولیاء وصالحین وتکفین اموات اور ہر قسم کے نیکی کے کام، ایصال ثواب کا جواز تو دوسری چیز ہے ایصال ثواب کرنے میں نسبت،

ایصال ثواب نہ کرنے کے ثواب زیادہ ہے۔ ایصال ثواب نہ کرے تو صرف عمل کا ثواب ملے گا اور ایصال کرنیکی صورت میں تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا جیسا کہ حدیث سے مستفاد ہے۔ بحیط بحر تتارخانیہ پھر رد المحتار میں ہے الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمومنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شیٔ جو شخص صدقہ نفل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرلے کہ ان سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی تو جب اپنا کچھ نقصان نہیں اور دوسروں کا فائدہ ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا فائدہ پہنچانا ہر حال میں بہتر ہوگا۔ اگر ایسے فائدہ پہنچانے سے بھی گریز کرے تو یہ نہایت درجہ کے بخل کی دلیل ہے کہ اور جگہ دینے میں تو اپنے پاس سے کوئی چیز کم ہوتی ہے اور یہاں یہ بھی نہیں بحر الرائق میں ہے ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او قراءۃ قرآن او ذکرا او طوافا او حجا او عمرۃ او غیر ذلک عند اصحابنا للکتاب والسنۃ خلاصہ یہ کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک اپنے ہر قسم کے اعمال کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث ہے۔ اس کے بعد صاحب بحر اس کے ثبوت میں چند آیات و احادیث ذکر کرتے ہیں پھر بدائع سے نقل کرتے ہیں من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیہم عند اہل السنۃ والجماعۃ۔ اسی طرح تبیین الحقائق میں فرمایا اور مطلق ایصال ثواب سے انکار کو معتزلہ کا مذہب بتایا اور ان کی دلیل ذکر کر کے اس کے متعدد جواب ذکر کئے اور اہلسنت کے مذہب کو آیات و احادیث سے ثابت کیا بعض احادیث وہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیں اور بعض دوسری حدیثیں بھی ذکر کیں ہیں۔ مثلا ان رجلا سال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال کان لی ابوان ابرھما حال حیاتہما فکیف لی ببرھما بعد موتہما فقال لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان من البر بعد البر ان تصلی لہما مع صلاتک وان تصوم لہما مع صیامک رواہ الدار قطنی ایک شخص نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے والدین تھے کہ ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح بھلائی کروں۔ ارشاد فرمایا نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے نماز پڑھ۔ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھ۔ **اقول** یہاں ان کے لئے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے یہی معنی ہیں کہ نماز روزہ کا ایصال ثواب کیا جائے نہ یہ کی ان کی طرف سے نماز پڑھنا اگرچہ عمل غیر سے اس صورت میں بھی نفع پہنچنا ثابت ہوگا۔ مگر مراد معنی اول ہیں اس لئے کہ ایک حدیث میں آیا ہے لایصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد۔ ایک شخص دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ روزہ رکھ سکتا ہے

اسی واسطے حدیث میں لمبا فرمایا اعنہا نہیں فرمایا۔ ایک دوسری حدیث یہ ذکر کی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال النبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰسین خفف عنہم یومئذ جو قبرستان میں جاکر سورہ یٰس پڑھے تو اس دن مردوں سے تخفیف ہوجاتی ہے اسی طرح امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالٰی نے اس مسئلہ کو فتح القدیر میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا اور مذہب اہلسنت کو آیات واحادیث سے ثابت کیا۔ بالجملہ یہ مسئلہ بحمدہ تعالٰی اس قدر واضح اور صاف ہوگیا کہ مخالفین میں جو عامل بالحدیث کے مدعی ہیں اگر اپنے دعوی میں کچھ بھی سچے ہوں تو ایصال ثواب سے انکار نہ کریں گے یہ تو میں کیسے کہوں کہ حدیث پر عمل کریں اور ایصال ثواب کریں کہ وہ ایسا کر نہیں سکتے مگر کم از کم انکار سے تو باز آئیں۔ یونہی وہ لوگ جو اپنے کو حنفی کہتے ہیں اور ایصال ثواب سے انکار کرتے ہیں وہ بھی اس سے باز آئیں کہ علاوہ حدیث کے کتب معتبرہ مستندہ حنفیہ کی متعدد عبارتیں پیش کر دی ہیں کہ انکار کی گنجائش باقی نہیں۔ اور غالباً انھیں مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے یہ لوگ اپنی طرف سے کچھ باتیں اضافہ کر کے اسے بدعت وناجائز کہتے ہیں ورنہ ان کے متقدمین تو سرے سے ایصال ثواب سے ہی انکار کرتے تھے۔ اور دلیل وہی پیش کرتے تھے جو معتزلہ پیش کرتے تھے۔ مگر جب اہل سنت کے دلائل باہرہ کا جواب نہ ہوسکا تو عدم جواز کا دوسرا پہلو نکالا کبھی کہتے ہیں کھانے پر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے اور کبھی یہ کہ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھ کر دعا کرنا کبھی یہ کہ کھانا سامنے رکھنا کبھی یہ کہ دن کی تخصیص کرنا غرض ایسی ہی باتیں پیش کر کے ایصال ثواب کو روکنا چاہتے ہیں۔ **اقول** قرآن مجید کی قرات وجہ ممانعت ہوجائے یہ عجب بات ہے جب صدقہ اور قرات قرآن دونوں چیزوں کا ثواب پہنچ سکتا ہے جیسا کہ کتب معتبرہ فقہ سے ثابت ہے۔ عبارات پہلے گذر چکیں تو اگر یہ دونوں کام ایک وقت میں کئے جائیں تو ناجوازی کی کیا وجہ ہے کیا اس وقت قرآن پڑھنا ناجائز ہے یا تصدق ناجائز ہے اور جب دونوں جائز تو ایک ساتھ بھی جائز۔ یونہی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی سبب ممانعت نہیں ہوسکتا کہ یہ امر فی نفسہ ثابت ہے حدیث میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا آیا ہے اور علماء نے اسے آداب دعا سے قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا جب خدا سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے پیٹ کو اوپر کر کے سوال کرو پشت دست کو اوپر کر کے سوال نہ کرو۔ رواہ ابوداؤد عن مالک بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اور دوسری روایت ابوداؤد کی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا فاذا فرغتم فامسحوا بہا وجوہکم اسمیں اتنا مضمون زیادہ فرمایا کہ فارغ ہوکر تو منہ پر ہاتھ پھیر لو۔ ترمذی نے حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ دعا میں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ اوٹھاتے تو جب تک منھ پر پھیر نہ لیتے نیچے نہ کرتے ترمذی و ابو داؤد و بیہقی کی روایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان ربکم حی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا بیشک تمہارا رب حیا و کرم والا ہے جب کوئی بندہ اوس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالی واپس کرنے سے حیا فرماتا ہے بیہقی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں اتنا ہاتھ اٹھاتے (یعنی احیانا) کہ بغل مبارک کی سپیدی دکھائی دیتی۔ اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کان یجعل اصبعیہ حذاء منکبیہ ویدعو دعا کے وقت حضور دو انگلیوں کو شانوں کے مقابل کر لیتے اور سائب بن یزید سے راوی، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے تو دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما سوال کہتے اس کو ہیں کہ ہاتھوں کو مونڈھے کے مقابل یا ان کے قریب اٹھائے۔ پس جب کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا حضور کا فعل ہے اور اس طرح دعا کرنے میں امید اجابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح دعا کرنے والے کو خالی ہاتھ پھیرنے سے حیا فرماتا ہے تو ایصال ثواب کے وقت جو دعا کیجائیگی اوسے بھی ہاتھ اٹھا کر کریں۔ اور یہ کہیں الٰہی اس کا ثواب فلاں و فلاں اور جمیع مومنین و مومنات کو پہنچا دے مگر جو ایصال ثواب نہیں کرنا چاہتے وہ شاید اس وجہ سے ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہوں گے کہ کہیں دعا قبول نہ ہو جائے اور ثواب پہنچ جائے کہ انھیں یہ کب منظور ہے ایسا ہوتا تو ایچ پیچ ہے اسے ناجائز کیوں کہتے ہو ہیں کھانا سامنے رکھنا ممانعت کی وجہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ کوئی ناجائز امر ہوتا تو کھانے کے وقت سامنے کیوں رکھا جاتا۔ مگر یہ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ دہنے بائیں یا پیچھے رکھ کر ایصال کرتا ہو۔ اور جو مطلقاً ایصال ثواب کرتا ہی نہ ہو تو اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایصال ثواب سے روکنے کا یہ ایک حیلہ ہے اور بلا دلیل شرعی ایسی مہمل باتیں قابل سماعت نہیں۔ شاید یہ کہا جائے کہ کھانا آگے رکھنا اور اس پر کچھ پڑھنا یہ مجموعہ ناجائز ہے اور ایصال ثواب جائز ہے یہ قول ہی صحیح نہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم و دیگر محدثین حضرت انس،

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل روایت کرتے ہیں جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مع ایک گروہ صحابہ کے جب پہنچے تو فرمایا ھلمی یاام سلیم ماعندك فاتت بذلك الخبز فامر به رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ففت وعصرت ام سلیم عكة فادمته ثم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فيه ماشاء اللہ ان يقول ثم قال ائذن لعشرة فاذن لهم فاكلوا حتى شبعوا ثم خرجوا ثم قال ائذن لعشرة ثم لعشرة فاكل القوم كلهم وشبعوا والقوم سبعون اوثمانون رجلا۔ ام سلیم جو تمہارے پاس ہو لاؤ۔ انھوں نے وہی روٹی (جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیجی تھی) حضور کی خدمت میں پیش کر دی، حضور کے ارشاد سے وہ روٹی توڑی گئی۔ ام سلیم نے کپا اوس پر نچوڑ دیا جس میں کچھ روغن تھا وہ گویا سالن ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خدا نے چاہا اوس پر پڑھا پھر فرمایا کہ دس شخص کو کھانے کی اجازت دو ان کو اجازت دی، وہ کھا کر آسودہ ہو گئے پھر فرمایا اور دس شخصوں کو اجازت دو پھر دس کو اجازت دو غرض سب لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے اور کل آدمی ستر یا اسّی تھے۔ دوسری حدیث انھیں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ہمیں وغیرہا مساء وی۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھجور اور گھی اور پنیر کا ملیدہ بنا کر ایک طشت میں رکھ کر حضرت انس کو دیا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ میری ماں نے یہ بھیجا ہے اور سلام عرض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تھوڑی سی چیز میری طرف سے حضور کی خدمت میں حاضر ہے۔ انھوں نے جا کر عرض کر دیا۔ ارشاد فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر فرمایا اذهب فادع لی فلانا وفلانا وفلانا رجالا سماهم وادع لی من لقيت فدعوت من سمی ومن لقيت فرجعت فاذا البيت غاص باهله قيل لانس عدد كم كانوا قال زهاء ثلث مائة فرأيت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يضع يده علی تلك الحيسة وتكلم بما شاء اللہ ثم جعل يدعو عشرة عشرة ياكلون منه ويقول لهم اذكروا اسم اللہ وليأكل كل رجل مما يليه قال فاكلوا حتی شبعوا فخرجت طائفة ودخلت طائفة حتی اكلوا كلهم قال لی يا انس ارفع فرفعت فما ادری حين وضعت كان اكثر ام حين رفعت۔ انس جاؤ فلاں اور فلاں اور فلاں چند شخصوں کے نام لے کر فرمایا انھیں بلاؤ اور جو تمہیں ملے اوسے بلالاؤ جن کو نامزد کر دیا تھا انھیں اور جو ملا اوسے سب کو میں نے دعوت دے دی جب میں واپس ہوا تو دیکھتا ہوں گھر آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا کتنے آدمی ہو گئے کہا کہ قریب تین سو کے۔ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اوس ملیدہ پر

ہاتھ رکھا اور جو خدا نے چاہا پڑھا پھر دس دس شخصوں کو کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور اپنے قریب سے کھاؤ سب کھا کر آسودہ ہو گئے پھر ایک گروہ نکلا اور دوسرا داخل ہوا یہاں تک کہ سب نے کھا لیا حضور نے فرمایا کھانا اٹھاؤ میں نے اٹھایا میں نہیں جانتا کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب میں نے اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال لما کان یوم غزوۃ تبوک اصاب الناس مجاعۃ فقال عمر یا رسول الله ادعھم بفضل ازوادھم ثم ادع الله لھم علیھا بالبرکۃ فقال نعم فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادھم فجعل الرجل یجیئ بکف ذرۃ ویجیئ الاٰخر بکف تمر ویجیئ الاٰخر بکسرۃ حتی اجتمع علی النطع شیئ یسیر فدعا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم بالبرکۃ ثم قال خذوا فی اوعیتکم فاخذوا فی اوعیتھم حتی ما ترکوا فی العسکر وعاء الا ملؤہ قال فاکلوا حتی شبعوا وفضلت فضلۃ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم اشھد ان لا الٰہ الا الله وانی رسول الله لا یلقی الله بھما عبد غیر شاک فیحجب عن الجنۃ۔ غزوہ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کے پاس جو کچھ بچا ہوا توشہ ہو اسے منگائیے پھر اس پر اللہ سے برکت کی دعا کیجیے حضور نے فرمایا ہاں ایک چمڑے کا دسترخوان طلب فرما کر بچھا دیا اور بقیہ توشہ طلب فرمایا تو کوئی ایک مٹھی چینا لاتا ہے اور کوئی ایک مٹھی کھجور لاتا ہے اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا ہے۔ غرض دسترخوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہو گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا اپنے برتنوں میں تم لوگ لے لو، لوگوں نے اپنے اپنے برتنوں میں لے لیا۔ یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن باقی نہ رہا جسے بھر نہ لیا ہو۔ لوگوں نے آسودہ ہو کر کھایا اور کچھ بچ بھی رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں باتوں پر یقین کرتا ہوں جو بندہ خدا سے ملے گا وہ جنت سے روکا نہیں جائے گا۔ تخصیص کو وجہ ممانعت قرار دینے کا معنی اگر یہ ہیں کہ نفس ایصال معرا عن الخصوصیات تو جائز ہے اور خصوصیت نے ناجائز کر دیا۔ یہ کلام بے معنی ہے۔ اسلئے کہ شئی من حیث ہو معریٰ عن الخصوصیات صرف ایک ذہنی مرتبہ ہے۔ وہ خارج میں پائی نہیں جا سکتی کہ جو چیز خارج میں موجود ہوگی وہ ضرور مختص ہو کر موجود ہوگی۔ تو جب وہ متحقق ہی نہیں تو وہ نہ جائز ہے نہ ناجائز ہے کہ یہ دونوں فعل مکلف کے صفات ہیں اور افعال مکلفین معرا عن الخصوصیات متحقق نہیں۔ لہٰذا خصوصیت کو ناجائز کہنے کا معنی یہی ہیں کہ ایصال ثواب ہی کو ناجائز کہا جاتا ہے اور اس کے منع کرنے کا یہ ایک حیلہ ہے اور جب ہم ایصال

کو احادیث و کتب فقہ سے جائز ثابت کر چکے اور وہ ضرور کسی وقت خاص یا کسی مکان خاص یا کسی ہیأۃ خاصہ کے ساتھ ہوگا۔ تو جب تک ان میں کی کوئی خصوصیت شرعاً ممنوع نہ قرار پائے تمام خصوصیات کے ساتھ ایصال ثواب جائز ہی رہے گا اور ناجائز کہنے والے پر خصوصیت کی ممانعت ثابت کرنی ہوگی۔ اور اگر خصوصیت کو ممنوع کہنے کا یہ معنی ہیں کہ گیارھویں وغیرہ کی فاتحہ دلانے والے اسے گیارھویں ہی تاریخ کو جائز کہتے ہیں اور دیگر اوقات میں ناجائز جانتے ہیں اور جب مطلق ایصال ثواب جائز ہے تو اسے ایک تاریخ میں جائز کہنا اور دوسری تاریخوں میں ناجائز کہنا خلاف شرع ہے کہ اطلاق شرعی کو اپنی رائے سے مقید کرنا ہے اور یہ ناجائز ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسی خصوصیت ضرور ممنوع ہے اور ہرگز مسلمانوں کا ایصال ثواب کے متعلق ایسے خیالات نہیں ہیں عام طور پر یہاں تک تجربہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلانے والے اس قسم کی خصوصیت کے قائل نہیں وہ لوگ دوسری تاریخوں میں بھی فاتحہ دلاتے ہیں۔

خواہ مخواہ ایک مسلمان کے ساتھ بدظنی کب روا ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم تو گیارھویں کی فاتحہ اسے کہتے ہیں جو گیارھویں ہی کے دن ہوتی ہے اور دوسرے دن جو فاتحہ ہوگی وہ گیارھویں کی نہیں ہے مگر اس کو ناجائز کہنے والے نے اتنا بھی نہ سمجھا۔ اولاً یہ کہ فاتحہ کی خصوصیت بھی مذکور کہاں ہے یہ تو نام کی خصوصیت ہے کہ جو فاتحہ گیارھویں تاریخ کو ہوتی ہے اسی کو گیارھویں کہتے ہیں اور یہ بیشک صحیح ہے کیونکہ جو فاتحہ دوسری تاریخوں میں دلائی جائے وہ گیارھویں کی نیاز کیونکر کہی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر دیگر ایام کو بھی گیارھویں تاریخ کہتے تو اس کی فاتحہ کو بھی گیارھویں کی فاتحہ کہتے۔ واذ لیس فلیس۔ ثانیاً اگر یہ اعتراض درست ہو تو اس فاتحہ کے جواز میں کلام نہ ہوا تسمیہ میں کلام ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فاتحہ جائز ہے اور نام صحیح نہیں۔ تو اب بھی ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ خاص گیارھویں تاریخ میں فاتحہ دلانا جائز ہے جب کہ دوسرے دنوں میں بھی ایصال کو جائز جانتا ہو۔ یہ جواب بر بناء تنزل ہے اور نام کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ثالثاً بہت سے عوام حضور غوث اعظم کے نام پر جو فاتحہ دلائی جاتی ہے اس کو مطلقاً گیارھویں کی فاتحہ کہتے ہیں۔ گیارھویں کی فاتحہ کہنے سے ان کا مطلب صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ یہ فاتحہ پیران پیر کی ہے۔ یہ نہیں کہ خاص گیارھویں ہی تاریخ میں یہ دلائی جائے گی۔ یہاں تک کہ دوسری تاریخوں میں بھی جب حضور کے نام کی فاتحہ دلاتے ہیں تو اس کو بھی گیارھویں کی فاتحہ اور گیارھویں کی نیاز بولتے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی بھی تخصیص ممنوع کا قائل نہیں اور یہ مانعین کا افترا اور بہتان ہے کہ مسلمان اس میں تخصیص کے قائل ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ اس قسم کی جتنی تخصیصات ہیں عرفی تخصیصات ہیں۔ کوئی اسے شرعی تخصیصات بھی نہیں جانتا لوگوں نے اپنے مصالح اور آسانی کے لحاظ سے ایسی خصوصیت مقرر کر رکھی ہیں اور اس خصوصیت کے غیر میں بھی

جائز جانتے ہیں اور ایسی خصوصیت میں کوئی قباحت نہیں اور اس میں شک نہیں کہ بلا معین وقت مقرر کرنے میں جو آسانی ہے وہ مبہم میں نہیں کہ وقت کی پابندی میں جس طرح کام انجام پاجاتا ہے وہ مبہم رکھنے میں نہیں ہوتا کہ مبہم میں یہ ہوتا ہے کہ آج کریں گے کل کریں گے یوں ہی زمانہ گزر جاتا ہے اور کام انجام نہیں پاتا اور معین کرنے میں ہو جایا کرتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور تمام منظم کام اس طرح بخوبی انجام پاتے ہیں اس کو تخصیص شرعی قرار دینا نوشہمی ہے اور اس تخصیص کے جواز میں اصلا شک نہیں عام طور پر ہندوستان کی مساجد میں اوقات نماز گھڑیوں سے مقرر ہوتے ہیں کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر فلاں نماز ہوگی تو کیا اس طرح جماعت کرنا ممنوع ہے اس میں بھی فائدہ ہے کہ تمام وہ لوگ جو جماعت کے پابند ہیں وقت پر آجائیں گے اور اگر ایسے اوقات نہ مقرر ہوں تو کبھی جماعت ملے گی کبھی نہیں۔ اور اول وقت سے ہر نماز کے لئے اگر جماعت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے کہ پابندی نہ ہو تو بعض مرتبہ گھنٹوں بیٹھنا پڑے گا اور کاروباری آدمی اتنا وقت نہیں خرچ کر سکتا پھر جماعت ملنے کا کیا اطمینان ہو یوں ہی مدارس میں اوقات درس، اوقات امتحان، ایام تعلیم، و ایام تعطیل وغیرہ تمام انتظامی امور منضبط کئے جاتے ہیں تو کیا ان تخصیصات سے مدرسہ ناجائز اور ان میں پڑھنا بدعت ہے۔ گیارہویں کے ناجائز کہنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے یہاں سے مدارس اوٹھادیں اور کہیں کہ نفس تعلیم تو جائز ہے اور تخصیصات کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک مدرسہ ہوگا۔ اور فلاں جماعت میں فلاں فلاں کتابیں ہوں گی یہ سب بدعت ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کل تخصیصات موجود نہ تھیں۔ لہٰذہ یہ مدرسہ بدعت اور اس میں تعلیم ناجائز۔ بلکہ تعلیم وہ جائز ہے کہ وقت بھی معین نہ ہو اور کتاب بھی معین نہ ہو اور کسی قاعدہ وضابطہ کے تحت میں نہ ہو کبھی پڑھنے والا صبح کو آجائے اور کبھی دوپہر کو اور کبھی شام کو اور کبھی رات کو اور کسی روز صرف کی کتاب اور کسی روز نحو کی کتاب اور کسی روز منطق کی اور کسی روز فقہ کی، اصول کی احادیث کی، تفسیر کی اور یہ سب بھی کسی سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوں ورنہ پھر تخصیص پیدا ہو کر تعلیم ناجائز ہو جائے گی۔ اسی طرح اپنے دیگر امور خانہ داری اور کام وملاقات وسیر وتفریح اور کھانے سونے وغیرہ کسی کے لئے وقت مقرر کرنا جائز نہ ہوگا۔ ان کا جواز شرع سے مطلق ہے اور تخصیص بدعت ہے۔ یہ بدعت بدعت پکارنے والے سب سے پہلے اپنے تمام کاموں سے تخصیصات اوٹھالیں۔ اس کے بعد گیارہویں کو منع کریں۔ اپنے لباس ووضع قطع میں اور ہر امر میں خصوصیت کو روا رکھتے ہیں مگر ایصال ثواب میں خصوصیت آئی اور بدعت کا حکم لگا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایصال ثواب ہی کو منع کرنا چاہتے ہیں۔ یوں ہی ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں اور بدعت کی کتنی قسمیں ہیں

اور یہ کون کی بدعت ہے۔ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ اور وہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے قولہ ای صاحب بدعۃ ای محرمۃ والا فقد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفہم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ الماکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکلی یعنی یہاں بدعت سے مراد بدعت محرمہ ہے ورنہ کبھی بدعت واجب ہوتی ہے جیسا کہ فرق ضالہ کے رد کے لئے دلیل قائم کرنا۔ اور اس قدر نحو پڑھنا جس سے قرآن و حدیث سمجھ سکیں۔ اور کبھی بدعت مندوب ہوتی ہے جیسے مسافرخانہ اور مدرسہ بنانا اور ہر نیک کام جو صدر اول میں نہ تھا۔ اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو مزخرف کرنا۔ اور کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور پینے اور لباس میں فراخی کرنا۔ ایسے ہی مناوی کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ انھوں نے امام نووی کی تہذیب سے نقل کیا۔ اور ایسے ہی برکلی کی طریقہ محمدیہ میں ہے۔ لہٰذا اگر بدعت سے مطلق بدعت مراد ہے جو اقسام خمسہ کو شامل ہے تو ہمیں مضر نہیں کہ اوس کی ایک قسم مندوب بھی ہے۔ اور ایصالِ ثواب کو ہم مندوب ہی کہتے ہیں اور اگر مراد بدعت مذمومہ ہے تو اولاً یہ نیک کام ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچانا اچھی بات ہے۔ اور ردالمحتار کی عبارت گذر چکی کہ یہ مندوب ہے۔ لہٰذا مذمومہ کہنا غلطی ہے۔ ثانیاً۔ بدعت مذمومہ وہ ہے جو مزاحم سنت ہو۔ اس نے کونسی سنت کی مزاحمت کی جبکہ ایصال ثواب احادیث سے ثابت۔ اور خصوصیت عرفی ہے کہ گیارہ تاریخ کے علاوہ بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ جائز سمجھی جاتی ہے اس میں کون سے حکم شرع کا ابطال ہوا جس کی وجہ سے بدعت مذمومہ ہوئی۔ بلکہ ایسی بعض تخصیصات قرن اول میں بھی پائی جاتی تھیں۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا و راکبا ویصلی فیہ رکعتین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا کو تشریف لے جاتے کبھی سوار کبھی پیدل۔ اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے ہفتہ ہی کے دن جانا یہ تخصیص ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے دن جانا ناجائز۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سر سال پر شہدائے احد کے مزارات پر جاتے اور حضور کے بعد خلفائے راشدین بھی جاتے۔ ان امور کو لحاظ کرتے ہوئے گیارہویں تاریخ کو فاتحہ دلانے میں اصلاً کوئی حرج نہیں اور جو تخصیص ممنوع ہے وہ یہاں متحقق نہیں۔ لہٰذا ناجائز بتانا صحیح نہیں البتہ تخصیص ممنوع کے مرتکب یہ منع کرنے والے خود ہیں اور تخصیص کا الزام فاتحہ دلانے والوں کے سر ڈالتے ہیں۔ اگرچہ

لہٰذا ہر بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ تخصیص کیونکر ہوئے سینے؟ تخصیص ممنوع یہ ہے کہ شرع میں حکم مطلق ہو کسی کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اسے کسی خاص دن میں جائز کہنا دوسرے دن میں ناجائز کہنا اور جب یہ مانعین کہتے ہیں کہ گیارھویں تاریخ کو ایصال ثواب ناجائز ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایصال ثواب مطلق کو جو ہر روز جائز تھا انھوں نے کبھی جائز کہا اور کبھی ناجائز اور یہی تخصیص ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۸۳) مرسلہ حمایت اللہ خاں از برّی ٹولہ شہر کہنہ بریلی ۲۲ ذی الحجہ

جناب مولوی صاحب دام اقبالہ۔ ایک لڑکے کو انتقال کئے ہوئے عرصہ ۲۶ روز ہوئے۔ اس کا چالیسواں محرم شریف کی چھٹی یا ساتویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ تو کیا ان تاریخوں میں چالیسواں کیا جائے۔

الجواب:۔ محرم کے مہینے میں بھی چالیسواں ہو سکتا ہے۔ عوام کا یہ خیال کہ عشرۂ محرم میں سوائے شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دوسرے کی فاتحہ نہیں ہو سکتی یہ غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۸۴) مسئولہ حافظ حیات احمد متصل سرائے خام بریلی۔ ۷ صفر ۱۳۳۷ھ

ف یہ وہ نکتہ جلیلہ ہے کہ اس کو سامنے رکھ کر جو منصف غور کرے گا تو اس پر روشن ہو جائے گا کہ نیاز و فاتحہ کی مختلف انواع کو ناجائز کہنے والے کس قدر کج فہمی کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مقید ہیں۔ ان کے لئے کوئی وقت کوئی مخصوص طریقہ شرع سے معین ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں بعض کا وقت بھی مقرر ہے جیسے فرائض بعض کا وقت گو مقرر نہیں مگر طریقہ معین ہے جیسے نوافل۔ نماز کا طریقہ مقرر ہے مگر سوائے اوقات مکروہہ کے ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ نہ ان کا وقت مقرر ہے نہ طریقہ۔ یہ مطلق ہیں۔ ان میں مسلمانوں کو آزادی ہے جب چاہیں جیسے چاہیں ادا کریں۔ یہ مامور بہ کی ادائیگی ہوگی جیسے درود شریف۔ تلاوت قرآن۔ تعلیم دین۔ مثلاً ایک شخص نے یہ عادت ڈال لی ہے کہ روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوت کرے گا۔ دوسرے نے عادت ڈال لی ہے کہ روزانہ بعد نماز عشا سو بار کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر درود شریف پڑھے گا۔ تو یہ بالاتفاق بلاشبہ ثواب کا کام اور مامور بہ کی ادائیگی ہے۔ قاعدۂ اصول فقہ یہ ہے۔ حکم المطلق الاتیان بای فرد کان۔ آتیا للمامور بہ۔ کسی بھی فرد کا ادا کرنے والا مامور بہ ہی کو ادا کرنے والا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ بالالتزام نماز فجر کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر ایک پارہ تلاوت کرنا حرام ہے۔ بعد نماز عشا روزانہ بلاناغہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سو بار درود شریف پڑھنا بدعت ہے۔ اگر یہ کار ثواب تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیوں نہیں کیا صحابۂ کرام نے کیوں نہیں کیا۔ تو اس نے اس مطلق کو خاص کر دیا کہ نماز فجر کے بعد کے علاوہ ہی جائز ہے مثلاً درود شریف نماز عشاء کے بعد ہی جائز ہے۔ مثلاً یہ مقید و خاص کرنا ہوا اسی کو حضرت قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔ اب جس کو راہ معلوم نہیں۔ یا تو مخصوص تاریخ یا دن میں جائز کہیں یا ہمیشہ کے لئے ناجائز کہیں۔ تو حکم شرع کی بیخ کنی ہو گئی۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ دین میں نئی چیز کا ایجاد کرنا مطلقاً حرام اور ممنوع نہیں بلکہ اچھی چیز کا ایجاد کرنا اچھا ہے اور بری چیز کا ایجاد کرنا برا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ یکون لہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ یکون لہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئا۔ مسلم۔ مشکوٰۃ عن جابر بن عبد اللہ　　رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے ایجاد کا ثواب ملے گا اور

جانماز مردہ کی ایسے شخص کو جو محض امامت کی وجہ سے اپنی ملکیت سمجھتا ہو اور ایسا غریب و محتاج بھی نہ ہو لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز پڑھانے سے جانماز امام کی ملک نہیں ہوگی۔ اولیائے میت اسے یا جسے چاہیں دیدیں۔ اگر انھوں نے امام کو دیدی تو لے سکتا ہے۔ اگرچہ محتاج نہ ہو کہ یہ کوئی صدقۂ واجبہ نہیں جس کے لئے فقیر ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۸۵) مسئولہ غلام احمد کتب فروش و خطیب جامع مسجد چوک بازار ڈھاکہ بنگالہ ۸ صفر ۱۳۷۲ھ

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ پہلو مسجد میں ایک بزرگ کا مزار مسجد ہی کی موقوفہ زمین میں ہے۔ زائرین و مصلین ایصال ثواب و تائید مسجد و امور خیر بذریعہ مجاور و خادم خاص حسب حیثیت بطیب خاطر کچھ رقم نذر کرتے ہیں۔ اور یہ مجاور منتظمین مسجد ہی کی طرف سے اس رقم کے جمع و حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جسے وہ روزانہ حساب کر کے منتظمین مسجد کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اب اس رقم کا تائید مسجد یا کسی کار خیر میں از روئے شریعت صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۸۶) مشاہیر اولیائے کرام مثلاً حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی و حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی کے مزار پر انوار پر جو رقم بہ نیت ایصال ثواب نذر کی جاتی ہے۔ یہ رقم شرعاً کس کی ہے اور اس رقم کا کسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے کہ نہیں۔

الجواب: اگر وہ رقم مسجد کے لئے لوگ دیتے ہیں۔ اور وہ مجاور بطور امین ہیں۔ تو یہ رقم ملک مسجد ہے۔ ضروریات مسجد میں صرف کی جائے۔ اور اگر وہاں کے خدام کو دیتے ہیں اور مقصود انھیں خادموں کی خدمت کرنا ہے تو وہ خدام مالک ہیں۔ وہ اپنے صرف میں لائیں۔ یا اپنی طرف سے مسجد کو دیدیں۔ یا کسی اور کار خیر میں صرف کریں۔ انھیں اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: مزارات اولیائے کرام پر جو رقمیں نذر کی جاتی ہیں۔ یہ جائز ہے۔ اور اس سے مقصود وہاں کے خدام پر تصدق

بقیہ صفحہ کا: اس کے بعد جو لوگ بھی اس نئے طریقے پر عمل کریں گے سب کے برابر اس ایجاد کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے اس پر اس کے ایجاد کا وبال ہے اور اس پر اس کے بعد جو لوگ عمل کریں گے سب کے برابر اس پر وبال ہوگا۔ حدیث میں صاف صاف فی الاسلام ہے یہ اس پر نص ہے کہ دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنا بھی ثواب ہے۔ اس پر عمل کرنا بھی ثواب ہے۔ لہٰذا مطلقاً ہر نئے طریقے کو حرام بتانا اس حدیث کو جھٹلانا اور گمراہی ہے۔ اچھائی اور برائی کی کسوٹی وہی ہے کہ اگر یہ نیا طریقہ کسی سنت کے مزاحم ہو تو برا۔ اور مزاحم نہیں تو برا نہیں۔ اب اگر اس کی اصل پائی جائے تو حسن اور باعث ثواب ہے۔ اور اصل نہ ہو تو مباح۔ نیاز فاتحہ کی اصل شرع میں ایصال ثواب ہے جیسا کہ حضرت قدس سرہٗ نے پورے شرح و بسط کے ساتھ ثابت فرمایا۔ لہٰذا مستحسن و کار ثواب اور اسی قبیل سے میلاد و قیام عرس وغیرہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ المجدی۔

کرنا ہوتا ہے۔ وہی خدام اس رقم کے مالک ہوتے ہیں کہ مقصود انھیں کو دینا ہوتا ہے۔ اگرچہ صاحب مزار کو نذر کرنا کہتے ہیں۔ امام اجل سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں ومن[عـــه] هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم كما قال الفقهاء فيمن دفع الزكوٰة لفقير وسماها قرضا صح لان العبرة بالمعنى لا باللفظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۸۷) سوائے اللہ کے نذر ماننا کیسا ہے یعنی پیر یا ولی وغیرہ کی یا اکثر یہاں پر تجار لوگ اپنی تجارت میں غوث پاک کا حصہ رکھتے ہیں یعنی ہمارے مال میں ایک ہزار کا منافع ہوگا تو سو روپیہ غوث پاک کے نام کی نیاز کروں گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اور ان کے لینے کے کون مستحق ہیں یعنی اس پیسہ کو کس جگہ خرچ کیا جائے۔ غرباء کا حق ہے یا مالدار کا۔

الجواب:- اولیائے کرام کی جو نذر مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی نہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے[عـــه] اور اسے براہ ادب نذر بولتے ہیں جس طرح بادشاہ کو نذر دینا کہتے ہیں۔ حدیقہ ندیہ میں ہے ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم۔ شاہ رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں۔ نذر یکہ ایں جا مستعمل میشود نہ بمعنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر می گویند۔ ایسی نذریں جائز ہیں۔ اسے فقراء و اغنیاء دونوں کھا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۸۸) از مقام سارسہ ضلع کھمبرا ضلع آنند گجرات۔ مرسلہ عبد اسماعیل صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا۔ اس کو دفن کرکے اس کی قبر پر خیمہ لگا کر یا شامیانہ باندھا جاتا ہے۔ وہاں فوراً قرآن شریف پڑھنے کے لئے چار یا پانچ اشخاص کو بٹھایا۔ بایں ارادہ

عـــه اسی قبیل سے زیارت قبور اور اولیاء صالحین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اور ان کی منت ماننا شفاء حاصل ہونے یا کسی غائب کے آنے (یا کسی اپنی مراد کے پوری ہونے پر) اس لئے کہ اس سے مقصود مزارات کے خادموں پر صدقہ کرنا ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے۔ اگر کسی نے فقیر کو زکوٰۃ دی اور قرض کہہ کے دیا تو درست ہے اس لئے کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں۔ اقول اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ اعمال نیت ہی پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

عـــه اس جگہ نذر سے اس کا شرعی معنی مراد نہیں۔ اس لئے کہ عرف یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جو کچھ لے جاتے ہیں اس کو نذر کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

کہ شنبہ کو زید کا انتقال ہوا ہے اس کو جمعہ سے ملایا جائے۔ عوام کا یہ خیال ہے کہ گویا زید آج ہی مرا۔ اور فضیلت روز جمعہ کی ہے وہ ملی نیز میت کو قبر میں سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے۔ اور بعض لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ روز جمعہ تک سوال وجواب وعذاب نہیں ہوتا اور رات و دن قبر پر قرآن پڑھنا سلسلہ نہ ٹوٹنے پائے۔ مثلاً دو شخص بیدار رہیں تو دو شخص سو جائیں پھر دوسروں کی باری آئے۔ اسی طرح چار پانچ یوم تک پڑھا جائے۔ لہٰذا اس خاص اہتمام اور خاص ہیئت کے ساتھ قرآن کا پڑھنا کیسا ہے۔ اور قرآن پڑھنے والے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۸۹) قبر پر یا قبرستان میں کھانا کھانا۔ یا پانی پینا اور چائے حقہ وسگریٹ پینا اور چائے پینے کے لئے آگ جلانا مکروہ ہے یا حرام، اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی۔ مذکورہ قارئین قبرستان میں یہ حرکات بھی کرتے ہیں۔

مسئلہ (۴۹۰) اس زمانہ میں لوگوں نے یہ حیلہ تراش لیا ہے کہ ہم تو اللہ کے واسطے قرآن پڑھتے ہیں اور میت کے وارثوں نے بھی ایسا ہی خیال کیا ہے کہ ہم بلند قرآن پڑھواتے ہیں پہلے قرآن پڑھنے کی اجرت مقرر نہیں ہوتی لیکن قارئین اپنے دل میں ضرور خیال کرتے ہیں کہ دو چار روپے مل جائیں گے اور وارثین کے دل میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ قرآن پڑھنے والوں کو پندرہ بیس[15] روپے دیدیئے جائیں گے۔ تو یہ قرآن کی اجرت ہوئی یا نہیں؟ کسی طرف سے ظاہر نہیں کی جاتی لیکن جب قارئین کو کم رقم دی جاتی ہے تو فوراً انکار کرتے ہیں اور زیادہ کی فرمائش کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اگر مزدوری کرنے جاتے تو روزانہ آٹھ یا بارہ آنے لاتے تم نے ہماری محنت کی کچھ قدر نہ کی ہم اتنے کم پیسے نہیں لیں گے۔ اب قارئین نے قرآن پڑھنے کی قیمت لی یا نہیں؟ اجرت پر قرآن پڑھنے سے میت کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ملتا ہے تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا۔ عبارت یہ ہے قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ ان القراٰن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وعن شیخ الاسلام ان القاری اذا قرأ القراٰن باجل المال فلا ثواب لہ فای شیئ یھدیہ الی المیت انتہی کلام الشامی وان القراٰن شیئ من الدنیا لا تجوز وان الاٰخذ والمعطی آثمان لان ذلک یشبہ الاستیجار علی القراءۃ ونفس الاستیجار علیہا لا یجوز فکذا ما اشبہہ کما صرح بذالک فی عدۃ کتب من مشاہیر کتب المذہب رد المحتار۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- قبر پر قرآن مجید پڑھنے کے لئے مقرر کرنا جائز ہے۔ اور اس سے مردہ کو ثواب پہونچتا ہے۔ عالمگیری میں ہے لو مات رجل واجلس وارثہ علی قبرہ من یقرأ الاصح انہ لا یکرہ وھو قول محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کذا فی المضمرات اور ان لوگوں کے دھوپ اور سردی سے بچنے کے لئے شامیانہ تاننا بھی جائز ہے اور اگر شامیانہ سے مقصود یہ

کو نفع پہنچانا ہو تو ممنوع ہے کہ اس کے لئے یہ شامیانہ بے کار ہے۔ جمعہ تک پڑھوانے میں یہ خیال کہ گویا وہ آج مرا ہے اور جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت پا جائے گا، یہ خیال غلط ہے۔ ہاں اگر یہ جمعہ تک پڑھنا اس واسطے ہو کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مسلمان میت کو اگر عذاب ہوتا ہے تو وہ شب جمعہ تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور قرآن کا پڑھنا باعث تخفیف عذاب ہے تو یہ خیال درست ہو سکتا ہے اور بعد دفن میت قبر پر کچھ دیر تک لوگوں کا ٹھہر جانا میت کے لئے باعث انس ہے اور سوال نکیرین کے جواب میں اسے وحشت نہ ہوگی۔ صحیح مسلم شریف میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، ان کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سے فرمایا اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی جب میرا انتقال ہو تو جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی نہ ہو نہ آگ ہو۔ اور جب دفن کرو تو مٹی ڈالو، پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ تمہاری وجہ سے مجھے انس حاصل ہو اور جان لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ درمختار میں ہے ویستحب جلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراءۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ۔ ردالمحتار میں ہے لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ التثبیت فانہ الآن یسئل یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دفن سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور لوگوں سے فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اور اللہ سے اس کے ثابت رہنے کا سوال کرو کہ اس سے اس وقت سوال ہو رہا ہے۔ ان روایات و عبارات سے معلوم ہوا کہ اس کے لئے دعا کرنا یا وہاں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سے سوال و جواب میں آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ بے کار تھا۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا حکم نہ دیتے۔ یہ البتہ ہے کہ جمعہ کے دن تک نہ سوال و جواب ہوتا رہتا ہے نہ یہ خیال درست۔ مگر فائدہ بہر حال ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کی تلاوت سے روح مومن کو انس ہوگا۔ اگر روز و شب برابر ہمہ وقت نوبت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہو تو کوئی ممانعت و گناہ نہیں۔ بلکہ بہتر ہے یہ خیال کہ جمعہ تک سوال و جواب و عذاب نہیں ہوتا ہے غلط ہے سوال و جواب تو دفن کے بعد ہی ہوتا ہے۔ حدیث گذری، فانہ الآن یسئل اور جس کو عذاب ہوتا ہے وہ بھی اسی وقت سوال و جواب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب: صحیح یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کہ احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ البتہ بعض علماء نے قراءۃ

قرآن کے لئے بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ اور قبرستان میں کھانا پینا، سگریٹ وحقہ پینا مکروہ ہے اور بظاہر یہ کراہت تنزیہی ہے مگر دونوں پچھلی میں بہ نسبت پہلے کے سخت ہے کہ آگ قبرستان میں نہ لے جانا چاہئے۔ یونہی قبرستان میں آگ جلانا بھی مکروہ تنزیہی ہے جبکہ قبر پر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: اجرت پر قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا ناجائز ہے اور اس طرح پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں۔ کہ اس کا بدلہ لیا ہے نہ کہ ثواب اخروی۔ اور جب اس پڑھنے والے کو ثواب ہی نہ ملا تو مردہ کو کیا پہنچائے گا۔ اور اگر اجرت باہم طے نہ ہوئی مگر یہ عرف ہو چکا ہے کہ بغیر لئے لوگ نہیں پڑھتے اور بموجب عرف پڑھانے والے کو دینا پڑتا ہے تو یہ بھی اجارہ ہی کے حکم میں ہے کہ فقہ کا کلیہ ہے المعروف کالمشروط البتہ اگر عرف ہونے کے بعد پڑھوانے والا صاف طور پر کہدے کہ میں کچھ نہ دوں گا یا پڑھنے والا کہدے کہ کچھ نہ لوں گا اور پڑھنے کے بعد اسے صاحب حاجت سمجھ کر کچھ دیں تو حرج نہیں۔ کہ الصریح یفوق الدلالۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱۴۰۷) از جودھپور مارواڑ مرسلہ محمد حسین صاحب امام مسجد لوہاران۔ ۱۱ر شعبان سنہ ۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کتاب اوزجندی جو ملا علی قاری کی تصنیف ہے اسمیں ایک روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا تو تین دن کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خشک کھجور، اونٹنی کا دودھ، اور جو کی روٹی لے کر تشریف لائے اور حضور کے سامنے رکھ دیا۔ پس آپ نے ایک بار سورہ فاتحہ تین بار سورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور بعد دعا حضرت ابوذر کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ نیز اسمیں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا میں نے اس کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔ اس کا جواب جو مولوی عبدالحی لکھنوی نے دیا ہے اس کا خلاصہ بھی حاضر خدمت ہے۔

"نہ کتاب اوزجندی ملا علی قاری کی تصنیف ہے نہ یہ روایت مذکور صحیح ومعتبر ہے بلکہ احادیث میں کوئی بھی کتاب اس نام کی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت بالکل باطل ہے۔ (عبدالحی لکھنوی)"

اس فتویٰ پر چند علماء اہلحدیث دیوبندیہ رشیدیہ اشرفیہ وغیرہ کے دستخط ومواہیر بھی ہیں۔ اس لئے آپ کی خدمت میں یہ استفتاء پیش کیا جاتا ہے تاکہ صحیح جواب سے مطلع فرمایا جائے کہ اس نام کی کوئی کتاب اور یہ روایت درست ہے یا نہیں۔

الجواب: یہ روایت نظر فقیر سے کسی معتبر کتاب میں نہیں گذری اور نہ علماء اہلسنت کثرہم اللہ تعالیٰ نے جواز ایصال ثواب

عہ اور اگر قبر پر آگ جلائیں تو ناجائز وگناہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہیں اس سے استفادہ کیا۔ اگر یہ روایت قابل اعتبار ہوتی تو ضرور علماء نے اپنے تصانیف میں اس سے استدلال کیا ہوتا مگر ایصال ثواب کا دارو مدار اس روایت پر نہیں کہ اگر یہ ثابت نہ ہو تو ایصال ثواب ہی جاتا رہے اس کا ثبوت ہی نہ ہوسکے۔ اس کے ثبوت کے لئے بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے ایصال ثواب کے لئے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ ان کے لئے زیادہ نفع دے گا۔ ارشاد فرمایا پانی کا صدقہ کرنا۔ انھوں نے کنواں تیار کرادیا اور فرمایا ھذہ لام سعد چنانچہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ایصال ثواب جائز ہے اور اس سے اموات کو نفع پہنچتا ہے۔ عقائد نسفی میں ہے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم نفع لھم زندہ مردوں کے لئے دعا کریں یا ان کی طرف سے صدقہ دیں تو مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے صرف معتزلہ نے اس میں خلاف کیا اور آجکل کے وہابیوں نے بلادلیل بدعت و شرک کہا ان لوگوں کا قول قابل اعتبار نہیں کہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۹۲) مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۲ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

کیا بعد دفن سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھ کر قرآن کریم پڑھنا جائز ہے اور کس کتاب میں ہے۔ عبارت تحریر فرمادیں۔

الجواب: بعد دفن سورہ بقرہ کا اول و آخر پڑھنا مستحب ہے مگر ہاتھ یا انگلی رکھ کر پڑھنا نظر فقیر سے نہیں گزرا جوہرہ نیرہ و ردالمحتار میں ہے وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۹۳) از کھانہ مرسلہ محمد اسماعیل ولد الفو ۴ شعبان ۵۵ھ

نماز سے فارغ ہو کر بہت سے لوگ بیٹھ امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں بہت سے لوگ اس کو ناجائز اور بدعت بتاتے ہیں کہ اس کی کوئی سند اور ثبوت نہیں اس کا ثبوت ہو تو بتلائیں۔

الجواب: فاتحہ یعنی سورہ فاتحہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا۔ یہ نماز بعد بھی جائز ہے۔ ناجوازی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۹۴) مسئولہ محمد اسماعیل ولد الفو و تاکی ڈونگری روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۵۵ھ

رنڈی کے گھر کے کھانے پر الحمد شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: اگر وہ کھانا حرام بعینہ ہے تو اس پر الحمد شریف نہ پڑھنا چاہئے۔ اور اگر حرام نہ بھی ہو تو رنڈی کے یہاں جانا اور اس کے یہاں کے کھانے سے اجتناب ہی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۹۵) مرسلہ محمد اسماعیل ولد الغفور بساہو والا و دیاگی ڈنکن روڈ لاہوری روڈ بوٹل ۱۲۲ بمبئی۔
ہمارے علاقوں میں یہ رواج بہت کثرت سے چلا آرہا ہے کہ رنڈی کے گھر کے کھانے پر الحمد شریف پڑھتے ہیں۔ اور جائز سمجھتے ہیں اور جائز سمجھ کر الحمد شریف پڑھنے والے پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ لوگ یہ کہتے کہ آپ کو یہ کھانا پڑا کہ کونسی دلیل ہے۔ مولانا صاحب نے کوئی بھی جواب نہ دیا۔ دلیل سے بیان فرمادیں۔

مسئلہ (۴۹۶) ہمارے علاقوں میں یہ بھی کثرت سے چلا آرہا ہے کہ ملک میں بہت ہو گئی بمبئی کے اندر ہم کو خبر پہنچی کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے۔ خبر آنے سے ہم لوگ سوم پڑھتے ہیں۔ سوم پڑھنے سے پہلے ایک شخص نے بھی کھانا پکا کر کھالیا تو کچھ حرج ہے یا نہیں بیان فرمادیں۔

مسئلہ (۴۹۷) رنڈی نے اپنی تمام زندگی برا کام کیا۔ مرنے کے بعد اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ مرے ہوے کی خبر سن کر یہ پڑھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

مسئلہ (۴۹۸) امام جعفر صادق کا ہمارے علاقوں میں رجب کی بائیسویں تاریخ کو کونڈا بھرتے ہیں۔ دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ بیان فرمادیں۔

الجواب:۔ وہ چیز اگر حرام لعینہ ہے تو اس پر فاتحہ پڑھنا اور اس کو ثواب پہونچانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے لا یقبل اللہ الا الطیب حرام چیز کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ تو نہ اس کا کوئی ثواب ہے نہ ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ چیز حرام لعینہ نہیں ہے تو فاتحہ پڑھنے اور ایصال ثواب کرنے میں کوئی گناہ نہیں جب یہاں دو صورتیں ہیں تو مطلقاً گناہ کا بھی حکم نہیں دیا جاسکتا چہ جائیکہ کفر۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رنڈیوں کے یہاں ہرگز ہرگز نہ جائے۔ کہ ایسے لوگوں کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب:۔ سوم سے پہلے کھانا پکانے اور کھانے میں گناہ نہیں۔ ہاں بہتر ہے کہ جس کے یہاں غمی ہو گئی ہو اس کے لئے دوسرے لوگ کھانا بھیجیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا اصنعوا لاھل جعفر طعاما اور یہ صرف پہلے دن کے لئے ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب:۔ وہ فاسقہ فاجرہ ہے۔ مگر اسے کافرہ نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ کہ

اس نے برا کام کیا۔ اس کا مطالبہ اس پر ہے۔ اور نماز جنازہ تو لوگوں پر فرض ہے۔ یہ اپنا فرض کیوں ترک کریں۔ البتہ یہ چاہئے کہ خواص نہ پڑھے عوام پڑھ لیں۔ اس کے مرنے پر انا لِلّٰہ پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب:- امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کونڈے بھرنا اور اس پر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ اس کی اصل یہی ہے کہ ایصال ثواب جائز ہے۔ حدیث اور فقہ سے اس کا جواز ثابت ہے جب تک کسی خاص صورت میں ممانعت ثابت نہ ہو اس کو ناجائز بتانا اللہ و رسول اور شریعت پر افترا کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۹۹) از مقام کوسال پورہ ماروا ڑ مرسلہ مولا بخش صاحب امام مسجد ڈاکخانہ گوڑیہ۔

آج کل ہندوستان میں بہت سی جگہ ایسا رواج ہو گیا ہے کہ اگر میت مرد ہو تو اس کی قبر ناف تک کھودی جائے اور عورت کی ہو تو سینہ تک۔ میرے خیال میں یہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ یہ عقیدہ رواجی ہے۔ کہاں تک افضل ہے قبر کا کھودنا کہاں تک اوسط ہے۔ قبر کا کھودنا یہ کیا درست ہے بسینہ و ناف تک کھودنا صحیح ہے یا نہیں۔ چونکہ اکثر مقامات ایسے ہوتے ہیں۔ جہاں پر ریتلی زمین ہوتی ہے۔ وہاں پر جانور مردے کو نکال لیتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک رواج عام ہو گیا ہے کہ مرد کی قبر ناف تک کھودی جائے اور عورت کی سینہ تک خواہ وہ زمین ریتلی ہو یا کنکریٹ کی ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لاش کو جانور نکال لیتے ہیں۔ اور بہت سی خرابی ہوتی ہے۔

الجواب:- عورت اور مرد کی قبر میں کچھ فرق نہیں کہ عورت کی زیادہ گہری ہو اور مرد کی کم۔ قبر کا ادنیٰ درجہ نصف قد ہے اور اوسط درجہ سینہ تک اور سب سے بہتر یہ کہ قد برابر ہو۔ ریتلی زمین میں جس میں سے جانور مردے کو نکال لیتے ہیں اگر ممکن ہو تو قد برابر کھود دیں کہ مسلم کی لاش بے حرمتی سے محفوظ رہے۔ قد برابر ہونا تو ویسے ہی افضل ہے۔ اور یہاں تو بدرجہ اولیٰ اس کا لحاظ چاہئے۔ درمختار میں ہے وحفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن رد المحتار میں ہے۔ او الی الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والا علی القامۃ وما بینھما بینھما شرح المنیۃ وھذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۰) از گالی مرسلہ عبد الکریم حاجی ہاشم۔ ۲۰ ر صفر ۱۳۷۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تلقین و تخفیف و دفع وحشت کے لئے بعد دفن میت قبر کے پاس

اذان پڑھنا شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ اذان کی مشروعیت اگرچہ اعلام نماز کے لئے ہوئی مگر چونکہ اس میں دیگر فوائد بھی ہیں۔ لہذا اس کا جواز مورد پر مقصور نہیں۔ بلکہ علاوہ اعلام نماز اور دوسرے مواقع پر بھی جائز بلکہ بعض جگہ مسنون و مستحب۔ مثلاً بچہ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان و اقامت کہنا احادیث سے ثابت۔ ابوداؤد و ترمذی بافادہ تصحیح ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہتے ہیں رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذن فی اذن حسن بن علی حین ولدتہ فاطمۃ بالصلاۃ جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو ان کے کان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور دیگر مواضع بھی ہیں جن میں اذان کہنا مستحب ہے۔ انھیں میں سے ایک یہ موضع ہے جب میت کو دفن کرکے فارغ ہوں، اذان کہیں۔ رد المحتار میں ہے وفی حاشیۃ البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلاۃ کما فی اذان المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق۔ و قیل انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجہ للدنیا لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب وعند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ۔ **اقول** ولا بعد فیہ عندنا اھ نیز اذان ذکر اللہ ہے۔ اور یہ منزل سخت دشوار ہے میت سے دفع وحشت و دفع عذاب کے لئے ذکر اللہ سب سے زیادہ نافع۔ حدیث میں ہے ما من شیئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ان دو قبروں پر تشریف لے گئے جن پر عذاب ہو رہا تھا تو کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے کرکے ہر ایک پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا لعلہ یخفف عنھما مالم ییبسا اس امید پر یہ شاخیں گاڑ دی کہ جب تک خشک نہ ہوں گی ان پر عذاب کی تخفیف ہوگی۔ علماء فرماتے ہیں۔ شاخیں جب تک تر رہیں گی تسبیح کریں گی۔ اور یہ تسبیح سبب تخفیف عذاب ہے اسی وجہ سے قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے کہ ان کی تسبیح سبب انس میت اور باعث تخفیف عذاب ہے و المسئلۃ مصرح بھا فی رد المحتار و الطحطاوی علی مراقی الفلاح جب شاخ و پھول کی تسبیح سے یہ امید ہے تو اگر کوئی مسلمان اذان کہے تو یہ امید کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱؎ علامہ خیر رملی کے حاشیہ بحر میں ہے: میں نے شوافع کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ نماز کے علاوہ اور جگہ بھی اذان مسنون ہے جیسے نومولود اور مغموم اور مرگی والے اور غصہ والے اور بدخلق انسان یا چوپائے کے کان میں اور لشکروں کے بھیڑ ہونے کے وقت اور آگ لگنے کے وقت۔ اور میت کو قبر میں اتارنے سے پہلے دنیا میں آنے کے وقت پر قیاس کرکے لیکن اسے شرح عباب میں رد کر دیا۔ اور شیاطین کی سرکشی کے وقت اس بارے میں حدیث صحیح وارد ہونے کی وجہ سے۔ ہمارے احناف کے نزدیک اس میں کوئی بعد نہیں۔ اذان قبر کے ثبوت میں اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ ایذان الاجر کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی غفرلہ

مسئلہ (۵۰۱) مرسلہ کفایت حسین رضوی صلاح نگر۔ بریلی ۱۲؍ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن میں جو مولوی محمد ظفر الدین صاحب کی تصنیف ہے۔ اس میں عہد نامہ، کلمہ شریف اور بہت سی دعائیں، کفنی، عمامہ پیشانی پر رکھنے کو فرمایا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ یہ دعائیں لکھی کاہے سے جائیں۔ یہاں پر قاعدہ یہ ہے کہ کفن گلاب سے تر کر کے پنڈول سے لکھ دیتے ہیں۔ اور بعض نے زعفران کے واسطے فرمایا ہے۔ لہٰذا اس میں کاہے سے لکھنا چاہئے۔ اور عمامہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اس پر کیسے لکھا جائے۔ اور زنانی میت کے پیشانی پر بسم اللہ غیر مرد کیسے لکھ سکتا ہے جب کہ کوئی گھر والا لکھنا نہ جانتا ہو اور وہ کیا ہے۔

الجواب:۔ الحرف الحسن مولوی ظفر الدین صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ رسالہ اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ دعائیں کاغذ پر لکھ کر قبر میں قبلہ کی جانب میت کے منھ کے سامنے ایک طاق کھود کر اس میں رکھ دیں۔ اگر پیشانی پر کافور کی ڈھیلی سے لکھ دیں جب بھی حرج نہیں۔ عورت کی پیشانی پر اگر محارم میں سے کوئی لکھے تو لکھ سکتا ہے۔ اجنبی کو نہ لکھنا چاہیے۔ عمامہ سے مراد یہی دستار ہے۔ اور کفنی میں عمامہ ہونا علماء و مشائخ کے لئے جائز عوام کے لئے مکروہ۔ اور یہ اس ملک میں رائج نہیں بعض ممالک اسلامیہ میں علماء و مشائخ کے لئے کفن میں ایسا امتیاز رائج ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

کتاب الزکوٰۃ

مسئلہ (۵۰۲) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محلہ ذخیرہ بریلی۔ ۲؍ رجب ۱۳۴۲ھ

۱۔ ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپئے تھے جن سے ایک گاؤں خریدا۔ اب اس کی تحصیل وغیرہ سے اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہے لیکن کچھ بچتا نہیں ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حاصل یہ کہ گاؤں پر اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

۲۔ کس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے کس کو نہیں۔ اور کس کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

۳۔ اگر ہر ماہ ۰۰ زکوٰۃ کا تھوڑا تھوڑا روپیہ دیا اور سال تمام پر حساب کر لیا تو جائز ہے یا نہیں۔

۴۔ جو زیور نقرئی یا طلائی روزانہ پہنا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ اور پہننے کے کپڑوں کا کیا حکم ہے۔

الجواب:- (۱) گاؤں یا زمین پر زکوٰۃ نہیں ہاں اگر اس کی آمدنی نے بقدر وجوب زکوٰۃ سال تمام پر بچا ہو تو اس بچے ہوئے پر زکوٰۃ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) فقیر[ع] مسکین[ع]، عامل (یعنی جو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بادشاہ اسلام کی طرف سے مقرر ہو) رقاب (یعنی غلام) مکاتب، غارم[ع] فی سبیل اللہ، ابن السبیل۔ یہ سات ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اپنی اصل اور فرع اور ان کے یا اپنے غلام کو، زن وشو میں ایک دوسرے کو، غنی کی نابالغ اولاد یا غلام کو، بنی ہاشم یا ان کے غلام اگرچہ آزاد شدہ ہوں، کافر۔ ان میں سے کسی کو نہیں دے سکتے۔ اپنے کنبہ والوں میں اگر صاحب حاجت ہوں تو انہیں دینا اوروں کے دینے سے افضل۔ پھر جتنا زیادہ قریب ہے زیادہ بہتر۔ مثلاً بھائی یا بہن کو دینا سب سے بہتر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) صاحب نصاب اگر تھوڑا تھوڑا دیتا رہے پھر سال تمام پر حساب کرے۔ اگر پوری ادا ہوگئی فبہا۔ اگر کچھ باقی ہو تو فوراً ادا کرے۔ اور زیادہ چلی گئی تو سال آئندہ میں مجرا کرے۔ یوں کرنا جائز ہے۔ اسمیں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) پہننے کے زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر بقدر نصاب ہوں۔ یا سال تمام پر کچھ نقد ہے کچھ زیور۔ دونوں کا مجموعہ بقدر نصاب ہے۔ تو زکوٰۃ فرض۔ پہننے کے کپڑوں پر نہیں۔ اگرچہ رکھے رہیں۔ بالکل نہ پہنیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۳) مرسلہ مولوی عبد المصطفیٰ محمد علی صاحب علوی قادری۔ از اٹاوہ محلہ عالم پورہ ۸ جمادی الاخریٰ [illegible]

کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ کیا جو روپیہ بنک میں رکھا ہوا ہے اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہے

بینوا توجروا۔

الجواب:- بنک میں روپیہ رکھا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ بنک میں بطور امانت رکھا ہے۔ ایسا ہے جب تو سال بسال اس کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اور اگر بنک کو بطور قرض[ع] دیا ہے جیسا کہ یہی متعارف ہے تو اگرچہ وجوب زکوٰۃ

ع فقیر جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم ہو۔ مسکین وہ جو بالکل تہیدست ہو۔ غارم قرض دار جو قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو یعنی اس کے پاس اتنا نہیں کہ قرض ادا کر سکے۔ فی سبیل اللہ: مجاہدین جو بلا مشاہرہ جہاد کرتے ہوں اور ضرورت مند ہوں۔ یا مشاہرہ پاتے ہیں مگر ہتھیار سواری ان کے پاس نہیں۔ ابن سبیل۔ وہ مسافر جو اگرچہ مالدار ہے مگر پردیس میں اس کے پاس کچھ نہیں یا اتنا نہیں کہ اپنے وطن جاسکے۔ تو اسے بقدر ضرورت دے سکتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں انسان اپنے وطن سے پیسے منگا سکتا ہے۔ ٹیلی فون کرکے، تار کرکے۔ اس لئے اگر کوئی مسافر ضرورت مند ہو تو اتنا دیدے کہ وہ اپنے گھر سے پیسے منگا سکے۔ اور اس وقت تک گزر بسر کر سکے۔ پیشہ ور مسافروں کو دینے سے پرہیز کریں۔ ان سات قسموں میں سے عامل اور رقاب کا وجود اب نہیں۔ لہٰذا وہ بھی اس زمانے میں کالعدم ہیں۔ جب وہ ہوں گے تو اس کا استحقاق ثابت رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

ع فتاویٰ رضویہ جلد چہارم [illegible] سے ظاہر ہے کہ بنکوں میں جو روپے جمع ہیں وہ امانت ہیں۔ یہ خادم اسی پر فتویٰ دیتا ہے۔ بینک والے روپے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سال بسال ہوگا۔ مگر واجب الادا اس وقت ہوگی کہ خمس نصاب کم از کم وصول ہوجائے اور جتنا وصول ہوگا اسی کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ کل کی نہیں۔ مگر وصول ہونے پر سالہائے ماسبق کی زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۴) مسئولہ مولوی عبدالکریم طالبعلم درجہ اولیٰ مدرسہ اہلسنت ۱۵ رجب [illegible]ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صاحب نصاب نے ۵۰۰ روپیہ کی زکوٰۃ ساڑھے بارہ روپے نکالی اور ان روپیوں کا ایک دیگ کھانا پکا کر ایک مسکین کو اس کا مالک کر دیا۔ یا ان روپیوں کا کپڑا خرید کر ایک مسکین کو یا دس مسکین کو دیدیا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں۔ بینوا بالدلیل۔

الجواب: اگر مسکین کو مالک کر دیا ہے تو جس قیمت کا وہ کھانا یا کپڑا ہے۔ اتنی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ کھانا پکوانے میں جو خرچ ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے جاز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ زکوٰۃ میں قیمت دینا بھی جائز ہے۔ نیز اسی میں ہے فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزئہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کالو کساہ اگر کسی یتیم کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا کھلایا تو یہ کافی نہیں۔ مگر جب کہ وہ کھانا اسے دیدیا تو ہو سکتا ہے جس طرح کپڑا دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۵) مسئولہ مولوی شجاعت علی طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۵ رمضان مبارک [illegible]ھ

بقیہ صفحہ ۱: ہم سے مانگتے نہیں ہم خود اپنی مرضی سے لے جا کر جمع کرتے ہیں۔ ہم جب چاہیں ان کو واپس لے سکتے ہیں یہ علامت ہے امانت ہونے کی۔ بینک والے ان روپیوں میں ہر طرح کا مالکانہ تصرف کرتے ہیں بلکہ اس پر سود دیتے ہیں۔ امانت پر کوئی سود نہیں دیتا۔ یہ قرض کی علامت ہے مگر روپیہ جمع کرنے والے کی نیت قرض دینے کی نہیں۔ بلکہ اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا کہ قرض دیا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اتنے روپے بینک میں جمع کئے ہیں۔ میرے اتنے روپے بینک میں جمع ہیں۔ اسلئے امانت کے پہلو کو غلبہ ہے مگر چونکہ جمع کرنے والا یہ جانتا ہے کہ بینک والے اس میں مالکانہ تصرف کر کے ہمیں سود دیتے ہیں اور جمع کرنے والے نے بینک کے قواعد کو تسلیم کر کے جمع کیا ہے۔ اس لئے اگر اس کو قرض بھی کہدیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس عہد میں روپے چاندی کے چلتے تھے۔ اس لئے خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے ۲ پائی تھی۔ اور اب نکل کے روپیوں کا چلن ہے اس لئے خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے ۲ پائی کی ہموزن چاندی ہوگی۔ بینک میں جو روپے جمع ہیں وہ اپنے ہی قبضے میں مانے جائیں گے۔ اور ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب خمس نصاب یا اس سے زیادہ وصول ہوں اس میں سے چالیسواں حصہ دے۔ خواہ امانت مانیں یا قرض زکوٰۃ بہرحال ان تمام سالوں کی واجب ہوگی جتنے سال بینک میں روپے رہے ہیں۔ ہاں ہر سال زکوٰۃ کی مقدار سال آئندہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ مثلاً کسی کے ایک ہزار روپے بینک میں جمع ہیں سال تمام پر اس کی زکوٰۃ پچیس روپے ہوئے۔ اب سال آئندہ صرف نو سو پچہتر روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اب تیسرے سال نو سو پچہتر روپے کی زکوٰۃ کی مقدار نکال کر جو بچے اس کی واجب ہوگی۔ روپے وصول ہونے پر اسی طرح سال بسال کا حساب کیا جائے گا۔ سہولت اسی میں ہے کہ جتنے روپے جمع ہوں سب کی زکوٰۃ سال بسال دیتا جائے معلوم نہیں کب موت آئے اور وارثین زکوٰۃ دیں یا نہ دیں یا شیطان کو بہکاتے دیر نہیں لگتی اور روپے وصول ہونے پر برسہا برس کی زکوٰۃ کی وافر رقم دیکھ کر حرص ادائیگی سے روک دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کس کس کو دی جائے۔ مثلاً اگر کسی میت کے کفن دفن کے لئے دیا جائے تو کس صورت سے اور اپنے کنبہ مثلاً بھائی کے لڑکے کو جس پر زکوٰۃ دینا واجب نہیں جب کہ اس کے پاس گذر کے لائق جائداد بھی ہے اور مسجد کے بنانے میں دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی طالب علم کو اس کا مالدار والد پڑھنے کا خرچ زکوٰۃ سے دے تو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: مصارف زکوٰۃ سات ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ان میں سے مؤلفۃ القلوب کا حق ساقط ہوگیا کہ ان کا حق زکوٰۃ میں اوس وقت تھا جب اسلام میں ضعف تھا۔ ہدایہ میں ہے۔ وقد سقط منہا المؤلفۃ قلوبہم لان اللہ اعز الاسلام واغنی عنہم وعلی ذالک انعقد الاجماع زکوٰۃ میں تملیک ضرور ہے۔ کنز الدقائق میں ہے ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ لہٰذا بنائے مسجد و تکفین میں مال زکوٰۃ صرف نہیں کیا جاسکتا۔ کنز میں ہے لا الی بناء مسجد و تکفین میت۔ درمختار میں ہے لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت۔ ہاں اگر ان میں زکوٰۃ صرف کرنا چاہے تو اوس کا طریقہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ فقیر کو دے کر مالک کر دے پھر وہ فقیر ان امور میں وہ مال صرف کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ثواب دونوں کو ہوگا۔ درمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد اور بھائی کے لڑکے کی جائداد جب گذر کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ جائداد نصاب کی قیمت سے بہت زائد کی ہوگی۔ مگر جب کہ اوس کی آمدنی صرف گذر کے لائق ہے تو اس کی وجہ سے غنی نہ ہوگا کہ یہ نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ نہیں۔ لہٰذا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے لا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجۃ الاصلیۃ۔ بحر الرائق و طحطاوی میں ہے وتحل لمن لہ دار و حوانیت تساوی نصابا وھو محتاج لغلتہا لنفقتہ ونفقۃ عیالہ ولمن عندہ طعام سنۃ یساوی نصابا لعیالہ علی ما ھو الظاہر مگر یہ ضرور ہے کہ جس وقت اوسے زکوٰۃ دی گئی اوس وقت ۷½ تولے سونے یا ۵۲½ تولے چاندی کا مالک نہ ہو ورنہ اوسے زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا کہ اگرچہ اوس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ حولان حول متحقق نہیں، مگر نصاب مانع اخذ زکوٰۃ موجود طحطاوی میں ہے ونصاب لیس بنام فارغ عما ذکر یتعلق بہ وجوب الاضحیۃ وصدقۃ الفطر ونفقۃ الاقارب وحرمان اخذ الزکوٰۃ باپ اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ اگرچہ بیٹا بالغ فقیر ہو یا طالب علم ہے۔ تنویر الابصار میں ہے

ولا الی من بینہما ولاد ۔ ہدایہ میں ہے ولا الی ولدہ وولد ولدہ وان سفل لان منافع الاملاک بینہم متصلۃ فلا یتحقق التملیک علی الکمال ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ (۵۰۶) مرسلہ حاجی عبد اللطیف صاحب از دھوراجی کاٹھیاوار ۹ صفر ۱۳۵۲ھ

دو یتیم برادر حقیقی کو وراثت میں کچھ رقم ملی ہوئی ہے ۔ ایک ان میں بالغ ہو چکا ہے ۔ اور دونوں کی رقم ایک ساتھ ہے تو کیا زکوٰۃ پوری رقم کی ادا کی جائے گی یا نصف کی ۔ علاوہ ازیں اس بالغ لڑکے کی شادی کرنی ہے تو شادی کا خرچ کل رقم سے ہوگا یا الگ کرکے نصف سے فی الحال وہ دونوں لڑکے دادا اور چچا کی نگرانی میں ہیں ۔

الجواب :- زکوٰۃ صرف بالغ کے حصہ پر واجب ہے ۔ نابالغ کے حصہ پر واجب نہیں ۔ شادی کے مصارف نابالغ کے حصہ سے نہیں لئے جا سکتے ۔ اس بالغ کو اپنے مال کا اختیار ہے اسمیں جتنا چاہے صرف کرے یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا خرچ کرے ۔ بغیر اس کی اجازت دوسرے کو صرف کرنے کا اختیار نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ (۵۰۷) مرسلہ قاضی محمد عبد الرزاق صاحب از بانٹوا کاٹھیاوار ۳ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوٰۃ اس مدرسہ میں دے سکتے ہیں جو قوم کی نگہبانی اور قوم کے چندے سے چلتا ہو یا اس کے بانی مالدار ہوں یا نہ ہوں ۔ یا عام چندہ سے مدرسہ کی حفاظت کے لئے کچھ رقم ہو ۔ پھر مال زکوٰۃ مدرسہ کے لئے اور بانیان مدرسہ کی معرفت ملازمین کو تنخواہ اور مکان کا کرایہ دینے کے لئے یا کتب خانہ کھولنے کے لئے جس سے عام لوگ مستفید ہو سکیں ۔ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں ۔

الجواب :- زکوٰۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے ۔ اگر تملیک نہ ہو یا فقیر کو مالک نہ کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔ لہٰذا ازفائدہ عامۃ المسلمین کے لئے کتب خانہ مال زکوٰۃ سے جائز نہیں ۔ نہ ملازمین مدرسہ کو مال زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز کہ تنخواہ معاوضہ عمل ہے اور زکوٰۃ عبادت خالصاً للہ تعالیٰ ہے تو معاوضہ میں نہیں دے سکتے ۔ ہاں مدرسہ کے طلبہ کو دے سکتے ہیں جب کہ بطور تملیک ہو نہ بطور اباحت ۔ درمختار میں ہے ولو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ ۔ ہاں اگر مدرسہ وغیرہ کے متولی کو دے کر مدرسہ میں صرف کرنا چاہتے ہوں یا مسلمانوں کے نفع کے لئے دینی کتابیں مال زکوٰۃ سے جمع کرنا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کسی فقیر کو دے کر اسے مالک کر دیں پھر وہ فقیر اپنی طرف سے مدرسہ کو خرید کتب کے لئے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور فقیر بھی مستحق ثواب ہوگا ۔ درمختار میں ہے الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل

ھذا الاشباہ۔ رد المحتار میں ہے ویکون لہ ثواب الزکٰوۃ وللفقیر ثواب ھذا القرب بحر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۸) خمس کا کیا قاعدہ ہے یعنی سید کو دینا غنی پر فرض ہے، یا واجب، یا سنت، یا مستحب، یا جائز یا ناجائز۔ اگر کسی سید کو درست سمجھ کر دے دیا جائے اور بعد کو معلوم ہوا کہ درست نہیں تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں۔

الجواب: خمس سادات کو دے سکتے ہیں مگر خمس غنیمت میں ہوتا ہے یا رکاز وغیرہ میں اگر زکوٰۃ دینے والے کو معلوم تھا کہ یہ سید ہے اور دیدی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور مسئلہ کا معلوم نہ ہونا عذر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۰۹) زکوٰۃ کے پیسے سے قرآن شریف یا فقہ کی کوئی کتاب وغیرہ خرید کر کسی مسکین کو دیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: درست ہے جب کہ تملیک ہو یعنی فقط پڑھنے کو نہ دیا ہو بلکہ مالک کر دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۰) از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد مرسلہ حاجی عبد اللطیف۔ ایوب صاحب جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نوکر یا غیر کسی مالک کے مال سے بہ نیت زکوٰۃ مسکینوں کو دیتا رہے۔ بعد چار پانچ مہینے کے مالک کو خبر کرے تو مالک مال اس کے زکوٰۃ دینے کو قبول رکھے تو دی ہوئی زکوٰۃ مالک کی ادا ہو جائے گی۔ یا نہیں۔ چونکہ زکوٰۃ دینے سے پہلے مالک سے اجازت دینے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

ع۔ حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو دیدے پھر فقیر کو ان نیک کاموں کی ہدایت کرے۔ اسے زکوٰۃ کا ثواب ملیگا۔ اور فقیر کو اس نیکی کا ثواب ملے گا۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور کھانا طلب فرمایا۔ خدمت اقدس میں روٹی اور کوئی سالن پیش کیا گیا فرمایا کیا ہانڈی میں گوشت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا ہے تو مگر صدقہ کا ہے۔ جو بریرہ کو کسی نے دیا ہے۔ اور حضور صدقہ تناول نہیں فرماتے۔ فرمایا۔ (بریرہ مجھے دیدے) اس کے لئے صدقہ ہے اور میرے لئے ہدیہ۔ رواہ البخاری عن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ لیکن یہاں یہ نکتہ ضرور قابل لحاظ ہے کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ہیں مگر آج کل مالداروں کی راہ خدا میں صرف کرنے کی رغبت بہت کم ہو گئی ہے۔ دین کی بقا کے لئے دینی مدارس کا وجود ضروری ہے۔ اگر اس کا مدار صرف عطیات وخیرات پر رکھا جائے۔ تو مدارس کا خدا حافظ۔ اس لئے بضرورت حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد زکوٰۃ و صدقہ فطر کی رقوم مدارس میں صرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ اپنی جگہ ثابت ہو حکم بضرورت ہوتا ہے وہ قدر ضرورت سے متجاوز نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کی رقم حیلہ کے بعد بھی دنیوی اسکول کالج وغیرہ میں صرف کی اجازت نہیں ہوگی دینی مدارس اور مصرف زکوٰۃ میں قدر مشترک مصرف خیر ہے۔ فقیر کو دینا بھی کار خیر اور دینی مدارس میں صرف بھی کار خیر۔ اور اسکول کالج میں صرف کرنا کار خیر میں صرف نہیں۔ زیادہ سے زیادہ امر مباح میں صرف ہوگا۔ جو بہر وجوہ کار خانہ دینا ہے۔ آج کل دنیا دار ناخدا ترس زکوٰۃ وغیرہ کی رقم وصول کر کے دنیوی تعلیم میں بے دھڑک صرف کرتے ہیں اسے اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم میں صرف کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی زکوٰۃ اپنے بچوں پر صرف کر رہے ہیں بلکہ بعض بیباک اس سے غیر مسلموں بلکہ بدقماش عورتوں کو تنخواہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو عقل دے کہ خدا کا خوف کریں۔ زکوٰۃ کے مقصد کو سمجھیں اور حیلہ شرعیہ کو جو بضرورت شرعیہ شروع ہے غلط استعمال نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اجمل ۔ ۱

الجواب:۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اور جو کچھ بغیر اجازت مالک اس نے فقرا کو دیا ہے اس کا تاوان اس کے ذمہ ہے کہ دوسرے کا مال بغیر اجازت صرف کر رہا ہے۔ ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے لو ادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذا علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس پانچ سو روپیہ ہے۔ زید نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی۔ اب دس روپیہ کم پانچسو باقی بچے۔ لہٰذا دوسرے سال دس روپیہ کم پانچسو کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے گی۔ آیا بقیہ روپیہ زکوٰۃ ادا شدہ نہ سمجھا جائے گا۔ یا جب تک سو روپیہ سے کم نہ ہو جائے برابر ہر سال سَو میں ڈھائی کے حساب سے دی جائیگی۔

الجواب:۔ اب زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی ہے دوسرے سال پھر اس باقی کی زکوٰۃ دے۔ مثلاً پانسو میں ساڑھے بارہ زکوٰۃ میں دیدے تو اب دوسرے سال ساڑھے بارہ کم پانسو کی زکوٰۃ دے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ مگر خمس نصاب سے جو کم ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ وہ عفو ہے اور یہاں کے روپیہ سے خمس نصاب گیارہ روپے کچھ آنے ہیں[1] کہ نصاب ۵۲½ تولہ چاندی ہے سَو روپے سے کم ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ دینی ہوگی جب تک نصاب باقی رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۲) از دھوراجی کاٹھیاواڑ سپاسی مسجد باجی شاہ سیٹھ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک تھیلی میں پانچ سیر گیہوں ڈال کر اس میں ایک سو روپیہ کا نوٹ چھپا دے اور فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے۔ اس حال میں کہ فقیر کو معلوم نہ ہو جب وہ فقیر جانے لگے تو زکوٰۃ دینے والا یہ کہے کہ تم کتنی قیمت میں بیچوگے۔ فقیر گیہوں کی قیمت خیال کرے مثلاً ایک روپیہ کہے اور زکوٰۃ دینے والا ڈیڑھ دو روپیہ میں خرید لے تو کیا اس صورت میں گیہوں اور نوٹ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک دھوکہ ہے۔ صورت مذکورہ میں اگر فقیر سے کوئی دوسرا خرید لیتا یا فقیر کے مکان سے چوری ہو جاتا اس حال میں کہ فقیر کو نوٹ کا علم نہ ہو۔ تو کیا زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ نوٹ سمیت ادا ہو جائے گی۔ جلد جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

---

[1] یعنی انگریزی استعمار میں جو روپے چلتے تھے جو سوا گیارہ ماشے ہوتے تھے۔ اور خمس نصاب گیارہ روپے تین آنے۔ مصنف نے یہ مسئلہ جس زمانہ میں تحریر فرمایا ہے اس زمانے میں چاندی کے روپے چلتے تھے۔ جو سوا گیارہ ماشہ ہوتے تھے۔ ۲۰ پائی ہوئے۔ ان روپوں سے نصاب زکوٰۃ چھپن روپے ہے۔ لہٰذا سو روپوں پر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ لیکن آج نوٹ یا نکل کے روپے چلتے ہیں اور چاندی کا بھاؤ سولہ روپے بھری ہے تو اگر آج کسی کے پاس سو روپوں کے نوٹ یا نکل کے روپے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں اسلئے کہ یہ بقدر نصاب چاندی یا سونے کی قیمت نہیں ہوئی بلکہ بہت کم ہوئی۔ نوٹ یا نکل کے روپوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی کہ یہ سونے یا چاندی کی نصاب کی قیمت کے ہوں اسلئے کہ یہ

الجواب :۔ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ اور تملیک اس میں بغیر قبضہ نہیں ہوتی کذافی رد المختار وغیرہ مزکّی نے فقیر کو اگر گیہوں اور نوٹ دونوں کا مالک کر دیا ہے اور قبضہ دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ فقیر کو یہ معلوم نہ ہو کہ تھیلی میں کیا کیا چیز ہے قبضہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ مقبوض کی تفصیل بھی معلوم ہو مگر مزکّی نے جو فقیر سے اس کو خریدا اس بیع میں نوٹ اور روپیہ جو چھپے ہوئے ہیں ان کی بیع نہ ہوئی۔ صرف گیہوں کی بیع ہوئی کیونکہ فقیر نے نوٹ اور روپے نہیں بیچے ہیں وہ نوٹ فقیر کے ہیں جن کو حرام طور پر اس شخص نے حاصل کیا ہے۔ حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم عن بیع الغرر اس بیع میں چونکہ مشتری نے بائع کو دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا ناجائز و حرام ہے۔ بالجملہ یہ شخص سخت گنہگار مستحق عذاب نار۔ حق اللہ و حق العباد میں گرفتار ہے۔ اپنے خیال میں وہ یہ تصور کرتا ہو گا کہ فریضہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہو گیا اور گھر کی رقم گھر میں آ گئی۔ حالانکہ اب پہلے سے بھی زیادہ گنہگار ہوا۔ زکوٰۃ نہ دینا حق اللہ نہ ادا کرنا ہے۔ اور اس طرح اس کو واپس لینا حق اللہ و حق العبد دونوں کا مواخذہ اس کے سر آیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اگر فقیر کے پاس سے ضائع ہوا تو چونکہ قبضہ متحقق ہو گیا ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ مگر اس طرح چھپا کر دینے

بیع کا مقصود نہایت بد و حرام ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی وہ مجرم ہے۔ اور اگر اس طرح چھپا کر دینے

سے مقصد ہی یہ ہو کہ فقیر کو مالک نہ کیا جائے۔ اور اس حیلہ باطلہ سے نوٹ اس کا اسی کو مل جائے تو دونوں صورتوں میں یعنی خریدا ہو یا ضائع ہو گیا ہو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۳) از خانقاہ سراجیہ برکت آباد محلہ برکت پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک۔ ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

مسائل احکام زکوٰۃ سے یہ تو معلوم ہوا کہ صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینا ہے لیکن زکوٰۃ دینے والے کو بعض وقت یا اکثر وقت دھوکا ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کہ زکوٰۃ لینے والا مالک نصاب ہے یا نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب ہے۔ مالک نصاب نہیں اور اپنی غربت اور لاچاری و محتاجی بیان کر کے زکوٰۃ لیتا ہے اور لوگ دیا کرتے ہیں۔ بعد موت کے یا زندگی ہی میں بعض شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مالک نصاب ہے یا تھا۔ مرنے کے بعد ان کے پاس سے روپیہ زیادہ نکلتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اقرباء کے بارے میں کس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ مالک نصاب ہے یا نہیں۔ اور مالک نصاب ہونے کے لئے کیا طریقہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو زکوٰۃ دیا جائے۔

الجواب :۔ اگر اس کو یہ سمجھ کر کہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دیدی اور بعد کو معلوم ہوا کہ مالک نصاب ہے زکوٰۃ ادا ہو گئی درمختار میں ہے دفع بتحر لمن یظنہ مصرفا فبان غناہ او کونہ ذمیا اجزأہ لانہ اتی بما فی وسعہ حتی

بقیہ صہ کا :۔ غنی اصطلاحی ہیں اور غنی اصطلاحی میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ وہ اتنے ہوں کہ سونے یا چاندی کی نصاب کی قیمت کے ہوں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

نوٹ دفعہ بلا تحریم بعض ان احتمالات کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو دینا ہے اس کے متعلق اگر غالب گمان ہے کہ فقیر ہے دیدے ورنہ نہ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۱۵) جو شخص اپنے مال کی پوری زکوٰۃ نہیں نکالے اور یہ کہے کہ جتنی نکالیں گے اتنی تو ادا ہوگی ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور جتنی زکوٰۃ نکالے اتنی ادا ہو جائے گی یا بالکل ادا نہ ہوگی۔

الجواب: جتنی زکوٰۃ ادا کرے گا اتنی ادا ہو جائے گی مگر جتنی زکوٰۃ باقی رہے گی اس کا مواخذہ اس کے ذمہ ہے اس مواخذہ اخروی سے بچنے کے لئے اس پر فرض ہے کہ بقیہ اموال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۴۱۵) جناب عبداللہ صاحب زنیانی مارواڑ۔ جمادی الاولیٰ ۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی چاندی کی جنس پر سودی قرض لیا۔ دوسرے شخص نے جو صاحب نصاب تھا اس رقم کو چھڑا کر اپنے پاس لے آیا۔ اب ایک عرصہ کے بعد وہ زکوٰۃ میں وصول کر کے وہ رقم اس کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ ایا ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔ جواب عطا فرمائیں۔ انشاء اللہ اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

الجواب: جس شخص نے روپیہ دے کر اس رہن کو چھڑا لیا اگر یہ چھڑانا بغیر اس مالک کے حکم کے تھا تو یہ شخص قرض کے ادا کرنے میں متبرع ہوا۔ اور اس شخص کو اس مالک سے روپیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر اس کے حکم سے ہے تو جتنا روپیہ ادا کیا ہے وہ وصول کر سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان مرہون چیزوں کو بہ نیت زکوٰۃ مالک کو دیدے کہ اس طرح سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کہ یہ چیزیں اس کی ملک نہیں۔ اور زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی چیز کا بہ نیت زکوٰۃ دوسرے کو مالک کر دے اور اگر اس کو منظور ہے کہ میری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور اس کی چیزیں بھی اس کے پاس پہنچ جائیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ زکوٰۃ دینا ہے وہ اسے دیدے پھر اس سے یہ کہے کہ وہ روپے میرے قرض میں جو میں نے تمہارے حکم سے ادا کیا ہے۔ دیدو اور اپنی چیزیں میرے پاس سے لے جاؤ اور اس صورت میں اگر وہ اپنی خوشی سے نہ دے تو زبردستی بھی اس سے چھین سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۱۶) مرسلہ جناب حاجی سید جمال الدین صاحب۔ کمال منزل چھتری گیٹ درگاہ بازار اجمیر شریف ۱۰ شوال ۷۱ھ

زکوٰۃ اگر خاموشی سے تقسیم کی جائے تو اندریں صورت زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔

الجواب: زکوٰۃ کو چھپا کر بھی دینا جائز ہے اور علانیہ بھی۔ اور علانیہ بہتر ہے۔ اور اس کے سوا دوسرے صدقات کو چھپا

ع علانیہ زکوٰۃ ادا کرنا اسلئے بہتر ہے کہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو کہ فریضہ الٰہی ادا نہیں کرتا۔ دوسرے صدقات بھی اسی نیت سے علانیہ دینا کہ لوگ

کر دینا بہتر۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ہی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۷) از دھوراجی کاٹھیاواڑ۔ مرسلہ احمد عبد الشکور صاحب رکوڈیل معرفت عبد الغفار صاحب امجدی ۱۲ شوال ۱۳۶۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ جسمیں اخراجات صرف تعمیر عمارت و تنخواہ مدرسین ہو صدقہ فطرہ وزکوٰۃ کی رقم لگانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ صدقہ فطر و زکوٰۃ نہ تعمیر مدرسہ میں صرف کی جاسکتی ہے نہ تنخواہ مدرسین میں۔ یہ صرف فقراء اور مساکین کا اور ان لوگوں کا حق ہے جن کو قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا۔ مگر اگر اس قسم کی مدوں کو نکال دیا جائے تو مدرسہ کی آمدنی اس زمانے میں اتنی کم رہ جائیگی جس سے اس کا چلنا دشوار ہو جائے گا۔ اور تحصیل علم کا دروازہ بند ہوتا ہوا نظر آئے گا۔ لہٰذا ان چیزوں میں زکوٰۃ اور صدقۂ فطر بطور حیلہ کے صرف کیا جائے۔ کہ اس قسم کے امور خیر[ع] کے لئے حیلہ کرنے میں کسی قسم کی کراہت یا قباحت نہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ رقمیں کسی فقیر یا مسکین کو بطور تملیک دیدیجائیں۔ وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دیدے تو اب اس رقم کا تنخواہ مدرسین و عمارت میں صرف کرنا جائز ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ وصدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ عموماً مدارس میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۸) مرسلہ مولوی عبد المصطفیٰ وہبی علی صاحب علوی قادری۔ از اٹاوہ محلہ عالم پورہ ۸ ۱ جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کے پاس دو لڑکیاں مسماۃ ہندہ و سلمیٰ ہیں مسماۃ ہندہ کے پاس ۴ تولہ سونا اور ۴۰ تولہ چاندی کا زیور ہے۔ چاندی کے سامان میں آئینہ، خاصدان، ڈبیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ کامدانی کی بھاری کپڑے مثلاً ایک ساڑی ہے جسمیں مبلغ چالیس روپے کی کامدانی ہے کرتوں میں پانچ پانچ روپیہ کی کامدانی ہے کیا یہ سب کپڑے بھی زکوٰۃ کے حکم میں آئیں گے۔ ان میں سے کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ۔ کو ترغیب جو شوق ہو تو بہتر ہے انما الاعمال بالنیات۔ ع اگر علانیہ خیرات کرو تو بھی اچھا ہے۔ اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو تو اور بہتر ہے۔ ع یہ اس کی دلیل ہے کہ امور خیر میں صرف کرنے کے لئے حیلہ کی اجازت ہے۔ فقراء کی حق تلفی اور امور دنیوی میں صرف کرنے کے لئے اجازت نہیں۔ لہٰذا حیلے کے بعد بھی اسکول کا کہ دنیوی تعلیم میں صرف کرنا ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی

مسماۃ سلمٰی کے پاس، ۳۰ر تولہ سونا اور ۸۰ر تولہ چاندی ہے۔ اس میں چاندی کی خاصدان وڈبیاں شامل ہیں۔ بھاری کپڑے اس کے پاس بھی ہیں پس ان دونوں کو کتنی رقم سالانہ زکوٰۃ دینی چاہیے۔

الجواب: مسماۃ ہندہ پر ایک تولہ ایک ماشہ سونا اور ۲ر تولہ ۴ر ماشہ چاندی زکوٰۃ میں واجب ہے۔ اور اس کے علاوہ ۸ر ماشہ سونا اور ۸ر ماشہ چاندی فاضل بچی ہے۔ اگرچہ سونے کا خمس نصاب نہیں۔ مگر سونے کو چاندی[عہ] فرض کریں تو چاندی کی خمس نصاب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے مقابل میں بھی ۴ر ماشہ چاندی دی جائے۔ اب کل چاندی ۲ر تولہ ۸ر ماشہ ہوئی۔

مسماۃ سلمٰی پر زکوٰۃ گیارہ ماشہ سونا اور ۲ر تولہ چاندی ہے۔ کامدانی[عہ] کے کپڑوں کے متعلق کوئی جزئیہ نظر فقیر میں نہیں ہے۔ مگر ردالمحتار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو چاندی ہے اس کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ عبارت یہ ہے قولہ و معمولہ ای مایعمل من نحو حلیۃ سیف او منطقۃ او لجام او سرج او الکواکب فی المصاحف والاوانی وغیرھا اذا کانت تخلص بالاذابۃ کہ جس طرح مصحف میں جو ستارے لگائے گئے ہیں ان کی زکوٰۃ ہے۔ کامدانی میں سلمٰی ستارے لگائے جاتے ہیں۔ ان کی بھی زکوٰۃ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۱۹) از دھوراجی ٹھکانہ کپڑا بازار ضلع کاٹھیا واڑ۔ مرسلہ جناب حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۲ر شوال ۱۳۵۰ھ

۱۔ ایک شخص کے پاس سال تمام پر صرف ایک سو روپیہ نقد بچتا ہے وہ اس کی زکوٰۃ میں ڈھائی روپے کے بدلے ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ ڈھائی تولہ چاندی سکہ کے ایک روپے میں ملتی ہے۔ اور روپے کی زکوٰۃ روپے سے ادا کرنے میں ڈھائی روپیہ دینا پڑتا ہے تو چاندی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں یا کوئی کراہت تو نہیں لازم آتی۔

(۲) ایک شخص کے پاس تجارتی کپڑا، غلہ وغیرہ مال اور نقد روپیہ بھی ہے سب ملاکر ایک ہزار روپیہ کا ہے جس کی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے وہ بھی پچیس روپیہ سکہ وار کے بدلے پچیس تولہ چاندی دینا چاہتا ہے جو صرف دس روپے میں ملتی ہے تو کیا مبلغ چاندی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں یا کچھ کراہت لازم آئے گی۔

عہ یعنی آٹھ ماشے سونے کی چاندی خریدیں تو یہ چاندی دس آٹھ ماشے چاندی کے ساتھ مل کر چاندی کی خمس نصاب ہو جائے گی خمس نصاب ایک ایک تولہ چھ ماشہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آٹھ ماشے سونے کی قیمت اس زمانے میں بھی اتنی تھی کہ ایک تولہ چاندی ضرور مل جاتی۔ اور آج تو آٹھ ماشے سونے میں چاندی کئی تولے ملے گی۔ عہ چاندی سونے کا جو کام تلوار یا پیٹی یا لگام یا زین پر ہو یا وہ ستارے جو مصحف شریف اور برتنوں پر ہوں یا کسی چیز پر ان پر زکوٰۃ ہے۔ اگر یہ چاندی پگھلانے سے علیحدہ ہو جائے۔ علامہ شامی کا وغیرہ کی تعمیم اس پر دلیل ہے کہ کپڑوں پر جو کامدانی چاندی یا سونے کی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر یہ خود یا دوسرے سامان کی چاندی یا سونے سے ملا کر بقدر نصاب ہوں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب: اگر اس شخص کے پاس روپیہ نہیں ہے تو زکوٰۃ میں ڈھائی روپیہ کی جگہ ڈھائی تولہ چاندی بھی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی کہ زکوٰۃ میں سکہ کا دینا ضروری نہیں اور جب اسی جنس سے ادا کی جائے تو چالیسواں حصہ دینا واجب ہے اگرچہ اس کی مالیت کتنی ہی کم ہو۔ مثلاً چاندی کا برتن یا زیور ہو کہ صنعت کی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ قرار پائے، تو اس قیمت کا چالیسواں واجب نہیں بلکہ اس کی چاندی کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اور اگر نوٹ یا گنی ہو اور چاندی زکوٰۃ میں دینا چاہیں تو اس نوٹ یا گنی کی جتنی چاندی آتی ہو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا مثلاً سو روپیہ کے نوٹ کی ڈھائی سو تولہ چاندی آتی ہو تو سوا چھ تولہ چاندی دینی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب: مال تجارت اگر ہے تو اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مفروضہ میں سو روپیہ کے مال کی چاندی ڈھائی سو تولہ ہوئی۔ نہ کہ سو تولہ۔ لہٰذا چاندی دینا چاہے تو اس مال کی جتنی چاندی ہو اس کا چالیسواں حصہ[1] دینا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۲۰) از شہر پورنیہ محلہ سید باڑہ مرسلہ شمس العالم صاحب ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ

زیور اور نقد روپیہ کی زکوٰۃ سال میں کس حساب سے دینا چاہیے جس وقت زیور تیار کیا گیا تھا اس وقت سونے کی کم قیمت تھی۔ اور اس وقت بہت زیادہ ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو کس حساب سے۔ سونے اور چاندی کی سیکڑا کے حساب سے کیا زکوٰۃ ہے جس کے پاس زیور رہا اور نقد روپیہ نہ ہو تو وہ کس طرح زکوٰۃ دے۔ روپیہ کے ہونے کا انتظار کرے یا زیور بیچ کر ادا کرے۔

الجواب: زیور یا روپیہ کی زکوٰۃ جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں ان کا چالیسواں حصہ ہے۔ مثلاً دو سو روپیہ کی زکوٰۃ پانچ روپیہ۔ اگر سونے کی زکوٰۃ سونے ہی سے دیں جب تو اس کا چالیسواں حصہ دیا جائے۔ مثلاً ۴۰ تولہ سونا کی زکوٰۃ ایک تولہ سونا۔ اور اگر روپیہ یا چاندی سے زکوٰۃ دینا چاہے تو سونے کے چالیسویں حصہ کی جو قیمت اس وقت یعنی دینے کے وقت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ خریدنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ زیور موجود ہے روپیہ موجود نہیں ہے اور سال پورا ہو گیا تو روپیہ آنے کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔ خود اسی زیور کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۲۱) مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

---

[1] بقیہ گذشتہ صفحہ کا: جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے کپڑے کی کا مدان بہت آسانی کے ساتھ الگ ہو سکتی ہے۔ ع ڈھائی سو تولے چاندی کا چالیسواں حصہ چھ تولے تین ماشے ہوئی یہ حساب کی آسانی کے لیے ہے ورنہ صحیح حساب میں کچھ کمی ہوگی مگر وہ حساب پیچ در پیچ اتنا لمبا ہے کہ عوام کے لئے الجھن اور دشواری کا باعث ہے۔ اس لیے یہی بتایا جاتا ہے کہ ہر سو میں ڈھائی روپے۔ اللہ کی راہ میں کچھ زیادہ چلا جائے یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کچھ کمی رہ جائے۔ وہ بھی ادا نیگی فرض میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ المجدی۔

ایک شخص کے پاس نصاب تک گائے ہے اور وہ اس نیت سے پالے ہوئے ہے کہ دودھ کھاؤں گا اور وقتاً فوقتاً بصورت فروخت بھی کروں گا۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔

مسئلہ (۵۲۲) ایک شخص اپنے نوکر دلسے میدان میں دن بھر گائے چرواتا ہے اور رات میں بقدر وسعت کچھ کھلاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگی یا نہیں۔

الجواب: جانوروں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ سائمہ ہو یعنی سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر گزر کرتا ہو۔ اگر وہ گائیں دودھ کھانے کے لئے ہیں اور سائمہ ہیں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ مقدار نصاب کو پہنچ گئی ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب: اگر وہ گائیں مقدار نصاب کو پہنچ گئی ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۲۳) مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت۔ ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ

جس زمین کا پانچ روپیہ بیگہ کسی کا فراجہ کو دیتے ہیں اس کے غلہ سے عشر دیا جائے یا نہیں۔ اور زمین کا فراجہ کی ہے۔ مگر کاشتکار کو اختیار ہے جب چاہے زراعت کرے۔ اس کو پورا اختیار ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: زمین کی تین قسمیں ہیں۔ عشری، خراجی، نہ عشری نہ خراجی۔ اول وسوم دونوں کا ایک حکم ہے یعنی عشر دینا۔ در مختار میں ہے ویجب العشر فی ارض غیر الخراج ولو غیر عشریۃ اور جب وہ زمین کافر کی ہے تو خراجی ہے لہٰذا خراج واجب ہے عشر واجب نہیں۔ رہا یہ امر کہ کاشتکار پر خراج واجب ہے یا نہیں۔ اس میں دو صورتیں ہیں خراج مقاسمہ کہ سلطنت اسلام سے پیداوار کا کوئی جز تہائی، یا چوتھائی وغیرہ مقرر ہو۔ اور خراج موظف۔ کہ سالانہ روپئے وغیرہ سے کوئی مقدار معین مقرر ہو۔ اگر خراج موظف ہو جب تو کاشتکار پر بالاتفاق خراج واجب نہیں۔ اور اگر خراج مقاسمہ ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ کاشتکار پر خراج

---

[1] گائے کی نصاب تیس عدد ہیں۔ تیس گایوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ تیس گایوں میں ایک سال بھر کا بچھڑا یا بچھڑی اور انتالیس تک یہی ہے چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی۔ انسٹھ تک یہی حکم ہے۔ ساٹھ میں دو عدد یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی۔ پھر انہتر تک یہی ہے ستر میں ایک یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی اور ایک دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی اناسی تک یہی ہے پھر اسی میں دو، دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی۔ ضابطہ یہ ہے کہ تو عدد ور دو نصاب کے مابین معاف ہے اور ہر دہائی پر یکسالہ بچہ دو سالہ سے اور پھر دوسری دہائی پر ایک دو سالہ دو یکسالہ بچے سے بدل جائے گا۔

[2] یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ زمین کا اصل مالک زمیندار ہے اور کاشتکار کرایہ دار۔ یہ مسئلہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء کا ہے اس زمانے کے قانون کی رو سے مالک زمین زمیندار تھا۔ کاشتکار کھیت کا کرایہ دار یعنی اجیر۔ زمیندار بشرائط مقررہ لگان پر کاشتکار کو کھیت دیتا تھا۔ کاشتکار کھیت کو بیچ نہیں سکتا تھا۔ اگر کاشتکار مالک ہوتا تو لگان لینا ظلم تھا۔ اور کھیت کاشتکار بیچ سکتا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ کھیت کا مالک زمیندار ہے اور کاشتکار اجیر کرایہ دار بعد میں بے دخلی کا قانون بنا۔ یہ بھی زمیندار کی ملکیت پر اثر انداز نہیں۔ کسی بھی حق کہ مسلمانوں کی بھی حکومت کا کوئی قانون خلاف شرع قابل لحاظ نہیں

ہے۔ درمختار میں ہے والعشر علی المؤجر کخراج موظف۔ ردالمحتار میں ہے فانہ علی المؤجر اتفاقا لتعلقہ بتمکن الزراعۃ لا بحقیقۃ الخارج واما خراج المقاسمۃ وھو کون الواجب جزأ شائعا من الخارج کثلث وسدس ونحوھما فعلی المالک کذا فی شرح درر البحار۔ نیز اسی میں ہے لکن فی زماننا عامۃ الاوقاف من القری والمزارع لرضا المستاجر بتحمل غراماتھا ومؤنھا یستاجر جاید ون اجر المثل بحیث لاتفی الاجرۃ ولا اضعافھا بالعشر او خراج المقاسمۃ فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولھما فی ذالک اور کاشتکار جو کچھ اوس کا زمیندار کو دیتا ہے وہ زمین کا کرایہ ہے خراج سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ خراج نقد اور غیرہ جو مصارف خراج ہوں خرچ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۲۴) مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ زمین کی پیداوار میں اس وقت کے سیر سے یعنی نمبری سیر سے اہل زراعت پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور شرع نے خراجی زمین کی پیداوار میں کچھ رعایت کی ہے یا نہیں۔ اگر رعایت کی ہے تو خراجی زمین میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی تحریر فرمائیں۔

مسئلہ (۵۲۵) ایک شخص نے غلہ پیدا ہونے کے وقت غلہ کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔ اور سال تمام ہو جانے پر بقدر نصاب حوائج اصلیہ سے زیادہ غلہ باقی ہے تو اب اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ یا پہلی زکوٰۃ کافی ہے۔ اگر واجب ہوگی تو کس حساب سے ایا پہلے کے حساب سے مثلاً پہلے من میں چار سیر دی تھی۔ یا اس غلہ کا حساب کیا جائے گا کہ اس کے کتنے روپئے ہوئے تو اب روپئے میں واجب ہوگی اور اگر واجب ہوگی تو کتنے روپئے میں کتنے روپئے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور اس وقت جو نوٹ اور روپیہ رائج ہے اس میں کیا فرق ہے کتنے روپئے اور نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

الجواب:۔ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے یعنی جو کچھ پیدا ہوا اس کا دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ بھی واجب ہوتا ہے مگر ہندوستان میں عموماً یہ صورت نہیں ہے۔ لہٰذا فی من چار سیر عشر دیا جائے۔ زمین خراجی میں خراج واجب ہوتا ہے اور وہ دو قسم ہے خراج مقاسمہ و خراج موظف۔ اگر معلوم ہو کہ اسلامی سلطنت نے اتنا خراج اس زمین پر مقرر کیا تھا تو وہی دیا جائے

بقیہ گذشتہ :۔ جب کاشتکار کرایہ دار ہے زمین کا مالک نہیں۔ تو اس پر خراج موظف نہیں۔ اس لئے کہ خراج موظف زمین کے مالک پر ہے زمین کے کرایہ دار پر نہیں۔ اور کاشتکار کرایہ دار مزارع ہے لہٰذا اس پر خراج موظف نہیں آگے درمختار کی عبارت آتی ہے والعشر علی المؤجر کخراج موظف۔ عشر خراج موظف کی طرح زمین کے مالک پر ہے۔ عہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زمین پر خراج مقاسمہ ہو اور خراج مقاسمہ مالک زمین پر نہیں مزارع کاشتکار پر ہے یہی قول مفتی بہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امجدی۔

اور معلوم نہ ہو تو وہ خراج دیا جائے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ وہ یہ ہے کہ فی جریب ایک درہم اور اس زمین کی پیداوار سے ایک صاع غلہ اور خربوزے تربوز کی پالیز اور کھیرے ککڑی ترکاریوں میں فی جریب پانچ درہم جریب کی مقدار انگریزی گز سے ۵۰ گز طول اور ۵۰ گز عرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب: ایک بار جس غلہ کا عشر ادا کر دیا سال گزرنے کے بعد اگر اس غلہ میں کا باقی ہے تو اس پر دوبارہ عشر یا زکوٰۃ کچھ واجب نہیں۔ نوٹ اور روپیہ میں فرق یہ ہے کہ روپیہ ثمن خلقی ہے اور نوٹ ثمن اصطلاحی۔ مگر وجوب زکوٰۃ میں جتنے روپے کا وہ نوٹ ہے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ چاندی اور سونے کا حکم ہے نوٹ اور روپے کی نصاب دو سو درم ہے جس کے چھپن روپے ہوتے ہیں[٭] اگر اس سے کم ہو تو وہ شخص مالک نصاب نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۵۲۶) مرسلہ از مدرسہ منظر العلوم سکندر پور ضلع بلیا۔ ۱۲ شوال ۱۳۶۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متولی مدرسہ اس مدرسہ میں جس میں چھوٹے بچے تعلیم قرآن حاصل کرتے ہوں یا اس مدرسہ کے یتیم اور نادار بچوں کی کتاب، قلم، دوات اور تختی اور دیگر ضرورتوں کے لئے صدقہ فطر صرف کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: متولی مدرسہ صدقہ فطر کے پیسے ان پر صرف کر سکتا ہے جب کہ یہ صرف کرنا بطور تملیک ہو، نہ اباحت یعنی جو چیز ان بچوں کو دی جائے ان کو اس شی کا مالک کر دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ مدرسہ ان کو کتابیں صرف پڑھنے کو دے یا قلم و دوات و تختی لکھنے کو کہ جب ان کی ضرورت پوری ہو جائے تو متولی ان سے واپس لے۔ یوں صدقہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال۔ ردالمحتار میں ہے المراد فی احوال الدفع الی المصارف من اشتراط النیۃ واشتراط التملیک فلا تکفی الاباحۃ کما فی البدائع الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[٭] یہ حکم اس زمانے کا ہے جب کہ روپے چاندی کے رائج تھے۔ چاندی کی نصاب دو سو درہم جو برابر ہے ساڑھے باون تولے کے۔ اور روپے گیارہ ماشے ۳ رتی کے ہوتے تھے۔ لہٰذا روپوں میں چاندی کی نصاب چھپن روپے ہوئی۔ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے اس زمانے میں اس کا نوٹ مثلاً چاندی کے دس روپے کے برابر تھا۔ لہٰذا اگر نوٹ چھپن روپے کے ہوتے تو نصاب پوری تھی۔ مگر اس کا کچھ زمانہ تھا کہ بازار میں چاندی کس بھاؤ بکتی تھی۔ مثلاً ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ چاندی ایک روپے کی دو بھر بکتی تھی۔ تو اگر کسی کے پاس اٹھائیس روپے ہوتے تو اس کے پاس اتنے روپے تھے جو چھپن بھر چاندی کی قیمت کے تھے مگر وہ مالک نصاب نہیں تھا۔ کہ چاندی کے سکوں میں بھی اعتبار وزن کا ہے قیمت کا نہیں۔ اور یہی حکم نوٹ کا بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ نوٹ اتنے روپوں کا مساوی تھا جو عدد اس پر درج ہوتے۔ لہٰذا جس کے پاس چھپن روپے کے نوٹ ہوتے وہ مالک نصاب ہوتا۔ اور جس کے پاس کم ہوتے وہ مالک نصاب نہ ہوتا اگرچہ بازار میں اتنے نوٹوں میں چھپن روپے سے زائد چاندی مل جاتی۔ مگر اب روپے نکل کے رائج ہیں اور نوٹ کی حیثیت یہ ہو گئی کہ وہ مساوی ہے اتنے عدد ان نکل کے روپوں کے۔ لہٰذا اب نہ چھپن روپے نصاب ہے نہ چھپن روپے کے نوٹ۔ بلکہ اب حکم یہ ہے کہ چھپن روپے

مسئلہ (۵۲۷) از لاڈنوں مدرسہ اسلامیہ اہلسنت مارواڑ مرسلہ قاضی سید محمد طیب علی صاحب بغنوی امجدی ۱۳ رمضان ۱۳۷۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئولہ ذیل میں :۔

فطرہ گندم کے بجائے گیہوں کی قیمت بازار بھاؤ سے دینی جائز ہے یا نہیں۔ بازار کے دو نرخ ہیں کنٹرول ریٹ اور بلیک بازار کا ریٹ۔ کنٹرول ریٹ سے تین سیر کا بھاؤ ہے۔ چور بازار کا بھاؤ سوا سیر یا ڈیڑھ سیر کا ہے۔ اب فرمائیے کس نرخ سے حساب لگا کر گندم کی قیمت فقیر مسکین کو دی جائے۔ بینوا توجروا۔

مسئلہ (۵۲۸) جس کے پاس ستّر یا اسّی تولہ چاندی ہو یا چاندی کا زیور۔ نہ خرچ ہو۔ وہ فقیر ہے یا صاحب نصاب ہے اس کو فطرہ و زکوٰۃ دینی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں بجائے گندم ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ عرف شرع میں قیمت اسی کو کہتے ہیں جو اس چیز کا بازار کے حساب سے نرخ ہو اتفاقی طور پر کم یا زیادہ میں کوئی چیز خرید لی جائے اس کو قیمت نہیں کہیں گے بظاہر بھاؤ وہی مانا جائے گا جو آج کل حکومت نے کنٹرول کے طور پر مقرر کر دیا ہے۔ بلیک سے جس قیمت میں چیز ملتی ہے وہ حسب ضرورت کم بیش ہوتی ہے۔ عام طور پر وہ قابل اعتبار نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

الجواب:۔ چاندی کی نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے جس شخص کے پاس اتنی چاندی ہے یا اس کا زیور یا اتنی چاندی خریدنے کی قدر نوٹ موجود ہے وہ مالک نصاب و غنی ہے اس کو فقیر نہیں کہا جا سکتا۔ اس پر خود زکوٰۃ فرض ہے اگر اس کو زکوٰۃ دی جائے گی تو ادا نہیں ہوگی۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۲۹) از مولوی محمد یوسف صاحب از ترائی نیپال موضع بیلا ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ

صدقۂ فطر نری سیر سے گیہوں کتنے سیر واجب ہونگے۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور غلہ دینا چاہے۔ مثلاً

بقیہ گذشتہ :۔ پھر چاندی کی قیمت کے نکل کے روپے ہوں یا نوٹ ہوں۔ تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً آج چاندی سولہ روپے بھر ہے تو چھپن روپے بھر چاندی کی قیمت ہوئی آٹھ سو چھیانوے روپے نکل کے۔ یا آٹھ سو چھیانوے روپے کے نوٹ ہوں تو وہ مالک نصاب ہے ھذا ما عندی فی تفہیم قولہ۔ والعلم بالحق عند ربی عزوجل وعلمہ تعالیٰ اتم و احکم۔ امجدی عفی عنہ خادم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ عارضین کو کنٹرول کے نرخ پر غلہ ان کی ضرورت کے مطابق مل جاتا ہو۔ اور کنٹرول کی جو عام حالت ہے کہ کنٹرول ہوتے ہی چیزیں بازار سے غائب ہو جاتی ہیں۔ کنٹرول ریٹ پر چیزوں کا حاصل کرنا عوام کا کام نہیں ہوتا۔ عوام کو کنٹرول پر اشیاء ملتی ہی نہیں۔ صرف گورنمنٹ کے ملازمین یا لوگ پاتے ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے تو اب کنٹرول ریٹ قیمت نہ ہوگی قیمت بازار بھاؤ ہے بازار میں جن بھاؤ سے چیزیں ملتی ہیں وہ کنٹرول ریٹ نہیں۔ قانون کی زبان میں بلیک ہو۔ لہٰذا حقیقت میں وہی بازار بھاؤ ہے اس لئے اس صورت میں بازار بھاؤ ہی کا اعتبار ہے۔ کنٹرول ریٹ کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
امجدی۔

دھان، چاول، اور لوٹ وغیرہ تو کتنا واجب ہوگا یا پیسہ دینا چاہیں تو کتنا پیسہ دینا ہوگا۔

الجواب: اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی تحقیق یہ ہے کہ نصف صاع کی مقدار ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر اوپر ہیں لہٰذا اگر گیہوں دیں تو نصف صاع جس کی مقدار ذکر کی گئی اور اگر جو دینا چاہیں تو پورا ایک صاع جس کی مقدار تین سو اکاون بھر روپے بھر ہے۔ اور اگر کسی دوسرے غلہ سے صدقہ دینا چاہیں تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت کا وہ غلہ دیں یا قیمت ہی کو صدقہ فطر میں دیدیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۱ ۵) از رانی کھیت جامع مسجد نینی تال مرسلہ مولوی قاری جلیل الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ

صدقہ فطر رائج الوقت انگریزی سیر سے کس قدر مقدار میں دینا واجب ہے خطبہ علمی میں ڈیڑھ سیر سے کچھ زائد۔

سیر سے تولا بریلی کے جو اسی سیر کو نہ تھا ذرا کم اک چھٹانک اور ڈیڑھ سیر آدو تو

جناب مولوی عبد الکافی صاحب الہ آبادی اپنے خطبہ میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں "صاع بوزن انگریزی رائج الوقت احتیاطی ڈھائی سیر کا ہوتا ہے۔ انتہی" مولوی صاحب ممدوح کی تحریر پر صرف سوا سیر دینا کافی ہو جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نصف صاع سوا سیر ہو یا کچھ کم ڈیڑھ سیر؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صاع کے وزن میں اختلاف ہے اور حسب تحقیق علامہ شامی کہ یہی احوط ہے۔ یہ ہے کہ وزن صاع تین سو اکاون[351] روپے بھر کا قرار دیا جائے۔ کہ اس حساب سے نصف صاع ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر اوپر ہوتا ہے۔ فقیر اسی حساب سے صدقہ فطرہ دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۱ ۵) مرسلہ حافظ محی الدین عرف لعل محمد از منڈوا ضلع فتح پور۔ ہسوہ۔

حضرات علماء کرام اہلسنت وجماعت امر ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:۔

صدقہ فطر کے وزن میں اختلاف ہے بعض مثلاً مولینا عبد الحی صاحب مرحوم لکھنوی ہشتر جو کا درہم اور

سے بوٹ یعنی چنا۔ سے بریلی شریف کا سیر اعلیٰحضرت قدس سرہ کے عہد میں سو روپے بھر تھا۔ علی صاحب اعلیٰحضرت قدس سرہ کے والد حضرت مولانا رضا علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کے زمانے میں بریلی شریف کا سیر کتنا تھا وہ بالیقین معلوم نہیں۔ خطبہ علمی اسی کو یہاں تو جو ذہن ہیں کہ اس پر کچھ لکھا جائے۔ آگے صاع کی پوری تحقیق آتی ہے ناظرین انشاء اللہ تعالیٰ اس کو پڑھ کر پورے طور پر مطمئن ہو جائیں گے۔ سے جو کا حوالہ دے کر عوام کو چھوڑ دیا جائے تو جو زائد تری بچے گی وہ ظاہر ہے یہی گنگوہی صاحب نے اپنے فتاویٰ میں کیا ہے۔ درمختار کے ساتھ تو علامہ شامی نے اس پر جو لکھا ہے اسے بھی نقل کر دیا جائے تو عوام تو عوام علماء تک تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے اسی لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان کے تلامذہ رائج الوقت وزن سے اس کی مقدار بتاتے ہیں جزاہم اللہ تعالیٰ عن الاسلام وعن المسلمین خیر الجزاء۔ (ابدی)

الجواب: صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم ہے۔ درمختار میں ہے وھو ای الصاع المعتبر مایسع الفا و اربعین درھما یا یوں کہا جائے کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے اعلم ان الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان عــہ درہم کی مقدار سو ماشے ۱ ۱/۵ رتی ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ صاع حقیقۃً ایک ناپ کا نام ہے کوئی وزن نہیں ہے اور چونکہ وہ ناپ جاری نہیں اور جہاں جاری ہی ہے تو اختلاف امکنہ و ازمنہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں جس طرح یہاں ہندوستان میں سیر ہے کہ سب جگہ اس کا وزن ایک نہیں مختلف قسم کے سیر جاری ہیں۔ اسی طرح صاع بھی مختلف نہیں لہٰذا وزن سے اس کی تحدید کردی گئی کہ باوجود اختلاف ازمنہ اس کی مقدار معلوم کی جاسکے یعنی اتنا وزن کا غلہ جس ظرف میں سمائے وہ صاع ہے۔ مگر وہ غلہ جس سے صاع بنایا جائے کیا ہونا چاہئے اسمیں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کسی نے مونگ اور مسور سے صاع بنانے کو فرمایا۔ درمختار میں اسی کو اختیار کیا۔ اور وجہ یہ بتائی کہ ان کے دانے یکساں ہوتے ہیں۔ ہلکے بھاری نہیں ہوتے۔ اور گیہوں یا جَو چونکہ ہلکے بھاری ہوتے ہیں ان سے صاع نہیں بناتے۔ مگر دوسرے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گیہوں یا جَو دیئے جائیں گے

عــہ دہلی میں استار اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے۔ اس طرح روپوں سے ایک صاع کا وزن دو سو اٹھاسی روپے بھر اور تولوں سے دو سو ستر تولے ہوا۔ اسلئے کہ تولہ بارہ ماشے کا ہوتا ہے شامی میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراھم مائتان وستون درھما وبالاستار اربعون والاستار بالدراھم ستۃ و نصف وبالمثاقیل اربعۃ و نصف کذا فی شرح درر البحار پس ایک صاع چار مد کا ہے اور مد دو رطل کا اور رطل نصف من اور من دراہم سے دو سو ساٹھ درہم اور استار سے چالیس اور استار ساڑھے چھ درم کا یا ساڑھے چار مثقال کا۔ کشف الغطاء میں ہے بدانکہ معتبر نزد ما عراقی است و آں ہشت رطل است و رطل بیست استار و استار چہار و نیم مثقال و مثقال بست قیراط و قیراط ایک جَو و چہار خمس جَو و جو کہ آنرا بفارسی مرغ گویند ہشتم حصہ ماشہ است۔ پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک رطل نوے مثقال کا اور روپے ڈیڑھ مثقال یعنی سوا گیارہ ماشے تو ایک رطل چھتیس روپے بھر ہوا۔ اور جب صاع آٹھ رطل تو صاع کا وزن روپوں سے دو سو اٹھاسی روپیہ بھر ہوا۔ اور نصف صاع ایک سو چوالیس بھر۔ اب جو مرحلہ دشوار ہے وہ یہ ہے کہ صاع ایک پیمانہ ہے اور ہر پیمانہ کسی چیز کو تول کر بنتا ہے۔ حل طلب یہ بات ہے کہ جب صاع دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا تو کیا چیز دو سو اٹھاسی روپوں سے تول کر پیمانہ بنائیں۔ مثلاً مسور، چنا، گیہوں، جو، بھس، بھوسی، بھر مٹر جو گیہوں مختلف ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی مقدار مختلف ہوگی بھس اور بھوسی تول کر جو پیمانہ بنے گا وہ بڑا ہوگا۔ جو کا اس سے چھوٹا گیہوں کا اور چھوٹا مسور۔ کتاب چھوٹا۔ اسی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے ماش اور مسور کا پیمانہ مراد لیا۔ درمختار میں اسی کو اختیار فرمایا۔ اور صدر الشریعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح وقایہ میں کھرے گیہوں کا اعتبار کیا۔ اور علامہ شامی نے جو کے صاع کو احوط بتایا اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فتاوی رضویہ میں اسی کو اختیار فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ صاع اسی کا لینا بہتر ہے جن چیزوں سے صدقہ فطر ادا ہوتا ہے۔ وہ جو، گیہوں، چھوہارا، منقی ہے۔ ماش اور مسور سے صدقہ فطر ادا نہیں کیا جاتا اسلئے ماش اور مسور ساقط ہیں چھوہارا و منقی ایسی چیز میں ہیں کہ یہ چھوٹے بڑے موٹے پتلے ہونے میں بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں اس لئے ایک قسم کے چھوہارے یا منقوں کو تول کر کسی برتن کو بھریں پھر دوسرے چھوہاروں کو تول کر ناپیں تو ضرور بہت زیادہ کمی بیشی ہو جائے گی۔ اسلئے اب رہ جاتے ہیں جو اور گیہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عہد رسالت کی غذا ان دونوں میں سے کون تھی۔ اس لئے کہ صاع نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی معتبر ہے اور وہ اسی

لہٰذا جو وزن بتایا گیا ہے اس وزن کے گیہوں جس ظرف میں سمائے وہ صاع ہوگا خواہ سونگ یا مسور۔ رد المحتار میں ہے:

فان المتبادر من اعتبار نصف الصاع بالوزن عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اعتبارہ بوزن البر ونحوہ مما یرید اخراجہ لا اعتبارہ بالماش والعدس۔ اور ظاہر ہے کہ ماش وعدس کے آٹھ رطل والے ظرف میں گیہوں یا جو آٹھ رطل نہیں سما سکتے۔ لہٰذا مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ان سے وزن کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے صدر الشریعہ نے فرمایا کہ گیہوں کو وزن کرکے صاع بنایا جائے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں صدر الشریعہ کے اس قول کی تحسین فرمائی۔ یہ بھی فرمایا کہ اس امر کو لحاظ رکھتے ہوئے زیادہ احتیاط اسمیں ہے کہ جَو کا صاع بنایا جائے کیونکہ اس کے دانے گیہوں سے بھی ہلکے ہوتے۔ اور باب عبادات میں احتیاط کو ضرور لینا چاہئے۔ تاکہ یقیناً برات ذمہ ہو جائے۔ ان کا کلام یہ ہے۔ ولکن

بقیہ گذشتہ صفحہ ... ولنے سے جتنا تھا جو عہد نبوی میں عام طور پر کھایا جاتا تھا وہ صرف جَو ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان طعامنا یومئذ الشعیر والزبیب ... ہماری غذا جو تھی۔ اسی لئے صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے لم تکن الصدقۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا التمر والزبیب والشعیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صدقہ فطر نہیں ہوتا ... اور جو تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں گیہوں بکثرت ملنے لگا تو اس سے صدقہ فطر کی مقدار ... نصف صاع مقرر ہوئی۔ بخاری میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فلما جاء معاویۃ وجاءت السمراء قال اری مدا من ہذا یعدل مدین۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ عہد رسالت میں جو صاع تھا وہ جَو کا تھا اسی لئے یہی معتبر ہوا۔ اسی بنا پر علامہ شامی نے رد المحتار میں جَو کے صاع کو احوط بتایا۔ حاشیہ زیلعی سید محمد امین میرغنی سے نقل کیا ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلہم من مشائخہم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر حرم کہ معظمہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان مشائخ کے مشائخ کا عمل اسی پر ہے کہ آٹھ رطل جو سے صاع بنایا جائے اور یہ اکابر اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اس سے بھی قطع نظر ایک خاص بات یہ ہے کہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ مبسوط امام سرخسی میں ہے اور یہ برادر عقل والے پر روشن ہے۔ ماش، مسور، چنا اسے منقی گیہوں ان سب سے ہلکا جو ہے۔ اگر جو کے علاوہ ان میں سے کسی سے صاع بنائیں اور جو کو ناپیں تو جو آٹھ رطل نہ ہوگا۔ ضرور کم ہوگا۔ تو اگر صاع جو کے علاوہ کسی اور کا بنایا گیا تو وہ صاع اصلی نبی سے ضرور چھوٹا ہوگا۔ اور واجب ہے صاع نبی سے ادا کرنا۔ تو بقدر واجب ادائیگی میں ضرور شبہ ہوگا اور اگر جو کا صاع بنایا جائے تو اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا تقاضا احتیاط یہی ہوا کہ جو تول کر صاع بنایا جائے۔ بنا رعلیہ۔ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں وتعلل ذلک لیحتاط فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذا قدر بذلک فیوضع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیہا البتۃ بخلاف العکس فذا کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اور یہ اس وجہ سے ہے (یعنی جو تول کر صاع بنانا) تاکہ اس احتیاط پر عمل ہو جائے کہ یقینی طور پر واجب کی ادائیگی سے عہدہ برا ہو جائیں کیونکہ امام سرخسی کی مبسوط میں ہے کہ عبادات میں احتیاط اختیار کرنا واجب ہے۔ جب جَو تول کر صاع بنائیگے تو اس صاع میں آٹھ رطل مسور بھی سما جائیگی۔ اور گیہوں بھی اور کچھ زائد بھی۔ اور اگر گیہوں وغیرہ سے بنائیں گے تو اس صاع میں جو کم آئے گا۔ اسی لئے جو سے صاع بنانے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اب کسی عاقل منصف خدا ترس پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ درایۃً بھی اور روایۃً بھی زیادہ مناسب ہے کہ جو سے صاع بنایا جائے مگر پھر بھی بعض لوگوں پر ایک خاص نکتہ مخفی رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے شبہے کی دلدل میں پھنسے رہ جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب صاع کا وزن آٹھ رطل ہے تو آٹھ

علی هذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر و نحو النقل بعض المحشین عن حاشیة الزیلعی للسید محمد امین میرغنی ان الذی علیه مشائخنا بالحرام الشریف المکی ومن قبلهم من مشائخهم وبه کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیة ارطال من الشعیر ولعل ذالك لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین کما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ اس تحقیق انیق کا لحاظ فرما کر اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے جَو سے پیمانہ بنا کر گیہوں کو وزن کیا تو تین سو اکاون روپے بھر ہوئے۔ اور نصف صاع ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر اوپر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (　　) از پالی مارواڑ محلہ چھیپان علاقہ جودھپور مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمٰن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل میں:۔

اس زمانہ میں بوجہ جنگ ہر چیز گراں ہوگئی ہے اور گورنمنٹ نے کنٹرول کر دیا ہے اور غلہ پر بھی کنٹرول ہے۔ اب فی کس ماہوار کے حساب سے جو مقرر کیا ہے دیتی ہے جس کا بھاؤ ایک روپیہ کا چار سیر شاہجہانی تول سے رکھا ہے۔ اب یہ غلہ ہمارے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو ہم کو بلیک بازار سے گراں اناج لانا پڑتا ہے۔ اب اس صورت میں صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیں تو کس کا لحاظ رکھیں جو گورنمنٹ نے بھاؤ بنایا ہے، یا بلیک بازار کا۔ اسی طرح اگر قیمت دیں تو کس کا لحاظ کیا جائے۔

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں گیہوں اور جَو کی جگہ پر ان کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔ اور قیمت میں بازار کے نرخ کا اعتبار ہوگا۔ آجکل جہاں کنٹرول ہے کنٹرول ہی کی قیمت مقرر کردہ اصلی قیمت شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا کنٹرول کے حساب سے گیہوں کی قیمت ادا کرنے سے ان شاء اللہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔ بعد رطل تول کر ہم صدقۂ فطر ادا کریں کیا حرج ہے۔ یہ شبہ اس خاص نکتے سے غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر تول کا ادا کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں حکم یہ ہے کہ صاع نبوی سے ناپ کر ایک صاع جَو وغیرہ اور نصف صاع گیہوں ادا کریں۔ یا ان کی بازار بھاؤ سے قیمت دیں۔ اس لئے کہ عہد نبوی وصحابہ میں ناپ ہی کر ادا کیا جاتا تھا۔ تمام فقہاء یہی فرماتے ہیں کہ جَو وغیرہ ایک صاع اور گیہوں نصف صاع واجب ہے۔ اور صاع پیمانہ ہے تو لازم کہ صاع سے ناپ ہی کر ادا کرنے کا حکم ہے اور اگر تول کر ادا کرنے کا حکم ہوتا تو فقہاء یہ فرماتے آٹھ رطل یا چار رطل ادا کرے۔ اب حاصل یہ نکلا کہ صاع نبوی سے جو آٹھ رطل یعنی دو سو اٹھاسی روپے بھر تول کر صاع بنائے۔ اور اس صاع سے ناپ کر جَو وغیرہ ایک صاع اور گیہوں وغیرہ نصف صاع صدقۂ فطر دے۔ مگر ہر شخص کو اختیار ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جَو تول کر کوئی پیمانہ بنا لے۔ جس سے ناپ کر گیہوں وغیرہ نصف صاع ادا کرے مگر اس میں دشواری تھی۔ اس لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مسلمانوں کو اس مشکل سے بچانے کے لئے۔ ایک سو چوالیس روپے بھر جَو تول کر ایک تام چینی کے پیالے میں بھرا۔ اتفاق کہ اس تام چینی کے پیالے میں یہ جو برابر آئے۔ نہ کچھ کم ہوئے نہ زیادہ ابھرے رہے نہ گھرے۔ تو گویا یہ تام چینی کا پیالہ نصف صاع ہوا۔ اس تام چینی کے پیالے کو پھر گیہوں سے بھرا۔ اسی طرح کہ نہ کم نہ زیادہ نہ ابھرے ہوئے نہ گھرے۔ یہ گیہوں کی صدقۂ فطر کی شرعی مقدار ہوئی اب

مسئلہ (۵۳۳) مسئولہ محمد حبیب صاحب ملازم نواب قطب ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

(۱) نکاح و شادی میں یہاں دختر والوں کی طرف سے اکثر رواج ہے کہ دولہا کے اقارب کو جنوئی کے جوڑے دیے جاتے ہیں پس ان جوڑوں میں جن اقارب کو غریب سمجھا جائے اگر زکوٰۃ میں سے یا وصیت میں جوڑا دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(۲) ایک شخص کے پاس نقد کھانے تک کو نہیں مگر جائداد دیہی مشترکہ میں یا دوکان مشترکہ میں اوس کے حصہ کی قیمت مثلاً سو روپے یا دو سو روپے ہے پر منافع یا کرایہ اس کا قابل گزر نہیں ایسے شخص کو روپیہ زکوٰۃ کا یا وصیت کا دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب (۱) اگر وہ بنی ہاشم سے نہ ہو تو بہ نیت زکوٰۃ اسے دے سکتے ہیں کہ یہ ویسا ہی ہے جیسے عید بقرعید میں خدام وغیرہ کو عیدی دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وکذا (ای یجوز) ما یدفع الی الخدام من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکاۃ کذا فی معراج الدرایۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے وکذا لو کان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درھم وغلتھا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ۔ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے سئل محمد عمن لہ ارض یزرعھا او حانوت یستغلھا او دار غلتھا ثلثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کانت قیمتھا تبلغ الوفا وعلیہ الفتویٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۳۴) مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب از بجنور ۲۸ محرم رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عالم اور متمول شخص ہے جو بعہدہ مدرسی ۱۰۰ للعہ پر زید پور کے اسلامیہ مدرسہ میں ملازم ہے اور بجنور کا باشندہ ہے جہاں کہ اکثر لوگ اس کی قوم اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ زید نے اپنے رشتہ دار و قوم اور دیگر مسلمانان بجنور سے اسلامیہ مدرسہ قائم کرنے کے نام پر زکوٰۃ کا روپیہ حسب استطاعت وصول کرکے خود مہتمم اور صدر مدرس بنا اور اسی روپیہ سے اپنی تنخواہ سے للعہ روپیہ لینا اور دیگر ماتحت مدرسین کو دینا اور اوس کے سوا بیرونجات سے سفیر بنا کر چندہ وصول کرکے لانا اور مدرسہ تعمیر کرانا اور اپنے کو ایسا با اختیار مہتمم بنانا چاہتا ہے جس کے بھائی اور برادری کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔۔ اس گیہوں کو تو لا تو یہ ایک سو چھتر روپیہ اٹھنی بھر ہوئے اس لیے تول کر گیہوں سے صدقہ فطر ادا کرنے کی احتیاطی مقدار ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر ہوئی۔ یہ نصف صاع ہوا اور پورا صاع تین سو اکاون روپے بھر ... یہ تفصیل ہے اس کا جو حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بالا اختصار تحریر فرمایا ہے جو مصنف ... پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ... محمدی۔

سلسلے میں کسی کو اختیار نہ ہو نہ اوس کے کوئی حساب و کتاب ہیں نہ کوئی ممبر و مشیر صرف اپنی ایمانداری اور دیانتداری پر سب کے مطمئن رہنے کو کہتا ہے۔ اگر کوئی مشیر ہوا بھی تو وہی جو اوس کا قریبی رشتہ دار ہے اور سبھی یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح مدرسہ قائم ہو جائے اور بالتخصیص تمام کی اولاد تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اہل زکوٰۃ کی زکوٰۃ اس حیلہ سے جائز ہو جائے گی کہ زکوٰۃ کسی مسکین کو اس شرط پر دے کر کہ یہ روپیہ زید کو دیدو کہ زید کسی نیک کام یا جہاں مناسب سمجھے صرف کرے۔ نیز مذکورہ بالا صورت اختیار کر کے اپنی مرضی کے مطابق مدرسہ بنانا، زکوٰۃ کا روپیہ دے کو اپنی اپنی اولاد کی تعلیم حاصل کرانا جائز ہو گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: زکوٰۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ سے نیک کام میں صرف کرنا جائز ہے۔ مثلاً فقیر کو روپیہ دے کر اوسے مالک کر دیا پھر اس فقیر نے اس کے کہنے سے یا بطور خود مدرسہ یا مسجد کے مصارف کے لئے دیا۔ یا اس کو دوسری جنس کر قیمت سے خرید کر مدرسہ میں صرف کیا گیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی بلکہ دونوں کو ثواب ہو گا۔ درمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد۔ ردالمحتار میں ہے اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدئ من غیر ان ینتقص من اجرہ شئ جب اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اس حیلہ کے ساتھ مدرسہ کی امداد کرنا اور اس مدرسہ میں اپنی اولاد کو تعلیم دلانا بھی جائز ہے اور زید اگر متدین ہو تو اسے باختیار مہتمم بنا سکتے ہیں۔ ہاں اگر اس کی بددیانتی ثابت ہو تو بیشک معزول کرنا لازم ہو گا۔ اور اگر مدرسہ کے روپے بیجا صرف کرے یا خود کھا جائے تو مسلمان ضرور اسمیں مداخلت کریں گے اور ایسا ثابت ہونے پر برطرف کرنا ضروری ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳۵ مسئولہ مولوی سلیمان صاحب پھلواری۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اخبار امارت مطبوعہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ پٹنہ میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب امیر مقرر ہو گیا تو زکاۃ اموال ظاہرہ و باطنہ کی امیر کو دینا واجب ہے اور اس کے عامل کو۔ اور اگر خود سے مستحقین کو دیدیگا تو گنہگار ہو گا اور زکوٰۃ ساقط نہ ہو گی۔ اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم و صاحبین کا ہے کیا یہ فتویٰ صحیح ہے یا غلط۔ نیز یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جس کو یہ لوگ امیر سمجھتے ہیں اوس کے نصب کے بعد بھی انگلش گورنمنٹ کی حکومت اور اس کا نظم و نسق علی حالہ جوں کا توں قائم ہے۔

الجواب: یہ فتویٰ صحیح نہیں اولاً یہ فرضی امیر امیر ہی نہیں۔ اگر یہ ادعائے امارت صحیح ہو تو کم از کم اتنا ہی کر دکھایے کہ فتنہ ارتداد جو آجکل ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے اسی کی روک تھام میں فرائض امارت کو بجا لائے مگر ظاہر ہے کہ اس پر بھی قدرت نہیں پھر یہ عاجزانہ امارت کیسی۔ ثانیاً اموال باطنہ کی زکوٰۃ امیر یا اس کے عامل کو دینا واجب نہیں اور اس پر یہ حکم دینا کہ اسے نہ دے تو گنہگار ہے۔ اور زکوٰۃ

ساقط نہ ہوگی ظلم بالائے ظلم ہے یہ حکم امیر المومنین کے لئے بھی نہیں نہ کہ خود ساختہ امیر کے لئے۔ **ثالثاً** اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ سلطان کو لینے کا حق اس وجہ سے ہے کہ وہ ان اموال کی حفاظت کرتا ہے اسی وجہ سے عاشر کے لئے شرط ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں سے اموال کی حفاظت پر قادر ہو اور یہاں قدرت منتفی۔ تو ان کو زکوٰۃ دینا کیوں واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۳۶) از دھوراجی کاٹھیاوار مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب ۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی مسکین کو زکوٰۃ کی نیت سے قرض کہہ کر مال دیا تھا مدت دراز کے بعد وہ شخص قرض سمجھ کر واپس دینے آیا۔ اس وقت قرض دینے والا مفلس ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں قرض دینے والا اس مال زکوٰۃ کو کھا سکتا ہے یا کسی دوسرے کو دینا چاہیئے حالانکہ اس وقت وہ خود بھی زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔

الجواب: جب کہ اس نے بہ نیت زکوٰۃ یہ رقم دی تھی تو اسے واپس لینا جائز نہیں۔ حدیث میں فرمایا و لا تعد فی صدقتک اس پر لازم ہے کہ یہ رقم واپس کر دے اب اگر یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے تو دوسرے کی زکوٰۃ لے سکتا ہے نہ یہ کہ جو زکاۃ خود دے چکا اسکو واپس لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۳۷) مسئولہ منشی شوکت علی صاحب از بریلی محلہ ذخیرہ ۵ر محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں۔ ایک شخص غیر صاحب نصاب نہیں ہے۔ مگر اس کے پاس ۴۰ بیگہ زمین خام ہے جس میں تین روپے ماہوار اس کو ملتا ہے اور باقی ملازمت وغیرہ سے گزر کرتا ہے۔ اگر وہ شخص زمین بیچے تو چھ سات سو روپے کی فروخت ہو جائے اور رہنے کا ایک مکان بھی ہے۔ الغرض اس کے پاس اس زمین اور مکان کے علاوہ روپیہ یا زیور بالکل نہیں ہے۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: رہنے کا مکان حاجت اصلیہ ہے۔ اگرچہ کتنی ہی قیمت کا ہو اس کی وجہ سے غنی نہیں ہو سکتا۔ اور زمین کی آمدنی بھی اتنی نہیں جو اس کے لئے کافی ہو سکے۔ لہٰذا اس شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ زمین فروخت کی جائے تو کئی سو کو فروخت ہو مگر چونکہ یہ زمین اوس کے لئے ذریعہ آمدنی ہے جو اوس کے خورد و نوش و دیگر ضروریات میں صرف ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی قیمت کا اعتبار کر کے اسے غنی نہ سمجھیں گے۔ بلکہ یہ فقیر ہی ہے اور زکوٰۃ لے سکتا ہے عالمگیری میں ہے وکذا لو کان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درہم وغلتہا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا او حانوت یستغلہا او دار غلتہا ثلثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں :۔
زید شیخ ہے اس کے پاس دو ہمشیرہ ہیں ایک سید کے نکاح میں ہے صاحب اولاد بھی ہے اور افلاس میں مبتلا ہے تو کیا زید اس سید اور اپنی بہن اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔

مسئلہ (۵۳۹) زید کی دوسری بہن شیخ کے نکاح میں ہے لیکن اس کا شوہر اس کی بہن کو نان ونفقہ نہیں دے سکتا ہے زید کے پاس سے گرمنت کرکے گذر کرتی ہے تو کیا زید اپنی اس بہن کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔

الجواب :۔ زید اپنی اس ہمشیرہ کو جو سید کے نکاح میں ہے زکوٰۃ دے سکتا ہے اس کی اولاد کو نہیں دے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :۔ زید اپنی اس ہمشیرہ کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار کو دینا غیروں کے دینے سے افضل ہے کہ یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۰) سید کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز جب کہ وہ تنگ دست ہوں۔

الجواب :۔ سید کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور دیں گے تو ادا نہ ہوگی۔ حدیث میں فرمایا انما الصدقات اوساخ الناس لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر وہ حاجت مند ہوں تو اور اموال سے خدمت کریں اور زکوٰۃ ہی کا پیسہ دینا چاہیں تو کسی مستحق زکوٰۃ کو دیں اور مالک کر دیں اور اس سے کہدیں کہ تو اپنی طرف سے فلاں کو دیدے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۱) بے نمازی جو کبھی پڑھے کبھی نہ پڑھے ایسے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ نماز ایک وقت کی بھی قصداً ترک کر دینا کبیرہ وشدیدہ وجریمہ عظیمہ ہے اور ایسا شخص فاسق گنہگار مستحق نار وغضب جبار ہے مگر اس کی وجہ سے اسے کافر نہ کہیں گے جب تک فرضیت نماز کا انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے۔ تو جب وہ مسلم ہے اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور ادا ہو جائے گی۔ مگر ظاہر ہے کہ متقی کو دینا فاسق کے دینے سے بہتر ہے حدیث میں ہے ولا یاکل طعامک الا تقی یہاں تک کہ مال زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں بھیجنا مکروہ ہے مگر وہ اصلح ہو تو کراہت نہیں۔ کما فی الدر۔ تو جب شرع نے اصلح وصالح کا فرق ملحوظ رکھا تو صالح وفاسق کا فرق بدرجۂ اولیٰ ملحوظ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۲) مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ ۱۸ / صفر ۶۲ھ
صدقہ کی تعریف بیان فرما کر ہبہ اور صدقہ میں فرق بیان فرمایا جائے۔

الجواب :۔ صدقہ وہ تملیک عین ہے جس سے مقصود محض ثواب اخروی ہے اور ہبہ سے یہ مقصود نہیں لہٰذا اگر فقیر کو ہبہ کیا تو وہ

بھی صدقہ ہی ہے کہ اس سے ظاہر یہی ہے کہ مقصود ثواب اخروی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الصوم

مسئلہ (۵۴۳) از قصبہ نیم کھلاڑا تعلقہ ہکر ضلع برڈانہ ملک برار سی پی۔ مرسلہ محمد اسلم خان ولد محمد سرفراز خان النقشبندی ۱۲ رجب ۱۳۷۶ھ

نفل روزے کی سحری کھائیں یا نہیں۔ اور بعد نماز فرض سنت مغرب کی پڑھنے کے بعد افطار کرے یا پہلے۔

الجواب: سحری کھانا مستحب ہے۔ حدیث میں فرمایا تسحروا فان فی السحور برکۃ[1] اس میں نفل و فرض کا کوئی تفرقہ نہیں۔ افطار میں تعجیل مستحب ہے۔ نماز سے قبل روزہ افطار کر لیں۔ در مختار میں ہے ویستحب السحور وتاخیرہ وتعجیل الفطر لحدیث ثلث من اخلاق المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور والسواک[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۵۴۴) مرسلہ امین الدین۔ ۲۷ رمضان ۱۳۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگال میں پہلے روزہ کا چاند نظر نہیں آتا جبکہ ماہ تک ابر رہتا ہے۔ اس صورت میں بدون رویت ہلال رمضان کے روزے رکھنا حساب کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: شریعت میں مدار کار رویت یا شہادت پر ہے حدیث میں ہے صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین[3] اور بعض قواعد نجوم سے رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا نہ اس پر عمل کرنا جائز۔ در مختار میں ہے ولا عبرۃ بقول المؤقتین ولو عدولا علی المذہب[4] واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۵۴۵) مرسلہ محمد مبارک علی صاحب انصاری ضلع فرید پور پوسٹ زیا قاضی صاحب کا آفس، ۲ صفر ۱۳۷۶ھ

رویت ہلال برائے روزہ رمضان المبارک شرط است یا واجب یا نفل مستحب مباح۔ و روزیکہ مردمان عرب روزہ رمضان داشتند و عید نمودند۔ ما ہندوستانی و بنگالی مسلمانان را ہمدراں روز روزہ داشتن و عید نمودن واجب است یا نہ۔ یا از حساب، بعضے از بنگالہ میگویند کہ ہلالے روز اول۔ بدون خلیفۃ المسلمین یا سلطان روم نمی بیند۔ از حیث

---

[a] مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ الصدقۃ قیل ہی ما یتحقق بہ ثواب الآخرۃ والہدیۃ ان یملک لرجل تقربا الیہ واکراما لہ۔ صدقہ وہ مال ہے جو کسی کو ثواب آخرۃ کی امید پر دیا جائے۔ اور ہدیہ یہ ہے کہ کسی کو کچھ دیا جائے اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے اعزاز کی نیت سے۔

[1] سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

[2] سحری کھانا اور اس میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے اس لئے کہ حدیث ہے تین چیزیں انبیاء کی سنت ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سحری میں تاخیر کرنا اور مسواک۔

[3] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔ اگر تم پر چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔

[4] اہل توقیت اور ریاضی ہیئت کا قول معتبر نہیں۔ اگرچہ وہ عادل ہوں۔ امجدی۔

اوشاں قبل از روزے از بنگالہ روزہ داشتند و عید نمودند مارا بادشاں التفاتے نیست ایں چہ سخن است راست باید
از روئے طلوع مختلف ہلال بہر ملک روزہ راہم مختلف داشتن حکم آمدہ است یعنی افریقہ، ایسٹ لینڈ، عرب، ہندوستان
وغیرہ دریں ملک روزے واحد ہلال طلوع نمی شود لیکن روزہ باعتبار رویت مختلف بہر ملک مختلف خواہد شد یا نہ۔

الجواب :- رویت ہلال رمضان واجب کفایہ است۔ در فتاوی عالمگیری مذکور است یجب ان یلتمس الناس الہلال
فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان راوہ صاموہ وان غم اکملوہ ثلثین یوما کذا فی الاختیار شرح
المختار اگر رویت ہلال رمضان بروز بست ونہم شعبان در ملک عرب شد و نزد ما در ہند بہ ثبوت شرعی آں رویت ثابت شدہ
اعتبار آں لازم۔ وقضا کردن یک روزہ واجب کہ اختلاف مطالع نزد حنفیہ معتبر نیست۔ وفی العالمگیریہ ولا عبرۃ لاختلاف
المطالع فی ظاہر الروایۃ کذا فی فتاوی قاضی خاں وعلیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ
الحلوانی۔ قال لو رای اہل مغرب ہلال رمضان یجب الصوم علی اہل مشرق کذا فی الخلاصۃ واین سخن کہ ہلال روز
اول بجز خلیفۃ المسلمین کسے نمی بیند۔ باطل محض است قابل التفاتے نیست۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۶) از قصبہ سورون ضلع ایٹہ محلہ مسلمانان مرسلہ محمد محفوظ اشرف قانون گو۔ ۲۰ر شعبان ۱۳۸۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسائل مندرجہ ذیل میں:

اس سال شب برات میں باہم اہل اسلام اس قصبہ میں اختلاف رہا بعض لوگ پیر کی شب برات اس دلیل سے
مناتے رہے اور عمل بھی کیا۔ کہ چاند گہن ہمیشہ چودھویں ۱۲ر اگست شب کو ہوتا ہے چنانچہ اس مرتبہ بھی حسب تحریر جنتری و اعلان ہنود
نے پیر کی شب کو چاند گہن کا اظہار کیا تھا مگر بوجہ ابر غلیظ اس کا ظہور نہیں ہوا۔ اور کسی نے چاند گہن صاف طور پر نہیں دیکھا تاہم
مسلمانوں نے یقین کر لیا کہ چاند گہن ہوا ہے۔ اور اسی اعتبار پر دوشنبہ ۱۲ر اگست کو شب برات منائی۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے اور
اسی پر زور دیتا رہا کہ اہل اسلام کے یہاں انحصار رویت پر ہے۔ جب کہ ۲۹ر شعبان پیر کو مسلم تھی اور پیر کو ابر تھا چاند نظر نہ آیا۔ اس لئے
منگل کی ۳۰ر قرار دیکر بدھ کی یکم شعبان مانی گئی۔ اس لحاظ سے بروز سہ شنبہ ۱۷ر اگست ۱۹۶۲ء شب برات ہونا چاہیے چنانچہ زیادہ
تر اصحاب نے اسی پر عمل کیا۔ آیا دونوں فریق میں کس کی دلیل موافق مذہب اور قابل عمل ہے اور ان مذہبی معاملات میں پور نماشی
اور گرہن کے قیاسات اور ریڈیو و تار و اخبار کی خبریں قابل عمل ہیں یا نہیں۔ اور ان اخبار و تحریرات پر عمل کرنے والے شرعاً قابل مواخذہ
ہیں یا نہیں۔

الجواب: شریعت مطہرہ نے چاند ہونے میں صرف رویت کا اعتبار کیا ہے، یا یہ کہ اگر وہاں رویت نہ ہوئی تو دوسری جگہ کی رویت ہلال گواہوں سے ثابت ہو جائے، اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو مہینہ ۳۰ روز کا لیا جائے گا اگرچہ جنتریوں میں ۲۹ کا لکھا ہو۔ اخبار یا ٹیلی فون یا ریڈیو وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ چاند گرہن چودھویں شب کو ہو یہ کچھ ضروری یہ چیز نہیں اس کے قواعد قطعی اور جزمی نہیں جن پر کاربند ہونا ضروری ہو تیرھویں شب میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا چاند گرہن کی وجہ سے حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ چودھویں شب ہے۔ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلثین۔ دوسری حدیث میں فرمایا انا امة امیة لا نکتب و لا نحسب الشهر هکذا وهکذا وهکذا وعقد الابهام فی الثالثة ثم قال الشهر هکذا وهکذا وهکذا یعنی تمام الثلثین یعنی مرة تسع وعشرین ومرة ثلثین یہ دونوں حدیثیں بخاری ومسلم کی ہیں۔ اہل ہیئت کا یہ قول کہ خسوف قمر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے اور کسوف شمس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے اور حرکات فلک کے لحاظ سے اس کے اوقات مقرر ہیں اہل شرع نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا جس کی تفصیل عمدة القاری شرح صحیح بخاری وفتح الباری شرح صحیح بخاری میں مذکور ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وهذه الآیات التی یرسل الله لا تکون لموت احد ولا لحیاته ولکن یخوف الله بها عباده فاذا رأیتم شیئا من ذلك فافزعوا الی ذکره ودعائه واستغفاره اس پر دلیل ہے کہ خسوف وکسوف کے لئے کوئی وقت معین نہیں۔ نہ قاعدہ مقرر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں سورج گرہن اس روز ہوا جس دن حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اور ان کی وفات ۱۰ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لہٰذا اہل ہیئت کا یہ قول کہ کسوف شمس ۲۷، ۲۸ یا ۲۹ کو ہی ہو گا غلط ہے۔ الحاصل خسوف یا کسوف سے تاریخ کا اعتبار کرنا بالکل غلط ہے۔ یہ چیزیں شرعاً قابل اعتبار نہیں یہ سب اس صورت میں ہے کہ خسوف کا ثبوت ہو اور اگر ابر کی وجہ سے خسوف دیکھا ہی نہ گیا محض جنتریوں میں لکھے ہونے یا ہنود کے کہنے سے تو خسوف کا بھی ثبوت نہ ہو گا۔ چودھویں شب تو ہونا کجا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں اور بریلی میں شب برات منگل کو ہوئی۔

مسئلہ (۷۴۵) آمدہ از بھوپال مسجد نسترن مرسلہ محمد عبد اللہ صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ موجودہ زمانے میں اگر کسی شہر یا ملک میں رؤیت ہلال رمضان المبارک وعید الفطر نہ ہوا اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف بذریعہ تار برقی ٹیلی گراف ٹیلیفون ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابق مذہب حنفی ان شہر والوں پر روزہ رکھنا یا رکھوانا افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے۔ یا اس قسم کی

ہم امی قوم ہیں ہم حساب کتاب نہیں کرتے مہینہ اتنا ہے اتنا ہے اتنا ہے تیسری بار انگوٹھا بند فرما لیا پھر فرمایا جیسا اتنا ہو اتنا ہو اتنا ہو یعنی تیس دن کا ایک مرتبہ اور انتیس کا ایک مرتبہ ایسا فرمایا

خبر یا اطلاع پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ (۵۴۸) امسال رویت ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے بذریعہ ریڈیو ۲۹ر رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلال عید الفطر کی رویت ہو گئی ہے کل عید ہے کیا اس خبر کو جناب نے باور فرمایا کہ ۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء بروز شنبہ کو عید الفطر قرار دیا تھا یا نہیں۔ بصورت خبر ریڈیو ٹیلی فون ٹیلی گراف اور وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے ان کو دعوی شہادت باقتضاء قاضی اور خبر مستفیض کی کس شق میں داخل سمجھا جا سکتا ہے از روئے شرع شریف دلائل و حوالجات کی روشنی میں مستفیض فرما کر داخل اجر عظیم ہوں۔ بینوا توجروا

الجواب:- امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اختلاف مطالع معتبر نہیں یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے کفایت کرتی ہے اور حدیث کا ظاہر بھی اسی کو چاہتا ہے کہ ارشاد فرمایا صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته یعنی ہلال کی رویت پر روزہ رکھو اور افطار کرو اور رؤیتکم نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی خود رویت پر صوم و افطار کا مدار نہیں۔ بلکہ ہلال کی رویت پر مدار ہے انہوں نے خود دیکھا ہو یا دوسروں نے مگر دوسری جگہ کی رویت یہاں والوں کے لئے اس وقت معتبر ہوگی جب ثبوت شرعی کے ساتھ ثابت ہو اور ٹیلی فون اور ریڈیوں کی خبریں اس باب میں ناقابل اعتبار ہیں کہ ان سے کسی چیز کا ثبوت شرعی نہیں ہوتا۔ ایسی خبروں سے نہ روزہ رکھا جائے گا نہ عید کی جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان خبروں کو نہ شہادت شمار کیا جا سکتا ہے نہ ان کو استفاضہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۹) مولوی عبد الرشید صاحب جامعہ عربیہ ناگپور سی پی۔ ۲۰ر رمضان ۷۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ تار ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ چالیس پچاس جگہ کی مختلف مقامات سے رویت ہلال کی خبر دیں تو اس کا کیا حکم ہے۔ مانا جائے یا نہیں۔ اگر مانا جائے تو کس وجہ سے اور اگر نہیں مانا جائے تو کیوں۔

الجواب:- ہلال کے لئے شرعی ثبوت درکار ہے یہاں خود دیکھا گیا ہو یا دوسری جگہ کی رویت کا ایسا ثبوت ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے خطوط یا تار اس باب میں بالکل نامعتبر ہیں۔ الخط یشبہ الخط اور تار تو بہت زیادہ مظنۂ اشتباہ ہے اس کو تو ثبوت کے مقام پر ذکر کرنا بھی نہ چاہیے۔ ریڈیو میں اگرچہ اتنی بے اعتباری نہیں جتنی تار میں ہے مگر اس میں اتنی قوت بھی نہیں کہ اس کو ثبوت شرعی میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا اس کے اطلاع پر بھی روزہ افطار کرنا یا عید کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۵۰) از ناندیڑ۔ مرسلہ مولوی عبد اللہ صاحب۔ ۲۸ر ذیقعدہ ۷۲ھ

روزہ دار رمضان شریف میں بوقت وضو مسواک کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:- مسواک ہر وضو میں سنت ہو خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں۔ حدیث میں ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتہم

بالسواک عند کل صلوٰۃ درمختار میں ہے ولا یکرہ سواک ولو عشیاً اور رطبا بالماء علی المذہب رد المحتار میں ہے بل یسن للصائم کغیرہ صبح ہر نماز ....

مسئلہ (۵۵۱) مرسلہ قاضی محمد یعقوب صاحب از اودی پور میواڑ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید روزہ دار ہے اور ہمیشہ نوکری پر دو میل تک جاتا ہے واپسی کے وقت شام ہو جاتی ہے اور افطار کا وقت درمیان ہی میں ہو جاتا ہے دو آدمی لیکر ایک میل تک پانی وغیرہ کچھ نہیں ملتا کہ افطار کرے ایسی صورت میں روزہ دار کو کیا کرنا چاہیئے۔ بکر سے جب یہ سوال کیا گیا تو بکر نے کسی کتاب یا دی کی بنیاد دیکر یہ جواب دیا کہ پاک مٹی سے افطار کر لیا جائے۔ تو بکر کا ایسا جواب دینا کیا حکم رکھتا ہے۔ حسب شرع شریف جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:۔ جب جانتا ہے کہ اس مقام پر پانی نہ ملے گا جس میں روزہ افطار کر سکوں گا اور نہ کھانے کی چیز ملے گی تو اسے چاہیئے کہ کوئی شئے کھجور وغیرہ افطار کے لئے اپنے ساتھ لے لے۔ روزمرہ جب اس کو ایسا اتفاق پیش آتا ہے تو اس کا خیال رکھنا واجب ہے بہرحال ایسے موقع پر پتے یا کسی درخت کی چھال کھا کر روزہ افطار کرے امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی کی حدیث میں ہے قال اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانہ طہور اور مٹی اگرچہ پاک ہو مضر ہے کھانا حرام ہے اگرچہ روزہ افطار ہو جائے گا۔ رد المحتار میں ہے فان التراب ... اکلہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۵۲) از بمبئی گول پیٹھا اسلام پورہ شریف للو بھائی ریوی و اس کی جال پہلا مالہ مرسلہ اسماعیل ابن الفقو ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ

عید کے دن اللہ تعالیٰ نے روزہ کیوں حرام فرمایا ہے۔ بیان فرما دیں۔

الجواب:۔ عید الفطر ماہ رمضان کے بعد ہوتی ہے اگر آج بھی روزہ رکھا تو فرق ہی کیا رہیگا اس لئے شرع مطہر نے روزہ کی ممانعت کی تاکہ اس کو ماقبل سے تمائز کیا جائے اور رمضان کے فریضہ ادا کرنے کی خوشی کی جائے اور کھایا پیا جائے اور عید ضحیٰ قربانی کا دن ہے اس روز قربانی کی جاتی ہے اور اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۵۳) مسئولہ مولوی حاجی نصیر الدین صاحب ضلع پترہ ڈاکخانہ موہن پور ضلع لال پور بنگال ۲۵ جمادی الاخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید شیخ فانی تھا اور کھانسی کے سبب تین سال رمضان مبارک کے روزہ رکھنے پر قادر نہ تھا غیر ماہ رمضان میں مرض کے سبب روزہ نہ رکھ سکا اور تین سال کے روزے قضا ہو گئے اور زید کا انتقال ہو گیا اور وارثوں کو قضا وغیرہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی بعدہ وارثوں نے کسی عالم کے کہنے پر نوے مسکینوں کو کھانا کھلا دیا پھر جب دوسرے عالم سے مسئلہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نوے روزے کے عوض میں ایک سو اسی مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ ایا ایک سو اسی کو دفعۃً کھلانا چاہیئے یا رفتہ رفتہ بھی ادا ہو جائے گا۔ اور پہلے جو نوے کو کھلایا گیا وہ ایک سو اسی میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا جس کی کمزوری ایسی ہو گئی کہ روز بروز کمزوری ہوتی جاتی ہو جب روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور نہ آئندہ امید ہو تو اس کو فدیہ لازم ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین جو لوگ طاقت نہیں رکھتے ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ زیلعی میں ہے ... الخ

عہ اگر بیوی اس سے پریشان نہ ہوتا تو نہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم کرتا۔ عہ مسواک کہ نماز کو نماز ہی ... اگر دوپہر بعد ہو یا گیلی ہو بلکہ دوسروں کی طرح روزہ دار کیلئے بھی مسنون ہے۔

واجب تخفیف لا اذا کان موضعھا ظاہر اکقولہ تعالیٰ ماننسخ من آیۃ الآیۃ فان قولہ تعالیٰ ما ننسخ معناہ ما نبدل وروی عن عطاء انہ سمع ابن عباس رضی اللہ یقرأ وعلی الذین یطوقونہ فدیۃ طعام مسکین قال ابن عباس لیست بمنسوخۃ ہی للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعمان لکل یوم مسکینا رواہ البخاری وھو مروی عن علی ابن ابی طالب وابن عباس وابن عمر وغیرھم من الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ولم یروعن احد خلاف ذالک فکان اجماعا۔

درمختار میں ہے وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا اور ہر روزہ کا فدیہ دونوں وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلانا ہے یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور یا ان کی قیمت۔ اور جب کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور اگر ایسا ہی کیا تو بھی یہی مقدار ہے درمختار میں ہے ویفدی عنہ ولیہ کالفطرۃ وان لم یوص تبرع ولیہ بہ جاز ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ردالمحتار میں ہے وفدیۃ ای طعام لکل یوم مسکینا کما فی الکفارات تو صورت مسئولہ میں اگر فوت شدہ مساکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا ہے تو فدیہ ادا ہو گیا اور اگر صرف ایک ہی وقت کھلایا ہے تو انہیں مساکین کو ایک ایک وقت پھر کھلائے۔ اگر دوسرے مساکین کو کھلائے گا تو کفارہ ادا نہ ہوگا جب تک ان کو دونوں وقت نہ کھلائے اور اگر ان مساکین میں سے جن کو پہلے ایک وقت کھلا چکا ہے بعض ہیں اور بعض نہیں تو جو ہیں ان کو ایک وقت کھلا دے اور جو نہیں ہیں ان کے بدلے میں دوسرے مساکین کو دونوں وقت کھلائے کہ اس کا حکم کفارہ کے مثل ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور کفارہ میں اگر ساٹھ کی جگہ ایک سو بیس کو ایک وقت کھلایا تو ان میں ساٹھ کو دوسرے وقت پھر کھلانا ہوگا۔ ورنہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے اطعم مائۃ وعشرین مسکینا اکلتین لا یجزیہ الا عن نصف الاطعام فیعید لاحد الستین منھم غداء او عشاء ولو فی یوم آخر ۔ ردالمحتار میں ہے ای بشرط اتحاد المساکین فلو غدی ستین وعشی ستین غیرھم لم یجز ولو اعادہ الی ستین منھم لانہ مع الغداء او العشاء علی غیرھم یجزئ۔ لہٰذا فدیہ میں جتنے مساکین جو پہلے کھا چکے ہیں زندہ ہوں ان کو ایک وقت اور کھلا دیا اتنے روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے گا اور جتنے زندہ نہیں ان کے عوض دوسرے مساکین کو دونوں وقت کھلائیں۔ ایک سو اسی مساکین کو کھلانے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔ اگر ایک ہی وقت کھلایا درمختار میں ہے والشرط غداآن او عشاآن او غداء وعشاء کما فی الاباحۃ اکلتان لکل مسکین غداء وعشاء او غداآن او عشاآن او عشاء وسحور وکذا اذا غداھم اوعشاھم عدا او العشاء اور اس کے لیے ایک ہی دن ہونے کی شرط نہیں بلکہ تفریق کے ساتھ بھی جائز ہے ایک ایک مسکین کو روزہ دونوں وقت کھلائے یا جس طرح اسے آسانی معلوم ہوا کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۵۴۱) از سلہ حاجی عبد اللطیف صاحب ازہری ضلع ہوشنگ آباد ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ابتدائے بلوغ سے کئی سال کے روزے فوت ہو چکے ہیں اس کی قضا نہیں رکھی تو فدیہ ہر سال کا کفارہ کا کتنا گیہوں دینا چاہیے کفارہ دینے کے بعد بھی ان روزوں کی قضا کرنی چاہیے یا نہیں اگر عمر بھر قضا نہ کرے تو ہر سال کے روزوں کے بدلے فدیہ میں کتنے گیہوں دینا چاہیے جس کی وصیت ورثہ کو کر دی جائے کفارہ ادا کرنے سے قبل قضا رکھے تو ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب: جتنے روزے فوت ہو گئے ہیں ان کی قضا رکھے۔ کفارہ کی کچھ حاجت نہیں نہ فدیہ کی ضرورت۔ اگر عمر بھر قضا کے روزے نہ رکھے تو ہر روزہ کے

بدلے میں نصف صاع گیہوں یعنی ایک سو ساٹھ پیسے بھر روپیہ سے بھر یا اوس کے دو دنے جو فدیہ میں دینے کی وصیت کر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (٥٥٥) مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از دھوراجی کاٹھیاواڑ ١٠ محرم ١٣٤١ھ

ابتدائے بلوغ سے چودہ سال تک کئی روزے رکھ کر اور کئی روزے رات میں نیت کر کے توڑ دیے ہیں مگر اسکی کوئی تعداد یاد نہیں تو شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے اور اگر اخیر عمر تک قضا نہیں کیا تو کتنا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے یا زندگی میں کتنا فدیہ دے۔

الجواب: جتنے روزے قضا ہو گئے یعنی نہیں رکھے یا رکھکر توڑ دیے سب کا اسطرح اندازہ کرے کہ کم نہ ہو اگر زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں، مثلاً چودہ سال کی نسبت اگر غالب گمان یہ ہو کہ نصف رکھا تھا اور نصف نہیں تو سات سال کے ہوئے غرض جو کچھ بھی ہوں انکی قضا رکھے یہ ضرور نہیں کہ ایک ساتھ قضا رکھے بلکہ حسب وسعت متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے مگر حتی الوسع یہ کوشش ہو کہ جلد از جلد سبکدوشی ہو جائے کہ موت کا وقت معلوم نہیں بہرحال ان میں سے جو کچھ قضا رکھنے سے بچ گئے تو موت کے وقت ان کے فدیہ کی وصیت کر جائے اور ہر روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں یعنی ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر اور پڑیا اسکے دونے جو یعنی تین سو اکاون روپے بھر، درمختار میں ہے ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکھم عدۃ من ایام اخر واما من افطر عمدا فوجوبھا علیہ بالاولی وفدی لزوما عنہ ولیہ الذی یتصرف فی مالہ کالفطرۃ قدرا۔ اور زندگی میں فدیہ خود اسوقت ادا کر سکتا ہے جب شیخ فانی ہو کہ اتنا بوڑھا ہو کہ نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ آئندہ طاقت آنیکی امید۔ اور جن روزوں کو قصداً توڑا ہے اگر انمیں شرائط کفارہ پائے جائیں تو علاوہ قضا کے کفارہ بھی دینا ہوگا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ ساٹھ روزے پے درپے رکھے اور یہ نہ کر سکے تو ساٹھ مسکین کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلائے یہ ایک روزہ کا کفارہ ہوا اور ایک رمضان کے دو روزے توڑے اور ابھی کفارہ نہیں دیا ہے تو دونوں کیلئے ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

مسئلہ (٥٥٦) مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب از دھوراجی کاٹھیاواڑ ٥ ربیع الاول شریف ١٣٤١ھ

١۔ کفارہ کا کھانا سید کو بھی کھلا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ٢۔ کفارہ میں جو مسکین کھلائے جائیں دونوں وقت دعوت دیکر انمیں کا مسکین ایک وقت آئیں اور دوسرے وقت نہ آئیں تو جو دوسرے وقت نہ آئے تو کیا انکے بدلے دوسروں کو کھلایا جائے یا اسی کو کھلایا جائے۔

الجواب: ١۔ سادات کرام کو کفارہ کا کھانا دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا یدفع الی بنی ھاشم ھذا فی الواجبات کالزکوۃ والنذر والعشر والکفارۃ فاما التطوع فیجوز الصرف الیہم کذا فی الکافی (٢) کفارہ میں جتنے مساکین کو کھلانا ہے انکو دونوں وقت کھلائے اور اگر بعض دوسرے وقت نہ آئے تو ان کے بدلے میں دوسرے مسکین کو دو وقت کھلائے ایسا نہیں ہو سکتا کہ انکے بدلے میں دوسرے مساکین کو فقط ایک وقت کھلائے کہ اسطرح کفارہ ادا نہ ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے وقت میں جو نہ آئے اگر کسی دوسرے دن انھیں کو فقط ایک وقت کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو گیا یعنی یہ ضرور ہے کہ ہر مسکین کو دو وقت کھلائے مگر یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی دن میں دونوں وقت ہوں بلکہ دو صبح یا دو شام یا ایک دن صبح اور ایک دن شام کو کھلا دیا جب بھی کفارہ ادا ہو گیا بحر الرائق میں ہے فلو غداھم وعشاھم او غداھم غدائین او عشاھم عشائین او اشبعھم جاز لان المعتبر دفع حاجۃ الیوم وھی بالغداء والعشاء او بالغدائین او بالعشائین وهو الاصح۔

ستین و عشی ستین اخرین ای الایمان بعیدہ علی العدد المستین منہم غداء و عشاء وکذا بشرط اتحادہم فی الغدائین او العشائین کما لو غداہم یوما و عشاہم یوما جاز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۵۵۷) مسئولہ حاجی ایوب صاحب از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد۔ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

روزہ کے کفارہ کے مسکینوں کو کھلانے میں صرف یتیم بچوں کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں یا بڑے بڑے عمر کے مسکین ہونے چاہئے؟

الجواب: اگر یتیم بچے قریب بلوغ ہوں تو انہیں کھلا سکتے ہیں اور اگر چھوٹے ہوں کہ متوسط خوراک نہ کھا سکیں تو ان کے کھلانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا درمختار میں بالغ سے مراد … (بقیہ سطر ناخواندہ)

مسئلہ ۵۵۸ روزے کا کفارہ پورے ماہ کے کھانے کی قیمت ایک شخص کو دیدیا کفارہ ادا ہوا یا نہیں۔

الجواب: روزے کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھلانا ہے یا بقدر صدقہ فطر ساٹھ مسکینوں کو گیہوں یا جو یا ان کی قیمت دینا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسکین کو ساٹھ روز صدقہ فطر کی قدر یا اس کی قیمت دے اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب گیہوں یا قیمت دیدی تو صرف ایک دن کا ادا ہوا یعنی انسٹھ مسکین کو کھلانا ابھی اس کے ذمہ باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵۹ روزے کی حالت میں سر پر لگانا یا تیل منھ ہاتھ۔ پاؤں پر خوشبو کا تیل عطر وغیرہ لگانا پھول سونگھنا۔ نا س سونگھنا۔ مسواک کرنا۔ کوئلہ یا کسی اور منجن سے دانت صاف کرنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: سر پر اور تیل لگانا جائز ہے جبکہ مقصود زینت نہ ہو اور بقصد زینت ہو تو مکروہ تنزیہی۔ خوشبو لگانا اور سونگھنا بھی جائز ہے یوہیں مسواک کرنا جائز بلکہ مسنون ہے منجن جبکہ اس کا مزہ محسوس ہوتا ہو استعمال نہ کرے۔ درمختار میں ہے لا یکرہ دھن شارب ولا کحل اذا لم یقصد الزینۃ … ولا سواک ولو عشیا او رطبا بالماء علی المذہب۔ اور نا س سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا۔ کذا فی التنویر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۵۶۰) مرسلہ حافظ محمد احمد عرف جہانگیر صاحب فتح پور تال نرجا ۱۴ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مفسد اعتکاف بے عذر خروج از حد مسجد یعنی جہاں تک مسجد کا احاطہ ہو جیسے ہمارے یہاں کی مسجد کہ سامنے چبوترہ وغیرہ ہو یا کہ خروج از اصل مسجد جہاں تک نماز پڑھی جاتی ہو اور اعلان وقت سحری کرنے کے لئے گھنٹہ وغیرہ بجانا عذر ہے یا نہیں نماز اعتبار ٹوپی کی عدم موجودگی میں کروہ تحریمی ہے یا مطلق اعتبار مکروہ تحریمی ہے۔ زید اعتراض کرتا ہے کہ بیان شریعت میں ہے مسئلہ مرغی تازہ رطوبت وارانڈا اور بکری کا کوئی بچہ پیدا شدہ بچہ پانی میں گر کر زندہ نکل آیا پانی ناپاک ہو گا غلط ہے اور نہ تو مطلق پانی میں لکھا جیسے گھڑے لوٹے کا پانی بھی شامل نہ تھا اگر کنوئیں کا پانی مراد ہے کہ کنوئیں کے بیان میں ہے تو بھی مذکورہ چیزیں نجس ہیں ان کی نجاستیں پانی میں مل کر ضرور پانی کو نجس کر دیں گی۔

الجواب ۔ فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے ہے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ بلا اجازت شرعیہ اگر نکل کر باہر چلا گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا فنائے مسجد اس معاملہ میں حکم مسجد میں ہے سحری کے اعلان کے لئے فنائے مسجد میں جاسکتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے ہی کی حالت میں اعتجار ہوتا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اسی صورت میں ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو۔

بہار شریعت کے مسئلہ پر جس نے اعتراض کیا اس کو چاہیے تھا کہ کسی کتاب کا حوالہ دیکر اس کے مسئلہ کو غلط کہتا آپ کو چاہیے تھا کہ اس معترض سے دریافت کرتے کہ تم جو اس کو غلط کہتے ہو تمہارے پاس کیا ثبوت ہے یوں تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے غلط کہہ دے مگر ثبوت دیتے وقت حال معلوم ہوتا ہے، خیر ہم حوالہ دیتے ہیں۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے بیضۃ اذا سقطت من الدجاجۃ فی مرقۃ او ماء لا یفسد ذالک الماء وکذا السخلۃ اذا سقطت من امہا ووقعت فی الماء مبتلۃ لا یفسد وکذا الانفحۃ اذا خرجت من الشاۃ بعد موتہا یعنی انڈا اگر مرغی سے نکل کر شوربا یا پانی میں گر پڑا تو وہ فاسد نہ ہوگا اور ایسے ہی بکری کا بچہ اپنی ماں سے نکل کر پانی میں گر پڑا تو پانی فاسد نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الحج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ (۵۶۱) مرسلہ جناب عبد الرحمٰن صاحب از محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۸۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر جو کہ ہندہ کا نامحرم ہے اپنی بیوی اور بہو کو ہمراہ لیکر حج کرنے جا رہا ہے ہندہ کا بھی ارادہ ہے کہ میں بھی انہیں لوگوں کے ساتھ چلی جاؤں، عمرو اعتراض کرتا ہے کہ تم نامحرم کے ساتھ نہیں جاسکتی لہٰذا مت جا۔ ہندہ کہتی ہے کہ میں بکر کی بیوی اور بہو کے ساتھ جاؤں گی تنہا بکر کے ساتھ نہیں تو صورت بالا میں ہندہ بغرض حج بیت اللہ شریف ان لوگوں کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں۔

ثم اختار ما فی الظہیریۃ واما ما قال العلامۃ السید الطحطاوی فی حاشیۃ المراقی ان المراد انہ مکشوف عن العمامۃ لا مکشوف الکل لانہ فعل ما لا یفعل اھ ففیہ نظر ظاہر لان کثیرا من جناۃ الاعراب یلفون المندیل والعمامۃ حول الراس مکشوف الہامۃ بغیر ...

الجواب ۔ عورت کو بغیر شوہر یا محرم سفر کرنا حرام ہے حدیث میں ہے ولا تسافرنّ امرأۃ الا ومعہا محرم فقال رجل یا رسول اللہ اکتتبت فی غزوۃ کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجۃ قال اذھب فاحجج مع امرأتک یعنی ارشاد فرمایا کہ بغیر محرم عورت سفر نہ کرے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ فلاں جنگ میں جانے کے لئے میرا نام لکھا جاچکا ہے اور میری عورت حج کو جانا چاہتی ہے فرمایا کہ اپنی عورت کے ساتھ حج کو چلے جاؤ۔ ہندہ کا یہ عذر کہ میں بکر کے ساتھ نہیں جاتی ہوں بلکہ اسکی بی بی یا بہو کے ساتھ جاتی ہوں، نامسموع ہے کیونکہ بہر صورت بغیر محرم اس کا سفر ہوگا اور اسی کی حدیث میں ممانعت آئی۔ درمختار میں ہے ومع زوج او محرم بالغ عاقل مع وجوب النفقۃ لمحرمہا علیہا لامرأۃ فی سفر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے و منہا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزۃ اذا کانت بینہا وبین مکۃ مسیرۃ ثلثۃ ایام ھکذا فی المحیط۔

بالجملہ ہندہ کو اس طرح جانا ناجائز ہے جاتی ہے ثواب کے لئے اور ہر قدم پر گناہ کرتی ہے اس حج سے کیا فائدہ۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۵۶۲) از پالی مارواڑ مرسلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید صاحب نصاب ہے اور اس پر حج فرض ہے۔ اور یہ حج کرکے آگیا۔ اور اب پھر حج کرنے کا ارادہ کیا اور ساتھ میں اپنے بڑے لڑکے اور اسکی عورت کو لے جانا چاہتا ہے۔ اور زید کے تین لڑکے اور لڑکیاں سب اپنے والد کے شامل رہتے ہیں اور لڑکیوں کو شادی کرکے سسرال بھیجدی۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے انتقال کے بعد یہ بڑا لڑکا جس کو زید اپنے ساتھ حج کیلئے لے گیا تھا، اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ یا کہ زید کے انتقال کے بعد اب انھوں نے اس مال کو تقسیم کیا۔ اور تینوں کے پاس اتنا مال آیا کہ حج فرض ہوجاتا ہے۔ اور باپ کے ساتھ بھیجنے میں دونوں بھائی راضی تھے۔ اور یہ بڑا لڑکا حج کے واسطے جائے تو احرام باندھنے کی نیت کس طرح کرے۔ آیا اس پر اب حج فرض ہوگا یا پہلا حج کافی ہے۔

الجواب ۔ زید اپنے بڑے لڑکے کو اگر اپنے ساتھ حج کو لے جاتا ہے اگر وہ لڑکا بالغ ہے تو اس کا حج فرض ادا ہوگا اور حج فرض ہی کی اس کو نیت باندھنی چاہئے۔ زید کے انتقال کے بعد اس کے تینوں لڑکے کے حصہ میں اگر اتنا مال آیا کہ ان پر حج کا ادا کرنا فرض ہو تو پہلا لڑکا جس نے حج فرض ادا کرلیا ہے۔ اس کے اوپر پھر حج کرنا ضروری نہیں کہ حج فرض ادا ہوگیا۔ اور اب جو حج کرے گا وہ حج نفل ہوگا۔ باقی دونوں لڑکے جنھوں نے حج نہیں کیا ہے ان پر حج کرنا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم

مسئلہ (۵۶۳) مرسلہ حاجی عبداللطیف ایوب صاحب ۵ رجب ۱۳۴۲ھ۔

گذارش یہ ہے کہ ہندوستان سے جب لوگ حج کے لئے جاتے ہیں تو قران یا تمتع یا مفرد کسی خاص کی نیت نہیں

ہوتی۔ بلکہ ہم کو یہ مسائل معلوم ہی نہ تھے صرف مطلق حج کے ارادے سے روانہ ہوتے ہیں اور جو اس میں کرنا پڑتا ہو گا وہ کریں گے اور یلملم سے احرام باندھتے ہیں اور مکہ معظمہ پہونچ کر پہلا طواف کر کے سعی اور حلق یا تقصیر کرا کر احرام کھول دیتے ہیں اور مہینہ یا کچھ زیادہ کم ذی الحجہ کی مدت باقی ہوتی ہے تو اس درمیانی مدت میں بغیر حالت احرام کے جماع کرنے سے حج فاسد ہوتا ہے یا نہیں۔ بہار شریعت حج کے بیان میں اکثر جگہوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احرام باندھنے سے وقوف عرفہ تک درمیان میں جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اور جدید احرام باندھنے سے بھی اس سال قضا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی بہار شریعت میں ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے قارن کا لبیک ختم نہیں ہو سکتا تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ طواف قدوم اور سعی کر کے احرام کھولنے کے بعد بھی جماع کرنے سے حج فاسد ہوا یا نہیں۔ فاسد ہو گیا کیونکہ احرام تو کھول دیا ہے۔

الجواب۔ گھر سے تو حج کے لئے جاتے ہیں اور حج کرتے بھی ہیں، مگر یلملم کے قریب یا جہاں سے احرام باندھا اس وقت کس چیز کا احرام باندھا۔ اگر صرف عمرہ کا باندھا[1] تو طواف و سعی کر کے حلق یا تقصیر کر کے احرام سے خارج ہو گیا اور اگر حج یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو طواف و سعی کے بعد حلق یا تقصیر جائز نہیں نہ یہ دونوں رمی سے پہلے احرام سے باہر ہو سکتے ہیں، اگر حلق و تقصیر کریں گے تو دم لازم ہو گا۔ احرام کھولنے کے یہ معنی نہیں کہ تہبند و چادر کی جگہ سِلے ہوئے کپڑے پہن لئے جائیں۔ بلکہ تمام ارکان ادا کر کے حلق یا تقصیر کرنا ہے۔ اور اگر پہلے ہی حلق یا تقصیر کر لیا تو احرام سے خارج نہ ہوا بلکہ مخطور و ممنوع میں مبتلا ہوا اور کپڑے سِلے ہوئے پہنے تو اس کا بھی جرمانہ واجب اور وقوف عرفہ سے پیشتر جماع کیا تو حج فاسد اگرچہ احرام کے کپڑے اُتار چکا ہو حلق وغیرہ کر چکا ہو یہ شخص ان افعال سے احرام سے خارج نہ ہوا بلکہ ممنوع اور حرام میں مبتلا ہوا اس فرض اہم کو ادا کرنے چلا، اتنے مصارف اٹھائے، صعوبتیں برداشت کیں اور کسی جاننے والے سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ احرام کس کا نام ہے اور کیونکر اور کب کھلتا ہے تو اسے حج فاسد کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں ہر شخص اپنے کو عالم سمجھتا ہے، علماء سے ہر شخص کو استغناء ہے اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو گا کہ عبادات بھی صحیح نہ ہوں گی، کوئی بالکل معمولی مقدمہ بغیر مشورہ وکیل کے نہیں لڑایا جاتا مگر شریعت کے احکام اہل علم سے نہیں پوچھتے وہاں اگرچہ جانتے ہوں اپنے کو عاجز تصور کرتے ہیں اور یہاں اگرچہ نہیں جانتے اپنے کو ماہر و قابل ٹھہراتے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس میں نفع و نقصان نہیں معلوم ہو جائے گا۔ اور یہاں

---

[1] حج کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ قران، تمتع، افراد۔ میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا جائے۔ اشہر حج میں عمرہ کر کے فارغ ہو جائیں اور پھر حرم سے احرام باندھ کے حج کریں یہ تمتع ہے۔ میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھیں یہ قران ہے۔ میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں یہ افراد ہے۔ ہر ایک کے تفصیلی احکام الگ ہیں جو بہار شریعت حصہ ششم سے معلوم کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم امجدی

آخرت میں نمال کھلے گا مولی تعالیٰ آپ کے شوق کو زیادہ کرے کہ آپ کو علم دین سے دلچسپی ہے بات کے سمجھنے کا تعمقا
واللہ الموفق و ہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۶۴) از پالی مارواڑ مرسلہ عثمان غنی ولد عبد الرحمن جی سوجت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج کرنے کے واسطے یہاں سے شعبان میں روانہ ہو کے تو ہندیوں کے واسطے میقات دریا میں آجاتی ہے تو اب یہ احرام باندھ کر آگے جائے تو اس وقت یعنی احرام باندھنے کے وقت کیا نیت کرنی چاہئے۔

الجواب اگر شعبان مہینہ میں حج کے لئے جاتا ہے اور اس کا ارادہ پہلے کہ معظمہ ہی جانے کا ہے تو میقات سے عمرہ کا احرام[1] باندھ کر جائے اور عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام کھول ڈالے رمضان شریف میں عمرہ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے حدیث میں ارشاد فرمایا عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ معی یعنی رمضان میں عمرہ ایسا ہے جیسا میرے ساتھ حج کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۶۵) مسئولہ ولایت حسین خیاط محلہ بہار پور بریلی ۵ رجب ۱۳۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کی جانب سے مبلغ چار سو روپے برائے حج بدل عمرو عازم حج کو دے کر کہا کہ جو شخص تمہاری نظر میں معتبر ہو اسکو حج بدل کے واسطے آمادہ کر کے اپنے ہمراہ لے جاؤ چنانچہ عمرو نے وہ رقم لیکر زید سے کہا کہ اس میں سے جو کچھ پس انداز ہو گا وہ میں واپس دونگا اور اگر بیس تیس روپے زائد صرف ہوں گے وہ میں اپنے پاس سے خرچ کر دوں گا۔ بکر کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً روانہ ہوا بکر نے قران کا احرام باندھا بعد فراغت ارکان حج کے سبب کی خرچ مدینہ طیبہ کی حاضری میں تردد پیدا ہوا اور بکر کو یہ حدیث مبارکہ من حج ولم یزرنی فقد جفانی یاد آئی اور نیز اس امر کا خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ زید کہیں معترض نہ ہو کہ تم مدینہ طیبہ کیوں نہیں گئے اور حج ناقص کیا تو کیا جواب ہو گا پس اس بارے میں عمرو سے مشورہ کیا۔ عمرو نے فوراً ایک خط واسطے روانگی خرچ زید کو بھیجا اور در صورت عدم حصول جواب اور انتظار مناسب کے عمرو نے بکر سے کہا کہ اگر تم مدینہ طیبہ چلنا چاہتے ہو تو ہم ساتھ چلو اور خرچ مجھ سے لو وطن پہنچکر مجھے دیدینا۔ بکر نے منظور کیا اور حسب وعدہ بعد مراجعت سفر حرمین شریفین وطن آکر مبلغ

---

[1] یہ حکم آفاقی کے لئے ہے۔ اگر شعبان میں جانے والا تمتع کرنا چاہے گا تو اسے شوال تک حالت احرام میں رہنا پڑے گا۔ اور اگر قران کرے یعنی حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھے یا افراد کرے صرف حج کا احرام باندھے تو اسے دس ذی الحجہ تک حالت احرام میں رہنا پڑیگا، یہ بہت دشوار ہے اسلئے صرف عمرے کے احرام باندھنے کا مشورہ دیا واللہ تعالیٰ اعلم اجملی۔

ایک سو پانچ روپئے کے سو روپے ادا کئے۔ اور فہرست کل صرف اخراجات حسب المطلب زید کے پاس بھیجدی اور زبانی بھی بیان کر دیا مگر زید نے محض خاموشی اختیار کی اور زائد خرچ ادا نہیں کیا۔ صورت مسؤلہ میں شرعاً زید علاوہ رقم چار سو روپئے کے صرف زائد کا دین دار ہے یا نہیں۔ اور بکر پانے کا مستحق ہے یا نہیں فقط۔ بینوا توجروا

الجواب ۔ جبکہ زید نے صرف حج کے لئے کہا اور مدینہ طیبہ کے اخراجات زید نے اپنے ذمے نہیں لئے، تو یہ اخراجات جو مدینہ طیبہ کے آنے جانے میں خرچ ہوئے زید پر یہ دینا لازم نہیں، بکر نے عمرو سے قرض یہ روپئے لئے اب بکر ہی اپنے پاس سے یہ روپے ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تمت بالخیر

فہرست مضامین فتاویٰ امجدیہ

مضمون	صفحہ

۷۸۶
۹۲

فتاویٰ امجدیہ مکمل

چار جلدوں میں

تصنیف :۔ صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز
تعلیق :۔ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی

فقیہ اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ مصنف بہار شریعت کی علمی جلالت و فقہی بصیرت محتاج تعارف نہیں موصوف نے فقہ حنفی کی معتبر و مستند انسائیکلوپیڈیا (بہار شریعت) تصنیف فرماکر عالم اسلام پر جو عظیم ترین احسان فرمایا ہے۔ رہتی دنیا تک اُسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اسی نابغہ روزگار شخصیت کی ایک اہم فقہی تصنیف زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہے جو مسائل واحکام کے اعتبار سے ایک دوسری بہار شریعت اور دلائل وابحاث کی حیثیت سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ سلیس اور عام فہم زبان میں توضیح وتشریح کے اعتبار سے عوام وخواص اور علماء وفضلا کیلئے بے پناہ افادیت کی حامل ہے علاوہ ازیں اس کتاب پر نائب مفتی اعظم ہند ودیگر اکابر علماء اسلام کی عالمانہ ومحققانہ تعلیق وتعارف نے کتاب کی اہمیت وافادیت میں غیر معمولی اضافہ فرمادیا ہے

لہٰذا ارباب علم اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ خود بھی اس گرانقدر کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اسکے مطالعہ سے استفادہ کا شوق پیدا فرمائیں۔